ماہنامہ
دلیل راہ
لاہور
جنوری، فروری 2010ء، صفر المظفر 1431ھ

نعت شریف

دل میں گر ہو موجزن حبِ نبی اچھی بھلی
پھر تو ہو جائے یقیناً زندگی اچھی بھلی

ذکرِ سرکارِ دوعالم راحت و تسکینِ جاں
فکرِ انساں کو ملی ہے تازگی اچھی بھلی

آدمی آگاہ رمزِ لاالٰہ سے ہو گیا
ہو گئی خالق کی اس کو آگہی اچھی بھلی

نعت ہی میں آپ کی اترا ہے قرآنِ حکیم
خود خدا کرتا ہے مدحت آپ کی اچھی بھلی

ہوں گے دنیا میں اگرچہ بیسیوں اچھے مقام
ہے مگر طیبہ نگر کی ہر گلی اچھی بھلی

اشرفِ مخلوق کو دکھلا کے راہِ مستقیم
آپ نے کی دنیا بھر کی رہبری اچھی بھلی

توڑ ڈالے کعبۂ دل سے تعصب کے صنم
کمتر و برتر کو دے دی ہمسری اچھی بھلی

گنبدِ خضرا کی ہے تصویر لوحِ دل پہ نقش
آنکھ میں رہتی ہے صورت ہاشمی اچھی بھلی

جب سے حرزِ جاں بنایا ہے درودِ پاک کو
زندگی میری سنورتی ہی گئی اچھی بھلی

درد کا درماں بنی اور ہر مصیبت کا علاج
خاکِ طیبہ کی مجھے کتنی لگی اچھی بھلی

جس کا دل مسکن ہو بوبکر و عمر، عثمان کا
ایسے دل میں ہوتی ہے یادِ علی اچھی بھلی

ہر بیاں تائب خلوص و پیار کا آئینہ دار
نعت کی صنفِ سخن ہے شاعری اچھی بھلی

عبدالغنی تائب

نعت پڑھ کر ہم سنائیں مرحبا
دل خوشی سے جھوم جائیں مرحبا

خانۂ دل میں سمائیں مرحبا
اپنے آقا کی ادائیں مرحبا

ہم کہاں ہیں کون ہیں کیا نام ہے
ساری باتیں بھول جائیں مرحبا

پھر ہوا ذکرِ محمد مصطفیٰ
پھر چھٹیں غم کی گھٹائیں مرحبا

کس قدر جاں بخش ہیں اللہ رے
شہرِ آقا کی ہوائیں مرحبا

خاک کے ذرے دیارِ پاک کے
اپنے ماتھے پر سجائیں مرحبا

جب کبھی مسرورؔ حالِ دل کہوں
ہونٹ میرے کپکپائیں مرحبا

مسرور کیفی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کمال کس کو میسّر ہوا ہے بے تگ و دو

لاہور راوی کے کنارے ایک آستانِ رحمت ہے جو شاہ و گدا سب کے لئے یکساں فیض کا سرچشمہ بنے ہوئے ہے۔ آئینہ تاریخ میں جھانکنے سے اس مردِ خدا کی مرقد منور پر اگر ایک طرف سلطان ابراہیم غزنوی کھڑے دکھائی دیتے ہیں تو دوسری طرف خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ روحانی فیوض سے بہرہ ور ہوتے نظر آتے ہیں۔ اکبر و شاہجہان اور ایوب و جہانگیر اگر ان کی تربت رحمت کی مٹی اپنی مانگ میں سجانا اعزاز تصور کرتے ہیں تو اقبال ایسا شاعر داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے قدمین میں بیٹھ کر اسرار خودی پیش کرتے ہوئے نغمہ سرا ہونا فخر گردانتا ہے۔

سید ہجویر مخدوم امم
مرقد او پیر سنجر را حرم

سید ہجویر اپنے مرشد کے حکم پر برصغیر پاک و ہند کی تاریخ تبدیل کرنے کے لئے لاہور روانہ ہوئے تو سب سے پہلے ایک مسجد تعمیر کی۔ اس میں آپ نے علمی، دینی، روحانی اور مذہبی جوش اور تحریک سے خدمت اسلام کا مقدس کام شروع کیا۔ یہ کہنا مبالغہ نہیں حقیقت ہے کہ جب آپ سرزمین پنجاب پر جلوہ فروز ہوئے تو بے دینیوں کی تاریک رات چھائی ہوئی تھی لیکن چونتیس سال اتنی زبردست محنت فرمائی کہ برصغیر کے خطے بقعۂ نور بن گئے، ظلمتیں چھٹ گئیں اور ہر سو ایسے اُجالے بکھرے کہ گھر گھر میں حضور اکی سنتوں کی خوشبو محسوس ہونے لگ گئی۔ داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تیار شدہ مسجد کعبہ پنجاب کہلائی۔ آپ کی انسان دوستیوں اور غریب پروریوں کی بنا پر گنج بخش کا لقب آپ کے لئے مشہور ہو گیا۔ آپ کے حاسدین نے ''ہزار داتا'' کے لقب اپنے لئے گھڑے لیکن ان کی ریاکاری بھری تاریخ پیوند خاک بن گئی لیکن داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے خلوص کا سورج افق حیات پر اس طرح ابھرا کہ اس کی تابندہ کرنیں زمانوں پر محیط ہو گئیں اب تو لگتا ہے کہ قلندروں، غوثوں اور خطیبوں کی تاج پوشی دربار داتا پر ہی ہوتی ہے، یہ کہنا غلط نہیں ہے روح صدق ہے۔

صوفیاں را پیشوا و عالماں را مقتدا
ترجمان اولیاء و اذکیا و اتقیا

نظروں، نگاہوں اور توجہات سے شاہ و گدا کی جھولیاں بھرنے والے سید علی ہجویری

اپنے لقب ''گنج بخش'' پر کتنی خوبصورت اور بصیرت افروز تحریر نوازی فرماتے ہیں:

''اے علی!

تجھے مخلوق خدا گنج بخش کہتی ہے اور تیرے پاس تو اپنا ایک دانہ بھی نہیں۔ دل میں لوگوں کی محبت کی وجہ سے یہ خیال نہ آنے دینا ورنہ غرور اور تکبر محرومی لا سکتے ہیں۔ اللہ ہی خزانے بخشنے والا ہے۔ علی! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا، معبود تو صرف اللہ ہی ہے اس کا کوئی شریک نہیں''۔

داتا جس عظیم خانوادہ کے ساتھ تعلق رکھتے تھے حضور نبی کریم علیہ السلام نے انہیں بشارت دی تھی کہ قرآن اور سادات کا خاندان تا قیامت ساتھ ساتھ رہیں گے۔ سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے تبلیغ دین کی بنیاد قرآنی تعلیمات کا فروغ ہی قرار دیا۔ آپ فرماتے ہیں:

''سنی جانے والی جتنی بھی چیزیں ہیں ان میں قرآن مجید سننے کا درجہ سب سے بلند ہے، اس سے دل اور دماغ دونوں روشن ہوتے ہیں اور یقین اور ایمان میں طاقت پیدا ہوتی ہے اور کائنات کے متعلق حیات افروز درس قرآن حکیم ہی سے ملتا ہے''۔

طلب کی راہ پر چلنے والوں کے لئے داتا رحمۃ اللہ علیہ کی عزلت نشینی نہ نکاح طلبی، نہ ولا دخواہی، ھواللہ ھو کی زندگی حیرانگی رکھتی ہے لیکن قائدہ کلیہ ہے:

آنکس کہ ترا شناخت جاں راچہ کند
فرزند وعیال و خانماں را چہ کند
دیوانہ کن ہر دو جہانش بخش
دیوانۂ تو ہر دو جہاں راچہ کند

سید داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ لکام کی پہاڑیوں میں اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور شیخ انہیں دنیا کا مقام بتاتے ہیں۔ حضرت ختلی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد گرامی داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک حیات بن جاتا ہے۔

الدنیا یوم
و لنا فیھا صوم

''دنیا ایک دن ہے اور ہم اس میں روزے سے ہیں''۔

داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن اپنے پیر و مرشد کو وضو کرا رہا تھا۔ دل میں خیال گزرا جب ہر کام تقدیر سے متعلق ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اپنے آزاد بندوں کو امید کی بنا پر غلام کیوں بناتا ہے۔

آپ کرامت کے طور پر میرے خیال سے آگاہ ہو گئے اور فرمانے لگے:

''لڑکے جو تو نے سوچا ہے میں نے اسے جان لیا ہے۔ اس بات کو یاد رکھ کہ ہر کام کے لئے کوئی نہ کوئی سبب ہے، جب اللہ کمتر بندے کو کرامت کا تاج پہنانا چاہتا ہے تو اس کے لئے کوئی سبب ظاہر ہوتا ہے اور اسے تو یہ نصیب ہو جاتی ہے اور دوست کی خدمت میں مشغول کر دیتا ہے اور پھر یہ خدمت اس کی عزت کا سبب بن جاتی ہے''۔

حضرت داتا صاحب فخر اور محبت سے یہ بات نقل کرتے ہیں۔

حضرت ختلی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے وقت آپ کا سر مبارک میری گود میں تھا۔

آخری نصیحت جو بابا نے فرمائی وہ یہ تھی۔ نصیحت کی وجہ یہ تھی، شیخ کی جدائی کے تصور نے میرے دل پر اثر ڈالنا شروع کر دیا تھا۔ آپ نے فرمایا:

''بیٹے! میں تجھے عقیدے کا ایک مسئلہ بتاتا ہوں۔ اگر تو اپنے آپ کو اس پر چلائے گا تو درد و تکلیف سے مامون رہے گا۔ ہر جگہ ہر حال میں نیک ہو یا بد اللہ ہی پیدا کرتا ہے، مناسب یہی ہے کہ اس کے فعل پر تو جھگڑا نہ کر اور دل میں رنج اور غم کو جگہ نہ دے''۔

حضرت سید علی ہجویری قدس سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں:

''ان علماء کی صحبت سے بچو جنہوں نے دنیا کو اپنے دل کا کعبہ بنا رکھا ہے، وہ لوگ شریعت میں آسانیاں تلاش کرتے رہتے ہیں، سلاطین وقت کی پرستش کرتے ہیں، ظالم لوگوں کا دامن پکڑے ہوتے ہیں، اہل دنیا کے دروازوں کا طواف کرتے ہیں، مخلوق میں عزت کے حصول کے لئے تگ و دو کرنا محراب گردانتے ہیں۔ تکبر، غرور اور خود پسندی ان کا شعار ہوتا ہے۔ دانستہ اپنی باتوں میں سوز اور درد ظاہر کرتے ہیں۔ اکابر مشائخ کے بارے میں طعن کی زبان دراز کرتے ہیں۔ اگر تم انہیں دنیا و مافیہا کی نعمتوں سے مالا مال کر دو پھر بھی اپنی رکیک حرکتوں سے باز نہیں آتے''۔

سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لائق تقلید کون ہیں۔ آپ اس راز سے پردہ ہٹاتے ہیں:

''صاحب استقامت ہی اس لائق ہے کہ اس کی تقلید کی جائے۔ گردش احوال کا جو لوگ شکار ہو جائیں ان کی اقتدا درست نہیں ہوتی۔ وہ لوگ جو محبت کا صرف دعویٰ کریں لیکن محبت ان کا حال نہ ہو ایسوں کی پیروی محال ہے''۔

سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تصوف حرکی تھا، وہ دوسروں کے لئے جینے کو کس نظر سے دیکھتے تھے، ملاحظہ ہو۔

آپ فرماتے ہیں:

''آخرت کی فلاح دنیوی مجاہدے کا ثمر ہے۔ جب تک دنیا میں خدمت اور عبادت نہ کی جائے آخرت میں اللہ کا قرب نہیں مل سکتا۔ خدمت ہی وصول حق کا ذریعہ ہے''۔

سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اللہ کے بندوں کو مشورہ دیتے ہیں کہ وہ خواہشات کی غلامی سے بچ کر اپنے آپ کو ضائع ہونے سے بچالیں۔

''نفس کی سب سے بڑی مضرت اور آفت شہوت ہے اور اس کا مطلب انسان کے تمام اعضا میں انتشار پیدا ہونا ہے۔ بندہ مکلف ہے اس بات کا کہ وہ ان رکیک چیزوں سے بچے۔ قیامت کے دن ہر عضو سے صادر شدہ افعال کے بارے میں سوال ہوگا۔ آنکھ کی شہوت دیکھنا، کان کی شہوت سننا، ناک کی شہوت سونگھنا، زبان کی شہوت بولنا، جسم کی شہوت چھونا ہے۔ طالب حق پر لازم ہے کہ اپنے وجود کا حاکم بن کر اس کی حفاظت کرے یہ مردانگی ہے''۔

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ایمان کی علامات پر گفتگو کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''ایمان کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ بندہ دل سے توحید تسلیم کرے، آنکھ کو ممنوع باتوں سے بچائے، اللہ کی نشانیوں سے عبرت حاصل کرے، کانوں سے قرآن کی سماعت کرے، معدے کو حرام چیزوں سے بچا کر رکھے، زبان سے سچ بولے، بدن کو منہیات سے اس قدر محفوظ رکھے کہ باطن ظاہر

سے متحد ہو جائے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ایمان کی حقیقت توکل علی اللہ کی حفاظت ہے"۔

حضرت سیدنا داتا پاک رحمۃ اللہ علیہ کو نماز کس قسم کی پسند تھی۔ کشف المحجوب کا ایک پیراگراف ملاحظہ ہو:

"جب نبی پاک نماز پڑھتے تو آپ کے سینہ مبارک میں ایسا جوش اٹھتا جیسے دیگ میں جوش آتا ہے۔ امیر المومنین حضرت علی ؓ جب نماز کا ارادہ فرماتے آپ کے جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی، فرماتے اب اس امانت کے ادا کرنے کا وقت آ گیا ہے جس کا بار زمین اور آسمان اٹھانے سے عاجز رہے تھے"۔

حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بزرگ کے حوالے سے یہ حکایت نقل کی کہ انہوں نے حضرت حاتم اصم سے پوچھا آپ نماز کس طرح ادا فرماتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا جب نماز کا وقت آتا ہے، ایک ظاہری وضو کرتا ہوں اور ایک باطنی وضو کرتا ہوں۔ ظاہری وضو پانی سے کرتا ہوں اور باطنی وضو توبہ سے کرتا ہوں، پھر جب مسجد میں داخل ہوتا ہوں تو مسجد حرام کے سامنے دو ابروؤں کے درمیان مقام ابراہیم دیکھ رہا ہوتا ہوں۔ اپنے سیدھے ہاتھ جنت اور الٹے ہاتھ دوزخ کو دیکھ رہا ہوتا ہوں۔ خیال ہوتا ہے کہ میرے پاؤں پل صراط کے اوپر ہیں اور موت کا فرشتہ میرے پیچھے کھڑا ہے۔ اس حال میں کمال عظمت کے ساتھ تکبیر، حرمت کے ساتھ قیام، ہیبت کے ساتھ قرأت، تواضع کے ساتھ رکوع، تضرع کے ساتھ سجدہ، وقار کے ساتھ جلسہ اور شکر اور اطمینان کے ساتھ سلام پھیرتا ہوں۔

فضیلت اور ولایت پر حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ گوہر فشانی فرماتے ہیں:

"اپنی فضیلتوں کو دیکھنے والا کبھی صاحب فضیلت نہیں ہوتا اور اپنی ولایت کو زیر نظر لانے والا کبھی صاحب ولایت نہیں رہتا۔ عظمت تو دونوں سے بے خبری کا نام ہے، آپ نے شاہ شجاع کرمانی کا ارشاد نقل کیا کہ صاحب فضیلت کو اس وقت تک فضیلت ہے جب تک وہ اپنی فضیلت کو نہ دیکھے۔ جب اسے دیکھ لیا تو اب اس کی کوئی فضیلت نہیں۔ ایسے ہی ولی اللہ کے لئے اسی وقت تک ولایت ہے جب تک کہ وہ اس کی نظر سے پوشیدہ ہے، جب اسے ولایت نظر آئی تو سمجھ لو کہ اب اس کی ولایت نہیں رہی"۔

علما و مشائخ اور سلاطین کے بارے میں حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا خوبصورت ارشاد ملاحظہ ہو:

"امرا اور سلاطین کی خرابی ظلم و ستم اور علماء کی خرابی حرص اور طمع کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے اور فقراء کی بربادی جاہ و منصب کی خواہش میں رونما ہوتی ہے۔ سلاطین علما سے منہ نہ موڑیں تو وہ برباد نہیں ہوتے اور جب تک علماء بادشاہوں کی صحبت سے اجتناب کریں خراب نہیں ہوتے اور جب تک مشائخ میں جاہ و حشم کی خواہش پیدا نہیں ہوتی وہ تباہ نہیں ہوتے۔ اس لئے کہ سلاطین کا ظلم بے علمی، علماء میں طمع بددیانتی اور فقرا میں جاہ و منصب کی خواہش بے توکلی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، لہٰذا بے علم بادشاہ، بددیانت عالم اور بے توکل فقیر بہت برے ہوتے ہیں"۔

حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں مقام کیا ہے اور حال کسے کہتے ہیں۔ رائے کی نفاست اور درد محبت کی گہرائی ملاحظہ ہو:

"حال اس معنی کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کے دل پر طاری ہو اور وہ شخص اپنے اختیار اور قدرت سے اسے دور نہ کر سکے اور یہ بھی کہ حال کسی محنت اور مجاہدے سے حاصل بھی نہیں کیا جا سکتا"۔

''مجاہدے اور ریاضت کی راہوں میں طالب کی جائے اقامت کا نام مقام ہے اور جو کیفیت بغیر مجاہدے کے دل پر وارد ہو وہی حال ہے۔ مقام اعمال کے قبیل سے ہے اور حال وہبی ہے۔ اللہ کی بخشش دوسرا نام ہے۔ صاحب مقام قائم رہنے والا ہوتا ہے اور صاحب حال فانی ہوتا ہے''۔

حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مقام پر حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خوبصورت قول نقل کیا ہے:

''وہ شخص جو دنیا میں عزت اور آخرت میں شرف کا ارادہ رکھتا ہو اسے تین کاموں سے اجتناب کرنا چاہیئے: ایک یہ کہ کسی سے اپنی ضرورت کی تکمیل نہ چاہے، دوسرا یہ کہ کسی بھی شخص کو برا نہ کہے اور تیسرا یہ کہ کسی کی دعوت طعام قبول نہ کرے''۔

حضرت سیدنا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے منصب قضا سے پہلو تہی پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

''یہ حکایت اس امر کی قوی دلیل ہے کہ صحت و سلامتی کے لئے منصب سے کنارہ کشی بہتر ہے حالانکہ آج حالت یہ ہے کہ لوگ جاہ و منصب اور قضا و عدالت کی خاطر سرگرداں رہتے ہیں اس لئے کہ لوگ راہ حق و صواب سے بہت دور ہٹ چکے ہیں۔ لوگوں نے امرا کے دروازوں کو قبلہ حاجات بنا لیا ہے اور ظالموں کے گھروں کو اپنا بیت المعمور سمجھ رکھا ہے اور جابر ظالم لوگوں کی مسند کو قاب قوسین او ادنیٰ کے برابر جان لیا ہے''۔

داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی پاکیزہ زندگی ہمیں درس دیتی ہے کہ ہم اپنے دلوں کو ''ماسوی اللہ'' سے خالی اور فارغ کر دیں اور محبوب حقیقی کی کشش کو اپنے دل کا حال بنائیں، بڑا خوش بخت آدمی ہوتا ہے جس کی زندگی کا مقصد اللہ کی رضامندی بن جائے۔ اہل اللہ کی زندگی تو اسی درد میں گزرتی ہے وہ مخلوق کو آواز مارتے رہتے ہیں۔

سر رشتۂ دولت اے برادر بکف آر
ویں عمر گرامی بہ خسارت مگذار
دائم ہمہ جا باہمہ کس در ہمہ کار
می دار نہفتہ چشم دل جانب یار

دعاؤں کا طلبگار

سید ریاض حسین شاہ

حرف حرف روشنی

سید ریاض حسین شاہ قرآن مجید فرقان حمید کی تفسیر "تبصرہ" کے عنوان سے تحریر کر رہے ہیں۔ ان کا اسلوب نگارش منفرد اور دیگر مفسرین سے مختلف بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ انداز بیان سادہ اور دلکش ہے جس میں رموز و معانی کا سمندر موجزن ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم قارئین کی دلچسپی کے لیے سورہ نبا کے دوسرے حصے کی تفسیر پیش کر رہے ہیں (ادارہ)

سید ریاض حسین شاہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ﴿١٣﴾ وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ
مَآءً ثَجَّاجًا ﴿١٤﴾ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ﴿١٥﴾ وَّجَنّٰتٍ
اَلْفَافًا ﴿١٦﴾ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا ﴿١٧﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ
فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ﴿١٨﴾ وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ
اَبْوَابًا ﴿١٩﴾ وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ﴿٢٠﴾ اِنَّ
جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿٢١﴾ لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا ﴿٢٢﴾ لّٰبِثِيْنَ
فِيْهَآ اَحْقَابًا ﴿٢٣﴾ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ﴿٢٤﴾

اور بنایا ہم نے ایک روشنی اور گرمی دینے والا چراغ۔ اور ہم نے فیض بار بادلوں سے موسلا دھار پانی اتارا۔ تاکہ پیدا کریں اس کے ساتھ اناج اور نباتات۔ بے شک فیصلہ کا دن مقرر ہے۔ جس روز صور پھونکا جائے گا تو آؤ گے تم فوج در فوج۔ اور کھول دیا جائے گا آسمان پھر بن جائیں گے دروازے۔ اور چلا دیے جائیں گے پہاڑ پھر وہ ریزہ ریزہ ہو کر پانی ہونے کا گمان پیدا کریں گے۔ بے شک جہنم گھات لگائے ہے۔ سرکشی کرنے والوں کا ٹھکانہ۔ اس میں وہ لوگ مدتوں رہیں گے۔ نہ اس میں ٹھنڈک کا مزہ پائیں اور نہ ہی کسی مشروب کا۔

وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ﴿۱۳﴾

''اور بنایا ہم نے ایک روشنی اور گرمی دینے والا چراغ''۔

اس آیت کے تفسیری فہم کے لئے غور و فکر کی تین جہتیں ہیں:

پہلی: جَعَلْنَا

دوسری: سراج

اور تیسری سورج کا وھاج ہونا۔

جعلنا ''یعنی ہم نے بنایا'' مقصد آیت کو بے نقاب کرتا ہے۔ زور اس بات پر نہیں کہ ہم سورج کی تاریخ اور تاثیر میں کھو جائیں بلکہ زور اس بات پر ہے کہ یہ نور و حرارت رکھنے والا سورج ہم نے بنایا ہے اور جو ایک مرتبہ تخلیق پر قادر ہے اس سے تخلیق تو محال نہیں، یہ صرف ایک سورج کا معاملہ نہیں اللہ کے لئے ساری کائنات کو پھر سے نئی تخلیق اور تجمیل کا جامہ پہنا دینا ناممکن نہیں۔ استدلال کا منظر نامہ ملاحظہ ہو نعمتوں کا بیان بھی چل رہا ہے اور اس آئینہ میں آخرت کی تصویر بھی بتائی جا رہی ہے۔

قرآن حکیم نے جو کچھ سورج کے بارے میں کہا وہ ایک الگ تحقیق ہے جو قاری قرآن ''شمس'' کے حوالے سے قرآن حکیم کی مختلف اجزا میں بکھری ہوئی آیات میں مطالعہ کر سکتا ہے۔ نزول قرآن سے پہلے عربوں کی سورج کے بارے میں معلومات کا مصدر یونانی تھے، بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ فلکیات کی دنیا میں اب بھی یونانی ماہرین کی آرا کو اہمیت دی جاتی ہے۔ ان کے مطابق سورج شمسی سال میں زمین کے گرد مشرق سے مغرب کی طرف گردش کرتا ہے ان کے خیال میں سورج کے مدار کا مرکز زمین کے مرکز کے مطابق نہیں ہے بلکہ اس سے ہٹا ہوا ہے۔ چار موسموں میں پھیلاؤ اور سکڑاؤ اسی وجہ سے ہوتا ہے۔

علم فلکیات کے ماہرین میں سے ایک طبقہ کا خیال ہے کہ سورج کرّے کی شکل کا ایک ٹھوس جسم ہے وہ اپنے مدار میں سے کہیں سے بھی باہر نہیں نکلتا۔

سورج کی حرکت میں دو نقطے اہم سمجھے جاتے ہیں ایک وہ جس پر سورج زمین سے قریب ترین ہوتا ہے اسے حضیض یا ''بعد اقرب'' کہتے ہیں۔ دوسرا نقطہ وہ ہے جس پر سورج زمین سے بعید ترین ہوتا ہے۔ اسے اوج یا ''بعد ابعد'' سے تعبیر کرتے ہیں۔

البنانی کے مطابق اوج پر سورج کی حرکت انقلابی ہوتی ہے اور ممکن ہے یہ اختلال زمین کے مدار میں چاند کی کشش ثقل کی وجہ سے ہو۔ وقت کی تقسیم سورج کی دو مختلف حرکتوں پر مبنی ہے۔ پہلی وہ حرکت ہے جو خارج المرکز کے ساتھ ایک شمسی سال میں پوری ہوتی ہے اس عرصہ میں سورج بارہ برجوں سے گزرتا ہوا اس نقطہ پر پہنچ جاتا ہے جہاں سے وہ چلتا ہے اس سے موسم بہار کا آغاز ہوتا ہے۔

البنانی نے شمسی سال کی مدت تین سو پینسٹھ 365 دن، پانچ ساعات، چھیالیس دقیقے اور چوبیس ثانیے شمار کی ہے جبکہ اصل میں دقیقے 48 اور ثانیے 47 ہیں۔

دوسری حرکت وہ ہے جس میں کرہ سماوی کے زمین کے گرد گھومنے کے باعث سورج آسمان پر اپنا یومیہ دور مشرق سے مغرب تک پورا کرتا ہے۔ اوقات نماز کی پہچان سورج کی اسی حرکت سے تعلق رکھتی ہے۔

محققین کا کہنا ہے کہ سورج کرہ زمین سے تقریباً ایک ملین اور تین لاکھ گنا بڑا ہے اور اس کا فاصلہ تقریباً ایک سو پچاس ملین کلومیٹر ہے اور سورج کی بیرونی حرارت بیس ملین درجہ سے قریب ہے۔

آیت کی تفہیم میں تیسری جہت سورج کا وھاج ہونا ہے۔ وھاج روشنی اور حرارت دینے والا ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ سورج کی روشنی اور نور کا تجربہ کرنے کے لیے کسی رصدگاہ میں جانے کی ضرورت نہیں ہوتی ایک عام انسان بھی بند کمروں میں بیٹھ کر اندازہ لگا سکتا ہے کہ سورج کا ارضی فیضان موجودات کو کتنا نوازنے والا ہوتا ہے۔ اس پر مستزاد سورج کی حرارت ہی سے بادلوں سے پانی کشید ہوتا ہے۔ گھنگھور گھٹائیں آسمان پر لہرا لہرا کر ''قیم الشمس'' کی تسبیح پڑھتی ہیں۔ ہواؤں کا چلنا، باد نسیم کا اٹھکیلیاں کرنا، باد صحیم کا زندہ موجودات کو لوریاں دینا، زمین کے خشک حصوں کی آبیاری اور فصلوں کا پکنا ان سب چیزوں کا منبع سورج ہے اور مزے کی بات یہ ہے کہ سورج سب کچھ دیتا ہے لیکن قیمت وصول نہیں کرتا۔

انتری دایت نے کتنا خوبصورت تخمینہ لگایا ہے کہ فرض کریں ہم زمین پر بجلی کی قیمت ایک پیسے فی گھنٹہ دیں تو سورج جو روشنی اور حرارت ایک گھنٹہ میں دیتا ہے اس کی قیمت ہمیں ایک ارب اور سات سو ملین ڈالر ادا کرنی پڑے۔

قارئین!

اب قرآن مجید کی آیت کی تلاوت فرمائیں اس کے معانی میں اتریں اور اس کے پیغام کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ کی عطاؤں میں انسانوں کے لئے کتنی رحمت کا اہتمام ہے لیکن انسان ہے کہ فکر و نظر کا بھگوڑا بن کر معصیتوں میں الجھا ہوا ہے۔

آیت کا تفسیری عمود تو خالق الارض والسما پر یقین اور ایمان پیدا کرتا ہے اور اس حقیقت کا گھونٹ بھر کر باطن کی دنیا کو جلا بخشتا ہے کہ وقوع آخرت ناممکن نہیں جس کے حکم پر ہم دنیا میں آئیں ہیں اسی کے حکم پر دنیا سے جائیں گے اور اسی کے حکم پر پھر اس کے سامنے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ (الجامع الاحکام القرآم: قرطبی، ایضاً شیخ زادہ: حاشیہ بیضاوی، ایضاً تفسیر کبیر: رازی، ایضاً تفسیر طنطاوی: علی طنطاری، انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ایضاً برٹھیکا ایضاً دنیائے سیارگان: اختری وایت، روح البیان: اسماعیل حقی، کلیات تصوف: محی الدین ابن عربی کتاب الابدال: جلال الدین سیوطی، تلخیص رسالہ الابدال: فیض احمد اویسی)

وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ﴿۱۴﴾

"اور ہم نے فیض بار بادلوں سے موسلا دھار پانی اتارا"۔

قرآن حکیم نے سورج کی روشنی اور منور کرنوں اور روشنی کی لہروں کے باطن میں سلگتی حرارت کے اثرات زندگی پر کیسے اثر انداز ہوتے ہیں، معجزانہ اسلوب میں بیان فرمائے ہیں اور نور و حرارت کے سرچشمے کو "تکوین" کے پردہ پر قدرت الٰہیہ کا نشان بنا کر ظاہر کر دیا۔ اعجازِ قرآنی کی یہ خوبصورت تصویر جب قرآن پڑھنے والے کے دل میں اتر گئی تو بیان کا رخ باران رحمت کی فیض گستریوں کی طرف پھیر دیا اور فرمایا ہم نے رس بار بادلوں سے تیز برسنے والا پانی اتارا۔

معصرات معصر کی جمع ہے۔ اس کا لغوی معنی دبانا اور نچوڑنا ہوتا ہے۔ بادل جب تیز ہواؤں کی دوش پر آپس میں ٹکراتے ہیں تو گویا وہ ایک دوسرے کی مدد کے ساتھ خود کو دباتے اور نچوڑتے ہیں، پیاسی زمین گھنگور گھٹاؤں میں چھپے پانی کے بھرے ڈولوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے تاکہ اس کی تشنگی دور ہو سکے گویا زمین میں طلب پیدا ہوتی ہے اور بادلوں میں آمادگی جنم لیتی ہے **معصرات** اسم فاعل ہے جو برسنے کی طرف خوبصورت اشارہ ہے۔

قارئین قرآن!

اللہ تعالیٰ کا کلام معجزانسان کے اندر جمالیاتی حسوں اور ادراکات کو بیدار کرتا ہے اور اسے ایک گہری فکر اور لذیذ سوچ سے ہمکنار کرتا ہے کہ پانی کے دو ڈول اگر چھت پر چڑھانے پڑ جائیں تو کتنی دشواریاں محسوس ہوتی ہیں۔ فطرت نے کتنا کرم کیا ہے۔ رب قدوس کی رحمتوں نے کاروان انسانیت کو کس قدر نوازا ہے کہ وادیوں، گلستانوں اور تشنہ لب زمین کے مختلف گوشوں کو سیراب کرنے کے لئے پانیوں کے گویا دریا بارش کے قطروں میں سمو دیئے ہیں۔ **فیا سبحان اللہ**۔

لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ﴿۱۵﴾

"تاکہ پیدا کریں اس کے ساتھ اناج اور نباتات"

ان دو آیتوں میں زمین پر بارش کے تین اثرات بیان ہوئے۔ ہم نے بادلوں سے پانی اس لیے نچوڑا تاکہ اس کے ذریعے زمین سے غذائی فصلیں اور سبزہ پیدا کریں جو انسانی منفعت کو تکمیل پذیر کردے اور پھر اسی پانی کے ذریعے ایسے گلستان پیدا کردیں جن میں گھنے درختوں نے زمین کو چھپا رکھا ہو۔

بارش کے فیضان پر حضرت عکرمہ نے کتنا خوبصورت ارشاد صادر فرمایا:

"بارش کے خوبصورت قطروں کا فیضان دیکھو کہ زمین پر پڑے تو سبزہ اگے اور دریا میں گرے تو موتی بن جائے"۔

قرآن پڑھنے والے خوش بخت ساتھی!

فکر بند کمرے سے ذرا باہر نکل۔ اللہ کی زمین پر نظر ڈال، لہلہاتے کھیت، لب جو سرمستیاں کرتے پھول، برستی بارش کے فضائی جھرنے، کڑکتے گرجتے بادلوں کے نشاط آمیز گیت، باہوں میں باہیں ڈالے بدلیوں کی نازبداماں اٹھکیلیاں، دانوں سے لدی کمر خمیدہ فصلیں، پھول برساتی برف کے لاہوتی تحفے اور زمین پر جڑی بوٹیوں اور سبزوں کے بچھے قالین کیا تیری عقل اور شعور کو بیدار نہیں کرتے، ہر سال اور ہر موسم میں نئی اور تازہ فصلوں سے فیض گیر ہونے والے، وہ خدا، وہ الہ، وہ مالک الملک جو ہر موسم میں تازہ فصلوں سے نوازتا ہے کیا زندگی کی فصل یک دفعہ کاٹنے کے بعد پھر سے پیدا کرنے پر قادر نہیں؟

کم از کم اپنے شعور اور تجربے ہی سے ہدایت سیکھ لے اور یقین جان

حیات بعد الممات ناممکن نہیں۔ زندگی کی کٹی ہوئی فصل سے ایک بار پھر حیات رقص بداماں ہو کے کسی کے سامنے کھڑی ہو گی یہی تو آخرت ہے اور اسی پر قرآن ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے۔

اِنَّ یَوْمَ الْفَصْلِ کَانَ مِیْقَاتًا ﴿۱۷﴾

''بے شک فیصلہ کا دن مقرر ہے''

شیخ ابو مسعود نے لکھا (ارشاد العقل السلیم تفسیر القرآن: شیخ ابو مسعود) کہ اس آیت کے بیان سے اللہ تعالیٰ نے کافروں کا شبہ وہمی دور فرمایا اس لئے کہ کافرین مذاق سے یہ کہتے تھے کہ قیامت اب واقع ہو بھی جانی چاہئے، اس میں دیر کیوں ہے۔ اللہ رب العلمین نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کا دن اور وقت متعین ہے۔ یہ کھیل اور تماشا تھوڑا ہی ہے کہ لوگوں کے مطالبہ پر اس کی نمائش شروع کر دی جائے۔ یہ تو ایسے ہی ہے کہ آپ کسی بچے کو سمجھائیں کہ آدمی کو موت کے وقت بڑی تکلیف ہوتی ہے اور وہ اپنی نادانی اور حماقت سے یہ کہے کہ ذرا مجھے مار کر بتاؤ تاکہ میں دیکھوں تو سہی کہ موت کے وقت واقعی بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ کسی چیز کی حقیقت تسلیم کرنے کے لئے متواتر اخبار کافی ہوتی ہیں۔ قرآن حکیم کا یہ بلیغ وعظ کتاب صدق کا یہ واشگاف اعلان کہ فیصلے کے دن کے لئے ایک وقت متعین ہے۔ (الکتاب: زمخشری ایضاً، روح المعانی: آلوسی، ایضاً، فتح القدیر: محمد بن علی توسانی، ایضاً، سراج المنیر: شربینی ایضاً فی ظلال القرآن: سید قطب، ایضاً، مجمع البیان: طبری، ایضاً، کبیر: فخر رازی)۔

اسے نہ تو وقت معینہ سے مقدم کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی کسی کے مطالبے پر اسے مؤخر کیا جا سکتا ہے البتہ اس کے آثار بتلائے جا سکتے ہیں۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کو یوں ہی عبث چھوڑ دے۔ انسان انسان ہے وہ کیڑا نہیں کہ اسے پاؤں کے نیچے مسل دیا جائے اور وہ پیوند خاک ہو کر فنائے تام کی شکل دھار لے۔ انسان کو ایک مقصد کی خاطر پیدا کیا گیا ہے۔ تکمیل مقصد پر اچھے کو انعام حسن اور برے کو اس کے انجام تک پہنچانا عدل کا متقاضی ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ حسین اور یزید برابر ہو جائیں۔ ابو طالب اور ابولہب دونوں ایک جیسے نہیں ہو سکتے۔ میزان عدل میں ابو بکر اور ابو جہل کو برابر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ خوش اخلاقی اور بد اخلاقی کی قیمت میں مساوات نہیں ہو سکتی۔ عقل تقاضا کرتی ہے کہ ایک یوم الجزا ہونا چاہئے، نیک اور بد میں امتیاز کے لئے ایک دن ہونا چاہئے۔ جب نور والوں اور نار والوں میں فرق پتہ چل جائے سو قرآن پڑھنے والوں کو یہ عقیدہ پختہ رکھنا چاہئے فیصلے کا ایک دن معین ہے جب نظم و نسق کے الوہی بھید کھل جائیں گے ہر ایک کو پتہ چل جائے گا کہ جس کا وعدہ کیا گیا تھا وہ ہمارے روبرو ہے۔

یَّوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ﴿۱۸﴾

''جس روز صور پھونکا جائے گا تو آؤ گے تم فوج در فوج''۔

صور پھونکنے سے مراد وہ عظیم حادثہ ہے جب عالم وجود کی ہر چیز نیست و نابود اور بے ترتیب ہو جائے گی، زندگیوں کا نظام درہم ہو جائے گا، زندہ وجود موت کی آغوش میں چلے جائیں گے، جب دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو اس سے عالم ہستی میں زندگی کی لہر دوڑ جائے گی، وہ جو مر چکے ہوں گے زندگی کا جامہ پہن کر رب کبیر و عدل کے سامنے پیش ہوں گے اور بڑی قیامت بپا ہو جائے گی۔ زیر مطالعہ آیت میں صور سے مراد دوسرے حادثے کی طرف اشارہ کرنا ہے جب لوگ قبروں سے نکل کر خدا کے سامنے کھڑا ہونے کے لئے دوڑ پڑیں گے۔

آیت میں قبروں سے نکل کر اٹھنے کی کیفیت بیان ہوئی کہ تم فوج در فوج میدان حشر میں وارد ہو گے۔ قاری قرآن یہاں پر بجا طور پر سوچ سکتا ہے کہ سورہ مریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَ کُلُّهُمْ اٰتِیْهِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَرْدًا ﴿۹۵﴾

''اور سب اس کے پاس بروز قیامت تنہا آئیں گے''۔ (سورہ مریم: ۹۵)

سورہ ق میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَ جَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّ شَهِیْدٌ ﴿۲۱﴾

''اور حاضر ہو گا ہر نفس کہ اس کے ساتھ ایک ہانکنے والا اور ایک گواہ ہو گا''۔ (سورہ ق: ۲۱)

سورہ اسراء میں ارشاد باری ہے:

یوم تدعوا کل اناس بامامهم

بروز قیامت ہم ہر گروہ کو ان کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔ (سورہ اسرا: ۷۱)

جبکہ زیر بحث آیت میں فتاتون افواجا'' تم فوج در فوج حاضر ہو گے'' فرمایا گیا۔ ان آیات کے مضامین میں کوئی اختلاف نہیں بلکہ میدانِ قیامت میں حاضری کے مختلف مرحلوں کی تصویر کشی ہے، ممکن ہے اٹھنے کے وقت وہ دست ہر قدم امام اٹھیں اور حساب کے وقت ہر شخص فرداً فرداً پیش ہو یعنی حشور و نشور فوج در فوج ہو اور حساب و احتساب فرداً فرداً ہو۔ آیت میں فوج در فوج ہونے سے مراد اپنے اپنے امام اور پیشوا کے ساتھ اٹھنا ہے۔ ظاہر ہے یہ نظارا جب کھلے گا تو لوگ تیزی سے اپنے اپنے اماموں کے ساتھ امت بہ امت، جماعت در جماعت اور گروہ بہ گروہ اللہ کے حضور حاضر ہوں گے۔ ''فتاتون'' پر فا فصیحیہ ہے اور آیت میں محذوف الحال عبارت جن چیزوں کی وضاحت کرتی ہے وہ یہ ہیں کہ تم اچانک زندہ ہو کر حاضری کے لیے دوڑ پڑو گے، تمہاری رفتار میں تیزی حیرت، خوف اور منزل کے لئے بے تابی پر دلالت کرے گی۔ تم خود ہی چاہو گے کہ ازالہ کا خوف شاید جماعت کے ساتھ مل کر چلنے سے ممکن ہو جائے یوں تمہاری خواہشوں، چاہتوں اور آرزؤں کے امام تمہارے آگے ہوں گے اور تم مخصوص صفات کے حلیے پہنے منزل کی طرف رواں دواں ہو گے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث:

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضور انور ﷺ سے قبور سے نکل کر میدان حشر تک پہنچنے کے منظر سے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے اپنی مبارک آنکھیں نیچے جھکا لیں اور فرمایا میری اُمت کے اس وقت دس گروہ ہوں گے:

1۔ کچھ لوگ بندروں کی صورتوں میں اٹھیں گے۔
2۔ کچھ لوگوں کی شکلیں خنزیروں کی سی ہوں گی۔
3۔ ایک جماعت پاؤں اوپر اور سر نیچے کر کے چل رہی ہو گی۔
4۔ ایک گروہ اندھوں کا ہو گا۔
5۔ ایک ٹولہ گونگوں اور بہروں کا ہو گا۔
6۔ کچھ لوگ جن کی زبانیں سینہ پر لٹکی ہوں گی اور وہ انہیں منہ میں واپس لا رہے ہوں گے جبکہ منہ سے پیپ نکل رہی ہو گی۔
7۔ ہاتھ اور پاؤں کٹے ہوئے لوگ۔
8۔ سولی پر چڑھتے ہوئے لوگ۔
9۔ بدبودار وجود رکھنے والے لوگ۔
10۔ کالے تیل کے جبے پہنے لوگ

یہ تمام گروہ دنیا میں جس بری طرح فسق و فجور میں مبتلا تھے حضور ﷺ نے انہیں مختلف صورتوں میں دیکھا اور ان کے احوال بیان کرتے ہوئے نگاہ مبارک جھکا دی۔

سعادت مند لوگ جب قبروں سے اٹھیں گے تو ان کا منظر نامہ قطعاً اس سے جدا ہو گا۔ ثعلبی نے لکھا کہ ان کی صورتیں تو اتنی حسین ہوں گی کہ بعض لوگوں کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہے ہوں گے اور بعض کا چہرہ سورج کی طرح تابندہ ہو گا۔

(روح البیان: اسماعیل حنفی)

وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ﴿١٩﴾

''اور کھول دیا جائے گا آسمان پھر بن جائیں گے دروازے''۔

فیصلے کا دن بپا ہونے سے پہلے کائنات میں ایک انقلابی حادثہ بپا ہو گا۔ آسمانوں کا رفیع اور محیر العقول نظام بکھر جائے گا۔ عمارت نما نیلگوں چھت ختم ہو جائے گی اور سائبان کی طرح چھایا ہوا ناقابلِ شکست آسمان شکست و ریخت کا شکار ہو جائے گا۔ یہ برہمی اور انتشار آسمانی دنیا میں اس سے پہلے کبھی نہ آیا ہو گا لیکن شکست و ریخت فساد فی العالم کے لئے نہیں ہو گی بلکہ اس انقلابی حرکت کے عقب میں ایک عظیم مقصد ہو گا اس کی تکمیل کے لئے آسمان پھٹیں گے اور ان میں متعدد دروازوں کی شکلیں بن جائیں گی۔ المیزان وغیرہ تفاسیر کے مؤلفین نے لکھا ہے کہ آسمان کھل جائیں گے اور ان میں دروازوں کی صورت بن جانے سے مراد یہ ہے عالم غیب کے دروازے عالم شہود میں کھل جائیں گے اور فرشتوں کا جہاں انسانی دنیا میں اپنا راستہ نکال لے گا۔ مفسرین نے یہ بھی لکھا کہ آسمان کے پھٹنے سے جو دراڑیں پڑ جائیں گی۔ آسمانی کڑوں کے ان شگافوں کو دروازوں سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ احتمال بھی ہے کہ عالم اسفل اور عالم بالا جو اس دنیا میں امر محال دکھائی دیتا ہے باہم مربوط ہو جائے گا اور انسان کرہ خاکی سے آزاد ہو کر آسمانوں کی طرف سفر کے قابل ہو جائے گا۔ قرآن مجید نے ایک جگہ آسمانوں کے پھٹنے کے بعد

نئے آسمانوں اور نئی زمینوں کی یافت حضرت انسان کو دی ہے۔

ارشاد باری ہے:

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ (ابراہیم: ۴۸)

''وہ دن جب زمین کو غیر زمین سے بدل دیا جائے گا اور آسمان''۔

آسمان کے پھٹنے سے متعلق قرآن حکیم میں دیگر مقامات پر بھی ایک تصویر دیکھی جا سکتی ہے۔

وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ ﴿١١﴾ (التکویر: ۱۱)

''اور جب آسمان کو اپنی جگہ سے ہٹا دیا جائے گا''۔

سورہ انشقاق میں فرمایا:

إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ ﴿١﴾ (انشقاق: ۱)

''جب آسمان پھٹ جائے گا''۔

اور سورہ انفطار میں فرمایا:

إِذَا السَّمَاءُ انفَطَرَتْ ﴿١﴾ (الانفطار: ۱)

''جب آسمان پھٹ جائے گا''۔

سورہ فرقان میں ارشاد فرمایا:

يَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ (الفرقان: ۵۲)

''جس دن آسمان بادلوں سے پھٹ جائے گا''۔

سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا:

هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ (البقرہ: ۲۱۰)

''نہیں دیکھیں گے مگر یہ کہ ان کے ہاں آئے گا اللہ''۔

سورہ زمر میں جنت اور دوزخ کے دروازے کھلنے کا بھی ذکر ہے۔

یوم الفصل کے وقوع کے بعد جب جنتی انسانوں کو ایسا حسن المآب ملنا ہے جس کی وسعت موجودہ زمین اور آسمان ایسی ہوگی تو زمینوں، آسمانوں، کروں اور سیاروں میں بڑی تبدیلی ہی تازہ جہانوں کو انساں کے روبرو کرے گی۔ حقیقت کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے۔

وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ﴿٢٠﴾

''اور چلا دیے جائیں گے پہاڑ پھر وہ ریزہ ریزہ ہو کر پانی ہونے کا گمان پیدا کریں گے''۔

قرآن مجید زمینی قیامت کا ایک منظر پیش کرتا ہے جب پہاڑ، ٹیلے اور اونچے ٹیلے سب کے سب ختم ہو جائیں گے۔ زمین ایک چٹیل میدان کی شکل اختیار کر لے گی، پہاڑ دھنکی ہوئی روئی اور خاک کے باریک ذروں کی طرح اڑتے ہوں گے۔ کتاب علم ان حادثاتی انقلابات کو مرحلہ در مرحلہ بیان کرتی ہے۔ لگتا ہے سب سے پہلے زمین پر زلزلے حملے کریں گے اور زمین میں توازن کے لئے گڑی ہوئی پہاڑی میخیں کمزور پڑ جائیں گی۔

سورہ طور میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَتَسِيرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ﴿١٠﴾

''اور پہاڑ چلنے لگ جائیں گے'' (الطور: 10)

پہاڑوں کی مسلسل حرکت انہیں اپنے مرکز سے سرکا دے گی اور وہ اپنی جگہ سے ہل جائیں گے۔ زمین اندر سے آپس میں الجھ جائے گی۔ پہاڑی چٹانیں ایک دوسرے سے ٹکرائیں گے اور اس ٹکراؤ کے نتیجے میں زمین پاش پاش ہو جائے گی۔ اس اکھیڑنے اور آپس میں ٹکرانے اور ٹکرا کر ریزہ ریزہ ہو جانے کو سورہ الحاقہ نے یوں بیان کیا ہے:۔

وَحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً ﴿١٤﴾

''اور زمین اور پہاڑ اٹھا کر یکبارگی ریزہ ریزہ کر دیے جائیں گے''۔

سائنسی نقطہ نظر سے زمین کے اندر کے آتش فشاں پھٹ کر باہر نکلیں گے۔ زمین پر ہر چیز زلزلہ کی زد میں آجائے گی۔ زمین کی بیرونی تھرتھراہٹ اور اندرونی تیز حرکت چاند پر بھی اثر انداز ہوگی اور یہ بھی کانپنے لگ جائے گا۔ چاند کی تھرتھراہٹ کی وجہ سے شدید سمندری اور فضائی طوفان پیدا ہوں گے، یہ عدم توازن قیامت کا نقطہ آغاز ہوگا۔

اس عمل کے بعد پہاڑ ریت کے تودوں کی طرح ہو جائیں گے، صلابت اور سختی ختم ہو جائے گی۔ مرکز سے تعلق شکست وریخت کا شکار ہو جائے گا۔ پہاڑ بے جان تودے ہوں گے جنہیں تیز ہوائیں تتر بتر کر دیں گی۔ سورہ مزمل اس حادثاتی مرحلہ کو یوں بیان کرتی ہے:

وَ كَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ﴿١٤﴾

''پہاڑ ایک دوسرے پر پڑے ریت کے تودے ہوں گے''۔

تیز ہوائیں ان کے بعد ریت کے ان تودوں کو بکھیر دیں گی اور پہاڑ اس طرح اڑیں گے جس طرح دھنکی ہوئی روئی ہوتی ہے۔

سورہ القارعہ اس منظر کو بیان کرتی ہے:

وَ تَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ﴿٥﴾ (القارعہ: ۵)

''اور پہاڑ جیسے بہہ جانے والی بھربھری ریت کے ٹیلے ہوتے ہیں اپنی قوت کھو بیٹھیں گے''۔

روئی کی مانند اڑنے والے پہاڑوں پر زلزلوں، ہوائی طوفانوں اور ظلمت زدہ آندھیوں کے چلنے کی وجہ سے پہاڑ خاکی ذروں کی شکل اختیار کر کے زمین کے ساتھ مل جائیں گے۔

سورہ واقعہ اس حادثاتی مرحلہ کو یوں بیان فرماتی ہے:

وَّ بُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ﴿٥﴾ (سورہ واقعہ ۵،۶)

''اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور وہ چورا ہو کر ذروں کی مانند پھیل جائیں گے''۔

اس کے بعد کیا ہوگا قرآن حکیم اس عنوان کو تشنہ نہیں چھوڑتا سورہ طٰہٰ اس کی وضاحت کرتی ہے۔

وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ﴿١٠٥﴾ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿١٠٦﴾ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّ لَاۤ اَمْتًا ﴿١٠٧﴾ (سورہ طٰہٰ: ۱۰۵ تا ۱۰۷)

''اور آپ سے پہاڑوں کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ فرما دیں انہیں میرا رب ریزہ ریزہ کر کے اڑا دے گا اور اس جگہ کو ہموار بنا دے گا کہ تو اس میں اونچا نیچا کچھ نہ دیکھے گا''۔

سراب کا مطلب یہ ہے کہ پہاڑ حقیقت کھو جائیں گے، جب وہ لاشئی ہو جائیں گے تو کوئی دیکھ کر سوچ بھی نہ سکے گا کہ یہاں پر مضبوط پہاڑوں کے مستحکم سلسلے قائم تھے۔ یہ بڑا ہی زبردست انقلاب اور تبدیلی ہوگی جو کائنات میں رونما ہوگی۔

اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿٢١﴾

''بے شک جہنم گھات لگائے ہے''۔

مرصاد اسم مکان ہے اس کا معنی ایسی جگہ جہاں راستہ طے کیا جائے۔ امام راغب اصفہانی نے لکھا (المفردات: راغب اصفہانی) کہ ایسی جگہ جو انتظار کے لئے مقرر ہو مرصاد کہلاتی ہے۔ یہاں آیت میں مرصاد کو عام رکھا گیا ہے اس پر سب کا گزر ہوگا لیکن کافر اس میں گر جائیں گے، لیکن ایمان والے عافیت سے گزر جائیں گے۔ (تاویلات اہل السنہ: منصور ماتریدی)

اور بعض لوگوں نے مرصاد کا معنی یہ بھی نقل کیا ہے (حاشیہ شیخ زادہ: قوجوی حنفی) کہ یہ مبالغہ کا صیغہ ہے یہ اس شخص کو کہتے ہیں جو کمین گاہ سے بہت زیادہ کام لیتا ہو جیسے معمار اس شخص کو کہتے ہیں جو تعمیر کا کام بہت زیادہ کرتا ہو ممکن ہے، اسی سے مراد وہ فرشتے ہوں جو عذاب دینے کے لئے انتظار میں ہیں۔ دوزخ کے تاک میں ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اللہ کے حکم کی پابند ہے جونہی عصیاں شعار لوگ اس کے پاس یا اس کے قریب سے گزریں گے وہ انہیں اچک لے گی، اللہ ہمیں محفوظ رکھے۔

لِلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا ﴿٢٢﴾

''سرکشی کرنے والوں کا ٹھکانہ''۔

جہنم سرکش لوگوں کے لئے لوٹنے کی جگہ ہے۔ اسی مقام پر دوزخیوں کی بازگشت ہوگی۔ طاغین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اسلام دشمنی کرتے ہیں اور ''مآبا'' کا لفظ اس طرف بھی اشارا کرتا ہے کہ سرکش لوگوں کی بے حقیقت زندگی کا جائزہ لو کہ انہیں دنیا میں سفر کا ایک مرحلہ طے کرنے

کے لئے بھیجا گیا تھا لیکن انہوں نے اسی کو اپنا سب کچھ بنالیا۔ شرک ایسا مرض ان کا شعار بنا۔ رسول دشمنی پر اتر آئے اب جب آخرت کے اپنے گھر واپس لوٹے تو وہ ان کے اعمال قبیحہ کی وجہ سے تاک میں رہی اور آگ بن گئی۔ اب ایک طویل مدت انہیں اسی دوزخ میں رہنا ہوگا۔

لٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ﴿٢٣﴾

"اس میں وہ لوگ مدتوں رہیں گے"۔

جہنم میں داخل ہونے والے طویل مدت تک جہنم میں رہیں گے۔ احقاب حقب کی جمع ہے۔ اصل میں حقب اس بند کو کہتے ہیں جو اونٹ کے پیٹ کے نیچے سے پھیر کر کجاوہ کے ساتھ کس کر باندھ دیا جاتا ہے۔ اسی سے یہ لفظ روکنے اور قید کرنے کے معنوں میں آتا ہے۔ سواری پر کسی شخص کو اپنے پیچھے بٹھالینا بھی احقاب ہوتا ہے۔ زمانے کی ایک طویل مدت بھی حقبہ کہلاتی ہے (تاج العروس: زبیدی حنفی ایضاً المفردات: راغب ایضاً حاشیہ شیخ زادہ۔ قوجوی حنفی)۔ سورہ کہف اور زیر بحث آیت میں یہ لفظ طویل زمانے ہی کے لئے استعمال ہوا ہے۔ بعض مفسرین نے لکھا کہ چالیس سال تک کا زمانہ حقب ہوتا ہے بعض نے ستر اور بعض نے اسی سال کا زمانہ بھی نقل کیا ہے۔ علامہ منصور ماتریدی نے کہا (تاویلات اھل السنہ: منصور ماتریدی) کہ آخرت میں تو ایک ایک دن پچاس ہزار سال کا ہوگا اس حساب سے حقب میں اگر اسی سال بھی ہوں تو زمانے کی طوالت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوگا۔ بعض لوگوں نے یہ کہا کہ دوزخی ایک طویل عرصہ جہنم میں رہنے کے بعد ختم ہو جائیں گے۔ (تفسیر نور الثقلین: شیعہ مولف) اور بعض نے یہ کہا کہ اس آیت میں وہ جہنمی مراد لیے گئے ہیں جو آخر کار سزا لینے کے بعد پاک ہو جائیں گے اور انہیں دوزخ سے باہر نکال دیا جائے گا لیکن اس صورت کی اگلی آیت اس مفہوم کی موید نہیں ہے۔ (مجموعہ تفاسیر الاھل السنہ والجماعۃ)

اسلوب سورت اس بات کا غماز ہے کہ قاری قرآن جہنم کے عذاب کی سنگینی کی طرف توجہ دے اور اس مقصد کے لئے قرآن حکیم کی تعبیر احساس پر چوٹ مارتی ہے کہ اتنا طویل زمانہ اگر آگ جلاتی رہے تو اس انسان پر کیا گزرے گی سو آج وہ راستہ اختیار کر لیا جائے جو جہنم کی آگ سے بچنے کا راستہ ہے۔

لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ﴿٢٤﴾

"نہ اس میں ٹھنڈک کا مزہ پائیں اور نہ ہی کسی مشروب کا"۔

آیت کی تفہیم میں تین صورتیں ہیں:

پہلی یہ کہ آیت "لابثین" سے حال ہے۔

دوسری یہ کہ یہ احقاباً کی صفت ہے۔

اور تیسری یہ کہ احقاباً "لا یذوقون" کا مفعول فیہ ہے۔

رب کریم نے فرمایا کہ جہنم میں داخل ہونے والے ایک طویل مدت تک اس حالت میں رہیں گے کہ سوائے حمیم اور غساق کے اور کچھ نہ چکھیں گے یعنی کوئی چیز نہ چکھنے کا زمانہ برس ہا برس پر مشتمل ہوگا پھر ان کے بعد ان کا عذاب مزید سخت کر دیا جائے گا یا پھر صورت یہ ہوگی کہ عذاب میں دو قسم کے لوگ مبتلا ہوں گے ایک کافرین دوسرے اہل بدعت۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی ارشاد فرماتے ہیں کہ جن لوگوں کو دوزخ کا دائمی عذاب ہوگا وہ کافر ہیں اور حقب در حقب عذاب میں جن لوگوں کو گرفتار کیا جائے گا وہ اہل بدعت ہیں۔

(تفسیر مظہری: قاضی ثناء اللہ پانی پتی)

حمیم سے مراد سخت گرم پانی ہے حدیث میں آیا ہے کہ لوہے کے چمٹوں کے ساتھ پکڑ کر سخت گرم پانی ان کو دیا جائے گا، جب وہ پانی ان کے منہ سے قریب آئے گا تو چہرے بھن جائیں گے اور پیٹوں میں جب یہ پانی پہنچے گا تو آنتیں پارہ پارہ ہو جائیں گی۔

(تفسیر مظہری: قاضی ثناء اللہ پانی پتی ماخوذ از ترمذی اور بیہقی شریف)

غساق کیا ہے؟

مجاہد نے کہا کہ انتہائی جیسے سرد پانی ہے دوزخی پی نہ سکیں گے (زاد المسیر: ابن جوزی) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے فرمایا جس طرح آگ جلاتی ہے اسی طرح غساق سردی کی وجہ سے جلا کر رکھ دے گا۔ مقاتل نے کہا غساق پینے کی وہ چیز جس کی سردی آخری حد تک پہنچ چکی ہو (تفسیر مظہری: پانی پتی)۔ ابن عطیہ کے نزدیک غساق سے مراد یہاں دوزخیوں کا بہتا ہوا خون ہے۔ (المحرر الوجیز: ابن عطیہ)۔ حضرت کعب کا قول ہے کہ غساق جہنم میں ایک چشمہ ہے، جس کے اندر سانپوں اور زہریلے جانوروں کا زہر جمع کر دیا گیا ہوگا جہاں

دوزخیوں کو غوطہ دیا جائے گا تو جلد ادھڑ جائے گی اور گوشت تختوں پر آگرے گا۔

(تفسیر مظہری: قاضی ثناء اللہ پانی پتی ایضاً، زاد المسیر ایضاً تفسیر صوفی)

ابن کثیر نے لکھا کہ یہ جملہ کہ جہنم میں داخل ہونے والے نہیں چکھیں گے اس میں کوئی ٹھنڈی چیز اور نہ پانی، یہ کنایہ ہے اس بات سے کہ نہیں جہنم میں راحت اور آرام بالکل بھی نہ ہوگا بلکہ اذیتوں پر اذیتیں اٹھائیں گے۔ (تفسیر القرآن: ابن کثیر)

☆☆☆

مقام ولایت

عن عمر قال قال رسول الله ﷺ ان من عبا د الله لا نا سا ماهم انبياء ولا شهداء يغبطهم الا نبياء والشهداء يوم القيا مة بمكانهم من الله قالوا يا رسول الله تخبرنا منهم قال هم قو م تحابوا بروح الله على غير ارحام بينهم ولا اموا ل يتعا طونها فو الله ان وجوههم النور وانهم لعلٰى نور لا يخافو ن اذا خاف الناس ولا يحزنون اذا حزن الناس وقرء هذه الاية الا ان اولياء الله لا خوف عليهم ولا هم يحزنون

مفتی محمد صدیق ہزاروی

امیر المومنین سیدنا حضرت عمر فاروق ؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو نہ تو نبی ہیں اور شہید (لیکن) انبیاء کرام اور شہداء کرام قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے مقام اور مرتبہ کی وجہ سے ان پر رشک کریں گے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمیں بتایئے کہ وہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے لئے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، نہ ان کے درمیان کوئی رشتہ داری ہے اور نہ مال کا دین لین ہے بس قسم بخدا! ان کے چہرے نورانی ہوں گے اور وہ نور (کے منبروں) پر ہوں گے اور جب لوگ خوف زدہ ہوں گے انہیں کوئی خوف نہیں ہوگا اور جب لوگ غمگین ہوں گے انہیں کوئی غم نہیں ہوگا اور آپ نے یہ آیت پڑھی:

ترجمہ: سنو! بے شک اللہ تعالیٰ کے اولیاء (دوستوں) پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۶ باب الحب فی اللہ عزوجل)

مشکوٰۃ المصابیح کے مصنف امام ولی الدین الخطیب رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا تفسیر ابن جریر طبری جلد ۷ صفحہ ۹۲ مطبوعہ بیروت میں بھی یہ حدیث اختلاف الفاظ کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ ؓ کی روایت سے نقل کی گئی ہے۔

اس حدیث شریف میں بنیادی طور پر اللہ تعالیٰ کی محبت میں ایک دوسرے محبت کرنے والے لوگوں کی صفات ذکر کی گئی ہیں اور ان صفات کے بیان رسول اللہ ﷺ نے آیت کریمہ "الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون" پڑھ کر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہ لوگ جن کی صفات اس حدیث شریف میں بیان کی گئی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے ولی ہیں۔

دوسرے الفاظ میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ حدیث شریف اولیاء عظام کی عظمت و شان اور ان کی صفات عالیہ کے بیان پر مشتمل ہے۔

گویا اولیاء کرام قابل رشک لوگ ہیں، وہ ایک دوسرے سے روایت یا رشتہ داری کی بنیاد پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کرتے ہیں، قیامت کے دن ان کے چہرے نورانی ہوں گے اور وہ نور کے منبروں پر ہوں گے جس طرح ترمذی شریف میں اس بات کو واضح الفاظ میں ذکر کیا گیا اس میں یہ الفاظ ہیں۔

"یقول اللہ تعالیٰ المتحابون فی جلالی لھم منابر من نور"

"رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میری جلالت کی بنیاد پر ایک دوسرے سے محبت کرنے والے لوگوں کے لئے نور کے منبر ہوں گے"۔

قیامت کے دن یہ لوگ نہ تو خوف زدہ ہوں گے اور نہ ہی غمگین، ان لوگوں کی عظمت کو رسول اکرم ﷺ نے ان الفاظ مبارکہ سے واضح فرمایا کہ یہ لوگ انبیاء کرام اور شہداء نہ ہونے کے باوجود قابل رشک ہوں گے یعنی انبیاء کرام اور شہداء عظام کا مقام و مرتبہ بہت بلند ہے اس لئے ان قابل رشک ہونا تعجب خیز بات نہیں لیکن جب کوئی شخص منصب نبوت پر بھی فائز نہ ہوا اور اسے مرتبہ شہادت سے بھی حاصل نہ ہوا اس کے باوجود وہ قابل رشک ہو اور پھر بھی یہ کہ وہ عام لوگوں کے لئے نہیں بلکہ انبیاء کرام اور شہدائے کرام کے لئے قابل رشک ہوں جو عظمتوں کے مالک نہیں تو اس سے ان شخصیات اور ان کے عمل کی عظمت کا پتہ چلتا ہے جس کی وجہ سے وہ قابل رشک بنے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے لئے ایک دوسرے سے محبت کرتا ہے۔

یہی نہیں بلکہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے محبوب بن جاتے ہیں۔

حضرت معاذ بن جبل ؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

وجبت محبتی للمتحابین فی ولمتجالسین فی والمتزاورین فی والمتباذلین فی (رواہ مالک)

میری محبت ان لوگوں کے لئے واجب ہوگئی جو میری محبت کی بنیاد پر ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں میرے لئے ایک دوسرے کے پاس بیٹھتے ہیں میری رضا جوئی میں ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں اور میری رضا حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح حوالہ مذکورہ بالا)

یغبطھم یغبط کا لفظ "غبط" سے بنا ہے جس کا معنی رشک کرنا ہے رشک (غبط) اور حسد میں فرق ہے اسی لئے غبط اچھے کاموں میں جائز ہے اور حسد کسی کام میں جائز نہیں۔

حسد کا مطلب یہ ہے کہ فلاں شخص کو جو صفت حاصل ہے یا اللہ! وہ اس کے پاس نہ رہے اور مجھے مل جائے جب کہ رشک میں یہ تمنا ہوتی

ہے کہ اس کے پاس بھی رہے اور مجھے بھی مل جائے اور یقیناً اچھے کاموں کے سلسلے میں یہ اچھی سوچ ہے۔ برے کاموں میں حسد کی طرح رشک بھی ناجائز ہے۔

یہاں ایک شبہ کا ازالہ ضروری ہے وہ یہ کہ انبیاء کرام اور شہداء عظام بلند مرتبہ شخصیات ہیں وہ کس طرح اولیاء کرام کے مقام سوم مرتبہ پر رشک کر سکتے ہیں تو حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب یوں ارشاد فرمایا:

قالوا في توجيهه انه قد يوجد في المفضول صفة لا توجد في الفاضل مع اتصاف الفاضل بصفات وكمالات يمحو في جنبه اضعاف ما في المفضول فيتمنى الفاضل ما في المفضول ايضا ليضمه الى ماله لشدة حرصه على الاتصاف بالكمالات.

وان المراد بالغبطة الاستحسان والثناء عليهم لا معناها الحقيقي وهو تمني ما للغير وان الكلام على الفرض والتقدير اي لو كان الفريقين غبطة على احد لكان على هولاء وان هذا في المحشر قبل ان يدخلوا الجنة وقد وقع في صفة هولاء انهم لا يخافون ولا يحزنون واما غيرهم فالنبيون مهتمون بامتهم والامم مشتغلون بانفسهم (حاشیہ مشکوٰۃ شریف)

محدثین کرام فرماتے ہیں اس (غبطہ) کی توجیہ یہ ہے کہ بعض اوقات مفضول (جس کو کسی دوسرے پر فضیلت حاصل ہو) ایسی صفت پائی جاتی ہے جو فاضل (فضیلت والے) میں نہیں پائی جاتی اس کے باوجود کہ فاضل ایسی صفات اور کمالات سے موصوف ہوتا ہے جس کے سامنے مفضول کی کئی گنا صفات مٹ جاتی ہیں، پس فاضل، مفضول کی صفات کی تمنا بھی کرتا ہے تاکہ وہ ان صفات کو اپنی صفات میں شامل کرے کیونکہ وہ کمالات سے موصوف ہونے کی شدید حرص رکھتا ہے۔

نیز غبطہ (رشک) سے مراد ان (اولیاء کرام) کی تحسین وثناء ہے اس کا حقیقی معنیٰ مراد نہیں اور وہ اس بات کی تمنا کرنا ہے جو کسی دوسرے کو حاصل ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں یہ کلام فرض اور تقدیر کے طور پر ہے یعنی اگر دو گروہ انبیاء کرام اور شہداء عظام کسی پر رشک کریں تو ان لوگوں پر کریں گے اور یہ محشر میں جنت میں جانے سے پہلے ہوگا کیونکہ ان اولیاء کرام کی یہ صفت بیان کی گئی کہ انہیں کوئی خوف اور غم نہیں ہوگا لیکن دوسرے حضرات مثلاً انبیاء کرام اپنی امت کی فکر میں ہوں اور امتوں کو اپنی ذات کی فکر ہوگی۔ (لیکن اولیاء کرام ہر فکر سے آزاد ہوں گے)۔

''روح'' اس چیز کو کہتے ہیں جو حیات بدن کا ذریعہ اور سبب ہو اور یہاں اس سے مراد قرآن مجید ہے کیونکہ قلبی حیات کا سبب ہے اور قرآن مجید کی بنیاد پر باہمی محبت پورے دین کے باعث ایک دوسرے سے محبت کرنا ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کے لئے باہمی محبت ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''روح'' سے مراد محبت ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے محبت باہمی محبت کا ذریعہ ہے۔۔۔۔ یہ اس صورت میں ہے جب لفظ روح ہو تو اس کا معنیٰ رحمت ہے یعنی اولیاء کرام رحمت خداوندی کے باعث ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔

لفظ ولی عربی لغت میں کئی معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کا معنیٰ دوست بھی ہے مددگار بھی، ایک بارش کے بعد دوسری بارش پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، تابع اور محب کو بھی ولی کہا جاتا ہے (لسان العرب جلد ۱۵ ص ۴۱۱)۔

حضرت امام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ولی کے دو معنیٰ ہے اس میں سے ایک فعیل بمعنیٰ مفعول ہے یعنی وہ شخص جس کے کاموں کا اللہ ولی ہو ارشاد خداوندی ہے وھو یتولی الصالحین (اور وہ نیکوں کو دوست رکھتا ہے) سورہ اعراف آیت ۱۹۶ پس وہ اس کو ایک لحظہ کے لئے بھی اس کے لفظ کے سپرد نہیں کرتا بلکہ حق سبحانہ وتعالیٰ اس کی نگرانی کرتا ہے۔

دوسرا معنیٰ فاعل سے بطور مبالغہ فعیل کا وزن ہے یعنی وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت کو اپنے ذمہ لیتا ہے۔ اس لئے اس کی عبادت میں تسلسل ہوتا ہے، درمیان میں کوئی نافرمانی حائل نہیں ہوتی۔ (رسالہ قشیریہ مترجم ص ۴۵۸ مکتبہ اعلیٰ حضرت لاہور)

اولیاء کرام کے اوصاف کے سلسلے تین بزرگان دین کے بے شمار اقوال موجود ہیں۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص سے پوچھا کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کے ولی بننا پسند کرتے ہو؟ اس نے عرض کیا جی ہاں۔

آپ نے فرمایا ''دنیا اور آخرت کی کسی چیز میں رغبت نہ رکھو اور اپنے آپ کو اپنے رب کے لئے فارغ رکھو اور پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ تاکہ وہ تمہاری طرف متوجہ ہو اور تمہیں اپنا دوست بنالے (رسالہ قشیریہ ص ۴۶۰)

گویا ولی وہ ہوتا ہے جو اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی چیز کو جگہ نہیں دیتا دنیا تو دنیا آخرت میں رغبت نہیں رکھتا۔

ولی آداب شریعت کا پابند ہوتا ہے شریعت سے روگردانی کرنے والا نہیں ہوتا۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ ایک شخص سے ملنے تشریف لے گئے جس کے بارے میں لوگوں میں مشہور تھا کہ وہ ولی ہے جب اس کی مسجد میں پہنچے تو اس کے نکلنے کا انتظار کرنے لگے اتنے میں ایک شخص باہر آیا اور اس نے گلا صاف کر کے بلغم مسجد میں پھینک دی حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ واپس چلے گئے اور اسے سلام نہ کیا اور فرمایا یہ شخص آداب شریعت میں سے کسی ایک ادب کا امین نہیں تو یہ حق کے اسرار و رموز کا کس طرح امین ہوگا (ایضاً)

رسول اکرم ﷺ نے اولیاء کرام کی صفت یوں بیان فرمائی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں تو جو لوگ پیر و مرشد کے کہلانے کے باوجود ایک دوسرے سے بغض اور ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچتے ہیں انہیں اپنے گریبان میں جھانکنا چاہئے اور اپنی اصلاح کرنی چاہئے۔

☆☆☆

تصوف اور سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ

پیر محمد کرم شاہ الازہری

زیر نظر تحریر پیر محمد کرم شاہ الازہری کی ہے جس میں انہوں نے اسلامی تصوف پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے اور اس پر اعتراض کرنے والوں کے اعتراضات کے جوابات دلائل وبراہین کے ساتھ پیش کئے ہیں۔ متعدد کتب کے مصنف ہونے کے علاوہ موصوف نے قرآن پاک کی تفسیر بھی نہایت دلچسپ اور دلکش انداز، عہد حاضر کے تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر لکھی ہے جو پانچ جلدوں پر مشتمل ضیاء القرآن کے نام سے اہل فکر ونظر کی علمی تشنگی کا سامان فراہم کرتی ہے۔ ضیاء القرآن کے بعد آپ نے ضیاء النبی ﷺ کے عنوان سے رسالت مآب ﷺ کی سیرت مبارکہ پر سات جلدوں میں کتاب لکھی جس پر علماء اور دانشور طبقے نے آپ کو خراج تحسین پیش کیا اور حکومت پاکستان نے 1995ء میں اسے سیرت کی بہترین کتاب قرار دیا۔ علاوہ ازیں مصر کے صدر حسنی مبارک نے آپ کو اس کارنامہ پر "نصرت الامتیاز" کا ایوارڈ پیش کیا۔

پیر محمد کرم شاہ الازہری 16 سال تک پاکستان کی شریعت کورٹ میں جج کے بلند وبالا منصب پر بھی فائز رہے۔ اس کے علاوہ آپ پیر طریقت بھی ہیں اور پاکستان کے گوشے گوشے میں آپ کے مریدوں کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ آپ نے بھیرہ شریف (سرگودھا) میں ایک ایسی علمی درسگاہ بھی قائم کی ہے جس میں طلباء کو دینی تعلیم کے علاوہ عصری علوم بھی پڑھائے جاتے ہیں۔ یہ ادارہ پیر صاحب کا عظیم الشان کارنامہ ہے۔ آپ یکم جولائی 1918ء کی شب پیدا ہوئے۔

واضح رہے کہ زیر نظر تحریر پیر محمد کرم شاہ صاحب نے کشف المحجوب کے دیباچہ کے طور پر لکھی کتاب کا ترجمہ علامہ فضل الدین گوہر نے کیا تھا۔ مضمون کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر ہم اسے دلیل راہ کے خصوصی ایڈیشن میں شامل کر رہے ہیں۔ (مرتب۔ سعید بدر)

کشف المحجوب ایسا صحیفہ رشد وہدایت ہے جسے روز اول سے قبول عام نصیب ہوا اور اس کے متعدد فارسی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ انگریزی، جرمن اور دیگر مغربی زبانوں میں اہل علم وفضل نے اس کے ترجمے کئے ہیں۔ ان کے علاوہ اردو زبان میں بھی بڑے بڑے اہل قلم نے اس کا ترجمہ کر کے قارئین کی خدمت میں پیش کیا ہے تاکہ خاص وعام اس چشمہ شیریں سے اپنی روحانی اور قلبی پیاس بجھا سکیں۔

میں مناسب سمجھتا ہوں کہ تصوف کی حقیقت اور اس کے مفہوم کو اس طرح بیان کیا جائے کہ ایک عام قاری بھی اس کو بآسانی سمجھ سکے۔ اسی طرح ان اعتراضات کا بھی بے لاگ اور حقیقت پسندانہ تجزیہ کیا جائے جو آج کل فیشن کے طور پر بڑی بے رحمی سے صوفیاء کرام اور ان کے مسلک پر کئے جاتے ہیں تاکہ شکوک وشبہات کا غبار چھٹ جائے اور حقیقت کا رخ زیبا بے نقاب ہو جائے۔ اس کے بعد ہم حضرت داتا گنج بخش ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت طیبہ کا اختصار سے ذکر کریں گے اور ساتھ ہی آپ کی اس مایہ ناز تصنیف کشف المحجوب کی چند خصوصیات کی طرف قارئین کی توجہ مبذول کرائیں گے۔

صوفی:

سب سے پہلے ہم لفظ "صوفی" پر بحث کریں گے کہ اس کا ماخذ اشتقاق کیا ہے اور اس فن سے وابستہ لوگ اس کو کس مفہوم میں استعمال کرتے ہیں۔

ابوریحان البیرونی (973یا1048ھ) کا نام محتاج تعارف نہیں۔ یہ بیک وقت ریاضی، طب، تقاویم اور تاریخ میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ انہوں نے کئی سال ہندوستان میں بسر کئے، سنسکرت میں مہارت حاصل کی اور یہاں کے تمدن اور مذہبی افکار واعمال کا گہری نظر سے مطالعہ کیا۔ وہ کہتے ہیں:

"صوفی" کا ماخذ سوف ہے جو یونانی زبان کا لفظ ہے۔ سوف کا معنی "حکمت" ہے۔ اسی لئے حکیم اور دانشور کو فیلسوف کہتے ہیں۔ فیلا کا معنی محب اور سوف کا معنی حکمت یعنی دانش وحکمت سے محبت کرنے والا، سوف کے لفظ کو جب عربی میں ڈھالا گیا تو تحریف کے بعد صوفی ہو گیا کیونکہ یونان میں حکماء کا ایک ایسا گروہ تھا جن کا نظریہ تھا کہ وجود حقیقی صرف وہی ذات اولیٰ ہو گی باقی اشیاء کا وجود حقیقی نہیں بلکہ خیالی ہے، کیونکہ مسلمانوں میں بھی بعض حضرات کا عقیدہ بظاہر ان سے قریب ہے، اسی مناسبت سے انہیں بھی صوفی کہا گیا"۔

لیکن البیرونی کی یہ رائے قابل اعتنا نہیں چونکہ یونانی کتب کے عربی تراجم کا سلسلہ تیسری صدی ہجری کے نصف کے لگ بھگ شروع ہوا اور اہل عرب کے ہاں صوفی کا لفظ اس سے بہت پہلے مستعمل تھا۔ جو صاحب سب سے پہلے صوفی کے لقب سے ملقب ہوئے وہ ابوالہاشم الکوفی تھے جن کی وفات 150ھ میں ہوئی تھی یعنی ترجمہ کے دور سے تقریباً ایک سو سال پہلے، اس لئے البیرونی کی رائے میں کوئی وزن نہیں۔ البیرونی اپنی اس رویہ پر اس لئے مصر ہیں کہ اگر اس کے علاوہ صوفی کا کوئی اور مادہ اشتقاق مانا جائے تو اس میں حکمت ومعرفت کی نسبت مفقود ہو جائے گی اور یہ لفظ سطحی قسم کا ہو جائے گا۔ البیرونی نے صوفی کے لفظ کی تقدیس کو تو برقرار رکھا لیکن انہیں یہ خیال نہ آیا کہ اس طرح وہ اسلامی تصوف کو یونانی علوم کا ریزہ چین ثابت کر رہے اور اس کی انفرادیت کو ختم کر رہے ہیں، جو واقعہ کے بھی خلاف ہے اور تصوف کے مقام سے بھی فروتر۔ اس لئے البیرونی کے اس قول کو تمام مسلم محققین نے رد کر دیا، البتہ یورپ کے مستشرقین میں سے انہیں کئی لوگ اپنے ہمنوا مل گئے لیکن اس کی وجہ کچھ اور ہے جس سے قارئین واقف ہیں۔

بعض کے نزدیک صوفی، صفا سے ماخوذ ہے کیونکہ یہ لوگ ظاہر اور باطن دونوں کی صفائی اور پاکیزگی کا بے حد اہتمام فرماتے تھے، اس لئے ان کو صوفی کہا جانے لگا لیکن صوف کے قواعد اس کی اجازت نہیں دیتے۔ اگر صفا کی طرف نسبت کو ملحوظ رکھنا ہوتا تو انہیں صوفی کے بجائے صفوی کہا جاتا۔ اشتقاق میں لغوی قواعد کو نظر انداز کرنا درست نہیں۔

بعض علماء نے صف کو صوفی کا ماخذ قرار دیا ہے کیونکہ جہاد اصغر ہو یا جہاد اکبر، یہ لوگ ہمیشہ صف اول میں ظاہری اور باطنی دشمنوں کے سامنے سینہ سپر ہوتے ہیں لیکن قواعد اشتقاق اس قول کی بھی تغلیط کرتے ہیں۔ صف کی نسبت سے انہیں صفی کہلانا چاہئے تھا نہ کہ صوفی۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ اصحاب صفہ کی نسبت سے انہیں صوفی کہا جاتا ہے کیونکہ وہ حضرات دنیا کے علائق سے اپنے آپ کو آزاد کر کے دن رات ذکر الٰہی اور اطاعت رسالت پناہی میں سرگرم رہتے تھے اور فقر درویشی کی زندگی بسر کرنے والے لوگوں نے بھی دنیا کی لذتوں، آسائشوں اور دلچسپیوں کو طلاق دے دی ہے اور صرف رضائے الٰہی کے حصول کے لئے شب وروز سرگرداں رہتے ہیں، اس لئے انہیں اصحاب صفہ سے خصوصی نسبت ہے اسی وجہ سے انہیں صوفی کہا گیا۔ بظاہر تو یہ بڑی معقول دلیل معلوم ہوتی ہے لیکن قواعد اشتقاق اس کی

اجازت بھی نہیں دیتے۔ اگر انہیں صفہ سے نسبت ہوتی تو صفوی کہا جاتا۔

بعض محققین نے اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے کہ یہ لوگ صوف کا لباس پہنتے تھے اس سے صوفی کا لفظ بنا ہے۔ قواعد کے لحاظ سے تو یہ نسبت درست ہے، لیکن ضروری نہیں کہ ہر صوفی صوف کا لباس پہنے۔ بڑے بڑے جلیل القدر اصفیا، ایسے گزرے ہیں جو صوف کا لباس نہیں پہنتے تھے۔

امام قشیری مختلف آراء نقل کرنے کے بعد اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں:

"ولا یشهد لهذا الاسم اشتقاق من جهة العربیه و قیاس والظاهر انه لقب".

"یعنی صوفی کے لفظ کا ماخذ اشتقاق عربیت کے لحاظ سے اور قواعد وصرف کی رو سے معلوم نہیں ہوتا۔ سیدھی صاف بات یہ ہے کہ یہ اس فن کا لقب ہے"۔

علامہ ابن خلدون نے بھی قشیری کی اس رائے کو پسند کیا۔

علم تصوف:

صوفی کے لفظ کی لغوی تحقیق کے بعد اب ہم اصل مقصد کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ تصوف کا مفہوم کیا ہے؟ علامہ ابن خلدون اپنے مقدمے میں علم التصوف کے باب میں اس کی توضیح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

اصل التصوف المکوف علی العبادة والا نقطاع الی الله تعالیٰ والا عراض عن زخرف الدنیا وزینتها والزهد فیما یقبل الیه الجمهور من لذه ومال وجاه .... وکان ذالک عاما فی الصحابه والسلف.

"تصوف کا معنی ہے عبادت پر ہمیشہ پابندی کرنا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف ہمہ تن متوجہ ہونا۔ دنیا کی زیب وزینت کی طرف سے روگردانی کرنا۔ مال اور جاہ جس کی طرف عام لوگ متوجہ ہیں اس سے کنارہ کش ہونا۔ یہ طریقہ صحابہ کرام اور سلف صالحین میں عام مروج تھا"

اکثر حضرات تصوف کی تعریف میں اخلاقی پہلو کی طرف زیادہ توجہ کرتے ہیں اور یہ نظریہ حلقہ صوفیا، میں بھی مقبول ہے۔ اس نظریہ کے مطابق جن حضرات نے تصوف کی تعریف کی ہے۔ ان میں سے چند نمونے پیش خدمت ہیں:

ابوبکر اکتانی (المتوفی 233ھ) فرماتے ہیں:

"التصوف ،خلق ومن زاد علیک فی لخلق فقد زاد علیک فی الصفاء"

"یعنی تصوف خُلق کا نام ہے جو خُلق میں تجھ سے برتر ہوگا وہ صفائی میں بھی تجھ سے بڑھا ہوا ہوگا"

ابومحمد الجریری (المتوفی 311ھ) سے کسی نے تصوف کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے فرمایا:

الدخول فی کل خلق سنی والخروج من کل خلق دنی.

"یعنی ہر اعلیٰ اور عمدہ خلق میں داخل ہونا اور ہر رذیل عادت سے باہر نکلنا تصوف ہے"۔

ابوالحسین النوری تصوف کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"لیس التصوف رسما وعلما ولکنه خلق"

"تصوف نہ رسم ہے، نہ علم بلکہ یہ خُلق کا نام ہے"

دوسرے مقام پر انہیں کا ارشاد ہے:

التصوف :الحریة والکرم وترک التکلف والسخاء.

"تصوف، حریت، کرم، بے تکلفی اور سخاوت کا دوسرا نام ہے"۔

اگرچہ اخلاقی نقطۂ نظر سے تصوف کی یہ تعریف شرق وغرب میں مشہور بھی ہے اور مقبول بھی۔ لیکن اسے تصوف کی صحیح تعریف نہیں کہا جا سکتا۔ بہت سے لوگ جو مکارم اخلاق میں اپنی نظیر نہیں رکھتے انہیں صوفی نہیں کہا جاتا۔ یہ بات مسلم ہے کہ تصوف کی بنیاد اخلاق کریمہ پر ہے اور صوفی کے لئے ناگزیر ہے کہ وہ مکارم اخلاق سے متصف ہو، لیکن اسے تصوف کا حقیقی مفہوم نہیں قرار دیا جا سکتا۔

تصوف کی تعریف میں دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اس کا معنی زُہد ہے یعنی دنیا اور دنیا کے زیب وزینت اور لذات سے کلیتہً کنارہ کشی، یہ بجا کہ صوفی کا دل دنیا سے بیزار ہوتا ہے لیکن یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ زہد وتکشف اور چیز ہے اور تصوف اور چیز ہے۔ بعض لوگوں نے عبادت گزار کو صوفی کہا ہے، لیکن ان کا یہ قول بھی حقیقت سے بہت دور ہے۔ ایک شخص عبادت میں سرگرم ہوتا ہے لیکن پھر بھی اسے صوفی نہیں کہا جاتا۔

ابن سینا نے اپنی کتاب ''الاشارات'' میں بڑی وضاحت کے ساتھ زاہد، عابد اور صوفی میں جو فرق ہے، اسے بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''جو شخص دنیا اور اس کی لذتوں سے منہ موڑ لے، اسے زاہد کہتے ہیں۔ جو شخص ہر لحہ عبادت میں مصروف رہے اسے عابد کہتے ہیں اور والمنصرف بفکرہ الی القدس الجبروت مستدیما لشروق نور الحق فی سرہ شخص باسم العارف یعنی جو شخص ہمیشہ اپنی فکر کو قدس جبروت کی طرف متوجہ رکھتا ہے اور ہر لحظہ اپنے باطن میں نور حق کی تابانی کا آرزومند ہوتا ہے اسے عارف کہتے ہیں اور ابن سینا کے نزدیک عارف ہی صوفی کہلانے کا مستحق ہے''۔

زاہد اور عابد، زہد و عبادت کو اس لئے اختیار کرتے ہیں کہ انہیں دوزخ سے نجات ملے اور نعیم جنت کی سرمدی مسرتیں انہیں نصیب ہوں۔ صوفی بھی دنیا کی زینتوں اور لذتوں سے دامن کش رہتا ہے اور ہمہ وقت مصروف عبادت رہتا ہے لیکن اس کے پیش نظر کوئی خوف یا طمع نہیں ہوتا وہ فقط اس لئے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے کہ اس وہ کا محبوب و مطلوب ہے اور ہر قسم کی عبادت و نیازمندی کا مستحق ہے۔ حضرت رابعہ بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ ارشاد اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے کافی ہے۔ ایک روز انہوں نے بارگاہ الٰہی میں یوں عرض کیا:

اللھم ان کنت اعبدک خوفا من نارک فالقنی فیھا

اے اللہ! اگر میں تیری عبادت آتش دوزخ کے خوف سے کرتی ہوں تو مجھے اس میں جھونک دے۔

''وان کنت اعبدک طمعا فی جنتک فاحرمنیھا''

''اور اگر جنت کے لالچ کے لئے تیری جناب میں سر بسجود رہتی ہوں تو اے میرے محبوب! مجھے اپنے شرف دیدار سے محروم رکھیو۔

معلوم ہوا کہ تصوف نہ صرف اخلاق حسنہ کا نام ہے، نہ صرف دنیا کی لذتوں اور مسرتوں سے کنارہ کشی کا نام ہے، اور نہ صرف شب و روز مصروف عبادت رہنے کا نام ہے، اگرچہ وہ ان تمام چیزوں کو شامل ہے لیکن وہ ان کے ماسوا کوئی اور چیز ہے۔

اس لئے ابھی ہمیں تصوف کی ایسی تعریف کی ضرورت ہے جس سے اس کی حقیقت تک رسائی حاصل ہو جائے۔

ابوسعید خراز (المتوفی 268ھ) سے ''صوفی'' کے بارے میں پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا:

من صفی ربہ قلبہ فامتلاء قلبہ نورا من دخل فی عین اللذۃ بذکر اللہ

''یعنی جس کے دل کو اس کا رب پاک و صاف کر دے اور اس کا دل نور الٰہی سے لبریز ہو جائے اور جو شخص ذکر الٰہی شروع کرتے ہی لذت و سرور میں کھو جائے۔''

حضرت جنید بغدادی تصوف کی تعریف ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

التصوف :ھو ان یمیتک الحق عنک ویحییک بہ .

''یعنی تصوف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے تیری ذات سے فنا کر دے اور اپنی ذات کے ساتھ تجھے زندہ کر دے''

ابوبکر الکتانی کی تعریف ایجاز اور جامعیت کا شاہکار ہے، وہ فرماتے ہیں:

التصوف: صفاء ومشاھدۃ

یعنی تصوف صفائی یعنی تزکیہ اور مشاہدہ کا نام ہے۔

ان دو میں سے پہلی بات (صفاء) سبب ہے اور دوسری بات (المشاہدہ) عنایت اور مدعا ہے۔ یہ تعریف بڑی جامع ہے۔ اس میں سالک کی منزل کا بھی ذکر ہے اور اس راستہ کا بھی جو سالک کو اس منزل تک لے جاتا ہے۔

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں اس حقیقت کو ذرا تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں:

الطریق تقدیم المجاھدۃ ومحو الصفات المذمومۃ وقطع العلائق کلھا والاقبال بکنہ الھمۃ علی اللہ تعالیٰ ومھما حصل ذلک کان اللہ المتولی تقلب عبدہ المتکفل لہ بتنویرہ بانوار العلم .

ترجمہ: اس منزل کا راستہ یہ ہے کہ پہلے مجاہدہ کرے۔ صفات مذمومہ کو مٹائے۔ تمام تعلقات کو توڑ ڈالے اور پوری طرح اللہ کی ذات کی طرف متوجہ ہو جائے۔ جب یہ سعادت حاصل ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے دل کا متولی بن جاتا ہے اور علم کے انوار سے اس کو منور کرنے کا ذمہ دار بن جاتا ہے۔''

یہ ہے تصوف کا وہ مفہوم جس کو اولیاء اللہ اپنا مقصد حیات بناتے ہیں۔ ان کی ساری زندگی صفا اور تزکیہ کے کٹھن مرحلوں کو صدق دل سے طے کرنے کے لئے وقف رہتی ہے تاکہ آخر کار وہ مشاہدہ کی منزل میں خیمہ زن ہونے کی سعادت حاصل کریں۔ اس طرح وہ انسان کے

اس مقام رفیع کو پالیتے ہیں جہاں "نفخت فیہ من روحی" کا سرنہاں عیاں ہوتا ہے اور وہ خلیفۃ اللہ اور فی الارض کی مسند جلیل پر متمکن ہوتا ہے۔

اس تصوف پر جس کے لغوی اور اصطلاحی مفہوم کی تشریح آپ پہلے بھی پڑھ چکے ہیں۔ گزشتہ زمانہ میں بھی اور آج بھی، اپنوں نے بھی اور بیگانوں نے بھی، بدنیتی سے یا غلط فہمی کے باعث بڑی بے رحمی سے طعن و تشنیع کے تیروں کا مینہ برسایا ہے اور آج اس تحریک میں مزید شدت پیدا ہوتی جارہی ہے۔ یہاں تک کہ عدل و تحقیق کا دامن بھی بسا اوقات ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ اس حالیہ شدت کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ مادی لذتوں کی طرف رجحان روز بروز بڑھتا جارہا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جو لوگ تصوف کے علمبردار بنے بیٹھے ہیں ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو باعث رسوائی اسلاف ہیں یا اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے آثار کو دیکھ کر ابلیسی قوتیں ہراساں ہیں اور وہ مسلمانوں کو اس چشمہ حیات سے بدظن اور متنفر کرنے کا قبل از وقت پروگرام بنارہی ہیں تاکہ مسلمان اس بیداری سے پوری طرح فائدہ اٹھانے کے قابل نہ رہیں۔ وجہ کچھ بھی ہو ہمیں حقیقت پسندی سے کام لیتے ہوئے ان اعتراضات کا جائزہ لینا چاہئے۔ انہوں نے اگر کسی واقعی خامی کی نشاندہی کی ہے تو اس کے ازالہ کی طرف متوجہ ہونا چاہئے اور اگر انہوں نے غلط اعتراضات کئے ہیں تو ان کا مسکت جواب دینا چاہئے۔

ایک بات میں ابتداء ہی میں صاف طور پر کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ صوفیاء کی صفوں میں ایسے لوگ بھی در آئے ہیں جو بظاہر عابد و زاہد نظر آتے ہیں لیکن دراصل اپنے زہد و عبادت کو حصول مال و جاہ کا ذریعہ بنائے ہوئے ہیں لیکن مجھے یہ تو بتایئے انسانی زندگی کا کون سا شعبہ ایسا ہے جہاں یہ کالی بھیڑیں موجود نہیں۔ علماء، اطباء، قضاۃ، تجار، صنعت کار، سب جگہوں پر ایسے لوگ موجود ہیں جو اپنے طبقہ کے لئے ننگ و عار کا باعث ہیں۔

لیکن اگر ان کے وجود سے صحیح اور راست باز لوگوں کی افادیت کم نہیں ہوئی تو جعلی صوفیوں کے ہتھکنڈوں سے بھی صوفیاء کرام کی عظمت پر حرف نہیں آسکتا، ہم جن صوفیاء کے بارے میں کلام کریں گے وہ، وہ لوگ ہیں جو صحیح معنی میں اس لقب کے اہل ہیں۔

پہلا اعتراض:

تصوف پر سب سے بڑا اعتراض یہ کیا جاتا رہا ہے اور اب بھی کیا جارہا ہے کہ اس کا ماخذ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ نہیں، بلکہ یہ ایک اجنبی چیز ہے جسے اسلام میں زبردستی ٹھونس دیا گیا ہے لیکن جب ان معترضین سے اس اجنبی مصدر اور منبع کے بارے میں استفسار کیا جاتا ہے تو بھانت بھانت کی بولیاں سننے میں آتی ہیں اور انسان تصویر حیرت بن کر رہ جاتا ہے کہ تصوف کے کس معترض کی بات کو وقیع اور وزنی سمجھا جائے اور کسے لایعنی سمجھ کر نظر انداز کر دیا جائے۔ ان معترضین کا باہمی اختلاف اور کسی ایک منبع پر متحد نہ ہونا ہی ان کے اس قول کے بطلان کے لئے کافی ہے۔ لیکن پھر بھی ہم تمام اقوال کا ایک ایک کرکے ذکر کرتے ہیں، اور اس کا علمی تجزیہ قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں، وہ خود ہی حق و باطل میں امتیاز کرلیں گے۔

معترضین کا ایک طبقہ جس میں مستشرقین کے جید علماء بھی شامل ہیں، یہ کہتا ہے کہ تصوف کا ماخذ ہندوؤں کے وید ہیں، وہ بڑے وثوق سے دعویٰ کرتے ہیں کہ تصوف میں چلہ کشی، ریاضت وغیرہ کے سارے طریقے ہندو جوگیوں اور سادھوؤں سے مستعار لئے گئے ہیں۔ اس طبقہ کے سرخیل ہارٹن (Horton) بلوشیٹ (Blochet) اور ماسی میوان (Massignon) ہیں۔ یہ لوگ بڑی بڑی کتابوں کے مصنف ہیں اور بڑے محقق اور مدقق شمار ہوتے ہیں۔ معلوم نہیں ان صاحبان کو اس بے مقصد تکلف کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ کیا انہیں معلوم نہیں کہ مسلمان صوفیاء کے ہادی و رہبر نبی اکرم ﷺ نے غار حرا میں چلہ کشی کی تھی اور ذکر الٰہی پر مداومت کے متعدد احکام قرآن کریم اور احادیث نبوی میں بصراحت موجود ہیں اور یہ سب اس وقت ان کو میسر تھا جبکہ ہندوؤں کی تہذیب و تمدن کے بارے میں جزیرہ عرب کے باشندوں کو سطحی قسم کی معلومات بھی میسر نہ تھیں۔ اس لئے صوفیاء کرام کی ریاضتوں اور چلہ کشیوں کو ہندو جوگیوں کی طرف منسوب کرنا لغویت کی انتہا ہے۔ مزید برآں دونوں ریاضتوں کے مقاصد میں بعد المشرقین ہے۔

دوسرا طبقہ ان معترضین کا ہے جو مسلمانوں کے زہد و تبتل کو بدھ مت سے ماخوذ سمجھتے تھے۔ گولڈ زیہر (Goldzhier) اور ولیری (o,leary) کے پایہ کے مستشرق بھی یہ کہتے ہوئے نہیں تھکتے کہ صوفیاء کا دنیا سے قطع تعلق درحقیقت گوتم بدھ کی تقلید ہے جس طرح اس نے تخت و تاج کو ترک کرکے فقر و فاقہ کی زندگی اختیار کرلی تھی اسی طرح مسلمان صوفیاء نے بھی اپنے گھروں کے راحت و آرام کو ترک کرکے جنگلوں اور پہاڑوں کے غاروں میں آکر بسیرا کیا۔ لیکن اتنا بڑا الزام لگانے سے پہلے ان حضرات نے یہ غور کرنے کی زحمت برداشت نہیں کی کہ گوتم بدھ خدا کے وجود کا منکر ہے۔ وہ نفس انسانی ہی کو سب کچھ خیال کرتا ہے۔ اس کے برعکس مسلمان اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی

وحدانیت پر پختہ ایمان رکھتے ہیں اور یہ ریاضتیں مقصود بالذات نہیں بلکہ بارگاہ الٰہی میں شرف باریابی حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہیں۔

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اسلام کا تصوف دراصل ایرانی تصوف کا آئینہ دار ہے۔ عرب ہر لحاظ سے ایران سے فروتر تھے۔ انہوں نے ان سے ہی سب کچھ لیا ہے، ایرانیوں کو دینے کے لئے ان کے پاس کوئی چیز نہ تھی۔ اگر یہ لوگ اسلام سے پہلے کی بات کہہ رہے ہیں تو ہم اسے تسلیم کر لیتے ہیں۔ لیکن ہم اس زمانہ سے کوئی سروکار نہیں رکھتے، ہماری بحث اس تصوف سے ہے جو آفتاب اسلام کے طلوع ہونے کے بعد رونما ہوا۔ جب قرآن کریم کے فیضان سے عرب مسلمانوں کی جھولیاں علم و حکمت کے جواہرات سے بھر گئیں تو وہ اپنے گھروں سے نکل کر دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچے اور بڑی دریافتوں اور فیاضی سے انہوں نے ان جواہرات کو لٹایا۔ تاریخ کا ایک ادنیٰ طالبعلم یہ کہنے کی جسارت نہیں کر سکتا کہ اہل فارس نے عرب مسلمانوں کو دینی، تہذیبی اور علمی اعتبار سے متاثر کیا۔ بلکہ یہ وہ عرب تھا جنہوں نے اپنے ظاہری فتوحات کے جھنڈے گاڑنے کے بعد اہل ایران کے عقائد، نظریات و افکار اور تہذیب و تمدن کو یکسر بدل کر رکھ دیا۔ جب اسلام کی برکت سے اہل فارس آتش پرستی چھوڑ کر خداوند واحد و یکتا کے پرستار بن گئے۔ باقی اور کیا چیز تھی جس کے لئے مسلمان صوفی ان کے شکست خوردہ افکار سے دریوزہ گری کرتے۔ پروفیسر براؤن کا یہ کہنا خلاف حقیقت ہے کہ ایرانی افکار نے عربوں کو متاثر کیا اور اسی سے ان کا تصوف ماخوذ ہے، اس حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ بہر حال اگر کہیں کچھ مشابہت پائی بھی جاتی ہے تو اس سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ اسلامی تصوف اہل فارس کے نظریات سے ماخوذ اور مستعار ہے۔ اسلام کا تصوف صرف اسلام سے ماخوذ ہے اور وہ ہر اعتبار سے ایک الگ اور جداگانہ چیز ہے۔

معترضین کے ایک طبقہ کا یہ خیال ہے کہ اسلام کے تصوف پر نصرانی تصوف کا بہت اثر ہے۔ اس دعویٰ کی تائید کے لئے وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ عربوں اور عیسائیوں میں عہد قدیم سے باہمی روابط تھے۔ عرب ایک غیر متمدن اور جاہل قوم تھے جب کہ عیسائی دنیا علم و حکمت کے نور سے جگمگا رہی تھی۔ اس لئے لازمی طور پر مسلمان صوفیوں نے عیسائی راہبوں سے تصوف سیکھا اور اس کو اپنایا۔ ہم عرض کرتے ہیں کہ اسلام کی آمد سے پہلے کے بارے میں آپ کا یہ نظریہ درست ہو سکتا ہے۔ لیکن ہم اس زمانہ کی بات کر رہے ہیں جب کہ عرب کے ظلمت کدہ کو وحی الٰہی کے نور تاباں نے رشک صد نور بنا دیا تھا اور ان ابجد ناشناسوں کو نہاں خانہ تقدیر کے اسرار و رموز سے آشنا کر دیا تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے خود اپنے ماننے والوں کو دنیا کی لذتوں میں کھو جانے سے سختی کے ساتھ روکا تھا۔ قرآن کریم کی صدہا آیات ایسی ہیں جو مسلمانوں کو زہد و تقویٰ کی تلقین کرتی ہیں اور دنیا کی بے ثباتی کا نقش لوح قلب پر ثبت کرتی ہیں۔ سورۃ الحدید کی ایک آیت ملاحظہ ہو:

اعلموا انما الحیوۃ الدنیا لعب ولھو وزینۃ و تفاخر بینکم وتکاثر فی الاموال والاولاد کمثل غیث اعجب الکفار نباتہ ثم یھیج فتراہ مصفراً ثم یکون حطاما وفی الآخرۃ عذاب شدید ومغفرۃ من اللہ ورضوان وما الحیوۃ الدنیاالا متاع الغرور (آیت: 20)

ترجمہ: ''تم خوب جان لو کہ دنیوی زندگی محض لہو و لعب، زینت اور ایک دوسرے پر اترانے اور مال و اولاد میں زیادتی پر فخر کرنے کا نام ہے۔ جیسے مینہ ہے کہ اس کی پیداوار کاشت کاروں کو اچھی معلوم ہوتی ہے۔ پھر وہ خشک ہو جاتی ہے، سو تو اس کو زرد دیکھتا ہے پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں عذاب شدید ہے اور خدا کی طرف سے مغفرت اور رضامندی بہت بہتر چیز ہے اور نہیں ہے دنیا مگر دھوکے کا سامان۔''

اور حضور ﷺ کی ایک حدیث بھی سماعت فرمائیے:

ان مما اخاف علیکم من بعدی ما یفتح علیکم من زھرۃ الدنیا وزینتھا .(بخاری ، مسلم)

''اپنے بعد میں تم سے جس چیز کے بارے میں ڈرتا ہوں وہ یہ ہے کہ دنیا کی زینت اور کامیابی کے دروازے تم پر کھول دیئے جائیں گے۔''

خود سوچئے کہ جس قوم کے پاس ان کی کتاب مقدس میں زہد و پرہیز گاری کے اتنے مؤثر مواعظ موجود ہوں انہیں ان پریشان حال راہبوں کی تقلید کی کیا ضرورت ہے؟ جو خود بے یقینی کی موجوں کے تھپیڑے کھا رہے ہیں۔ اسی طرح عبادت الٰہی کی تلقین و ترغیب میں قرآن کریم کی بے شمار آیات موجود ہیں، ان کے ہوتے ہوئے کسی اور وعظ کی ایک مومن کو کیوں ضرورت محسوس ہوگی۔ ارشاد ربانی ہے:

واذکر ربک فی نفسک تضرعا وخیفہ ودون الجھر من القول بالغدو والآصال ولا تکن من الغافلین (الاعراف 205)

ترجمہ: اپنے رب کو یاد کیا کرو، اپنے دل میں عاجزی اور خوف کے ساتھ زور کی آواز نسبت کم آواز کے ساتھ صبح اور شام اور غافلوں میں سے مت ہو جانا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

یا یھا الذین امنوا اذکرو اللہ ذکرا کثیرا وسبحوہ بکرۃ واصیلا .

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ کو خوب کثرت سے یاد کیا کرو اور صبح وشام اس کی تسبیح کرتے رہا کرو۔

قرآن کریم کی دوسری سورت کی یہ دل افروز اور روح افزا آیت بھی پڑھ لیجئے:

فاذکرونی اذکر کم واشکرولی ولا تکفرون .(البقرۃ :152)

ترجمہ: تم مجھے یاد کیا کرو۔ میں تمہیں یاد کیا کروں گا۔ میرا شکر ادا کرو اور ناشکری نہ کرو۔

جب ذکر الٰہی کے لئے ایسی آیات موجود ہوں تو ان کے ہوتے ہوئے کسی مسلمان کا کسی غیر کی طرف متوجہ ہونا کم از کم ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔

مستشرقین جن کے غول کے غول اسلامی تصوف کو غیر اسلامی ثابت کرنے کے جنون میں جگہ جگہ ناک ٹوپیاں مارتے ہوئے نظر آتے ہیں، ان میں چند ایسی شخصیتیں بھی ہیں جنہوں نے پہلے تو اپنے پیشروں کی تقلید کرتے ہوئے اسلامی تصوف کو غیر اسلامی افکار کا نتیجہ کہا لیکن مزید تحقیق کے بعد جب حقیقت ان کے سامنے واشگاف ہوگئی تو انہوں نے بڑی جرأت سے اپنے سابق افکار ونظریات سے رجوع کیا۔ یہی نکلسن جو پہلے تصوف کو عیسائیت کا عطیہ کہتے رہے بعد میں ''انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھک'' میں تصوف کے موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے اعتراف کرتے ہیں کہ آج تک اسلامی تصوف کے آغاز اور نشو ونما کے بارے میں غلط اندازے لگائے گئے ہیں۔ یہ کہنا کہ تصوف اسلام میں باہر سے آیا قطعاً قابل تسلیم نہیں بلکہ روز اول ہی سے مسلمانوں میں ایک ایسا گروہ تھا جو تلاوت قرآن اور مطالعہ حدیث میں مشغول رہتا تھا اور ان کے تمام افکار ونظریات کا منبع قرآن وسنت کے بغیر کچھ بھی نہیں تھا۔

اکابر صوفیاء نے اپنی مستند کتاب میں اس بات کو واضح طور پر لکھ دیا ہے کہ صوفی کے لئے کتاب وسنت کے ارشادات پر عمل پیرا ہونا کامیابی کے لئے شرط اول ہے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہر قسم کے شک وشبہ کے بطلان کے لئے کافی ہے، فرماتے ہیں:

''ایں راہ کس یابد کہ کتاب بردست راست گرفتہ باشد وسنت مصطفیٰ ﷺ بردست چپ ودر روشنائی ایں دو شمع میرود تا نہ مغاک شبہت افتد نہ در ظلمت بدعت۔ (تذکرۃ الاولیاء شیخ عطار ص ۸)

ترجمہ: یہ راہ تو وہی شخص پا سکتا ہے جس کے دائیں ہاتھ میں قرآن پاک ہو اور بائیں ہاتھ میں سنت مصطفیٰ ﷺ اور ان دونوں شمعوں کی روشنی میں وہ قدم بڑھاتا جائے تاکہ نہ شبہات کے گڑھوں میں گرے اور نہ بدعت کے اندھیروں میں پھنسے۔

شیخ ابوبکر طمستانی فرماتے ہیں:

الطریق واضح والکتاب والسنۃ قائم بین اظہرنا .

''راستہ کھلا ہوا ہے اور کتاب وسنت ہمارے سامنے موجود ہے۔''

حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ایک خط میں لکھتے ہیں:

اے برادر! ورتفاوت مراتب فقرا اگر امروز خواہی کہ دریابی بجانب شریعت اونگاہ کن کہ شریعت معیار ست۔ عیار فقیر بر شریعت روشن میگردد۔

ترجمہ: اے بھائی اگر تم فقراء کے مراتب کا پتہ آج لگانا چاہو تو ان کے اتباع شریعت پر نظر کرو۔ شریعت معیار ہے، اس کسوٹی پر فقیر کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔

صوفیاء کرام نے بھی کتاب وسنت پر عمل کیا اور اپنے عقیدت میں داخل ہونے والوں کو بھی کتاب وسنت کی پیروی کی تاکید فرمائی۔ مندرجہ بالا تصریحات کے علاوہ آپ قوت القلوب رسالہ قشیریہ، کشف المحجوب، عوارف المعارف، فوائد الفواد وغیرہ کا مطالعہ کریں۔ آپ کو ان کے ہر ہر صفحہ پر کتاب وسنت پر عمل کرنے کی تلقین ملے گی۔ اس کے باوجود اگر کوئی شخص تصوف کو شریعت کے خلاف کہتا ہے تو اس کی اپنی مرضی!

دوسرا اعتراض:

معترضین یہ بھی کہتے ہیں کہ تصوف جاہلوں اور ناخواندہ لوگوں کا مسلک ہے۔ جو لوگ زیور علم سے آراستہ ہیں اور تحقیق وتدقیق کے میدان میں ید طولیٰ رکھتے ہیں، وہ تصوف کے قریب بھی نہیں پھٹکتے۔ یہ ایک ایسا الزام ہے، جو الزام لگانے والوں کی کم نظری اور لاعلمی پر دلالت کرتا ہے۔ اکابر صوفیاء اپنے اپنے زمانہ میں علم وفضل میں بھی اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے وہ اپنے ہمعصر علماء وفضلا، پر ہر لحاظ سے فوقیت رکھتے تھے بلکہ تصوف کے میدان میں قدم رکھنے سے پہلے وہ علوم وفنون میں مہارت حاصل کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ حضرت غوث الاعظم، حضرت خواجہ معین الحق والدین اجمیری، حضرت شہاب الدین سہروردی، شیخ الاسلام حضرت بہاء الحق والدین زکریا ملتانی۔ حضرت بہاء الدین

نقشبند، حضرت مجدد الف ثانی و امثالہم قدس اللہ اسرارھم نہ صرف اقلیم فقر و درویشی کے شہنشاہ تھے بلکہ کشور علم و فضل کے بھی تاجدار تھے۔ کون ہے جو ان حضرات اور ان کے جلیل القدر خلفاء پر جہالت کی تہمت لگا سکے۔ ان کی تصانیف آج بھی اہل علم و تحقیق سے خراج تحسین وصول کر رہی ہیں۔ حضرت فرید الدین مسعود گنج شکر فرمایا کرتے تھے کہ "جاہل کبھی مسخر شیطان ہو جاتا ہے اس کی نگاہ حقیقت اور سراب میں امتیاز کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ وہ دل کی بیماریوں کی صحیح تشخیص اور مناسب علاج نہیں کر سکتا۔"

حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے۔

"پیر آں چناں باید کہ در احکام شریعت و طریقت و حقیقت عالم باشد و چوں ایں چنیں باشد او خود، ہیچ نامشروع نفرمائید"۔ (فوائد الفواد)

ترجمہ: "پیر ایسا ہونا چاہئے جو شریعت، طریقت اور حقیقت کے احکام کا علم رکھتا ہو، اگر ایسا ہوگا تو وہ کسی ناجائز بات کے لئے نہ کہے گا۔"

حضرت محبوب الٰہی کا یہ احوال بھی تھا کہ وہ کسی ایسے شخص کو خلافت عطا نہیں فرماتے تھے جو عالم نہ ہو۔ حضرت یحییٰ بن معاذ رازی کا قول ہے:

"اجتنب صحبة ثلاثة اصناف من الناس العلماء الغافلين و الفقراء المداهنين والمتصوفة الجاهلين."

(کشف المحجوب)

ترجمہ: "تین قسم کے آدمیوں کی صحبت سے اجتناب کیا کرو۔ ایسے عالموں سے جو جاہل ہوں، ایسے فقیروں سے جو دھوکے باز ہوں اور ایسے صوفیوں سے جو جاہل ہوں۔"

علامہ ابن جوزی، جو صوفیاء پر تنقید کرنے میں مشہور عالم ہیں وہ بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ:

"وما كان المتقدمون في التصوف الا رؤوسا في القرآن والفقه والحديث والتفسير"

ترجمہ: "یعنی صوفیاء متقدمین علوم قرآن، فقہ، حدیث اور تفسیر میں امام ہوا کرتے تھے۔"

تیسرا اعتراض:

صوفیاء نے عیسائی راہبوں کی طرح دنیا سے قطع تعلق کر لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی تھیں، ان سے وہ لطف اندوز ہونے سے دست کش ہو گئے تھے۔ حالانکہ حدیث پاک میں موجود ہے کہ:

لا رهبانية في الاسلام

"اسلام میں رہبانیت کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔"

بے شک صوفیائے کرام ابتداء میں ہر قسم کے علائق سے دست کش ہو کر خلوت گزیں ہو جاتے ہیں اور اچھے کھانے، اچھے پہننے، رات کو آرام کرنے وغیرہ راحتوں کو ترک کر دیتے ہیں، لیکن یہ ان کا مقصد حیات نہیں ہوتا، بلکہ وقتی طور پر وہ تزکیہ، قلب اور تربیت نفس کے لئے ان مجاہدات کو اختیار کرتے ہیں اور جب وہ اس مقصد میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نور عشق سے ان کے سینے منور ہو جاتے ہیں۔ مذموم عادات سے ان کی طبیعت پوری طرح متنفر ہو جاتی ہے اور محاسن اخلاق ان کی فطرت ثانیہ بن جاتے ہیں، تو پھر ستیزہ گاہ حیات میں اسلام کا پرچم تھامے ہوئے وہ قدم رنجہ فرماتے ہیں۔ ان کے تربیت یافتہ نفوس کے راستہ میں آلام و مصائب کی کوئی چٹان حائل نہیں ہو سکتی۔ ابلیس کی کوئی فسوں کاری ان کو متاثر نہیں کر سکتی بلکہ وہ عزم و ثبات کا پیکر بن کر تسلیم و رضا کے پر خار راستہ پر خراماں خراماں گزرتے چلے جاتے ہیں اور وہ شخص جو اپنی زندگی اسلام کی سربلندی کے لئے وقف کرنا چاہتا ہو اور دنیا کے گوشے گوشے میں اس پیغام حق کو پہنچانے کے لئے میدان میں نکلنا چاہتا ہو۔ اس کے لئے ناگزیر ہے کہ پہلے وہ تزکیہ قلب اور تربیت نفس کے کٹھن مرحلہ کو کامیابی سے طے کر لے۔ اگر اس میں ذرا بھی خامی باقی ہوگی تو اس کی ادنیٰ سی لغزش اسلام کے وقار کو سخت نقصان پہنچانے کا باعث بنے گی۔

آج جب کہ ہم تبلیغ اسلام کے لئے تحصیل علم کو ہی کافی سمجھتے ہیں اور ریاضت و مجاہدہ کو غیر ضروری بلکہ خلاف اسلام چیز قرار دیتے ہیں، تو ہماری تبلیغ کا رنگ ہی بدل گیا ہے۔ نہ کلام میں اثر ہے، نہ وعظ و نصیحت کا کوئی نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ اور ہماری اخلاقی کمزوریاں قدم قدم پر عیاں ہوتی ہیں اور اسلام کی تضحیک کا باعث بنتی ہیں۔ آپ یوں سمجھئے کہ کفار کے ساتھ گھمسان کی لڑائی شروع ہے۔ آپ سپاہی بھرتی کرتے ہیں۔ کیا آپ انہیں بھرتی کرنے کے بعد فوراً میدان جنگ کی طرف روانہ کریں گے یا میدان جنگ سے بہت دور ایک چھاؤنی میں بھیجیں گے جہاں وہ فوجی نظم و ضبط کے علاوہ اسلحہ کے استعمال کے ڈھنگ سیکھیں گے اور جب وہ تربیت کے اس مرحلہ کو مکمل کر لیں گے، تب وہ اس قابل ہوں گے کہ انہیں میدان جنگ میں کسی محاذ پر متعین کیا جائے۔ اگر آپ عجلت میں سپاہیوں کو فوراً جنگ میں جھونک دیں گے تو وہ دشمن کے بجائے اپنے دوستوں کو نقصان پہنچائیں گے اور کوئی بعید نہیں کہ وہ خود ہی اپنی گولی کا نشانہ بن جائیں۔

عیسائیوں کے نزدیک رہبانیت مقصد حیات ہے۔ وہ ہمیشہ دنیا سے الگ تھلگ زندگی بسر کرنے میں ہی سلامتی اور نجات سمجھتے ہیں۔ صوفیاء کرام کے ہاں اس قسم کا قطعاً کوئی تصور نہیں۔ صوفیاء کرام کی سوانح حیات کا مطالعہ کیا جائے تو روز روشن کی طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انہوں نے دنیا کو ترک کرنے کی تلقین نہیں کی بلکہ دنیا کے لئے اعتدالانہ استعمال اور اس کی محبت میں کھو جانے سے منع کیا ہے۔ انہوں نے شادیاں کیں۔ ان کے اہل وعیال تھے، ان کے ذاتی مکانات اور مزروعہ اراضی تھیں۔ ان حقائق کی موجودگی میں ان پر رہبانیت کا الزام کیونکر درست ہو سکتا ہے اور یہ قرآن کریم کا حکم ہے اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کی ان الفاظ میں ثنا گستری فرماتا ہے:

رجال لا تلهيهم تجارة و لا بيع عن ذكر الله

''یعنی وہ مردان پاکباز ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے انہیں نہ تجارت غافل کر سکتی ہے اور نہ خرید و فروخت''

حضرت محبوب الٰہی کا ارشاد بھی سماعت فرمائیے:

'ترک دنیا نیست کہ کسے خود را برہنہ کند مثلاً لنگوتہ بہ بندو نشیند. ترک دنیا آں ست کہ لباس پوشد، طعام بخوردو آنچہ می رسد رولبد اردو لجمیع او میل نکندو خاطر را متعلق چیزے ندارد.' (فوائد الفواد)

ترجمہ: ''ترک دنیا کا یہ معنی نہیں کہ کوئی آدمی اپنے آپ کو برہنہ کرے اور لنگوٹ باندھ کر بیٹھ جائے، بلکہ ہمارے نزدیک ترک دنیا یہ ہے کہ لباس بھی پہنے، کھانا بھی کھائے اور حلال کی جو چیز دستیاب ہو اسے استعمال بھی کرے۔ لیکن دولت کو جمع کرنے کی طرف راغب نہ ہو اور دل میں اس کو جگہ نہ دے۔''

چوتھا اعتراض:

یہ اعتراض بڑے زور و شور سے تصوف اور صوفیاء پر کیا جاتا ہے اور اس زمانے میں تو اس اعتراض نے بڑی اہمیت اختیار کر لی ہے اور ہر شخص جو چند سطریں لکھنے کی صلاحیت حاصل کر لیتا ہے، وہ اہل حق پر یہ اعتراض کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتا ہے۔ آیئے پہلے معترضین کی بات سنیں اور اس کے بعد حقیقت کی کسوٹی پر اسے پرکھیں۔

معترضین حضرات کہتے ہیں کہ تصوف ایک افیون ہے اور صوفیاء نے ملت کے قوائے عمل کو مضمحل بلکہ مفلوج کر کے رکھ دیا ہے۔ ان کو اس بات پر اصرار ہے کہ ملت کو چاہئے کہ تصوف کی بنائی ہوئی ان روپہلی اور سنہری زنجیروں سے اپنے آپ کو رہا کرائیں اور تصوف کی پیدا کردہ خواب آلود فضا سے نکل کر حقائق کی تلخیوں سے دوچار ہونے کے لئے تیار ہو جائیں۔

بات یہی ہے لیکن معترضین نے اسے نئے نئے جاذب قلوب و نظر اسالیب میں بیان کر کے بڑی رنگ آمیزیاں کی ہیں۔

ہم بڑی ذمہ داری اور وثوق کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ یہ الزام سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ ان بزرگوں نے ملت کے عروق مردہ میں ہمیشہ نئی روح پھونکی ہے۔ ان کی فیض نگاہ سے حوصلوں میں بلندی، عزائم میں پختگی، ولولوں میں جولانی اور قوت عمل میں برق آسا سرعت اور چمک پیدا ہوتی ہے۔ آپ ذرا تعصب کی پٹی اتار دیجئے اور تبلیغ اسلام کی تحریک کے جوانمرد علمبرداروں کے نقوش پا کو دیکھتے ہوئے ان میدانوں تک پہنچنے کی کوشش کیجئے جہاں حق نے باطل پر ابدی فتح حاصل کی۔ برصغیر پاک و ہند پر ذرا سرسری نظر ڈالیے۔ سجستان کا ایک درویش، تبلیغ اسلام کے جذبے سے سرشار ہو کر اپنے وطن کو چھوڑتا ہے، اپنے اقارب و احباب کو الوداع کہتا ہے۔ اپنی منقولہ اور غیر منقولہ املاک سے دست کش ہوتا ہے اور تنہا بتکدۂ ہند کا رخ کرتا ہے۔ یہاں بھی کئی ایسے گوشے تھے جہاں اسلام نے اپنے قدم جما لئے تھے، لیکن اس کے حوصلہ کی بلندی اور اس کے عزائم کی پختگی اور اس کے جوش کی جولانی اسے راجپوتانہ کے اس علاقہ میں لے جاتی ہے جہاں کفر کی کالی رات چھائی ہوئی ہے۔ ایک آمر مطلق راجہ وہاں کا حکمران ہے وہ ظالم راجہ کی اس ریاست کے کسی دور افتادہ گوشہ کو اپنا مسکن نہیں بناتا، بلکہ اس کی راجدھانی میں جا کر اپنا مصلیٰ بچھا دیتا ہے۔ ساری آبادی بت پرست ہے اور اپنے ان مشرکانہ عقائد میں حد درجہ غلو رکھتی ہے۔ وہ اپنے ان معبودوں کے خلاف کوئی بات سننا گوارا نہیں کر سکتی۔ جگہ جگہ مندر موجود ہیں۔ بڑے بڑے برہمن ان لوگوں کے عقائد اور نظریات کی حفاظت کے لئے ہر قسم کے علوم و فنون سے مسلح ہیں۔ مسند حکومت پر پرتھوی راج جیسا جابر، ظالم اور متعصب ہندو راجہ براجمان ہے۔ اس ناسازگار ماحول میں جو شخص حق کی دعوت دیتا ہے اور ہر قسم کے خطرات کے سامنے سینہ سپر ہوتا ہے، اور پھر اسلام کے پرچم کو یوں لہراتا ہے کہ اسے صدیوں کے انقلابات بھی سرنگوں نہیں کر سکتے۔ وہ شخص کون ہے؟ وہ ایک صوفی ہے۔ تصوف کے رنگ میں اس کا ظاہر اور باطن، اس کا ذہن، اس کا دل، اس کی سوچ اور اس کا نطق سب رنگے ہوئے ہیں۔ کیا ایسے شخص کے بارے میں آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کی تعلیمات قوائے عمل کو مفلوج کر دینے والی ہیں۔ وہ رزمگاہ حیات سے فرار کا راستہ بتاتا ہے۔ اگر آپ میں یہ جرأت ہے تو آپ کہیے اور کہتے

رہے۔ لیکن آپ کے غل مچانے سے حقیقت مسخ نہیں ہو سکتی۔ اس کی خانقاہ کے فیض یافتہ صوفی ہندوستان کے شرق و غرب میں پھیل جاتے ہیں اور کفر و شرک کا اندھیرا جو صدیوں سے یہاں خیمہ زن تھا اس کو اپنے نعرہ قلندرانہ سے نیست و نابود کر کے رکھ دیتے ہیں۔ کاش اس قسم کے نفوس قدسیہ ملت کو ہمیشہ نصیب ہوتے!

شاید معترضین کے علم میں نہ ہو کہ جب چنگیزی طوفان نے دنیائے اسلام کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا تھا۔ ہزاروں آباد شہر ویران کر دیئے گئے تھے۔ لاکھوں بے گناہوں کو تہ تیغ کر دیا گیا تھا۔ عروس البلاد بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی تھی۔ عقل و دانش کے پرستار اسلام کے مستقبل سے مایوس ہو گئے تھے۔ معلوم ہے آپ کو کہ کس نے ان سرکش طوفانوں کا رخ موڑا تھا، کس نے اسلام کے دشمنوں کو اسلام کی شمع کا پروانہ بنا دیا تھا۔ وہ انہی صوفیاء کے گروہ کا فرد تھا جس کی ایک نظر نے ساری فضا کو بدل کر رکھ دیا تھا۔ ایک خراسانی بزرگ جو سلسلہ عالیہ قادریہ سے نسبت رکھتے تھے اشارۂ غیبی کے تحت ہلاکو خان کے بیٹے تگودار خان کو دعوت اسلام دینے کے لئے تشریف لائے۔ وہ شکار سے واپس آ رہا تھا۔ اپنے محل کے دروازے پر ایک درویش کو دیکھ کر اس نے ازراہ تمسخر پوچھا: "اے درویش! تمہاری داڑھی کے بال اچھے ہیں یا میرے کتے کی دم؟" اس بیہودہ سوال پر آپ قطعاً برہم نہ ہوئے۔ بڑے تحمل سے فرمایا: اگر میں اپنی جان نثاری اور وفاداری سے اپنے مالک کی خوشنودی حاصل کروں تو میری داڑھی کے بال اچھے ہیں ورنہ آپ کے کتے کی دم اچھی ہے جو آپ کی فرمانبرداری کرتا ہے اور آپ کے لئے شکار کی خدمت انجام دیتا ہے۔ تگودار خان، اس غیر متوقع جواب سے بہت متاثر ہوا اور آپ کو مہمان کی حیثیت سے اپنے پاس ٹھہرایا اور آپ کی تبلیغ سے اس نے در پردہ اسلام قبول کر لیا لیکن اپنی قوم کی مخالفت کے خوف سے اس کا اظہار نہ کیا۔ پھر انہیں یہ کہہ کر رخصت کیا کہ سردست آپ تشریف لے جائیں، میں اپنی قوم کو ذہنی طور پر اسلام قبول کرنے پر آمادہ کروں گا۔ چنانچہ آپ وطن واپس آ گئے۔ کچھ عرصہ بعد آپ کا انتقال ہو گیا۔ وفات سے پہلے اپنے بیٹے کو وصیت کی وہ تگودار خان کے پاس جائے اور اسے اپنا وعدہ یاد دلائے۔ کچھ عرصہ بعد وہ تگودار خان کے پاس پہنچے۔ اس سے اپنا تعارف کرایا اور اپنے آنے کی وجہ بتائی۔ اس نے کہا کہ دوسرے تمام سردار اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہیں، لیکن فلاں سردار ابھی اسلام قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اگر وہ راہ راست پر آ جائے تو یہ مشکل آسان ہو سکتی ہے۔ آپ نے اسے بلا بھیجا اور تبلیغ کی۔ اس نے کہا میری ساری عمر میدان جنگ میں گزری ہے۔ میں علمی دلائل کو نہیں سمجھ سکتا۔ میرا ایک ہی مطالبہ ہے کہ یہ درویش میرے پہلوان سے مقابلہ کرے۔ اگر اسے پچھاڑ دے تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔ تگودار خان نے آپ کا نحیف و لاغر جسم دیکھ کر اس مطالبہ کو مسترد کرنا چاہا، لیکن آپ نے اس کا چیلنج منظور کر لیا۔ مقابلہ کے لئے تاریخ اور جگہ کا تعین ہو گیا۔ مقررہ دن بے شمار مخلوقات یہ عجیب و غریب دنگل دیکھنے کے لئے جمع ہو گئی۔ ایک طرف نحیف و کمزور پیر فرتوت اور دوسری طرف ایک پہل تن گرانڈیل نوجوان۔ تگودار خان نے بڑی کوشش کی کہ یہ مقابلہ نہ ہو لیکن وہ درویش مقابلہ کرنے کے لئے مصر تھا۔ جب دونوں پہلوان اکھاڑے میں نکلے تو آپ نے اس زور سے اپنے حریف کو ایک طمانچہ مارا کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ وہ غش کھا کر زمین پر آ گرا۔ وہ سردار حسب وعدہ میدان میں نکل آیا۔ آپ کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ تگودار خان نے بھی اپنے ایمان کا اظہار کر کے اپنا نام احمد رکھا۔

ہلاکو خان کا ایک چچازاد بھائی تھا، جس کا نام برکہ تھا۔ اسے بھی حضرت شیخ شمس الدین باخوری نے مشرف باسلام کیا۔ اس طرح ان پاک نہاد صوفیاء کی جرات ایمانی اور دلآویز اسلوب تبلیغ کے طفیل "پاسبان مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے" فتح قسطنطنیہ اسلامی فتوحات کی تاریخ کا ایک لافانی واقعہ ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ بائیس سالہ سلطان محمد کو کس نے اس کٹھن مہم کو سر کرنے کے لئے برانگیختہ کیا۔ وہ ایک صوفی تھے (حضرت عاشق شمس الدین) جو سلطان محمد کے مرشد طریقت تھے۔ انہیں کی ترغیب اور بشارت سے سلطان نے یہ بے نظیر کارنامہ انجام دیا۔

جن صوفیاء کی مساعی جمیلہ کے صدقے دنیا میں اسلام پھیلا، قلعے اور شہر فتح ہوئے قوموں اور ملکوں کے مقدر سنور گئے۔ ان کے بارے میں اسی ملت کے افراد اگر یہ کہیں کہ تصوف ایک افیون ہے، یہ غور و فکر کی قوتوں کو شل کر دیتا ہے، قوائے عمل کو اپاہج بنا دیتا ہے تو اس زیادتی پر کس سے شکوہ کیا جائے؟

آیئے بیگانوں سے پوچھئے کہ وہ صوفیاء کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"یورپ کے مستشرق جب اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو انہیں یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ مسلمانوں کا سیاسی زوال بھی ان کے دینی نظام کو تباہ نہ کر سکا بلکہ بقول پروفیسر ہٹی (Hitti) اکثر ایسا ہوا کہ سیاسی اسلام کے تاریک ترین لمحات میں مذہب اسلام نے بعض نہایت شاندار کامیابیاں حاصل کیں۔ ہالینڈ کے ایک فاضل لوکے گارڈنے دبے انداز میں اس بات پر استعجاب کا اظہار کیا ہے کہ گو اسلام کا سیاسی زوال تو بارہا ہوا لیکن روحانی اسلام میں ترقی کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا۔"

پروفیسر موصوف نے ایک مشہور مستشرق ایچ اے آر گب (Gibb) کی ایک تقریر کا حوالہ بھی دیا ہے جو انہوں نے آکسفورڈ یونیورسٹی کی مجلس کے سامنے کی تھی۔ گب نے کہا: "تاریخ اسلام میں بارہا ایسے مواقع آئے ہیں کہ اسلام کے کلچر کا شدت سے مقابلہ کیا گیا، لیکن بایں ہمہ وہ مغلوب نہ ہو سکا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ تصوف یا صوفیا کا انداز فکر فوراً اس کی مدد کو آجاتا تھا اور اس کو اتنی قوت اور توانائی بخش دیتا تھا کہ کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی۔"

اسلام کے مخالف اور بدخواہ تو اس طوفانی قوت کا اندازہ کر کے لرزہ براندام ہیں جو تصوف کے چشمہ شیریں سے ملت کو حاصل ہوتی ہے۔ ادھر ہم ہیں کہ احساس کمتری میں مبتلا ہیں اور شکوک وشبہات کے خس وخاشاک سے اس چشمہ صافی کو گدلا کرنے کے درپے ہیں۔ تحریک پاکستان میں صوفیاء کرام نے جو شاندار کردار انجام دیا ہے، یہ تو کل کی بات ہے۔ اس کا کون انکار کر سکتا ہے۔

عصر حاضر مادیت گزیدہ ہے۔ ہر شخص مادی ثروت، مادی لذتوں اور مسرتوں اور مادی جاہ ومنصب کے حصول کے لئے دیوانہ وار مصروف عمل ہے۔ اس دور میں اسے اس کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں کہ پاکیزہ اخلاقی قدریں کس طرح پامال ہو رہی ہیں۔ روحانیت کا رخ زیبا کیونکر مسخ ہو رہا ہے اور دل کی دنیا طمع وحرص اور حسد وبغض کی آلائشوں سے کس قدر متعفن ہو رہی ہے۔ اگر یہ دیوانگی ہمیں کسی اچھے انجام سے دوچار کرتی تو ہم قطعاً اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند نہ کرتے لیکن ہم کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ ہم بڑی سرعت سے زوال وانحطاط کے گڑھے کے قریب ہوتے جا رہے ہیں اور یہ ایسا گڑھا ہے جس میں قوم گری ہے پھر اسے ابھرنا نصیب نہیں ہوا۔ ملت کے بہی خواہوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی جملہ علمی، روحانی اور علمی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اپنی ملت کو اس گڑھے میں گرنے سے بچائیں۔ اس کا موثر ترین طریقہ یہ ہے کہ ان پاکیزہ فطرت ہستیوں کی زندگی کا مرقع زیبا پیش کریں جہاں للّٰہیت، خلوص، قناعت، استغناء، عالی حوصلگی، جرأت، سخاوت اور ہر انسان سے بے پناہ ہمدردی کے انوار قلب ونظر کو روشنی بخش رہے ہوں اور یہ ساری خوبیاں اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ صوفیاء کرام کے سوانح حیات میں ہی دستیاب ہو سکتی ہیں۔

اسی فرض کی ادائیگی کے احساس نے مجھے مجبور کیا ہے کہ اپنے نوجوانوں کی خدمت میں اس یگانہ روزگار درویش، اس فقید المثال مرد حق سراپا نور وضیاء، مرشد وہادی کی سیرت طیبہ کے چند دلنواز پہلو پیش کر کے ان وارفتگان حسن غیر کو یہ کہہ کر جھنجھوڑ سکوں

اے تماشہ گاہ عالم روئے تو
تو کجا بہر تماشہ روی

حضرت گنج بخش کے حالات زندگی

حضرت کا اسم گرامی علی ہے اور آپ کی کنیت ابوالحسن ہے۔ آپ کی ولادت باسعادت افغانستان کے ایک مردم خیز خطہ غزنی میں ہوئی جو غازی سلطان محمود بت شکن کا وطن ہے۔ غزنی کے دو محلے تھے۔ ایک کا نام جلاب اور دوسرے کا نام ہجویر تھا کہتے ہیں کہ ایک محلہ میں آپ کے ددھیال اور دوسرے محلہ میں آپ کے ننھیال سکونت پذیر تھے۔ آپ کی ابتدائی زندگی کا کچھ عرصہ محلہ جلاب میں بسر ہوا اور کچھ عرصہ محلہ ہجویر میں سکونت رہی۔ اسی لئے آپ کے اسم گرامی کے ساتھ یہ دونوں نسبتیں مذکور ہوتی ہیں۔ کشف المحجوب میں آپ نے خود اپنا اسم مبارک یوں رقم فرمایا ہے: علی بن عثمان بن علی الجلابی الغزنوی ثم الہجویری۔

سلسلہ ونسب

آپ کے سوانح نگاروں نے آپ کا سلسلہ نسب یوں بیان کیا ہے: حضرت علی ہجویری بن عثمان بن علی عبدالرحمٰن بن شجاع بن ابوالحسن علی بن حسن اصغر بن زید بن حضرت امام حسن بن امام الاولیاء والاصفیاء سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم ورضی اللہ عنہ وعن آلہ الکریم۔

اس سے معلوم ہوا آپ ہاشمی سید ہیں اور حسنی ہیں۔

آپ کا خاندان

غزنی میں آپ کا خاندان وہاں کے عوام وخواص کی عقیدت کا مرکز تھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ بڑی عابدہ، زاہدہ، خدا رسیدہ خاتون تھیں۔ آپ حسینی سادات سے تھیں۔ گویا حسنی جمال اور حسینی جلال کی جملہ رعنائیاں اور دلفریبیاں سمٹ کر آپ کی ذات بابرکات میں مجتمع ہو گئی تھیں۔ آپ کے ماموں تاج الاولیاء کے معزز لقب سے مشہور تھے۔ داراشکوہ جب اپنے والد شاہجہان کے ہمراہ افغانستان کی سیر کے لئے گیا تو اس نے تاج الاولیاء کے مزار پر انوار پر بھی حاضری دی اور روحانی فیوض وبرکات سے اپنا دامن معمور کیا۔ حضرت تاج الاولیاء کے مزار پر انوار

کے ساتھ ہی ان کی ہمشیرہ یعنی حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ کا مرقد مبارک بھی ہے۔

آپ کی ولادت

تذکرہ نگاروں نے آپ کی ذاتی اور خاندانی حالات کے بارے میں بڑے اختصار سے کام لیا ہے۔ اس لئے تفصیلات کی جستجو کرنے والوں کی تشنگی برقرار رہتی ہے۔ یہاں تک کہ آپ کے سال ولادت کے بارے میں بھی آپ کے تذکرہ نگاروں میں اتفاق رائے نہیں۔ اندازہ کے طور پر ہی کہا جا سکتا ہے کہ آپ کا سال ولادت 400ھ ہے۔ دور سلطنت غزنی کے عروج کا دور تھا۔ سلطان محمود غزنوی کے عہد حکومت کا ابتدائی زمانہ تھا۔ حضرت داتا صاحب نے بھی اپنی تاریخ ولادت کے بارے میں کچھ نہیں لکھا۔ آپ تحریر فرما دیتے تو پھر بحث وتکرار کی گنجائش نہ رہتی۔ عجز وانکسار اولیا اللہ کا شعار ہے۔ آپ نے بھی شاید ازراہ تواضع اپنی تاریخ پیدائش کو کوئی اہم تاریخی واقعہ قرار نہ دیتے ہوئے اس کی تصریح کی ضرورت نہیں سمجھی۔

حالات زندگی

ہمارے نزدیک آپ کی حالات زندگی کا سب سے باوثوق مرجع آپ کی تصنیف کشف المحجوب ہے۔ اسی کے مطالعہ سے آپ کے حالات زندگی پر روشنی پڑتی ہے۔ اس میں آپ نے جگہ جگہ اشارے کئے ہیں کہ آپ کو بچپن سے ہی حصول علم کا شوق بے چین رکھتا تھا اور آپ نے اپنے زمانہ کے جلیل القدر علماء کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے اکتساب فیض کیا۔ آپ نے صرف اپنے علاقہ کے علماء ہی سے تحصیل علم پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ شام، عراق، بغداد، مدائن، فارس، کوہستان، آذربائیجان، طبرستان، خوزستان، خراسان اور ماوراء النہر کے اسلامی صوبوں میں مشہور علماء وفضلا سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ حصول علم کے لئے سفر کی صعوبتیں بڑی خندہ پیشانی سے برداشت کیں۔ علوم ومعارف کے سمندر پی جانے کے باوجود شوق علم کی بے تابیاں کم نہ ہوئیں۔ آپ خود تحریر فرماتے ہیں کہ:

فقط خراسان میں تین سو مشائخ کی خدمت میں حاضری دی اور ان کے علم وحکمت کے پر بہار گلستانوں سے گل چینی کر کے اپنا دامن بھرتے رہے۔ آپ کے بے شمار اساتذہ میں سے دو اساتذہ کا ذکر آپ نے کشف المحجوب میں انتہائی ادب واحترام سے کیا ہے۔ ایک کا اسم گرامی شیخ ابوالعباس احمد بن محمد الاشقانی، دوسرے کا نام نامی شیخ ابوالقاسم علی گرگانی رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ پروفیسر نکلسن جو کیمبرج یونیورسٹی میں عربی اور فارسی کے استاد رہے ہیں اور جنہیں کشف المحجوب کا انگریزی ترجمہ کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے، وہ آپ کے شوق کے علم کے بارے میں لکھتے ہیں:

آپ نے اسلامی مملکت کے دور دراز علاقوں کا سفر اختیار کیا۔ شام سے ترکستان تک سندھ سے بحر کیسپین تک علاقہ چھان مارا۔"
(مقدمہ انگریزی ترجمہ کشف المحجوب)

تحصیل علم کے بعد مرشد کامل کی تلاش میں آپ نے بڑے طویل سفر کیے۔ آپ کی طلب صادق پر اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا اور آپ کی رسائی اس شیخ کامل تک ہوئی جن کے حسن تربیت اور فیض نظر کے باعث آپ سپہر معرفت پر آفتاب عالمتاب بن کر طلوع ہوئے اور اب تک دنیا ان کی ضوفشانیوں سے فیض یاب ہو رہی ہے۔

ہم جب اولیاء کاملین کی سیرتوں کا مطالعہ کرتے ہیں، تو ایک قدر مشترک ہمیں ہر جگہ نظر آتی ہے کہ یہ نفوس قدسیہ پہلے ظاہری علوم میں مہارت وکمال حاصل کرتے اور اس کے بعد جادہ عشق ومحبت الٰہی پر قدم رکھتے اور اس وقت تک مصروف جہاد رہتے جب تک شاہد حقیقی ان کے شوق کی بے تابیوں پر رحم فرماتے ہوئے حریم ذات کے دروازے ان کے لئے نہ کھول دیتا۔

یا جاں رسد بجاناں یا جاں زتن بر آید

آپ کے شیخ کامل کا اسم گرامی شیخ ابوالفضل بن حسن ختلی ہے جو سلسلہ جنیدیہ کے شیخ کامل تھے۔ سلسلہ بیعت یوں ہے: حضرت شیخ ابو الفضل بن حسن ختلی ان کے شیخ اسم گرامی شیخ ابوالحسن حصری ہے، ان کے شیخ کا اسم گرامی شیخ ابوبکر شبلی جو مرید تھے حضرت جنید بغدادی کے وہ مرید تھے حضرت شیخ سری سقطی کے۔ ان کی بیعت حضرت معروف کرخی سے تھی وہ حضرت داؤد طائی کے مرید اور خلیفہ مجاز تھے۔ حضرت داؤد طائی کی بیعت حضرت حبیب عجمی سے تھی اور وہ مرید تھے حضرت خواجہ حسن بصری کے۔ جنہیں فیضان طریقت ارزانی ہوا تھا، حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے جن کی پرورش آغوش نبوت میں ہوئی جو فیضان رسالت سے فیض یاب ہوئے۔ یعنی سرور کائنات ﷺ سے۔

شیخ ابوالفضل ختلی کے علاوہ جن بزرگوں سے آپ نے فیضان حاصل کیا۔ ان میں سے حضرت ابوسعید ابوالخیر اور رسالہ قشیریہ کے مصنف امام ابوالقاسم قشیری خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اپنے شیخ ختلی کے بارے میں حضرت داتا صاحب قدس سرہ لکھتے ہیں:

''وہ صوفیاء متاخرین میں زینت اوتاد اور شیخ عباد ہیں۔ طریقت میں میری بیعت انہیں سے ہے، تصوف میں حضرت جنید کا مذہب رکھتے ہیں اور حضرت شیخ مصری کے رازدار مرید تھے''

آپ سالہا سال مرشد کامل کی خدمت میں شب و روز مصروف رہے حتیٰ کہ حضرت ابوالفضل ختلی کا جب وصال ہوا تو ان کا سر مبارک حضرت علی ہجویری قدس سرہ، کی گود میں تھا۔ اس سے اس قرب اور محبت کا بھی پتہ چلتا ہے جو مرشد کامل کو اپنے نور نظر روحانی شاگرد سے تھی۔

فقہی مذہب

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد تھے اور ان سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے۔ کشف المحجوب میں جہاں بھی حضرت امام اعظم کا ذکر خیر آیا ہے۔ آپ نے بڑے معزز القاب سے ان کا ذکر کیا ہے جس سے اس احترام و عقیدت کا پتہ چلتا ہے جو حضرت امام ابوحنیفہ کے بارے میں آپ کے دل میں تھا۔ کہیں ان کو امام اماماں، مقتدائے سنیاں کہا ہے اور کہیں شرف فقہاء اعز علماء کے الفاظ سے خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

آپ کی ازدواجی زندگی

آپ کی ازدواجی زندگی کے بارے میں بھی کسی تذکرہ میں تفصیلات دستیاب نہیں، البتہ کشف المحجوب کے ایک حوالہ سے اس قدر پتہ چلتا ہے کہ آپ نے شادی کی لیکن کچھ مدت کے بعد مفارقت ہوگئی۔ پھر آپ نے تازیست دوسری شادی نہیں کی۔

لاہور میں ورود مسعود

اپنے مرشد کامل کے وصال کے بعد آپ نے اپنے وطن غزنی کو خیر باد کہا اور تبلیغ اسلام کا شوق آپ کو کشاں کشاں بت کدہ ہند میں لے آیا۔ آپ کے ہمراہ آپ کے دو دوست شیخ احمد سرخسی اور شیخ ابوسعید ہجویری بھی تھے۔ اسلام کے یہ پرجوش مبلغ اگرچہ تعداد میں قلیل تھے۔ لیکن ماحول کی اجنبیت، ساز و سامان کے فقدان اور مخالفین کے تشدد و تعصب کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے تبلیغ اسلام کا فریضہ ادا کرنے کے لئے لاہور کی طرف روانہ ہوئے۔ اور یہ راستہ میں جہاں جہاں ٹھہرے کفر و ظلمت کے اندھیروں میں توحید کی شمعیں فروزاں کرتے آئے۔ جب سرزمین لاہور ان نفوس قدسیہ کی قدم بوسی سے مشرف ہوئی اس وقت لاہور میں سلطان محمود غزنوی کا لڑکا سلطان مسعود غزنوی سریر آرائے مملکت تھا۔

اس کا عہد حکومت 421ھ تا 433ھ ہے، لیکن لاہور میں آپ کی آمد کے سال کا تعین مشکل ہے۔ اگر آپ کا سال وصال 465ھ تسلیم کیا جائے، تو لاہور میں آپ کے قیام کی مدت 30 سال سے زائد بنتی ہے۔ اس عرصہ میں آپ شب و روز اسلام کی تبلیغ میں مصروف رہے۔ آپ کے بے داغ اور دلکش سیرت، پرنور شخصیت، آپ کے پرخلوص دل سے نکلے ہوئے اور دلوں میں اتر جانے والے مواعظ حسنہ لوگوں کو کفر و ضلالت کی دلدل سے نکال کر صراط مستقیم پر گامزن کرتے رہے۔

جن خوش نصیب لوگوں نے آپ کے دست ہدایت پر اسلام کی بیعت کی اور آپ کے فیض نگاہ کی برکت سے ان کے لوح قلب پر کلمہ توحید یوں نقش ہوا کہ صرف وہی تادم واپس اس کی لذت سے سرشار نہیں رہے بلکہ سات سو صدیاں گزرنے کے باوجود ان کی نسلیں بھی اسی ذوق و شوق کے ساتھ اسی کلمہ توحید کا ورد کر رہی ہیں۔ اور جب بھی وقت آتا ہے تو پرچم توحید کو بلند کرنے کے لئے بلا تامل بصد مسرت اپنے سروں کے نذرانے پیش کر دیتی ہیں۔ اللہ کے بندوں کی یہی خصوصیت ہے کہ ان کا پڑھایا ہوا سبق فراموش نہیں ہوتا بلکہ گردش لیل و نہار اور حوادث دہر کے باوجود اس کی سرمستیاں بڑھتی رہتی ہیں، اس کی آب و تاب میں اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے۔ ایک درویش جس کے پاس نہ خزانہ ہے، نہ لشکر اور نہ دنیوی وسائل ہیں اور نہ جاہ و حشمت۔ اپنے مصلے پر بیٹھا ہے، اپنے معبود برحق کی یاد میں ہمہ وقت مصروف ہے۔ اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات کے نزول کے باعث اسے وہ شان دلربائی عطا کر دی جاتی ہے کہ لوگ اس کے رخ زیبا کو دیکھتے ہی اپنے زنار توڑ دیتے ہیں۔ اپنے آبائی عقیدوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ترک کر دیتے ہیں۔ کل تک جن بتوں کی وہ پرستش کر رہے تھے، آج اپنے ہاتھوں سے انہیں ٹکڑے کر دیتے ہیں اور اس خداوند قدوس کی بارگاہ بیکس پناہ میں سجدہ ریز ہو جاتے ہیں اور ان سجدہ ریزیوں میں انہیں جو لطف، جو سرور، جو کیف میسر ہوتا ہے اس پر وہ اپنا سب کچھ نثار کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔

غزنوی خاندان کے باہمت فاتحین نے ممالک فتح کیے، قلعے سر کئے اور شاہی محلات پر اپنے پرچم لہرائے، لیکن ہجویر سے آئے ہوئے اس غریب الدیار درویش نے قلوب کی اقالیم کو مسخر کیا اور تعصب اور ہٹ دھرمی کے قلعوں کو پیوند خاک کیا اور جہالت و گمراہی کے مرکزوں کو سرکا کر حقیقت کے رخ زیبا کو یوں بے نقاب کیا کہ ہر صاحب قلب سلیم دیوانہ وار اس پر سو جان سے نثار ہونے لگا۔

آپ کا وصال

آپ کی تاریخ وصال کے بارے میں بھی متعدد اقوال ہیں۔ پروفیسر نکلسن نے آپ کے وصال کے بارے میں لکھا ہے کہ 456ھ تا 465ھ کا کوئی درمیانی سال آپ کا سال وفات ہے۔ لیکن جامی لاہوری کی جو کتبہ پہلے آستانہ عالیہ کے دروازہ پر نصب ملا تھا اس میں وفات کی تاریخ لفظ "سردار" سے نکالی گئی ہے اس طرح سال وصال 465ھ بنتا ہے۔

خانقاہ	علی	ہجویری	ست
خاک	جاروب	از	درش	بردار
طوطیا	کن	بدیدہ	حق	بیں
تاشوی	واقف	در	اسرار
چونکہ	سردار	ملک	معنی	بود
سال	وصلش	بر	آید از	"سردار"

آپ کی تصانیف

آپ ایک بلند پایہ عالم، بالغ نظر محقق اور معقول و منقول کے جامع تھے اور اس کے ساتھ آپ کا باطن نور عرفان سے تجلّی گار رہا تھا۔ آپ نے مختلف اہم موضوعات پر متعدد کتاب تصانیف کیں جن کے نام یہ ہیں:

1: دیوان (جو آپ کے اشعار کا مجموعہ تھا) 2۔ کتاب فنا وبقا۔ 3۔ اسرار الخلق والمونات۔ 4۔ کتاب البیان لاہل العیان۔ 5۔ بحر القلوب۔ 6۔ الرعایۃ الحقوق اللہ۔ 7۔ منہاج الدین۔ 8۔ شرح کلام منصور الحلاج۔

لیکن بصد افسوس یہ کہنا پڑتا ہے کہ ان گراں مایہ تصنیفات میں سے کوئی کتاب بھی اس وقت موجود نہیں۔ بعض کتابیں لوگوں نے سرقہ کر لیں اور انہیں اپنی طرف منسوب کر دیا۔ اس کا ذکر حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے حسرت و تاسف کے ساتھ کشف المحجوب میں کیا ہے اور دوسری کتب ویسے ناپید ہو گئیں۔ اس وقت آپ کی تصنیفات میں سے صرف ایک نادر روزگار کتاب موجود ہے جس کا نام "کشف المحجوب" ہے۔

اب کچھ کشف المحجوب کے بارے میں

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ تصنیف کی قدر و قیمت کا اندازہ اس کے مصنف سے لگایا جاتا ہے۔ جس کتاب کا مصنف اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ بندہ، عارف، کامل، عالم ربانی حضرت ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری جیسی فقید المثال ہستی ہو، اس کتاب کے بارے میں کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ ہر زمانہ کے اہل علم اور ارباب طریقت و حقیقت نے اس کتاب کی عظمت اور افادیت کا اعتراف کیا ہے، انہیں میں سے چند ایک کے ذکر پر اکتفا کرتا ہوں:

حضرت مولانا جامی قدس سرہ اپنی مشہور عام کتاب "نفحات الانس" میں حضرت گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں رقمطراز ہیں:

"عارف بود و صحبت بسیارے از مشائخ دیگر رسیدہ است، صاحب کتاب کشف المحجوب است کہ از کتب معتبرہ مشہور دریں فن است ولطائف وحقائق بسیار درآں کتاب جمع کردہ است"

ترجمہ: "یعنی آپ عالم بھی تھے اور رموز و حقائق کے عارف بھی تھے۔ کثیر التعداد مشائخ کی صحبت سے فیض یاب ہوئے اور آپ کشف المحجوب کے مصنف ہیں اور یہ کتاب فن تصوف کی معتبر اور مشہور کتب میں سے ہے۔ آپ نے اس کتاب میں بے شمار لطائف و حقائق کو جمع کر دیا ہے۔"

مفتی غلام سرور لاہوری جو ایک بلند پایہ مصنف ہیں اور اپنے ہمعصروں میں ان کا شمار محققین میں ہوتا تھا تصوف اور صوفیاء کے بارے میں ان کی ذات ایک گراں قدر منبع و ماخذ تھی۔۔۔ آپ "خزینۃ الاصفیاء" میں لکھتے ہیں:

"شیخ علی ہجویری را تصانیف بسیار است۔ اما کشف المحجوب از مشہور و معروف کتب دے است و ہیچ کس را بر وے جائے سخن نے بلکہ پیش ازیں کتب تصوف ہیچ کی بزبان فارسی تصنیف نشدہ بود"۔

ترجمہ: "حضرت شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی بہت سی تصانیف ہیں اور ان میں سب سے زیادہ مشہور و معروف کتاب کشف المحجوب ہے اور کسی کو مجال نہیں کہ اس پر کوئی اعتراض کر سکے یا تنقید کر سکے۔ علم تصوف میں یہ پہلی تصنیف ہے جو فارسی زبان میں لکھی گئی ہے۔"

سب سے زیادہ گرانقدر اور صحیح رائے وہ ہے جو سلطان المشائخ نظام الحق والدین محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کے بارے میں ارشاد فرمائی ہے۔ فوائد الفواد میں ہے۔ آپ نے فرمایا:

"جس کا کوئی مرشد نہ ہو اسے اس کتاب کے مطالعہ کی برکت سے مرشد مل جائے گا۔"

کشف المحجوب کے زندہ جاوید ہونے کی ایک بہت بڑی دلیل یہ ہے کہ اس زمانہ لوگوں کا رجحان مادہ پرستی کی طرف ہے، اپنے اور بیگانے آج بھی اس کتاب کی تحقیق اور معیاری طباعت میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے میں کوشاں ہیں۔ مسلمانوں کے غیر مسلم مستشرقین اس کا ترجمہ دوسری زبانوں میں کر رہے ہیں۔ انگریز مستشرقین میں سے نکلسن جو کیمبرج یونیورسٹی میں عربی اور فارسی کے پروفیسر تھے، نے اس کا ترجمہ، انگریزی زبان میں کیا ہے اور ترجمہ کرنے کا حق ادا کر دیا ہے۔ اسی طرح اشترا کی روس کے مستشرق پروفیسر ژوکوفسکی نے اس کتاب کی اہمیت اور افادیت کو تسلیم کرتے ہوئے کشف المحجوب کے ایک قدیم کی تصحیح کے لئے اپنی زندگی کے کئی قیمتی سال صرف کیے۔ اور فارسی زبان میں ایک محققانہ مقدمہ لکھ کر اسے لینن گراڈ سے شائع کیا۔ وہ خطہ جو خدا کے وجود کا ہی منکر ہے، دین اور روحانیہ کو لغو اور فضول سمجھتا ہے۔ اس کے ایک فاضل نے بھی اس کتاب کی تحقیق، تصحیح اور تشریح میں اپنا قیمتی وقت صرف کیا، اور ایک محققانہ مقدمہ کا اضافہ کر کے اس کتاب کی افادیت اور اہمیت کو خراج عقیدت پیش کرنے پر مجبور ہوا۔ اردو میں بھی بے شمار اہل علم و فضل نے اس کے تراجم کیے ہیں۔

گنج بخش کا لقب

حضرت کی ذات والا صفات اپنے نام سے زیادہ اس معزز لقب سے اکناف عالم میں مشہور و معروف ہے۔ اہل تحقیق نے اس لقب کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ حضرت سلطان الہند خواجہ خواجگان معین الحق والدین اجمیری قدس سرہ العزیز آنجناب کے مزار پر انوار پر حاضر ہوئے اور ایک حجرہ میں چالیس دن تک مصروف عبادت و ریاضت رہے۔ اس عرصہ میں حضرت ہجویری نے آپ پر اپنے لطف و عنایت کی وہ بارش کی جس کا اندازہ حضرت غریب نواز ہی لگا سکتے ہیں۔ آپ نے جب آستانہ عالیہ سے رخصت ہونے کا ارادہ فرمایا تو بے ساختہ آپ کی زبان پر حضرت ہجویری کی مدح میں یہ شعر جاری ہو گیا۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

مرد خدا کی زبان سے نکلا ہوا یہ شعر زبان زد خاص و عام ہو گیا۔ یوں آگ گنج بخش کے معزز لقب سے معروف ہوئے۔

آپ کے بعد ہر زمانہ میں اولیاء، کاملین اور علماء ربانیین آپ کے در اقدس پر حاضر ہوتے رہے اور آپ کے دستر خوان جود و کرم سے جھولیاں بھر بھر کے لے جاتے رہے۔ اس زمانہ میں بھی جبکہ اولیاء کرام کے مزارات مقدسہ پر حاضری کو بدعت و شرکت ثابت کرنے کی ایک تند و تیز مہم جاری ہے حضرت داتا گنج بخش کی ذات انوار کی دلکشی کا یہ عالم ہے کہ دن رات طالبان حق کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ گرمی ہو یا سردی، بارش ہو یا دھوپ، دن ہو یا رات کوئی لمحہ ایسا نہیں جب کہ بندگان خدا کا ہجوم اللہ تعالیٰ کے اس محبوب اور برگزیدہ بندے کے آستانہ عالیہ پر حاضری کا شرف حاصل نہ کر رہا ہو۔ وہاں پہنچ کر ہی اس آیت کریمہ کا صحیح مفہوم سمجھ میں آتا ہے:

فاذکرونی اذکرکم واشکروا لی ولا تکفرون

"اے میرے بندو، تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا تم میری تمہم نعمتوں اور احسانات کا شکریہ ادا کرتے رہو اور ناشکری کا انداز مت اختیار کرو"۔

حضرت داتا صاحب نے اپنی حیات مستعار میں اپنے رب کو یاد رکھا اور اب اللہ تعالیٰ تا ابد اپنے اس بندے کی یاد کو تازہ رکھے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جو وعدہ فرماتا ہے وہ پورا کرتا ہے۔ ان اللہ لا یخلف المیعاد.

☆☆☆

مخدوم امم۔ سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ

محترم محمد گل احمد خاں عتیقی "توضیحات عتیقیہ" کے مصنف ہیں۔ آپ سرین چناری آزاد کشمیر کے علاقہ سے تعلق رکھتے ہیں لیکن آج کل جامعہ عثمانیہ رضویہ فاروق آباد ضلع شیخوپورہ میں درس و تدریس کی خدمات سر انجام دے رہے ہیں۔ زیر نظر مضمون ان کے رشحہ فکر کا نتیجہ ہے۔ انہوں نے نہایت عقیدت اور محنت و خلوص کے ساتھ سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں معلومات کو پیش کیا ہے گویا دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے عام قاری بھی اس سے مستفید ہو سکتا ہے۔ (مرتب سعید بدر)

محمد گل احمد خان عتیقی

بحمدہ تعالیٰ ہم اہل سنت و جماعت انبیا، کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء عظام علیہم الرضوان کے تحریراً تقریراً تذکرے اور چرچے کرتے رہتے ہیں اور شب و روز ان کی یاد میں محافل و سیمینار منعقد کرتے رہتے ہیں کیونکہ یہ نامور اور بزرگ شخصیات ہماری محبت کا مرکز اور ہماری عقیدت کا محور ہیں اور یہ جلیل القدر شخصیات اس لئے ہماری محبت و عقیدت کا مرکز و محور ہیں کہ انہیں رب ذوالجلال کی بارگاہ میں بہت قرب اور بڑا مرتبہ و مقام حاصل ہے۔ سید الکونین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے ہمیں اس لئے محبت و عقیدت ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی پہلی ذاتی تجلی کے مظہر ہیں اور حضرت سیدنا آدم علیہ السلام سے ہمیں اس لئے الفت ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی پہلی تجلی صفاتی کے مظہر ہیں اور دیگر انبیاء کرام سے بھی ہمیں اس لئے انس و عقیدت ہے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے مظہر ہیں، نیز اولیائے کرام اور دیگر مخلوقات سے بھی ہمیں اس لئے محبت ہے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے افعال و اسماء کے مظہر ہیں۔

ان عظیم المرتبت شخصیات اور مقربان بارگاہ الٰہی کے تذکرے، چرچے درحقیقت اللہ تعالیٰ کی تجلیات و صفات کے تذکرے ہیں۔ انہی بزرگ اور عظیم شخصیات میں سے ایک راہنمائے کامل، شیخ اجل، سلطان الاولیاء، مخدوم امم، حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ کی ذات عالی صفات بھی ہے جنہوں نے اپنے علم و فضل، زہد و تقویٰ، امانت و دیانت، خلوص للّٰہیت، اچھے کردار، احسن گفتار، خوش خلقی، دلنشین اور موثر انداز تبلیغ اور خداداد صلاحیت سے بت کدۂ ہند کے باشندوں کے دلوں کو نور ایمان سے منور اور شمع عرفان سے فروزاں کیا۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

آپ کی تاریخ ولادت میں بہت اختلاف ہے۔ آپ کی تاریخ ولادت 381 سے 401 ہجری تک بتائی جاتی ہے مگر مشہور مورخ محترم جناب منشی محمد دین فوق کا ارشاد و تحقیق ہے کہ آپ کی پیدائش کا فخر 440ھ یا 401ھ کو حاصل ہوتا ہے تاریخی حقائق کا تجزیہ کرنے کے بعد تخمیناً و تقریباً آپ کی یہی تاریخ ولادت درست معلوم ہوتی ہے۔

آپ کا وطن عزیز افغانستان ہے جو کبھی اسلام کا گہوارہ اور سنیت و حنفیت کا مرکز سمجھا جاتا تھا مگر اب روسی تسلط کے بعد وہاں وہابیت، مجددیت اور مودودیت کے جراثیم پھیلتے جا رہے ہیں۔ بہرحال آپ کا تعلق اسی افغانستان کے ایک مشہور شہر غزنی سے ہے۔ غزنی کے دو محلے ہیں ایک جلاب اور دوسرا ہجویر، آپ کے مولد کے بارے میں مشہور تر یہی ہے کہ آپ جلاب میں پیدا ہوئے اور پھر آپ کا خاندان جلاب سے ہجویر آ گیا۔ اکثر مورخین کا یہی خیال ہے لیکن بعض نے آپ کا مولد غزنی بھی بتایا مگر یہ ایسے ہی ہے جیسے راقم سر بن ضلع مظفر آباد میں پیدا ہوا اسے سربنی یا مظفر آبادی کہنے کے بجائے کشمیری کہا جائے۔ آپ خود اپنے نسبت ان تینوں جگہوں کی طرف کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں علی بن عثمان بن علی الجلابی الغزنی ثم الہجویری آپ کے اس ارشاد گرامی سے آپ کے والد ماجد اور جد بزرگوار کے اسماء عالیہ بھی معلوم ہو گئے۔

آپ کی کنیت ابوالحسن اور لقب داتا گنج بخش ہے۔

آپ کے والد ماجد حسنی اور والدہ حسینی سادات میں سے ہیں۔ غزنی میں آپ کے خاندان کو بہت بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور آپ کی والدہ معظمہ کو عابدہ و زاہدہ ہونے کے ناطے سے بڑی شہرت حاصل تھی۔ آپ کے ماموں ولی کامل تھے اور تاج الاولیاء کے لقب سے ملقب تھے۔ حضرت داتا صاحب کے مزار کی طرح آپ کے ماموں اور والد کے مزارات بھی مسلمانوں کی عقیدت کا مرکز اور مرجع خلائق ہیں۔ حضرت دارا شکوہ مرحوم نے بھی اپنے والد حضرت شاہجہاں مغفور کے ہمراہ افغانستان جا کر ان دونوں مزارات پر حاضر ہو کر ان کے روحانی فیوضات و برکات سے مستفید ہونے کا شرف و اعزاز حاصل کیا۔

تعلیم و تربیت:۔

آپ نے ایک ایسے پاکیزہ اور صاف ستھرے ماحول میں آنکھ کھولی جو علم اور روحانیت سے معمور تھا۔ ہر طرف علم و فضل کے چرچے اور روحانیت کے تذکرے ہوتے اور تزکیہ نفس کی محفلیں جمتیں نیز آپ کے والدین اور خاندان کے دیگر افراد کی پاکیزہ زندگی و حسن کردار اور اوصاف محمودہ کی بدولت آپ کو پاکیزہ سیرت و حسن و کردار اور اچھے اخلاق کے سانچے میں ڈھال دیا جب آپ اپنی تعلیم کے ابتدائی مراحل میں تھے تو اس وقت جہاں ایک طرف غزنی سلاطین غزنی کی فتوحات کی وجہ سے دنیاوی مال و دولت کی وجہ سے مالا مال تھا تو وہاں دوسری طرف سلاطین غزنی خصوصاً حضرت سلطان محمود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اسلام اور علوم اسلامیہ سے محبت اور علماء نوازی کی وجہ سے غزنی علوم و فنون و روحانیت اور ارباب فضل و کمال کا مرکز بنا ہوا تھا اس لئے حضرت داتا گنج بخش نے اولاً غزنی کے نامور علماء کرام سے تفسیر، حدیث، فقہ اور دیگر علوم و فنون کی تکمیل کرتے ہوئے وہاں کے جلیل القدر مشائخ سے اکتساب فیض کیا۔

سیر وسیاحت:۔

آپ نے اپنے خاندان غزنی کے مقتدر مشائخ اور جید علماء کرام سے ظاہری علوم اور باطنی کمالات سے فیض یاب ہونے کے بعد سیر وسیاحت کو اپنایا۔ سیر وسیاحت کرشمہ ہائے قدرت کے مشاہدے اور حسن فطرت کے مناظر سے لطف اندوز ہونے، اولیاء کرام اور ان کے مزارات کی زیارت اور ان سے روحانی فیوض وبرکات حاصل کرنے کا ذریعہ اور تبلیغی مشن کا حصہ بھی ہے کیونکہ اس سے لوگوں کی عادات واطوار اور مزاج شناسی کا ملکہ بھی حاصل ہوتا ہے اور مصائب ومشکلات برداشت کرنے کی عادت پڑ جاتی ہے جس سے تبلیغ اسلامی کی راہیں کھلتی چلی جاتی ہیں۔ سلوک کے لاینحل عقیدے کھلتے ہیں اور سلوک کی منزلیں طے ہونے لگتی ہیں۔

حضرت داتا صاحب کی دور بین شخصیت نے بھی انہی مقاصد کے حصول اور تکمیل کے لئے سیر وسیاحت کو اپناتے ہوئے شام، عراق، بغداد، آذربائیجان، متحدہ ہندوستان، طبرستان، خراسان، ترکستان اور حجاز مقدس کے علاوہ دیگر بکثرت شہروں کا ہی نہیں بلکہ آپ کے تذکرہ نگاروں کی تحقیق کے مطابق تمام عالم اسلام کا سفر کیا اور اسی سیر وسیاحت کے دوران آپ نے دو مرتبہ حج کی بھی سعادت حاصل کی۔

دوران سیاحت آپ جہاں بھی تشریف لے جاتے وہاں لوگوں کو دعوت توحید دیتے اور دین اسلام کی تبلیغ فرماتے اور انہیں اپنے علم وعرفان اور روحانی فیضان سے فیض یاب فرماتے اور وہاں کے علماء ومشائخ سے استفادہ کرتے اور مزارات اولیاء سے فیوض وبرکات حاصل کرتے۔

کتاب "سید ہجویر" کے مؤلف سید محمد متین ہاشمی آپ کی سیاحت کے بارے میں ژوکوفسکی کے حوالہ سے رقم طراز ہیں کہ:

جلابی کو عقیدے اور طریقت میں کمال، بہت سے راستے طے کرنے، آفاق وانفس میں سفر کرنے اور اقطار جہاں میں دور دراز علاقوں میں پھرنے کے بعد حاصل ہوا۔ وہ مدت مدید تک اپنے زمانے کے اکابر شیوخ صوفیہ اور مختلف ومتعدد پیشوایان تصوف کی خدمت میں حاضر رہ کر اکتساب معرفت کرتے رہے۔ انہوں نے ہر خرمن سے خوشہ چنا اور ہر باغ سے پھول اٹھایا یہاں تک کہ صوفیہ کی تعلیمات کے سلسلے میں درجہ کمال کو پہنچ گئے۔

دوران سیر وسیاحت اپنے متعدد علماء ومشائخ کی زیارت کا شرف حاصل کیا اور ان کے فیوض وبرکات سے مستفید ہوئے۔ صرف خراسان میں جن اکابر اور مشائخ سے آپ نے اکتساب فیض کیا ان کی تعداد تین صد بتائی جاتی ہے اور ان میں سے آپ جن گرامی قدر شخصیات سے زیادہ متاثر ہوئے ان میں سے چیدہ چیدہ کے اسماء گرامی یہ ہیں۔ شیخ القاسم سری، شیخ الشیوخ ابوالحسن بن سالبہ، شیخ ابواسحاق شہریار، شیخ محمد زکی بن العلاء، شیخ ابوالحسن علی بن بکران، شیخ ابوعبداللہ جنیدی، شیخ ابوطاہر مکشوف، شیخ احمد بن شیخ خرقانی، خواجہ علی بن الحسن السیر کانی، شیخ مجتہد ابوالعباس دامغانی، خواجہ ابوجعفر محمد بن علی اجوینی، خواجہ رشید مظفر بن شیخ سعید، خواجہ شیخ احمد حمادی سرخسی اور شیخ احمد بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

بیعت مرشد:۔

اگرچہ مخدوم امم، حضرت داتا گنج بخش اپنے خاندان کے ظاہری وباطنی کمالات سے مالا مال تھے مگر دوران سیاحت خوب تر کی تلاش میں آپ جب سلسلہ جنیدیہ کے جلیل القدر اور نامور پیشوا حضرت ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی قدس سرہ کی خدمت میں پہنچے تو ان کے روحانی فیض سے متاثر ومستفید ہو کر ان کے مرید ہو گئے۔ آپ کا سلسلہ طریقت قطب ولایت حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ تک اس طرح جا پہنچتا ہے کہ آپ حضرت شیخ ابوالفضل محمد بن حسن الختلی کے مرید تھے اور وہ حضرت شیخ حصری اور وہ حضرت شیخ ابوبکر شبلی کے اور وہ حضرت جنید بغدادی کے اور وہ حضرت شیخ سری سقطی کے اور وہ حضرت معروف کرخی کے اور وہ حضرت داؤد طائی کے اور وہ حضرت حبیب عجمی کے اور وہ حضرت حسن بصری کے اور وہ مرکز ولایت حضرت علی ؓ کے۔

عقیدت مرشد:

حضرت داتا گنج بخش مرحوم ومغفور کو اپنے شیخ طریقت حضرت ختلی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے بڑی عقیدت تھی اس لئے وہ اپنے مرشد ارشد کا تذکرہ عقیدت ومحبت میں ڈوبے ہوئے ان الفاظ میں کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ شیخ ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی صوفیہ متاخرین میں سے وتاد کی زینت اور عابدوں کے شیخ ہیں۔ میں انہی کا مرید ہوں۔ آپ تفسیر اور روایات کے عالم تھے اور آپ تصوف میں حضرت جنید کے پیروکار تھے اور حضرت حصری کے رازدار مرید تھے نیز ابوعمرو قزوینی اور ابوالحسن سالبہ کے ہم عصر تھے۔ صحیح اور حقیقی گوشہ نشینی اور خلوت نشینی کے لئے ساٹھ سال تک تنہائی کی تلاش میں پھرتے رہے اور اپنا نام مخلوق کے ذہنوں سے محو کرنے میں بالآخر کامیاب ہو گئے۔ زیادہ تر جبل اکام میں قیام پذیر رہے۔ انہوں نے طویل عمر پائی اور آپ اپنی ولایت کے کثیر دلائل اور علامات رکھتے تھے لیکن صوفیہ کے طور طریقوں، رسوم

ولباس کے پابند تھے اور رسوم کے چکر میں جکڑے ہوئے صوفیا سے بڑے سخت انداز میں پیش آتے تھے۔ میں نے ان سے زیادہ کوئی بارعب وبا ہیبت نہیں دیکھا نیز آپ کو اپنے مرشد کے ساتھ جو محبت وعقیدت تھی اس سے بھی اس کا اظہار ہوتا ہے کہ آپ کے مرشد کا وصال آپ کی گود میں ہی ہوا۔ ان کے علاوہ آپ کو حضرت ابوالعباس شقانی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی بڑی عقیدت تھی اور آپ ان کے بھی فیض یافتہ ہیں۔

ہمیشہ سے بزرگوں کا یہ طریق کار رہا ہے کہ وہ زندہ مشائخ اولیاء کرام سے بھی فیوض وبرکات حاصل کرتے ہیں اور وصال پا جانے والے بزرگوں کے مزارات پر جا کر ان سے بھی فیوض وبرکات حاصل کرتے ہیں۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب میں متعدد بزرگوں کے مزارات پر حاضر ہو کر ان سے فیوض وبرکات حاصل کرنے کا تذکرہ فرمایا ہے جن کا احاطہ اس مختصر مضمون میں نہیں کیا جا سکتا البتہ آپ کی موذن رسول حضرت بلال ﷺ کے مزار کی حاضری کا واقعہ حقائق ونکات اور دلچسپی سے خالی نہیں۔ اسے آپ حضرت داتا صاحب کی زبانی ہی سنیے۔ آپ فرماتے ہیں کہ۔

منکہ علی بن عثمان الجلابی ام وفقنی اللہ بشام بودم بر سر خاک بلال ﷺ موذن رسول اللہ علیہ السلام خفتہ خود را بمکہ اندر خواب دیدم کہ پیغمبر رسول اللہ ﷺ از باب بنی شیبہ اندر آمدے وپیرے را اندر کنار گرفتہ چنانچہ اطفال را گیرند۔ شفقت من پیش دویدم وبر دست وپائش بوسہ دادم و ندر تعجب آں بودم تا آں کیست؟ وے بحکم اعجاز بر باطن واندیشہ من شرف شد گشت باہل شہر خود ودر مت گشت ازین خواب کہ وے یکے از آنہا بود مت کہ از اوصاف طبع فانی بوندو باحکام شرع باقی دبداں قائم چنانکہ برندہ وے پیغمبر بود علیہ السلام اگرا ور خود رفتے باقی الصفہ بودے وباقی الفتہ یا مخطی بود یا مصیب وچوں برندہ وے پیغمبر بود علی السلام فانی الصفۃ باشد بقا صفت پیغمبر علیہ السلام وچوں بر پیغمبر علیہ السلام خطا صورت نگیرا الفتہ مخطی بود یا مصیب وچوں برندہ وے پیغمبر بود علی السلام فانی الصفۃ باشد بقا صفت پیغمبر علیہ السلام وچوں بر پیغمبر علیہ السلام خطا صورت نگیرو برآنکہ بدو قائم بود نیز صورت نہ گیرو وایں رمزے لطیف است۔

ترجمہ: ”کہ میں علی بن عثمان جلابی ہوں اللہ تعالیٰ مجھے اچھی توفیق سے نوازے کہ میں ملک شام میں موذن رسول علیہ السلام حضرت بلال کے مزار کے سرہانے سو گیا اور میں نے خواب میں اپنے آپ کو مکہ میں دیکھا اور دیکھا کہ پیغمبر رسول اللہ ﷺ باب بنی شیبہ سے تشریف لا رہے ہیں اور ایک بوڑھے کو شفقت سے اس طرح گود میں لیے ہوئے ہیں جیسے بچوں کو لیا جاتا ہے۔ میں دوڑتے ہوئے آگے بڑھا اور آپ ﷺ کے دست اقدس اور پائے مقدس کو چوم لیا لیکن میں اس تعجب میں تھا کہ یہ اٹھایا ہوا آدمی کون ہے؟ اور آپ ﷺ اسے اس حالت میں کیوں لیے ہوئے ہیں؟ آپ ﷺ بطور معجزہ میرے باطن اور خیال پر مطلع ہو گئے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ تیرا اور تیرے ملک والوں کا امام ہے۔ مجھے اس خواب سے اپنے ملک وعلاقے کے لوگوں کے بارے میں اچھی امیدیں قائم ہو گئیں اور اس خواب سے یہ بات بھی درست معلوم ہونے لگی کہ سیدنا امام ابوحنیفہ ﷺ ان لوگوں میں سے ہیں کہ جو اپنے ذاتی اوصاف سے فانی ہو جاتے ہیں اور باحکام شرع باقی رہتے ہیں کیونکہ ان کو گود اٹھانے والے خود پیغمبر علیہ السلام تھے اور اگر میں خود امام ابوحنیفہ کو چلتے دیکھتا تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ وہ اپنی صفات کے ساتھ باقی ہیں اور جو اپنی صفات کے ساتھ باقی ہو وہ یا اجتہادی غلطی کرتا ہے یا صحیح فیصلہ کرتا ہے اور چونکہ ان کو لے جانے والے خود پیغمبر ﷺ تھے تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ فانی الصفت ہیں اور پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کی صفت کے ساتھ باقی ہیں اور جب پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کی صفت کے ساتھ باقی ہیں۔ ان سے بھی (اجتہاد) میں خطا صادر نہیں ہو سکتی اور یہ بہت ہی بڑا لطیف اشارہ ہے“۔

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری کا مسلک:

حضرت داتا صاحب کے اس خواب اور اس تعبیر سے جہاں سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رفعت شان اور عظمت مقام کا ظہار ہوتا ہے وہاں حضرت داتا صاحب کے فقہی مسلک کے بارے میں بھی معلوم ہو گیا کہ آپ مقلد اور حنفی المسلک تھے۔ حضرت داتا صاحب نے جہاں کہیں بھی امام صاحب کا تذکرہ کیا بڑے ادب واحترام سے کیا اور آپ ان کا تذکرہ ادب واحترام سے کیوں فرماتے ہیں؟ کیونکہ حضرت امام صاحب محض ظاہری علوم سے ہی مالا مال نہ تھے بلکہ آپ کو علوم باطنیہ میں بھی کمال حاصل تھا۔ اپنے وقت کے جید اولیاء حضرت ابراہیم ادھم، فضیل بن عیاض، داؤد طائی اور بشر حافی جیسے جلیل القدر بزرگوں کے استاد اور پیشوا تھے۔ حضرت داتا صاحب ایک مقام پر امام صاحب کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

وم منہم امام اماماں ومقتداء سنیاں، شرف فقہاء وعز علماء، ابوحنیفہ نعمان بن ثابت الخزازی رضی اللہ عنہ وی را اندر مجاہدت وبعاتد قدم درست بود واست واندر اصول ایں طریقت شانے عظیم داشت (۱) کشف المحجوب کے مطابق قلمی نسخہ خواجہ بہاؤالدین زمیر ص98)۔

”اور ان ہی میں سے امام اماماں، سنیوں کے مقتدا، شرف فقہاء علماء کی عزت حضرت امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت الخزازی رحمۃ اللہ

علیہ ہیں۔ آپ ریاضت وعبادت میں صحیح راستے پر تھے اور انہیں طریقت کے اصول میں بھی وہ بہت بڑی شان رکھتے تھے۔"

اور کشف المحجوب کے بعض نسخوں میں امام اماماں کے بجائے امام جہاں بھی لکھا ہے اور کتاب "سید ہجویر" کے مؤلف سید محمد متین ہاشمی نے اسی دوسرے نسخے کو منتخب کیا ہے اور راقم کے نزدیک دونوں کو اکٹھا کر کے ایسے بھی کہا جا سکتا ہے امام جہاں و امام اماماں۔

حج بیت اللہ:

دوران سیاحت ہی آپ مزارات اولیاء کی حاضری کے علاوہ دو مرتبہ حج کی سعادت اور بیت اللہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

لاہور میں ورود مسعود:

بت کدہ ہند میں یوں تو عرصہ سے تبلیغ اسلام اور تزکیہ نفس کا سلسلہ شروع تھا۔ علماء و مشائخ نور اسلام کی شمع کو روشن کرنے کے لئے بڑی محنت لگن اور جانفشانی سے کام کر رہے تھے اور پھر حضرت سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہند آمد سے مسلمان مبلغین کو بڑا سہارا ملا تو وہ انتہائی پرعزم و ہمت اور حکمت و دانائی سے تبلیغ اسلام میں سرگرم رہے اور حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی لاہور تشریف آوری سے پہلے اگرچہ لاہور کے سب سے پہلے مبلغ حضرت علامہ شیخ سید اسماعیل بخاری جن کا شمار اکابر محدثین و مفسرین میں سے ہوتا ہے نے بھی بہترین تبلیغی خدمات سرانجام دیں اور ہزاروں لوگ ان کی مجالس وعظ میں حلقہ بگوش اسلام ہوتے۔

مگر پھر بھی حضرت داتا صاحب ہزاروں میل کا پیدل سفر کر کے مصائب و مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے جب لاہور میں جلوہ افروز ہوئے تو آپ کو انتہائی ناموافق حالات کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ آپ کی تشریف آوری کے وقت اہل لاہور دینی لحاظ سے بدترین حالات سے دوچار تھے۔ ہر طرف بدعقیدگی، بت پرستی، حیلہ سازی، شعبدہ بازی اور جادوگری کا بازار گرم تھا۔

خطہ لاہور کفر و شرک کا مرکز و منبع بنا ہوا تھا۔ حریص، لالچی، شاطر اور گمراہ لوگ مختلف حیلوں بہانوں سے لوگوں کا مال و متاع لوٹنے پر ہی اکتفا نہ کرتے بلکہ انہیں بے دینی اور گمراہی پر چلانے کے لئے ہر حربہ استعمال کرتے۔ ہندو برہمنوں، شعبدہ باز جوگیوں اور جادوگروں کا بڑا زور و شور اور چرچا تھا۔ ان بدمعاش اور بدقماش لوگوں نے سادہ مزاج لوگوں کی زندگیاں اجیرن بنا رکھیں تھیں۔ جان و مال اور اولاد کے خوف کی وجہ سے قرب و جوار اور دور دراز کے لوگ ان کے پاس آتے اور انہیں نذرانے پیش کرتے۔ لوگوں کی بے بسی اور حالت زار کا اندازہ ایک جوگی کو نذرانہ پیش کرنے والی بڑھیا کی اس بات سے لگایا جا سکتا ہے جس نے یہ کہتے ہوئے حضرت داتا صاحب کو دودھ فروخت کرنے سے انکار کر دیا تھا کہ اگر میں تجھے یہ دودھ فروخت کر دوں تو پھر میرے جانوروں کے تھنوں سے دودھ کے بجائے خون آنا شروع ہو جائے گا۔

حضرت مخدوم امم داتا گنج بخش علی ہجویر رحمۃ اللہ علیہ نے تشریف لاتے ہی شعبدہ بازی کے اس گمراہ کن طلسم کو خاک میں ملا دیا جس سے اسلام کی نشر و اشاعت کا راستہ کھل گیا پھر حق حق اور باطل باطل ہوتا چلا گیا۔

جب بڑھیا آپ کو دودھ دے کر واپس گئی تو اس کے گھر کے مویشیوں کے دودھ میں اتنی فراوانی ہوئی کہ سنبھالنا مشکل ہو گیا۔

آپ کی اس کرامت کا لوگوں میں بڑا چرچا ہوا جس کی وجہ سے گوالے اور دوسرے لوگ جوگیوں کی بجائے آپ کو دودھ اور نذرانے پیش کرنے لگے جو دودھ لے کر یا ویسے ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو وہ ایمان کی دولت سے مشرف ہو کر واپس لوٹتا۔ آپ کی ایک معمولی سی توجہ سے ہر طرف ہلچل مچ گئی۔ باطل کے ایوان تھرتھرانے لگے اور ان میں سراسیمگی اور مایوسی پھیل گئی۔

آپ کی اس کرامت کا سب سے زیادہ دھچکا رائے راجو کی شہرت دوقار کو لگا اور وہ سینہ تانے للکارتے ہوئے مقابلہ کے لیے آ گیا۔ آپ نے ہر چند اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ ہم کوئی شعبدہ باز نہیں، ہٹ دھرمی نہ کرو جانے دو۔ باز آ جاؤ۔ جوگی آپ کی حقیقت پسندانہ بات کو آپ کی کمزوری سمجھ کر باز نہ آیا اور فضاء میں اڑ کر شعبدہ بازی کا کرتب دکھانا شروع کیا۔ آپ کے ایک اشارے سے آپ کی پاپوش نے چند لمحوں میں اسے زمین پر پٹخ دیا۔ زمین پر گرتے ہی اسے حق کے جلوے نظر آنے لگے۔ وہ اٹھا اور معافی کی درخواست کرتے ہوئے کلمہ حق پڑھتے ہوئے حلقہ بگوش اسلام ہو گیا اور پھر یہیں کا ہو کر رہ گیا اور آپ سے ظاہر اور باطنی علوم کی تکمیل کے بعد اسلام کا ایک عظیم مبلغ بن گیا۔ اس کے قبول اسلام سے شعبدہ بازی دم توڑ گئی اور اس کے اسلام لانے کی خبر دور دور تک پھیل گئی جس سے اسلام کے لئے حالات سازگار ہوتے چلے گئے اور لوگ پنجاب کے گوشے گوشے سے حضرت داتا صاحب کے پاس حاضر ہونے لگے اور شب و روز آنے جانے والوں کا تانتا بندھ گیا۔

اب آپ کی راتیں عبادت و ریاضت اور مجاہدہ میں بسر ہونے لگیں اور پھر آپ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ روحانی قوت سے دلکش، دلنشین، پرکشش اور انتہائی موثر انداز میں اسلامی عقائد، عبادات، معاملات و آداب، اخلاقیات، بھائی چارے اور تصوف کا درس دینے میں مشغول ہو گئے۔ علماء و مشائخ کی از سر نو تربیت فرما کر انہیں مربوط اور جدید انداز میں فریضہ تبلیغ ادا کرنے پر مامور کیا۔

لہٰذا آپ کی شبانہ روز محنت اور مساعی جمیلہ سے لوگ گروہ در گروہ، قافلہ در قافلہ، لشکر در لشکر، اور فوج در فوج مشرف بہ اسلام ہونے لگے۔ آپ کی موثر انداز میں تبلیغی کوششوں سے خطہ پنجاب میں دور دور تک حق وصداقت اور توحید کی صدائیں بلند ہونے لگیں اور اسلام کی صداقت وسربلندی کے تذکرے ہونے لگے۔ وہ لاہور جو کل تک باطل قوتوں کا اڈہ بنا ہوا تھا اب اسلام کا مرکز اور مضبوط قلعہ بن گیا۔

اس لئے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بھی آپ کی تبلیغی خدمات کا برملا اعتراف کرتے ہوئے آپ کو زبردست منظوم خراج تحسین پیش کیا۔ اس کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

سید ہجویر مخدوم امم
مرقد او پیر سنجر را حرم

ہجویر کے سید ہم سب کے آقا جن کا مزار خواجہ اجمیری کے لئے حرم کی طرح مقدس ہے۔

بند ہائے کوہسار آساں گسیخت
در زمین ہند تخم سجدہ ریخت

آپ نے با آسانی کفر کے پہاڑوں کی رکاوٹوں کو پاش پاش کر دیا اور سرزمین ہند میں توحید کا بیج بو دیا۔

عہد فاروق از جمالش تازہ شد
حق ز حرف او بلند آوازہ شد

آپ کے تبلیغی مشن کے جمال سے فاروقی عہد کی یاد تازہ ہوگئی۔ دین وحق آپ کی تبلیغ سے شہرت پذیر ہوا۔

پاسبانِ عزت ام الکتاب
از نگاہش خانہ باطل خراب

آپ قرآن مجید کی عزت کے محافظ ہیں اور آپ کی نگاہ ولایت سے باطل کا گھر ویران ہوگیا۔

خاک پنجاب از دم او زندہ گشت
صبح ما از مہر او تابندہ گشت

آپ کے دم قدم سے سرزمین پنجاب میں اسلام زندہ ہوگیا۔ آپ کے آفتاب ولایت سے ہماری صبح روشن ہوگئی۔

لاہور کب تشریف آوری ہوئی؟

آپ لاہور کب تشریف لائے؟ اس میں بڑا اختلاف ہے اور اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے سوانحی خاکہ کا دارومدار صرف کشف المحجوب ہی ہے۔ اس لئے آپ کے تذکرہ نگاروں نے اپنے اپنے تخمینے اور اندازے سے کوئی نہ کوئی تاریخ متعین کر لی۔ حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری آپ کے اکثر تذکرہ نگاروں کے حوالہ سے رقمطراز ہیں کہ اس اختلاف کے باوجود 431ھ پر اکثر مورخین مطمئن نظر آتے ہیں۔ نیز کتاب ''سید ہجویر'' کے مولف سید محمد متین ہاشمی نے تقریباً 431ھ کے موید معلوم ہوتے ہیں۔

ایک اہم سوال:۔

البتہ اگر لاہور میں آپ کی تشریف آوری 431ھ کو ہوئی ہو تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے اگر آپ کے مرشد کا وصال 460ھ میں آپ کی گود میں ہوا تو پھر آپ کی تشریف آوری 431ھ کو کیسے ہوئی؟ آپ کے اکثر تذکرہ نگاروں نے اس کا یہ جواب دیا کہ ممکن ہے کہ آپ کو اپنے شیخ کی شدید علالت کی اطلاع ہوگئی ہو اور آپ اس اطلاع پر واپس جا کر اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہوں اور حضرت شیخ الختلی کے وصال کے بعد دوبارہ لاہور تشریف لائے ہوں۔ اگرچہ اس پر دیگر اشکالات بھی کئے جا سکتے ہیں لیکن راقم کو اس پر قوی ترین اشکال یہ ہے کہ اگر یہ حادثہ اس طرح رونما ہوا ہوتا تو اپنے شیخ سے عقیدت کی بنا پر آپ ضرور اس کا تذکرہ فرماتے البتہ اس میں یہ توجیہ ہو سکتی ہے کہ بعض بزرگوں کے نزدیک شاید اس قسم کے حادثات کی تشہیر کی ممانعت ہو جیسے آج کل بھی بعض مشائخ کے ہاں مروج ہے۔

تعمیر مسجد:

آپ کی لاہور تشریف آوری سے قبل متعدد مبلغین لاہور تشریف لائے جن کی تبلیغ سے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوتے رہے۔ خصوصاً حضرت شیخ عالم باعمل سید اسماعیل شاہ بخاری کی تبلیغی مساعی سے ہزاروں لوگوں نے اسلام قبول کیا لہٰذا سلاطین غزنی کے تعاون سے سرکاری اخراجات پر مساجد بھی تعمیر ہوئی ہوں گی لیکن آپ نے تبلیغی نکتہ نظر اور سید الانبیاء والمرسلین خاتم النبیین کے اس ارشاد کی تعمیل کرتے ہوئے کہ

من بنی اللہ مسجد بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ "کہ جس نے اللہ کی رضا کے لئے مسجد تعمیر کی اللہ جنت میں اس کا گھر بنائے گا"۔ اپنے ذاتی خرچ پر اور اپنی جیب پر خاص سے مسجد تعمیر کروا کر اسے تبلیغ اور تدریس کا مرکز بنایا۔

نیز آپ کی مسجد کے بارے میں ایک کرامت کا تذکرہ بھی بڑا شہرت پذیر ہے۔ ہوسکتا ہے کہ علیحدہ تعمیر مسجد میں کرامت کے ظہور کی حکمت بھی ہوتا کہ آپ عوام وخواص کی توجہ کا مرکز بن جائیں اور اس میں زیادہ سے زیادہ تبلیغ دین کا راز مضمر ہو۔ حضرت مفتی غلام سرور قادری لاہوری نے مختلف تذکرہ نگاروں کے حوالے سے تعمیر مسجد اور کرامت کا تذکرہ اس طرح کیا ہے۔

مذکور است کہ چوں علی ہجویری در شہر لاہور قیام نمود مسجدے بمقام خانقاہ خود تعمیر کرد کہ دو بنیاد ومحراب آں مسجدے است بمساجد دیگر قدرے مائل سمت جنوب داشت علماء لاہور کہ دراں وقت ثقہ وقت بودند بر شیخ اعتراض کردند شیخ خاموش بود۔ چو تعمیر شد روزے ہمہ علماء شہر ارکعم نمودہ وخود امام شدہ دراں مسجد نماز کرد و بعد از نماز بحاضرین وقت فرمود کہ ببینید کعبۃ اللہ کدام سمت است فی الحال حجابہا از میان بر خاست وکعبہ محاذی مسجد نمودار گشت ہمہ حاضرین بچشم ظاہر دیدند۔

ترجمہ: "منقول ہے کہ جب حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے لاہور میں قیام کیا تو آپ نے قیام کی جگہ مسجد تعمیر کی اور اس مسجد کی بنیاد ومحراب اس وقت کی دیگر مساجد کی بنسبت کسی قدر جنوب کی طرف مائل رکھی تو اس وقت کے ثقہ علماء لاہور نے حضرت شیخ (علی) پر اعتراض کیا۔ شیخ خاموش رہے۔ جب مسجد کی تعمیر مکمل ہوگئی تو ایک دن آپ نے تمام علماء شہر کو جمع کیا اور خود امامت کے فرائض سرانجام دیئے تو نماز کے بعد حاضرین سے فرمایا کہ دیکھیں کعبۃ اللہ کس طرف ہے؟ فوراً درمیان کے تمام حجابات اٹھ گئے اور مسجد کے بالکل سامنے کعبۃ اللہ دکھائی دینے لگا تو تمام حاضرین نے اپنی آنکھوں سے اس منظر کا مشاہدہ کیا۔

تبلیغ وتدریس تعمیر مسجد کی تکمیل اور قیام خانقاہ کے بعد آپ نے بڑے منظم طریقہ سے تبلیغ وتدریس کا آغاز کیا۔ آپ بڑے پرکشش اور موثر انداز میں درس قرآن اور درس حدیث دیتے اور شبانہ روز کی محنت سے مختصر عرصہ میں آپ نے جید علماء اپنے جانشین اور مبلغ تیار کئے۔ رائے راجو گورنر لاہور جس کا پہلے تذکرہ ہو چکا آپ کی تبلیغ وتعلیم سے علم وفضل وزہد وتقویٰ کا پیکر بن کر شیخ ہندی کے لقب سے ملقب ہوا اب اپنے بیگانے حتیٰ کہ غیر مسلم بھی اپنے ذاتی مسائل کے حل کے لئے آپ کی طرف رجوع کرنے لگے اور یوں آپ مرجع خلائق بن گئے۔

سلسلہ تصنیف وتالیف:

جب آپ کی شبانہ روز درس وتدریس سے جید اور نامی گرامی علماء تیار ہوگئے تو آپ نے انہیں بھی مسند تدریس پر بٹھایا اور انہیں فریضہ تبلیغ بھی سونپا اور اپنے اوقات تدریس وتبلیغ سے کچھ وقت نکال کر تصنیف وتالیف کا سلسلہ شروع کردیا آپ کی تصانیف کی تعداد گیارہ بتائی جاتی ہے جن میں سے ایک کشف الاسرار بھی ہے جسے متنازع اور من گھڑت اور جعلی بتایا جاتا ہے البتہ خود کشف المحجوب سے آپ کی تو تصانیف کا پتہ چلتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی کل تصانیف دس ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

۱) دیوان جسے کسی اور نے اپنی طرف منسوب کرلیا اور آپ نے اس آدمی پر بڑے تاسف کا اظہار فرمایا۔ آپ نے دیوان کے عربی یا فارسی ہونے کی نشاندہی نہیں فرمائی۔

۲) کتاب فناء وبقاء۔ کتاب کا مضمون نام سے ظاہر ہے۔

۳) اسرار الخرق المونات۔ یہ کتاب ظاہری اور باطنی مرقع کے آداب میں ہے۔

۴) الرعایت بحقوق اللہ تعالیٰ۔ یہ کتاب مسائل توحید میں ہے۔

۵) کتاب البیان لاھل العیان در معنی جمع وتفرقہ۔

۶) نحو القلوب۔ مسئلہ جمع میں بڑی مفصل تصنیف ہے۔

۷) منہاج الدین۔ طریقت تصوف اور اصحاب صفہ کے مناقب میں ہے اور دیوان کی طرح کسی خود فریب نے اسے بھی اپنی طرف منسوب کر لیا۔

۸) ایمان۔

۹) شرح کلام منصور۔

۱۰) کشف المحجوب۔

آپ کی ان دس کتب میں سے صرف ایک ہی معرکۃ الاراء کتاب کشف المحجوب دستیاب ہے۔

کچھ کشف المحجوب کے بارے میں:

کشف المحجوب فارسی زبان کی پہلی بے مثال اور لاجواب کتاب ہے۔ اس میں حقائق و رموز بھی ہیں۔ نامور صحابہ کرام اور دیگر جلیل القدر اسلاف کی تعلیمات کی روشنی بھی ہے۔ اس میں عقائد عبادات اخلاقیات معاملات آداب اور تزکیہ نفس کے لئے راہنما اصول بھی ہیں۔ راقم کے خیال کے مطابق کشف المحجوب کو محض تصوف ہی کی کتاب قرار دینا قرین انصاف نہیں اور اگر یہ کہہ لیا جائے تو اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ اس میں حقیقت تصوف کو آشکارا کرتے ہوئے تصوف کے مسائل کا بھی بیان ہے اور متکلمین کے دلائل بھی منطقیوں اور فلسفیوں کی موشگافیاں بھی اور باطل نظریات کی مدلل تردیدات بھی۔ آپ کے بعد آنے والے اکابر صوفیاء نے اسے سند مانتے ہوئے اس کی عظمت کا اعتراف کیا اور کتاب صاحب کتاب دونوں کا تذکرہ بڑے ادب و احترام سے کرتے ہوئے کشف المحجوب کے راہنما اصولوں پر عمل پیرا ہو کر تصوف اور رشد و ہدایت کے امام کہلائے۔

یہ کتاب ایک مختصر مقدمہ ہے:

اور بعض کے نزدیک چونتیس (34) اور بعض کے نزدیک انتالیس (39) ابواب پر مشتمل ہے جن کی تفصیل فہرست سے معلوم کی جا سکتی ہے البتہ جن کے نزدیک یہ چونتیس ابواب پر مشتمل ہے ان کا اجمالی تذکرہ اس طرح کیا جا سکتا ہے۔ مقدمہ میں آٹھ فصلیں ہیں پہلا باب ثبوت علم میں ہے اس میں پانچ فصلیں ہیں دوسرا باب فقر میں ہے اس میں تین فصلیں ہیں تیسرا باب تصوف میں ہے اس میں بھی تین فصلیں ہیں چوتھے باب میں بھی تین فصلیں ہیں پانچویں باب میں کوئی فصل نہیں چھٹے باب میں تین فصلیں ہیں ساتویں باب میں چار فصلیں ہیں آٹھویں باب میں پانچ فصلیں ہیں۔ نویں باب میں کوئی فصل نہیں دسویں باب میں چار فصلیں ہیں گیارہویں باب میں پونسٹھ فصلیں ہیں بارھویں باب میں دس فصلیں ہیں تیرھویں باب میں سات فصلیں ہیں اور چودھویں باب میں گیارہ فصلیں اور تقریباً چوبیس بحثیں ہیں پندرھویں۔ سولھویں باب اور سترھویں باب میں دو دو فصلیں ہیں۔ اٹھارویں باب میں کوئی فصل نہیں۔ انیسویں باب میں تین فصلیں ہیں اور بیسویں باب میں دو فصلیں ہیں۔ اکیسویں باب میں پانچ فصلیں ہیں اور بائیسویں باب میں دو فصلیں ہیں تیسویں۔ چوبیسویں۔ پچیسویں۔ چھبیسویں اور ستائیسویں باب میں کوئی فصل نہیں۔ اٹھائیسویں باب میں آٹھ فصلیں ہیں۔ انتیسویں باب میں کوئی فصل نہیں۔ تینتیسویں باب میں چودہ فصلیں ہیں اور چونتیسویں باب میں بھی چودہ فصلیں ہیں یہ تو تھا کشف المحجوب کا اجمالی خاکہ اور کچھ لوگوں نے اس کی فصول کی تعداد انسٹھ بتائی ہے دیکھئے۔ ''سید ہجویر''

کشف المحجوب کی قبولیت عامہ:

کشف المحجوب کی قبولیت عامہ کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ کتاب کی تصنیف کے بعد اس کی افادیت کے پیش نظر اس کے قلمی نسخے بہت جلد اطراف عالم میں پھیل گئے اور اس کے قلمی نسخے تقریباً دنیا کے تمام بڑی بڑی لائبریریوں میں موجود ہیں لیکن ان کی تعداد کے بارے میں مجھے کسی مورخ کے حوالے سے کوئی خاص معلومات نہیں مل سکیں۔

البتہ اس کے مطبوعہ نسخوں کی تعداد حکیم و محسن اہل سنت جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ العالی نے نو (۹) بتائی ہے۔ البتہ اختصار کی پیش نظر ان کی تفصیل کی گنجائش نہیں۔

تراجم:

محترم حکیم محمد موسیٰ کی تحقیق کے مطابق پروفیسر نکلسن (م 1945ء) نے کشف المحجوب کا انگریزی ترجمہ کیا جو چار مرتبہ چھپ چکا ہے۔ پہلی مرتبہ 1911ء گب میموریل لندن نے شائع کیا پھر 1936ء میں اس کا نظر ثانی شدہ ایڈیشن شائع ہوا اور پھر 1959 اور پھر 1967 میں شائع ہوا اور یہی کشف المحجوب کی قبولیت عامہ کی بڑی دلیل ہے۔

اردو تراجم کی تعداد دو درجن کے لگ بھگ ہے راقم کے نزدیک ان تمام تراجم میں سے مولانا فیروز دین مرحوم مغفور کا ترجمہ ہے اور اس کے بعد حضرت مولانا محمد الطاف نیر دی موذن جامع مسجد داتا گنج بخش کا ترجمہ راقم کا پسند ہے کیونکہ یہ ترجمہ نہایت آسان اور جامع ہے اور مولانا فیروز دین مرحوم کی طرح مولانا نے بھی انتہائی عقیدت کے پیش نظر یہ ترجمہ کیا اس لئے اس میں بھی جاذبیت اور کشش ہے۔

وصال اور مزار پر انوار:

اکثر و بیشتر مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ آپ ہزاروں غیر مسلموں کو نور ایمان سے منور اور شرف اسلام سے مشرف فرما کر سنہ 465ھ کو خالق حقیقی سے جا ملے اور آپ کا مزار مرجع خواص و عوام ہے اور گم گشتگان راہ اور راہنمایان قوم آج آپ کے فیوض و برکات سے مستفید ہو

رہے ہیں۔

خواجہ خواجگاں پناہ بے کساں، معین الحسد حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کا شمار متحدہ ہندوستان کے یکتائے روزگار بزرگوں اور مبلغین سے ہوتا ہے جس کی مساعی جمیلہ اور تبلیغی جدوجہد سے نوے 90 لاکھ غیر مسلم مشرف بہ اسلام ہوئے۔

انہوں نے حضرت مخدوم امم کے قدموں میں بیٹھ کر فیوض و برکات حاصل کر کے یہ عظیم مرتبہ بلند مقام اور کمال حاصل کرتے ہوئے آپ کی تبلیغی خدمات کو اس طرح خراج تحسین اور نذرانہ عقیدت پیش کیا۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

تذکرہ مترجم مولانا محمد الطاف نیروی:

مولانا محمد الطاف نیروی بن محترم محمد مشتاق گولڑوی جون 1953ء میں بمقام سکوٹہ تحصیل و ضلع پونچھ آزاد کشمیر میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم آپ نے سکول کی پرائمری تعلیم اپنے علاقہ میں ہی حاصل کی۔ پھر دینی تعلیم کے لئے پنجاب کا رخ کیا اور 1970ء سے دینی تعلیم کا آغاز کیا اور درج ذیل مدارس میں بڑی محنت اور جانفشانی سے تعلیم حاصل کرتے رہے۔

دار العلوم حزب الاحناف لاہور، جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور، جامعہ نعمانیہ اندرون ٹیکسالی گیٹ لاہور اور جامعہ قادریہ فیصل آباد۔

آپ نے 1979 علوم نقلیہ و عقلیہ کی تحصیل سے فراغت حاصل کی اور اسی دوران آپ نے لاہور بورڈ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور خوش قسمتی سے دوران تعلیم ہی 4 جولائی 1976ء کو بحیثیت موذن مسجد حضرت داتا گنج بخش تقرری ہوئی اور اس وقت سے آج تک آپ اسی مسجد میں موذن کی خدمات باحسن و خوبی سرانجام دے رہے ہیں۔ آپ نے اپنے وقت کے نامی گرامی اساتذہ سے تعلیم حاصل کی چند کی اسماء گرامی یہ ہیں:

۱۔ استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث والتفسیر علامہ مولانا محمد مہر دین صاحب مرحوم
۲۔ شیخ الحدیث والتفسیر مولانا محمد سعید احمد نقشبندی کشمیری مہاجر جموں و خطیب جامع مسجد دربار داتا صاحب۔
۳۔ مولانا عبدالرزاق بھترالوی۔
۴۔ مولانا اللہ دتہ سیالوی۔
۵۔ حضرت علامہ مولانا مقصود احمد صاحب قادری خطیب جامع مسجد داتا دربار۔
۶۔ حضرت حضرت علامہ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی ناظم اعلیٰ تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان۔
۷۔ علامہ عبدالغفور لنڈا بازار لاہور۔
۸۔ علامہ عبدالحکیم شرف قادری صدر مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور۔
۹۔ حضرت علامہ محمد رشید نقشبندی ٹکیال کوٹلی آزاد کشمیر سابق قاضی، رکن فوجداری عدالت آزاد کشمیر۔
۱۰۔ راقم محمد گل احمد خان عتیقی سسر بن چناری مظفر آباد آزاد کشمیر۔

مولانا الطاف صاحب کی طالب علمی کے زمانہ میں ہی چونکہ جامع مسجد داتا صاحب میں بحیثیت موذن تقرری ہو چکی تھی۔ اس لئے مولانا کی داتا صاحب کے ساتھ عقیدت واضح ہے۔ اس لئے فراغت کے بعد انہوں نے موجودہ دور کے علماء کی روش سے ہٹ کر فراغت کے ٹائم کو غنیمت جانتے ہوئے اتنے عظیم کام کا آغاز کیا ہے اور تین سال کے مختصر عرصہ میں نہایت ہی اچھے انداز میں کشف المحجوب کا ترجمہ مکمل کیا۔ متعدد جگہ سے مجھے ترجمہ دیکھنے کا اتفاق ہوا مولانا نے نہایت جامع اور آسان انداز میں ترجمہ کیا۔ پڑھتے ہوئے ایسے محسوس ہوتا ہے کہ یہ کتاب ترجمہ نہیں۔

مولانا ابھی جوان اور جوان ہمت ہیں لہذا اللہ تعالیٰ بجاہ حبیبہ انہیں مزید توفیق سے نوازے آمین یارب العلمین۔

بجاہ سید المرسلین علیہ التحیۃ والتسلیم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

☆☆☆

مخدوم سید علی ہجویری کی کہانی ان کی اپنی زبانی

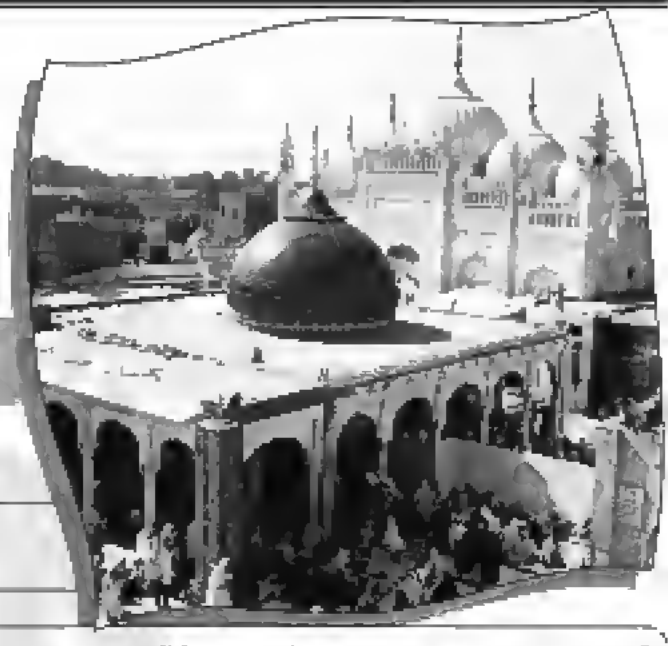

ترتیب وتحریر: حکیم محمد موسیٰ چشتی امرتسری

حکیم محمد موسیٰ امرتسری اپنے عہد کے جید عالم دین، نامور محقق، بلند پایہ ادیب اور ممتاز مؤرخ ہوئے ہیں۔ وہ نہایت تجربہ کار طبیب بھی تھے۔ مسلک کے اعتبار سے وہ پاکستان کے سواد اعظم اہل سنت و جماعت سے تعلق رکھتے تھے لیکن دیگر تمام مسالک کا دل و جان سے احترام کرتے۔ انہوں نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی کی ذات اور ان کی گراں قدر دینی و ملی خدمات اور کارناموں کے تعارف کے لئے ایک لاکھ سے زائد کتابچے اور پمفلٹس چھپوا کر مفت تقسیم کئے جس کے نتیجہ میں نہ بر عظیم پاکستان ہند کے مسلمان بلکہ دنیا بھر کے مسلم و غیر مسلم افراد امام صاحب کے کارناموں سے آگاہ ہوئے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے "مرکزی مجلس رضا" کے نام سے ادارہ قائم کیا جس کے تحت امام احمد رضا خاں کی ذات گرامی کے متعلق گرانقدر کام کیا اور "جہان رضا" کے نام سے ایک ماہنامہ بھی شائع کرنا شروع کیا۔ بعد میں بعض احباب کی زیادتیوں کی وجہ سے اس سے الگ ہو گئے لیکن اپنا کام بدستور جاری رکھا۔ حکیم صاحب نے کشف المحجوب کا دیباچہ لکھ کر تحقیق کے میدان میں اپنی علمی قابلیت و صلاحیت کا لوہا منوایا انہوں نے نہ صرف خود کارہائے نمایاں سرانجام دیئے بلکہ سینکڑوں لوگوں کو علم و عمل کی راہ پر ڈالا جس کے نتیجے میں نادر تحقیقی مقالات اور کتب سامنے آئیں۔

حکیم صاحب موصوف مخدوم امم سید علی ہجویری کے دل و جان سے مداح تھے۔ راقم جب ان سے سید علی ہجویری سے متعلق ایک ماہنامہ کے ایڈیشن کی اشاعت کی تیاری کے لئے حاضر ہوا تو انہوں نے بھرپور معاونت کی اور دیگر احباب کو بھی اس سلسلہ میں آمادہ کیا۔ افسوس! یہ ایڈیشن ان کی زندگی میں شائع نہ ہو سکا۔ ورنہ وہ اسے دیکھ کر بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے۔ وہ عاشق رسول مقبول ﷺ تھے اور قطب الرجال میں ولی اللہ کے مقام پر فائز تھے۔

درج ذیل مضمون انہوں نے کشف المحجوب سے تیار کیا ہے اور مختلف اقتباسات کو نہایت ترتیب اور سلیقہ کے ساتھ جمع کیا ہے جس سے اعلیٰ حضرت سید علی ہجویری المعروف بہ معروف داتا گنج بخش کی ایک مربوط کہانی مرتب ہو گئی ہے جو بلاکم و کاست نہ صرف ان کے اپنے ہی الفاظ میں ہے بلکہ ان کے اپنے ہی "بیان" میں بھی ہے۔

درج ذیل مضمون اس سے قبل ماہنامہ "نقوش" لاہور میں شائع ہو چکا ہے اور راقم نے وہیں سے لیا ہے جس کے لئے ہم محمد طفیل مرحوم اور جاوید طفیل صاحب اور ان کے ادارہ نقوش کے شکر گزار ہیں۔ تحقیقی جستجو کے پیکر حکیم محمد موسیٰ چشتی امرتسری 27 اگست 1927 میں امرتسر کے معزز چشتی گھرانے میں پیدا ہوئے اور 72 سال کی عمر میں 17 نومبر 1999 کو خالق حقیقی سے جا ملے۔ ان کی وصیت کے مطابق انہیں حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے قریب احاطہ چشتیاں میں دفن کیا گیا۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے

(مرتب سعید بدر)

علی بن عثمان بن جلابی غزنوی ہجویری عرض کرتا ہے کہ میں نے استخارہ کیا اور جو اغراض نفس میں پھرتی تھیں، دل سے دور کر دیں۔ تمہاری (ابو سعید ہجویری) درخواست کے مطابق (خدا تمہیں سعادت عطا کرے) کام کرنے پر آمادہ ہو گیا اور اس کتاب سے تمہاری امید بر لانے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ اس کتاب کا نام "کشف المحجوب" رکھا۔ میں نے جو آغاز کتاب میں اپنا نام درج کیا ہے اس سے مراد دو چیزیں ہیں۔ ایک خاص لوگوں کے متعلق ہے اور دوسری عام لوگوں کے۔ عام لوگوں کے باب میں تو یہ بات ہے کہ جب اس علم سے بے بہرہ لوگوں کو کوئی نئی کتاب نظر آتی ہے، جس پر جگہ جگہ نام درج نہ ہو تو وہ اسے اپنی طرف منسوب کر لیتے ہیں۔ اس سے مصنف کا مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ تصنیف و تالیف سے مصنف کی مراد اس کے سوا کچھ نہیں ہوتی کہ اس کتاب سے اسکا نام زندہ رہے اور پڑھنے اور تعلیم حاصل کرنے والے اس کے حق میں دعائے خیر کرتے رہیں۔ مجھے دو مرتبہ یہ حادثہ پیش آیا۔ ایک مرتبہ یہ کہ کسی نے میرے شعروں کا "دیوان" مجھ سے مانگ کر لیا اور اصل نسخہ اس کے سوا کوئی نہ تھا۔ اس نے سارا دیوان الٹ پلٹ کر دیا اور میرا نام اس پر سے اڑا کر میری ساری محنت برباد کر دی۔ خدا اس پر رحم کرے۔ دوسری مرتبہ یہ کہ میں نے تصوف کے موضوع پر (اللہ اسے آباد رکھے) "منہاج الدین" کے نام سے ایک کتاب تالیف کی۔ ایک کمینے مدعی نے جس کا نام قابل ذکر نہیں، میرا نام اس پر سے مٹا دیا اور عوام پر یہ ظاہر کیا کہ کتاب اس نے خود لکھی ہے۔ اگرچہ خاص لوگ اس بات پر ہنس دیئے۔ یہاں تک کہ اس کی بے برکتی سے نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ خدا نے اپنے طالبوں کی درگاہ کے دیوان سے اس کا نام ہی خارج کر دیا، لیکن خواص کا حصہ یہ ہے کہ جب وہ کتاب دیکھیں گے اور اسے پڑھنے اور یاد کرنے میں زیادہ جد و جہد سے کام لیں گے۔ اس طرح پڑھنے والے اور مصنف کی مراد زیادہ اچھے انداز سے بر آئے گی۔

غرض میں نے یہ کتاب اس لئے تالیف کی ہے کہ یہ ان کے دلوں کو صیقل کر کے صاف کرے جو تاریکی کے حجاب میں مبتلا ہیں۔ لیکن نور حق کا سرمایہ ان کے اندر موجود ہے تاکہ اس کتاب کے مطالعے سے تاریکی کا حجاب اٹھ جائے اور حقیقت معنی کا راستہ مل جائے۔ جن لوگوں کی فطرت اور خمیر ہی میں حق سے انکار اور باطل کا ارتکاب ہوتا ہے۔ انہیں دلائل و شواہد کے باوصف راہ حق نہیں ملتی، لہٰذا ایسے لوگوں کو اس کتاب سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ عرفان کی نعمت پر خدا کا شکر ہے۔

خدائے بزرگ و برتر نے ہمیں ایسے زمانے میں پیدا کیا، جس کے لوگوں نے ہوا و ہوس کا نام شریعت۔ جادہ ریاست کی طلب اور تکبر کا نام عزت و علم رکھ دیا ہے۔ خلقت سے ریاکاری کو خوف الٰہی اور دل کے اندر کینہ پوشیدہ رکھنے کو علم سے موسوم کر دیا ہے۔ فضول جنگ و جدل کو مناظرہ، باہم لڑائی جھگڑے اور نادانی کو پاک دامانی قرار دے دیا ہے۔ منافقت کا نام پرہیز کاری، جھوٹی آرزو کا ارادت، طبع کے ہذیان کا معرفت، غلط حرکتوں اور نفسانی وسوسے کا عشق الٰہی، گمراہی کا فقر، انکار حق کا برگزیدگی، لادینی کا فنا، شریعت رسول ﷺ سے برگشتہ ہو جانے کا طریقت اور اہل زمانہ کی آفت کا نام مجاہدہ رکھ دیا ہے۔ یہاں تک کہ معارف حق کے راز آشنا لوگ اس جہان سے یکسر الگ تھلگ ہو گئے ہیں اور دنیا داروں نے غلبہ پا لیا ہے۔ جیسا کہ آغاز اسلام میں آل مروان نے اہل بیت رسول ﷺ پر غلبہ حاصل کر لیا تھا۔

جان لو! کہ میں نے اولیاء اللہ کے حق میں اس عالم کو خدا کے بھیدوں کا مقام، موجودات کو اس کی امانتوں کا محل اور مخلوقات کو اس کے لطیف اسرار کی جگہ پایا ہے۔ جواہر، اعراض، اجرام فلکی اجسام ارضی اور مخلوقات کی طبیعتیں، سب ان اسرار خداوندی کا پردہ ہیں۔ خدا کی توحید کے مقام میں ان میں سے ہر ایک کا اثبات شرک ہے۔

ایک دفعہ مجھے کسی ایسے صاحب علم سے مناظرے کا اتفاق ہوا جس نے تکبر کی کلاہ کا نام عزت، ہوا و ہوس کی پیروی کا نام سنت رسول اور شیطان کی تائید کا نام آئمہ دین کی سیرت قرار دے رکھا تھا۔ اس نے مناظرے کے دوران کہا کہ ملحدوں کے بارہ گروہ ہیں جن میں سے ایک گروہ صوفیہ کا ہے۔ میں نے کہا، اگر ایک گروہ صوفی ہمیں سے ہے تو گیارہ گروہ تم میں سے ہیں۔ صوفیہ ایک گروہ ہونے پر بھی جس عمدگی سے اپنی حفاظت کر سکتے ہیں، تم گیارہ گروہوں میں ہونے پر بھی ویسی حفاظت نہیں کر سکتے لیکن یہ سب کچھ اہل زمانہ کی بے دینی و گمراہی اور ان آفتوں کا نتیجہ ہے، جو آج کل نازل ہو رہی ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے ہمیشہ اپنے اولیاء کو ان لوگوں کے درمیان چھپائے رکھا ہے اور ان لوگوں کو مخلوق میں ان اولیاء سے دور کر رکھا ہے۔

میں (علی بن عثمان جلابی) نے "طوس" میں شیخ المشائخ ابوالقاسم گورگانی سے پوچھا کہ درویش کے لئے کم از کم کیا چیز ہونی چاہیئے۔ جس کی بنا پر وہ اسم فقیر کا حق دار ہو سکے۔ انہوں نے فرمایا کہ کم از کم تین چیزیں:

۱۔ یہ کہ چیتھڑا سیدھا سینا جانتا ہو۔

۲۔ یہ کہ اسے سچی بات سننے کا علم ہو۔

۳۔ یہ کہ وہ صحیح طریق سے زمین پر پاؤں رکھ سکے۔

اس وقت درویشوں کا ایک گروہ میرے پاس حاضر تھا۔ جب ہم لوگ دروازے پر واپس آئے تو ہم میں سے ہر شخص اس قول میں کچھ تصرف کر رہا تھا۔ جاہلوں کے ایک گروہ کو اس میں طمع پیدا ہوئی، وہ کہنے لگے کہ بس فقر اسی کا نام ہے ان میں سے بیشتر لوگ چیتھڑا سیدھا سینا ور پاؤں زمین پر مارنا (ناچنا) مراد لینے لگے۔ ہر شخص کو یہی خیال ہوا کہ ہم طریقت کی باتیں سننا جانتے ہیں۔ چوں کہ میرا دل خیال شیخ کی جانب تھا، لہٰذا میں نے ان کے قول کو زمین پر پھینکنا نہ چاہا اور ان لوگوں سے کہا۔ آیئے! ہم میں سے ہر ایک اس قول کے معنی سے متعلق کچھ ظہار خیال کر لے۔ چنانچہ ہر ایک نے اپنا اپنا مفہوم بیان کیا جب میری باری آئی تو میں نے کہا چیتھڑا صحیح طور پر سینا یہ ہے کہ وہ اصلی فقر سے سیا جائے۔ نہ کہ ظاہری آرائش سے، جب تو چیتھڑا صحیح طور سے سیئے گا تو کج سے سیئے گا، سچی بات سننا یہ ہے کہ وہ حال سے سنی نہ کہ قال سے۔ اس کی تاویل حق و معقول بات سے کی جائے نہ کہ لغویات سے وہ دل سے سمجھی جائے نہ کہ عقل سے۔ صحیح طریق سے زمین پر پاؤں رکھنا یہ ہے کہ جذبۂ عشق خدا سے زمین پر پاؤں رکھا جائے نہ کہ لہو و لعب اور رسم ظاہر سے۔ جب کسی شخص نے یہ بات شیخ المشائخ کو بتائی تو انہوں نے فرمایا۔ ''اصاب علی خیراللہ''

''علی نے درست کہا، خدا سے جزا دے''

مجھے (علی بن عثمان جلابی کو) ایک بار ایک واقعہ پیش آیا۔ میں نے اس امید پر کہ وہ حل ہو جائے، بہت جدوجہد کی لیکن حل نہ ہوا۔ اس سے قبل اسی قسم کا ایک پیچیدہ عقدہ سامنے آیا تھا۔ میں نے شیخ بایزید بسطامی کے مزار پر جا کر مجاوری کی کہ وہ حل ہو جائے مگر نہ ہوا۔ میں روزانہ تین مرتبہ غسل اور تین مرتبہ وضو کیا کرتا تھا۔ اس توقع پر کہ وہ عقدہ مجھ پر کھل جائے۔ لیکن وہ نہ کھلا۔ میں وہاں سے اٹھا اور ''خراسان'' کے سفر کا رادہ کیا۔ چلتے چلتے ایک شب میں موضع ''کمس'' میں پہنچا۔ وہاں ایک خانقاہ کے اندر صوفیوں جیسا ایک گروہ تھا۔ میں ایک سخت اور پرانی گدڑی اوڑھے ہوئے تھا اور رواجی صوفیوں کے ساز و سامان میں ''عصا اور ٹاٹ'' کے سوا میرے پاس کچھ نہ تھا۔ اس گروہ کی نظروں میں میں نہایت ذلیل معلوم ہوا۔ کوئی بھی مجھے پہچانتا نہ تھا۔ وہ باہم رسماً کہتے تھے کہ یہ شخص ہم میں سے نہیں۔ درست قول وہی تھا جو وہ کہہ رہے تھے کہ میں ان میں سے نہ تھا۔ لیکن اس رات میرے لئے وہاں رہنا ناگزیر تھا۔ انہوں نے مجھے ایک بالا خانے میں بٹھا دیا اور خود اس سے زیادہ ونچے بالا خانے میں چلے گئے۔ میں فرش پر تھا انہوں نے خشک اور باسی روٹی جو پھپھوندی سے سبز ہو گئی تھی، میرے آگے رکھی، جو طعام وہ کھا رہے تھے۔ اس کی بو مجھے آ رہی تھی۔ وہ بالا خانے سے میرے ساتھ طنزیہ انداز میں باتیں کر رہے تھے۔ جب وہ کھانا کھا چکے تو ظرافت ور میری تذلیل کے لئے خربوزہ کھا کر اس کے چھلکے میرے سر پر پھینکتے جاتے تھے۔ میں دل میں کہتا تھا بار الٰہا! اگر ایسا نہ ہوتا کہ وہ تیرے دوستوں کا لباس پہنے ہوئے ہیں تو میں ہرگز ان سے ایسی تذلیل برداشت نہ کرتا۔ ان کی طرف سے مجھ پر طعن کا جتنا اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ اتنا ہی میرا دل حظ و سرور محسوس کرتا تھا۔ حتیٰ کہ یہ تذلیل برداشت کرنے کے باعث وہ پر پیچ عقدہ حل ہو گیا۔ اسی وقت میں سمجھ گیا کہ مشائخ طریقت نے کس وجہ سے جاہلوں کو اپنے حلقے میں داخل ہونے کی راہ دی ہے اور ان کی تذلیل کا بار کیوں اٹھاتے ہیں۔

ایک مرتبہ غزنی میں (خدا اسے نظر بد سے بچائے) امامت علم کے ایک مدعی نے کہا ''گدڑی اوڑھنا بدعت ہے'' میں نے کہا حشیشی دویقی جو یکسر ریشمی کپڑے ہیں، جن کا استعمال مردوں کے لئے قطعاً حرام ہے۔ پھر منت و سماجت کر کے ظالموں کے مال سے جو سراسر حرام ہے حاصل کرنا اور بھی حرام ہے۔ تم انہیں تو لے کر خوشی سے استعمال کرتے ہو اور نہیں کہتے کہ یہ بدعت ہے۔ بھلا ایک حلال کپڑے کو حلال جگہ اور حلال روپے سے خریدا گیا ہو، تم بدعت قرار دیتے ہو۔ اگر تم طبیعت کی سرکشی اور نفس کی گمراہی سے مغلوب نہ ہوتے تو اس سے زیادہ پکی بات کہتے۔ مگر ریشمی لباس پہننا عورتوں پر حلال ہے اور مردوں پر حرام، اگر تمہیں ان دونوں باتوں کا اعتراف ہے تو معذور ہو۔ ایسی بے نصافی سے تو خدا کی پناہ۔

میں علی بن عثمان جلابی ملک شام میں پیغمبر ﷺ کے مؤذن حضرت بلال ؓ کے روضہ مبارک پر سو رہا تھا۔ میں نے خواب میں اپنے آپ کو مکہ معظمہ کے اندر دیکھا۔ پیغمبر ﷺ باب بنی شیبہ سے اندر تشریف لائے۔ حضور نے ایک بوڑھے کو اس طرح آغوش میں لے رکھا تھا جس طرح لڑکوں کو شفقت سے آغوش میں لیتے ہیں۔ میں دوڑ کر حضور ﷺ کے سامنے گیا اور آپ ﷺ کے پائے مبارک پر بوسہ دیا۔ میں حیران تھا کہ وہ بوڑھا کون ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے اعجازاً میری دلی کیفیت اور خیال سے مطلع ہو کر فرمایا:

''یہ تیرا اور تیرے اہل ملک کا امام یعنی ابو حنیفہ ہے۔''

اس خواب سے مجھے اور میرے اہل شہر کو بڑی امید بندھی۔ مجھ پر یہ ثابت ہو گیا کہ وہ (حضرت امام اعظم ابو حنیفہ) ان افراد میں سے ایک

ہیں جو اوصاف طبع سے فانی، احکام شرع سے باقی اور ان سے قائم ہیں۔ حقیقتاً انہیں اوصاف طبع سے نکال کر لے جانے والے پیغمبر ہی ہیں۔

حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی کا میں طریقت میں پیرو ہوں۔ ایک مرتبہ میں وضو کے لئے ان کے ہاتھوں پر پانی ڈال رہا تھا کہ دل میں خیال گذرا۔ جب تمام کاموں کا انحصار تقدیر اور قسمت پر ہے تو آزاد لوگ کرامت کی امید پر اپنے آپ کو پیروں کا غلام کیوں بناتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: بیٹا جو خیال تیرے دل میں گذرا ہے، وہ مجھے معلوم ہو گیا ہے، جان لے کہ ہر حکم کا ایک سبب ہے۔ جب خدائے بزرگ و برتر چاہتا ہے کہ کسی عام بچے کو تاج و سلطنت (سلطنت فقر) بخش دے تو اسے توبہ کی توفیق عطا کر کے اپنے کسی دوست کی خدمت میں مشغول کر دیتا ہے تاکہ یہ خدمت اس کی کرامت کا سبب بن جائے۔

ایک دن گرمی کے موسم میں، میں سفری لباس پہنے کوفت سے چور حضرت ابواحمد المظفر الدین حمدان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے فرمایا اے ابوالحسن! اب تمہارا ارادہ کیا ہے؟ میں نے عرض کی۔ میں راگ سننا چاہتا ہوں۔ انہوں نے فوراً آدمی بھیج کر ایک قوال اور اہل ذوق سماع کو طلب کیا۔ شروع ہی میں مجھے بچپن کے جوش، قوت ارادہ اور صحبت کے سوز نے راگ سننے سے بے تاب کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب مجھ میں اس آفت کا جوش و خروش ذرا کم ہوا تو انہوں نے مجھ سے فرمایا۔ یہ راگ تمہارے لئے کیسا رہا؟ میں نے عرض کی! اے شیخ! میں نہایت خوش ہوا۔ فرمایا: ایک وقت ایسا آئے گا کہ سماع کی یہ آواز اور لوے کی کائیں کائیں تمہارے لئے برابر ہوں گی۔ کیونکہ قوت سماع اسی وقت تک ہوتی ہے جب تک کہ مشاہدہ حق نہ ہو۔ جب مشاہدہ میسر آجائے تو قوت سماع ہیچ ہو جاتی ہے۔ دیکھنا، کہیں اس راگ کو عادت نہ بنالینا۔ ایسا نہ ہو کہ طبیعت ثانیہ بن جائے اور تم اس کے سبب اصلی مقصد سے محروم رہ جاؤ۔"

میں کہ علی بن عثمان جلابی ہوں۔ ایک مرتبہ مجھے ایک مشکل پیش آئی، جس کا حل کرنا میرے لئے مشکل ہو گیا۔ میں نے حضرت ابوالقاسم گورگانی کی زیارت کو "طوس" جانے کا ارادہ کیا۔ وہاں پہنچ کر انہیں ان کے مکان کے پاس مسجد کے اندر تنہا پایا۔ میں نے دیکھا کہ وہ ہو بہو میرا واقعہ ایک ستون کو سنا رہے ہیں۔ مجھے پوچھے بغیر اپنے سوال کا جواب مل گیا۔ اس پر میں نے عرض کی۔ اے شیخ! آپ یہ واقعہ کسے سنا رہے ہیں؟ فرمایا! بیٹا اس ستون کو، اس وقت خدا نے اسے بولنے کی قوت عطا فرما دی تھی کہ اس نے مجھ سے سوال کیا۔

ولایت "فرغانہ" میں ایک گاؤں ہے جسے "سلاتک" کہتے ہیں۔ وہاں اوتاد میں سے ایک بزرگ رہتے تھے جن کا نام "باب عمر" تھا۔ اس علاقے کے تمام درویش بڑے مشائخ کو باب ہی کہتے ہیں۔ ان کے ہاں "فاطمہ" نامی ایک بوڑھی عورت تھی۔ میں نے مقام "روزگند" سے ان کی زیارت کا ارادہ کیا۔ جب میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا: تو کس غرض سے آیا ہے؟ عرض کی: اس غرض سے کہ شیخ کا دیدار اصل صورت میں کروں اور وہ مجھ پر شفقت کی نگاہ ڈالیں۔ انہوں نے ارشاد کیا: بیٹا! میں خود فلاں دن سے تجھے دیکھ رہا تھا اور اس وقت تک دیکھتا رہوں گا جب تک مجھ سے تجھے غائب نہ کر دیا جائے۔ جب میں نے دن اور برس گنے تو جو دن انہوں نے بتایا تھا وہ دن میرے لئے توبہ کا دن نکلا۔ انہوں نے فرمایا بیٹا! تھوڑے وقت میں سفر کرنا بچوں کا کام ہے۔ اب اس کے بعد اس ذات کی زیارت کے لئے ہمت کر، جسے ہر شخص نہیں پا سکتا اور نہ اس کی زیارت کو شرط سفر ضروری ہے۔ پھر فرمایا: اے فاطمہ! جو کچھ تیرے پاس ہے لے آ تاکہ یہ درویش کھالے۔ وہ تازہ انگوروں کا ایک تھال لے آئیں۔ حالانکہ ان کا موسم نہ تھا۔ انگوروں کے اوپر چند تازہ کھجوریں تھیں حالانکہ "فرغانہ" میں تازہ کھجوروں کا ملنا غیر ممکن تھا۔

ایک مرتبہ میں ایک گاؤں "مہنہ" میں حسب معمول تنہا شیخ سعید کے مزار پر بیٹھا تھا کہ میں نے یہ دیکھا ایک سفید کبوتر آیا اور مزار پر نظر ڈالے ہوئے غلاف کے اندر داخل ہو گیا۔ میں نے دل میں کہا شاید یہ کسی کے ہاتھ سے چھوٹ کر آ گیا ہے۔ جب میں نے اٹھ کر غلاف کے نیچے نظر ڈالی تو وہاں کچھ نہ تھا۔ دوسرے دن بھی یہی دیکھا اور اس سے میں حیران رہ گیا۔ حتیٰ کہ ایک رات میں نے انہیں خواب میں دیکھا اور ان سے اس واقعے کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: "وہ کبوتر میرے معاملے کی صفائی ہے۔ جو ہر روز قبر میں میری مصاحبت کے لئے آتا ہے۔"

میں (علی بن عثمان جلابی) نے سرور عالم ﷺ کو خواب میں دیکھا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ (اے خدا کے رسول ﷺ! مجھے وصیت فرمائیں) حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: حبس حواسک (اپنے تمام حواس بند رکھ) کیونکہ حواس کو بند رکھنا ہی پورا مجاہدہ ہے۔

ایک مرتبہ میں نے "دمشق" سے دو درویشوں کے ہمراہ ابن معلا کی زیارت کا ارادہ کیا وہ موضع "رملہ" میں مقیم تھے۔ ہم نے راستے میں ایک دوسرے سے کہا: "ہم میں سے ہر ایک کو دل میں کوئی ایسی بات سوچ لینی چاہیئے جس کا اسے علم ہوتا کہ وہ پیر ہمارے باطن سے ہمیں آگاہ کر دیں اور ہمارا واقعہ حل ہو جائے۔ چنانچہ میں نے دل میں کہا" مجھے ان سے حضرت حسین بن منصور کی مناجات کے اشعار کی استدعا کرنی چاہیئے۔ دوسرا بولا مجھے دعا کرانی چاہیئے تاکہ میری تلی دور ہو جائے۔ تیسرے نے کہا" مجھے صابونی حلوہ درکار ہے۔ جب ہم لوگ ان کی

خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کے حکم سے حضرت حسین بن منصور کی مناجات کے چند شعر تحریر کئے ہوئے تھے جو میرے سامنے رکھ دیئے گئے۔ دوسرے درویش کے پیٹ پر ہاتھ پھیر دیا۔ اس کی تلی جاتی رہی۔ تیسرے سے فرمایا سابونی حلوہ سلطانی اہل کاروں کی خوراک ہے۔ تیرا لباس اولیاء کا ہے۔ اولیاء کا لباس سرکاری اہل کاروں کے ساتھ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا۔ ان دونوں باتوں میں سے ایک کو اختیار کر لے۔

ایک مرتبہ میں "عراق" کے اندر دنیا کی طلب اور اس کے فنا کرنے میں بے باکی سے مصروف تھا اور قرض بڑھ گیا تھا جسے ضرورت پیش آتی وہ میری جانب رجوع کرتا۔ میں ان کی ہوائے نفس کے پورا کرنے کی مصیبت میں گرفتار تھا۔ وقت کے سرداروں میں ایک ایک سردار (یعنی اولیائے وقت کا سردار) نے مجھے تحریر کیا: بیٹا! دیکھ اپنا دل خدا سے بے تعلق کر کے اس دل کو جو ہوائے نفس میں مصروف ہے، فراغت پہنچانے پر نہ لگا۔ پس اگر تو اپنے دل سے کوئی محبوب تر دل پائے تو جائز ہے کہ اس کو آرام پہنچانے میں اپنا دل مشغول کرے ورنہ اس کام سے دست بردار ہو جا، کیونکہ خود اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے کافی ہے۔ چنانچہ میں بہت جلد اس کام سے فارغ ہو گیا۔

میں (علی بن عثمان جلابی) نے ایک بزرگ کو دیکھا کہ جب وہ فرائض ادا کر چکتے تو سو جاتے۔ میں نے شیخ احمد سمرقندی کو دیکھا جو بخارا میں رہتے تھے وہ چالیس برس تک رات کو نہیں سوئے تھے۔ البتہ دن کو تھوڑی دیر کے لئے سو جاتے۔

ایک دن میں شیخ ابوالعباس شقانی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ وہ یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے۔ "ضرب اللہ مثلاً عبدا مملوکا لا یقدر علی شئی (خدا نے ایک ایسے غلام کی مثال بیان کی ہے، جو دوسرے کے قبضے میں ہے اور کوئی کام نہیں کر سکتا۔" اور اشک بار تھے۔ یکایک انہوں نے نعرہ لگایا اور بے ہوش ہو گئے۔ میں سمجھا کہ وہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ عرض کی: "اے شیخ! یہ کیا حالت ہے؟ فرمایا: گیارہ سال ہو گئے ابھی تک میرا ورد یہاں تک پہنچا ہے اس سے آگے میں نہیں جا سکا۔

میں نے حضرت ابوالعباس عطا سے پوچھا: "آپ ہر روز کتنا قرآن پڑھ لیتے ہیں؟ فرمایا: اس سے قبل رات دن میں دو مرتبہ قرآن ختم کیا کرتا تھا مگر اب چودہ سال گزر گئے، ابھی تک سورہ انفعال تک پہنچا ہوں۔

ایک مرتبہ میں مرو میں تھا۔ اہل حدیث (مراد فرقہ ایک حدیث نہیں بلکہ محدث مراد ہیں) کے ایک مشہور ترین امام نے مجھ سے کہا: دین میں بھاری مصیبت پیدا ہو گئی کہ خواجہ امام نے ایک لہو کو جو تمام بدکاریوں کی جڑ ہے، حلال کر دیا۔ انہوں نے جواب دیا اگر تو اسے حلال نہیں سمجھتا تو سنتا کیوں ہے؟ میں نے کہا "اس کا حکم متعدد اسباب پر مبنی ہے۔ ایک چیز پر قطعی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ اگر اس کی تاثیر دل میں کہیں حلال ہے تو اس کا سماع بھی حلال ہے اور اگر حرام ہے تو اس کا سماع بھی حرام ہے۔ اگر تاثیر مباح ہے تو سماع بھی مباح ہے۔

میرے شیخ نے فرمایا: سماع عاجز لوگوں کا زادراہ ہے۔ پس جو منزل پر پہنچ گیا وہ سماع سے بے نیاز ہو گیا۔ وصل کے مقام میں سننے کا حکم غائب ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے کہ سننا خبر کا ہوتا ہے اور خبر غائب کی بات ہوتی ہے۔ جب مشاہدہ ہو جاتا ہے تو سننا جاتا رہتا ہے۔

میں نے (منصور حلاج) کے کلام کی شرح میں ایک کتاب تصنیف کی ہے، جس میں ان کے کلام کی بلندی اور حال کی صحت دلائل و براہین سے ثابت کی ہے۔ علاوہ ازیں میں نے اپنی تصنیف "منہاج الدین" میں جس کا ذکر پہلے کیا ہے، ان کے حالات کے آغاز و انجام پر روشنی ڈالی ہے۔ میری اکثر کتابیں "غزنی" (خدا اُسے محفوظ رکھے) میں رہ گئی ہیں اور میں ملک ہندوستان میں بمقام شہر "لہاور" (لاہور) جو نواح ملتان میں سے ہے۔ ناجنسوں کے درمیان گھر گیا ہوں۔ راحت اور تکلیف دونوں حالتوں میں خدا کا شکر ہے۔

جب میں نے ان سب (آتش پرست، فلسفی اور معتزلہ وغیرہ) کی تردید میں ایک مختصر دلیل (کشف المحجوب) بیان کر دی ہے۔ کیونکہ یہ کتاب ان لغو عقائد کی دھجیاں بکھیرنے کا موزوں مقام نہیں۔ اس علم کے مشتاق کو یہ مسئلہ میری دوسری کتاب میں دیکھنا چاہیے جو میں نے اس موضوع پر لکھ کر اس کا نام "الرعایہ بحقوق اللہ" رکھا ہے۔

میں (علی بن عثمان جلابی) رضائے الٰہی کے سوا کچھ نہیں چاہتا تاکہ وہ مجھے اس مقام میں ہر بلا سے بچائے رکھے اور نفس کی شرارت سے نجات دلائے۔ اگر وہ مجھے اپنے قہر میں رکھے تو میں لطف کی آرزو نہ کروں اور اگر لطف میں رکھے تو مجھے قہر کی خواہش نہ ہو۔ کیونکہ ہمیں اس کے اختیار میں ذرا دخل نہ ہے۔

میں علی بن عثمان جلابی اس امر کو اچھا سمجھتا ہوں کہ نوآموزوں کو سماع کی اجازت نہ دی جائے تاکہ ان کی طبیعتوں کو پریشانی لاحق نہ ہو۔ اس میں زبردست خطرے اور بڑی خرابیاں ہیں کیونکہ عورتیں چھتوں پر سے اور مکانوں سے درویشوں کو سماع کے عالم میں دیکھتی ہیں اس امر سے اہل سماع پر شدید حجاب پڑ جاتے ہیں۔ لازم ہے کہ نوجوانوں کو بھی ان کے درمیان نہ بٹھایا جائے کیونکہ جاہل صوفیہ نے یہ تمام امور مذہب میں شامل کر لئے ہیں اور سچائی کو درمیان سے اٹھا کر پھینک دیا ہے۔ میں ایسی باتوں سے، جو اس طرح کی خرابیوں کے باعث مجھ پر

گزر چکی ہیں تو یہ کرتا ہوا اللہ تعالیٰ سے امداد خواہ ہوں کہ وہ میرے ظاہر و باطن کو خرابیوں سے بچائے رکھے۔ تمہیں اس کتاب کے پڑھنے والے کو اس کی رعایت حقوق کے لئے وصیت کرتا ہوں۔ توفیق دینے والا اللہ ہی ہے۔

(انتخاب از انوار القلوب ترجمہ: کشف المحجوب ترتیب: جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری)

☆☆☆

ممتاز ماہرِ تعلیم

پروفیسر ڈاکٹر محمد اظہر نعیم صاحب

ڈاکٹر محمد اظہر نعیم پیر مہر علی شاہ ایریڈ یونیورسٹی راولپنڈی میں ایک سینئر پروفیسر ہیں۔ شعبہ تعلیم سے آپ کی وابستگی طویل عرصہ پر محیط ہے۔ ڈاکٹر محمد اظہر نعیم ہر کام کو منصوبہ بندی کے ساتھ شروع کرنے اور سلیقہ مندی سے پایہ تکمیل تک پہنچانے کے عادی ہیں۔ اعلیٰ عہدوں پر فائز شخصیات بعض اوقات حالات کی تختیوں کے پیش نظر اپنے نظریہ اور فکر کو خیر باد کہہ دیتے ہیں یا انہیں ثانوی حیثیت دیدیتے ہیں مگر سچے اور پختہ عقائد کے حامل ڈاکٹر محمد اظہر نعیم ان جیسے لوگوں سے بالکل مختلف مزاج کی حامل شخصیت ہیں۔ ان کے کردار کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ کبھی دنیوی اغراض کی خاطر اپنے مثبت نظریات، صالح فکر اور روشن عقائد پر آنچ نہیں آنے دی اور نہ ہی کبھی اپنی فکر کے برملا اظہار کے معاملہ میں کسی مصلحت اور ہچکچاہٹ کا شکار ہوئے۔ مدیر اعلیٰ ''دلیل راہ'' مفکر اسلام علامہ سید ریاض حسین شاہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے حکم پر راقم الحروف نے ڈاکٹر محمد اظہر نعیم صاحب سے ایک نشست کی۔ اس دوران ڈاکٹر صاحب سے جو علمی اور فکری گفتگو ہوئی وہ ''دلیل راہ'' کے قارئین کی نذر کر رہے ہیں۔ **عبدالمجید مغل**

☆: ڈاکٹر صاحب آپ گذشتہ 25 برس سے شعبہ تعلیم سے وابستہ ہیں لہذا ہم اپنی گفتگو کا آغاز یہیں سے کرتے ہیں آپ کے نزدیک تعلیم قوموں کی ترقی و کامیابی میں کیا رول ادا کرتی ہے؟

❁: آپ کا سوال کافی تفصیل طلب ہے، لیکن میں کوشش کروں گا کہ اسے مختصراً بیان کروں۔ یقیناً آپ جانتے ہوں گے کہ تعلیم صرف نصابی کتابیں رٹنے اور امتحان پاس کرنے کا نام نہیں۔ تعلیم کا اصل مقصد ذہن کی نشوونما ہے۔ مطالعہ سے، مشاہدے سے، تجربے سے دماغ کو روشن کرنا ہے، اس لیے صرف جاننا ہی کافی نہیں، سمجھنا بھی ضروری ہے اور سمجھنا بغیر سوچنے کے ممکن نہیں۔ اس لیے صحیح تعلیم وہ ہے جو سوچنے سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرے، جو ذہن کی تخلیقی صلاحیتوں کو بیدار کرے۔ معلومات اور علم میں تقلیدی تعلیم Reproductive Education اور تخلیقی تعلیم Creative Education میں جو فرق ہے اس کی علامہ اقبال نے بھی نشاندہی کی ہے۔

تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو
کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں

اب اس تناظر میں وطن عزیز میں رائج مختلف نظام ہائے تعلیم کا جائزہ لیں اور ہر سطح کے نصاب تعلیم اور طریقہ تعلیم کو دیکھیں، تو محض رٹا بازی، نمبروں کی دوڑ اور سوچنے سمجھنے سے عاری تعلیم ہی نظر آئے گی۔ جہاں تک ایجوکیشن پالیسی کا تعلق ہے۔ مختلف ادوار میں جو بھی پالیسی دی گئی۔ قطع نظر اس کے کہ وہ کیسی ہے۔ بڑا مسئلہ اس کے حقیقی معنوں میں نفاذ کا رہا ہے، 2009ء کی پالیسی میں اس بات کو Highlight کیا گیا ہے۔ کہ اصل مسئلہ Lack of Commitment & Poor Implementation کا رہا ہے۔ اس کی ایک بڑی مثال یہ دی جا سکتی ہے کہ 2002ء میں جو Curriculam Reforms کی گئی تھیں ان کی کتابیں ابھی تک پرنٹ نہیں ہو سکیں۔ 1998ء کی ایجوکیشن پالیسی کے بعد 2009ء میں دی گئی ہے۔ یہاں اس پر سیر حاصل تبصرہ نہیں ہو سکتا ہے۔ تاہم ایک بات اچھی کی گئی ہے کہ بجٹ میں GDP کا 2.7% سے بڑھا کر 7% کرنے کا اعلان کیا گیا ہے۔ یہاں ایک بات کرنا چاہوں گا کہ عام طور پر ایک واویلا مچایا جاتا ہے کہ ملک میں کئی قسم کے نظام ہائے تعلیم جاری ہیں۔ اس ضمن میں عرض ہے کہ پانچویں جماعت تک کے بچے تقریباً 73 فیصد گورنمنٹ سکولوں میں، 26 فیصد پرائیویٹ سکولوں میں اور صرف ایک فیصد دینی مدارس میں پڑھتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اگر گورنمنٹ ان 73 فیصد بچوں کو صحیح طور پر زیور تعلیم سے آراستہ کر دے تو یہ ایک بہت بڑا کام ہوگا اور یہ بات بھی اٹل ہے کہ اگر گورنمنٹ سکولوں سے بہتر تعلیم ملے تو پرائیویٹ سکول ویران ہو جائیں گے۔ بات لمبی ہو رہی ہے مگر ضروری بھی ہے۔ ہمارے پالیسی ساز عمومی طور پر ہائر ایجوکیشن کی طرف زیادہ توجہ دیتے ہیں۔ یہ ایسا ہی ہے کہ عمارت کو اوپر سے خوب مزین کر دیا جائے اور اس کی بنیادیں کھوکھلی رہ جائیں۔ سب سے اہم حصہ پرائمری تعلیم ہے جہاں بچے کی 80 فیصد سے زائد شخصیت کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ لہذا زیادہ توجہ اس طرف مبذول کی جائے۔

☆: فروغ تعلیم میں دینی مدارس کی شاندار خدمات ہیں جو کہ غرباء اور ضرورتمند طلبہ کو تعلیم کی مفت سہولیات فراہم کر رہے ہیں لیکن جدید تعلیم اور دینی مدارس کے درمیان ایک حد فاصل کھینچ دی گئی ہے۔ جدید تعلیم سے آراستہ طبقہ ہمیشہ سے دینی مدارس کے نظام تعلیم کو ہدف تنقید بناتا چلا آ رہا ہے اور حکومت مدارس کے نصاب کو تبدیل کرنے اور اسے مروجہ جدید تعلیم کے ہم آہنگ کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی منصوبہ پیش کرتی رہتی ہے جبکہ مدارس کی تنظیمات کی طرف سے حکومتی تجاویز کو مدارس کے امور میں مداخلت قرار دیکر رد کر دیا جاتا ہے۔ آپ کے خیال میں مدارس کے نظام اور نصاب میں کیا کسی قسم کی تبدیلی کی ضرورت ہے؟ اور کیا مدارس پر حکومتی عملداری ضروری ہے یا انہیں آزادانہ حیثیت میں کام کرنے کا نظام برقرار رہنا چاہیئے؟

❁: یقیناً فروغ تعلیم کے حوالہ سے دینی مدارس کی خدمات قابل فخر اور بہترین ہیں۔ اس ضمن میں میں آپ کی توجہ اسلام کے اولین اور سنہری ادوار کی طرف مبذول کرواؤں گا۔ سب سے پہلا دینی مدرسہ رحمت عالم ﷺ نے مسجد نبوی میں صفہ کے مقام پر قائم کیا۔ یہ اصحاب کی تعلیم و تربیت کا اولین مرکز تھا۔ بعد ازاں خلفاء راشدین کے ادوار سے لے کر کئی صدیوں تک مساجد سے ملحق مدارس قائم ہوتے رہے۔ جن میں نہ صرف اسلامی علوم بلکہ سائنسی علوم کی بھی تعلیم و ترویج ہوتی رہی۔ ابن حوقل کی گنتی کے مطابق صرف حلیہ کے ایک معمولی قصبہ میں چھ سو مکتب تھے اور اس قدر وسیع کہ ایک ایک مدرسہ میں ہزاروں طلبہ تعلیم حاصل کرتے تھے۔ دمشق میں مدرسہ نوریہ اور بغداد میں مدارس نظامیہ نے شہرت دوام حاصل کی۔ ان مدارس کی ایک زندہ مثال جامع ازہر مصر ہے، جو درحقیقت ایک مسجد ہے۔ یہ بھی بتاتا چلوں کہ ان ادوار میں مساجد و مدارس اسی انداز میں چلتے تھے جیسے آج کل، یعنی حکومتی سرپرستی کے بغیر اور انہی مدارس نے وہ عظیم الشان علماء پیدا کیے، جن کی تحقیق سے آج مشرق و مغرب کی جدید یونیورسٹیوں کے اساتذہ اور طلباء مستفید ہو رہے ہیں۔ میرے خیال میں مدارس پر حکومتی اجارہ داری نہیں

ہونی چاہیے۔ البتہ دور جدید کو مدنظر رکھ کر نصاب تعلیم میں ضرور تبدیلی کرنی چاہیے، مثلاً کچھ ایسے مضامین ہیں جن کی دور حاضر میں زیادہ ضرورت نہیں جیسے فلسفہ و منطق، ان کو نصاب سے خارج کر کے کچھ مروجہ علوم شامل کر دیئے جائیں تا کہ فارغ التحصیل ہونے والے طلبہ دور حاضر میں بہتر کردار ادا کر سکیں۔

یہاں گزارش کرنا چاہوں گا کہ اسلام دین و دنیا کی تفریق نہیں کرتا۔ قرآن مجید مطالعے، مشاہدے اور تفکر و تدبر کی تلقین کرتا ہے اور اسلام کے اسی تعلیمی و تخلیقی نقطہ نظر سے تحصیل علم و حکمت کی وہ عظیم اور ہمہ گیر تحریک اٹھی، جس نے گیارھویں اور بارھویں صدی میں بغداد اور اندلس کو دنیا کا روشن ترین خطہ بنا دیا تھا۔ یاد رہے کہ جدید مغرب کی علمی و تحقیقی سرگرمیوں کے سوتے مسلم اسپین سے ہی پھوٹے۔ یہ ساری دنیا کو معلوم ہے کہ دنیا کا پہلا انسائیکلوپیڈیا مسلمانوں ہی نے دسویں صدی میں مرتب کیا تھا۔

☆: اساتذہ کو قوم کے معمار کہا جاتا ہے جبکہ مشاہدہ یہ کہ آج کے دور میں اساتذہ کی ترجیحات بدل چکی ہیں، شاید مادی اغراض مشتری مقاصد پر غالب آ گئی ہیں۔ آپ اس بارے کیا کہتے ہیں؟

❁: یقیناً اساتذہ قوم کے معمار ہیں وہ طلبا کے لیے رول ماڈل ہوتے ہیں، جس طرح دیگر تمام شعبے تنزل کا شکار ہوئے ہیں۔ اسی طرح تعلیمی ادارے اور اساتذہ بھی متاثر ہوئے ہیں۔ Materialistic سوچ نے پورے نظام کو تباہ کر دیا ہے اور اساتذہ وہ کردار نہیں ادا کر رہے، جس سے ملک و قوم کے لیے بہترین رہنما تیار ہو سکیں۔

☆: آپ کا تجزیہ کیا ہے کہ ہمارے مدارس سے فارغ التحصیل ہونے والے علماء کرام عملی سیاست میں آنے، قومی و بین الاقوامی امور کی سوجھ بوجھ اور امور مملکت نبھانے کی اہلیت و صلاحیت کے حامل ہوتے ہیں؟

❁: دیکھیں۔ اسلام دین و دنیا کی تفریق نہیں کرتا۔ لہٰذا سیاست بھی دین کا حصہ ہے۔

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

جس طرح علماء نے تحریک پاکستان، تحریک نظام مصطفےٰ اور تحریک ختم نبوت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اسی طرح انہیں ملکی سیاست میں بھی اہم کردار ادا کرنا چاہیے، جس میں قدیم و جدید علوم کے ماہرین بھرپور حصہ لیں تا کہ سیکولر اور سرمایہ دارانہ ذہنیت سے نجات مل سکے۔

☆: آپ طویل عرصہ سے تدریس کے شعبہ سے وابستہ ہیں اور اس وقت ملک کی ایک بڑی یونیورسٹی میں سینئر استاد ہیں اپنے طویل تجربہ کے پیش نظر آپ کے ذہن میں نظام تعلیم میں اصلاحات کے کئی خاکے موجود ہوں گے۔ بالفرض آپ کو قومی سطح پر وزیر تعلیم کا منصب مل جاتا ہے تو نظام تعلیم کی بہتری کے لئے فوری طور پر آپ کیا اقدام لے گے؟

❁: آپ جانتے ہیں کہ موجودہ نظام تعلیم لارڈ میکالے کا تشکیل دیا ہوا نظام ہے جو ہمارے اسلامی، سماجی اور ثقافتی ورثہ کی کسی بھی طور پر نمائندگی نہیں کرتا۔ اگر مجھے اختیار دیا جائے تو میں سب سے پہلے سرکاری سکولوں کی تنظیم نو کروں گا۔ Infrastructure کی تبدیلی اور Highly Qualified اساتذہ کی تعیناتی مکمل تربیت کے بعد کی جائے گی کہ لوگ کشاں کشاں سرکاری سکولوں کی طرف متوجہ ہو جائیں گے۔ اس ضمن میں Higher Education Commisssion کی طرز پر Education Commission برائے سکولز تشکیل دیا جائے گا۔ اگر آپ اس قوم اور ملک کو ترقی کی راہوں پر گامزن کرنا چاہتے ہیں۔ تو پرائمری سکولوں میں اعلیٰ تعلیم یافتہ اور Teaching Aptitute رکھنے والے اساتذہ کو تعینات کرنا ہوگا، جن کو اعلیٰ مالی و دیگر مراعات دینا ہوں گی۔

☆: تاریخ کی روشنی میں فرد کی اصلاح اور اس کے تعمیر کردار کے ضمن میں تعلیمی اداروں کا کیا کردار رہا ہے اور نیز یہ کہ کیا آج کے تعلیمی ادارے اس ضرورت کو پورا کر رہے ہیں؟

❁: اصلاح احوال اور تعمیر کردار میں تعلیمی اداروں کے کردار سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ دراصل نصاب تعلیم کی اہمیت اپنی جگہ لیکن سب سے اہم استاد کی شخصیت ہے کیوں کہ اس کا کردار Three Fold ہے۔ بحیثیت مدرّس (Instructor)، بحیثیت معلم (Educator) اور

بحیثیت مربی (Mentor) اور ان تین کرداروں میں ہی طلباء کی شخصیت سازی اور ان کے کردار کی تعمیر ممکن ہو سکتی ہے، مگر بدقسمتی سے جیسے پہلے عرض کیا ہے کہ مادی سوچ اور تعلیمی اداروں سے بے اعتنائی کی وجہ سے ایسے اساتذہ نظر نہیں آتے جو یہ کردار ادا کر سکیں۔

☆: آپ سے یہ جاننا چاہتے ہیں کہ شعبہ تدریس کی طرف آپ کا رجحان کیسے ہوا لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہمارے قارئین کے لئے یہ بات یقیناً دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ اگر آپ اپنی تعلیمی زندگی کے نشیب و فراز سے بھی آگاہ فرما دیں کہ آپ کن کن اداروں میں زیر تعلیم رہے، اس راہ میں کیا کیا مشکلات پیش آئیں، والدین اور اساتذہ کرام کا رویہ کیسا رہا اور نیز یہ کہ نسل نو کو آپ حصول تعلیم کیلئے کیا پیغام دینا چاہیں گے؟

❁: میرے والد گرامی ایک عالم دین اور ایک سکول ٹیچر تھے لہٰذا تدریسی رجحان تو ورثہ میں ہی ملا۔ جہاں تک تعلیمی اداروں کا تعلق ہے۔

گاؤں کے سکول کے بعد زرعی یونیورسٹی فیصل آباد سے ایف ایس سی، بی ایس سی آنرز، ایم ایس سی آنرز اور پی ایچ ڈی کی۔ جامعہ زرعیہ راولپنڈی سے ایم بی اے کیا۔ تعلیمی زندگی کو میں نے پوری طرح Enjoy کیا اور اگر کوئی مشکل پیش آئی تو وہ مشکل نہ رہی۔ اللہ کا شکر ہے کہ والدین اور اساتذہ کی طرف سے ہمیشہ پیار اور شفقت ہی ملی۔ نوجوانوں کو یہ پیغام دوں گا کہ محنت اور اللہ پر توکل کرو اور یاد رکھو کہ there is no Shortcut in the way of Success

☆: تعلیمی اداروں میں طلبہ یونین یا طلبہ سیاست کی کس حد تک گنجائش ہے؟ نیز یہ کہ طلبہ تنظیمیں طلبہ کی تعلیم و تربیت پر کیا منفی و مثبت اثرات مرتب کرتی ہیں؟

❁: اپنے دائرہ کار کے اندر رہ کر کام کیا جائے تو پھر کوئی مسئلہ نہیں ہوتا۔ تعلیمی اداروں میں طلبہ یونین کا ایک مثبت کردار رہے، مگر ملکی سیاست کی دخل اندازی سے تعلیمی ادارے بری طرح متاثر ہوئے اور بعض اوقات قتل و غارت کی نوبت بھی آ پہنچی۔ لہٰذا ان پر پابندی لگائی گئی۔

☆: آپ نے کالجز اور یونیورسٹیز میں جدید تعلیم حاصل کی ہے، کیا کبھی کسی دینی درسگاہ سے بھی استفادہ کی ضرورت پیش آئی ہو؟

❁: جیسا میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ میرے والد محترم عالم دین تھے۔ ابتدائی کتب میں نے ان سے پڑھیں اور باقی قبلہ سید ریاض حسین شاہ صاحب کی نظر عنایت ہوئی اور انہوں نے دستار فضیلت سے بھی نواز دیا۔

☆: آپ خود استاد ہیں اور بخوبی جانتے ہیں کہ اساتذہ کا رویہ طلبہ کے ساتھ کیسا ہونا چاہیئے۔ آپ کے اپنے اساتذہ میں سے کوئی ایسے استاد جن کے رویئے اور شفقت کے نقوش ہمیشہ کے لئے آپ کے دل و دماغ پر مرتسم ہو گئے ہوں اور اپنی عملی زندگی میں دوران تدریس ان کا تصور اور رویہ ہمیشہ آپ کے پیش نظر رہتا ہو؟

❁: میرے اساتذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں سے بہت سے اساتذہ سے مختلف علوم سیکھے اور ان کو اپنے عمل میں بھی لایا ہوں ان اساتذہ میں سکول اور یونیورسٹی کے اساتذہ شامل ہیں، مگر قبلہ شاہ جی کا اپنے شاگردوں سے محبت بھرا انداز ہمیشہ پیش نظر رہتا ہے۔

☆: آپ کے خیال میں انسان کی شخصیت اور اس کے تعمیر کردار میں تصوف کس حد تک مفید ثابت ہو سکتا ہے جبکہ ایک نقطہ نظر یہ ہے کہ تصوف ایسے ہی جیسے قوم کو افیون کے نشہ میں جھونک دیا جائے؟

❁: انسان ظاہری وجود اور باطنی اور روحانی وجود کا مجموعہ ہے۔ روح مرکز حیات ہے اور جسم روح کے تابع۔ اسلامی تعلیمات مادہ اور روح دونوں کو محیط ہے اور ایک ایسا انسان مطلوب ہے، جو روحانی بالیدگیوں کا مظہر اور مادی طور پر قوی ہو۔ دراصل تصوف باطن کی بیداری اور اس کی اصلاح کا نام ہے، اس لیے شخصیت سازی اور تعمیر کردار تصوف کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ ایسی شخصیت اور وہ کردار جو اسلام کا مطمع نظر ہے۔ باقی رہی ان لوگوں کی بات جو تصوف کو اس کے برعکس دیکھتے ہیں۔ ان کا قصور نہیں، ان کی آنکھوں پر جہالت کی پٹی بندھی ہوئی ہے۔

☆: کیا آپ روحانی نسبت اور سلسلہ بیعت کے قائل ہیں؟

❁: گذشتہ سوال میں میں نے عرض کیا تھا کہ میرے عقیدے کے مطابق تعلیمات تصوف جائز ہی نہیں بلکہ ضروری بھی ہیں۔ الحمدللہ میں کیا ہمارا پورا خاندان سلسلہ بیعت سے منسلک ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ صحیح روحانی استاد مل جائے۔ اس وقت دوکانداریاں زیادہ ہیں اور تعلیمات کم ہیں۔

☆: آپ عرصہ تیس برس سے ادارہ تعلیمات اسلامیہ سے وابستہ ہیں بلکہ آپ اس کے بانی رکن ہیں، وہ کون سے مقاصد تھے جن کے پیش نظر آپ ادارہ تعلیمات اسلامیہ سے وابستہ ہوئے؟

❁: قبلہ سید ریاض حسین شاہ صاحب کی بصیرت افروز گفتگو اور درس قرآن مجید سے استفادہ کرتے ہوئے دوستوں نے ان تعلیمات کو عام کرنے کا فیصلہ کیا۔ لہذا قبلہ شاہ جی کی قیادت میں ادارہ تعلیمات اسلامیہ کی بنیاد رکھی گئی۔ اصل اہداف قرآن وسنت کے نور کو عام کرنا اور خصوصاً نوجوانوں کی تربیت اور ان کے دلوں میں عشق مصطفےٰ کی شمع کو فروزاں کرنا ٹھہرا۔ اسی ضمن میں 1980ء میں ادارہ کا ایک سہ ماہی ترجمان ''سوئے منزل'' کے نام سے جاری کیا گیا۔ اس میں ملک بھر کی مقتدر شخصیات کے مضامین شائع ہوتے رہے۔ اداریہ قبلہ شاہ جی لکھا کرتے تھے۔ یہ سہ ماہی مجلہ کئی سال تک شائع ہوتا رہا۔ جس سے ادارہ کا پیغام ملک بھر میں پہنچا۔

☆: شاہ جی راہ ورسم کیسے ہوئی؟

❁: شاہ جی سے راہ ورسم کی داستان کافی دلچسپ ہے مگر صرف مختصراً عرض کروں گا کہ ایک تاثر پیدا ہو رہا تھا کہ مسجد المینار، پنج بھاٹہ کے

خطیب جناب سید ریاض حسین شاہ صاحب اہل سنت کی مسجد میں اہل سنت کے عقائد کے خلاف کام کر رہے ہیں۔ اور جب میں ان کو ملنے گیا ملاقاتیں بڑھیں تو صورت حال مختلف نظر آئی اور پھر انہی کا اسیر ہو کر رہ گیا۔ دراصل یہ تاثر کچھ اس طرح کا تھا کہ قبلہ شاہ جی صرف درس قرآن پر تحریک دعوت اٹھا رہے تھے جبکہ اس وقت ہمارے علماء کی اس جانب بہت کم توجہ تھی۔

☆: تحریک دینی دعوت میں کون کون ایسے متحرک کارکنان تھے جن پر قبلہ شاہ جی کو ناز تھا اور آپ بھی ایک سینئر رہنما ہونے کے ناتے ان کے کام سے مطمئن تھے؟

❁: دینی دعوت کا آغاز بھی دراصل قرآن مجید کی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے کیا گیا۔ شہر بھر کی مساجد میں جا کر قبلہ شاہ جی خود اور ان کے شاگرد مختصر سی دعوت دیا کرتے اور پھر ہر ہفتہ دینی دعوت کا بڑا اجتماع ہوتا۔ اس طرح راولپنڈی اسلام آباد کی شاید ہی کوئی مسجد اور محلہ ہو، جہاں یہ پیغام نہ پہنچا ہو۔ اس میں بہت سے کارکنان شامل تھے۔ اصل بات تو لیڈر شپ کی ہوتی ہے۔ یہ قیادت بے لوث، بے غرض اور محض اہل سنت پر ایمان رکھتی تھی۔ پھر جو بھی پاس آیا۔ بہترین کارکن بن گیا۔ راولپنڈی کے علاوہ دیگر متعدد شہروں میں بھی ہزاروں جانثار کارکن تیار ہوئے۔ قبلہ شاہ جی ایک عظیم قائد ہونے کے ناطے اپنے چھوٹے سے چھوٹے کارکن کو پیار کرتے تھے۔ میں نے بعض اوقات بعض کارکنان کے بارے میں شکایت کی تو بڑے پیارے انداز میں سمجھایا۔ ''نعیم صاحب! ہر آدمی اپنی طاقت اور توفیق کے مطابق ہی کام کر سکتا ہے''۔

☆: ادارہ تعلیمات اسلامیہ قائم کرتے ہوئے جو مقاصد بیان کیے گئے تھے اور جس معیار کے افراد تیار کرنے کا منصوبہ پیش کیا گیا تھا اس میں کس حد تک کامیابی ہوئی؟

❁: ادارہ تعلیمات اسلامیہ نے کوئی جماعت یا تنظیم سازی کا پروگرام نہیں بنایا تھا۔ یہ ایک دینی دعوت تھی، جو قرآن وسنت کی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے اٹھائی گئی۔ اس میں بنیادی طور پر ہدف نوجوان تھے۔ راولپنڈی میں چند سالوں میں اس قدر کام ہوا کہ شہر کے ہر دوسرے گھر میں دینی دعوت سے منسلک نوجوان موجود تھے۔ یہی وجہ ہے کہ الیکشن میں دو بڑی جماعتوں کے مقابلہ میں قبلہ شاہ جی نے 42000 ووٹ

حاصل کیے۔ الیکشن کے بعد دعوتی رخ زیادہ تر تدریسی معاملات کی طرف مڑا۔ جہاں یہ سوچ اور فکر رکھی گئی کہ دینی اور عصری علوم سے بہرہ ور نوجوان تیار کیے جائیں۔ الحمدللہ اس ضمن میں بھی ادارہ کامیاب ہے۔ البتہ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ملک میں کوئی بڑا انقلاب نہ لایا جا سکا، تو اس میں آپ بڑے بڑے اداروں اور جماعتوں کو بھی بے بس دیکھتے ہیں۔

☆: آپ شاہ جی کے ابتدائی دور کے تحریکی رفقاء میں سے ہیں۔ دینی دعوت کی تحریک کیا تھی؟ شاہ جی کی تیس سالہ جدوجہد پر آپ کا کیا تبصرہ ہے؟ نیز یہ کہ شاہ جی اپنے تحریکی مشن میں کس حد تک کامیاب ہوئے اور اس وقت کہاں کھڑے ہیں؟

❁: یہ سوال مشکل بھی ہے اور نازک بھی۔ مجھے بڑے بڑے جید علماء اور مشائخ کی خدمت میں حاضر ہونے اور کئی ایک کے ساتھ کام کرنے کا موقع میسر آیا ہے۔ ان سب کی عظمت کا میں قائل ہوں۔ دوسری طرف قبلہ شاہ جی کے ساتھ کام کرنے بلکہ یوں کہہ لیں کہ دن رات کا کوئی ایسا لمحہ نہیں جو میں نے ان کی خدمت میں نہ گذارا ہو۔ دیانتداری سے کہوں گا کہ ان جیسا باحکمت، بے لوث، جرأتمند اور Creative Leader علماء مشائخ تو کیا پاکستان بھر میں مجھے نظر نہیں آیا۔ دراصل آپ کی شخصیت میں دینی، عصری اور روحانی علوم کا ایک حسین امتزاج اور پھر گفتار و کردار میں یکسانیت نے عوام الناس اور خصوصاً نوجوانوں کو اپنی طرف کھینچا، لہٰذا رخ بھی صحیح ہو۔ منزل کا تعین بھی ہو تو ناکامی کیسی؟

البتہ اگر کوئی کمی رہی تو وہ ہم جیسے ساتھیوں کی وجہ سے۔ جو اپنی معاشی مجبوریوں کی بناء پر کھل کر پورا وقت نہ دے سکے۔ قبلہ شاہ جی نے مختلف محاذوں پر کام کیا۔ ادارہ کی ذمہ داریاں، سکول اور ادارہ کے طلباء کی تعلیم و تربیت، دینی دعوت، جماعت اہل سنت، تفسیر قرآن کا کام، مختلف شہروں میں درس قرآن و حدیث، دوسرے الفاظ میں انہوں نے دن کے چوبیس گھنٹوں میں سے صرف چند گھنٹے آرام کیا ہے۔ باقی سارا کام دین کی خدمت اور سرفرازی کے لیے وقف کیا۔ علم و دانش کی روشنی کے ساتھ آپ نے دلوں کی زمین پر بھی کام شروع رکھا۔ خصوصاً پیر و مرشد خواجہ محمد جمشید الہ جی علیہ الرحمۃ کے وصال کے بعد زیادہ توجہ ادھر مرکوز کر دی گئی۔ اس طرح اتنے محاذوں پر کام کر کے اتنا ہی نتیجہ حاصل کیا جا سکتا تھا۔ میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ تحریکی طور پر جس قدر قبلہ شاہ جی کو ملک بھر میں کامیابی حاصل ہوئی ہے اور ایک پڑھا لکھا طبقہ آپ سے وابستہ ہوا ہے۔ یہ ان کی کامیابی کی دلیل ہے۔ اگر شاہ صاحب ہلہ گلہ والا کام کرنا چاہتے، تو شاید لوگوں کے نزدیک وہ زیادہ کامیاب ہوتے۔

☆: 1988ء اور 1990ء میں شاہ جی کا سیاست میں آنا اور قومی اسمبلی کا انتخاب لڑنے کا فیصلہ کیسا تھا؟ اس کے مابعد دینی دعوت کی تحریک پر کیا مثبت یا منفی اثرات مرتب ہوئے؟

❁: انتخابات میں حصہ لینا بہتر تھا، لیکن شاید اس کے نتائج کوئی زیادہ اچھے نہ ہوئے اور دینی دعوت پر بھی اثرات مرتب ہوئے۔

☆: میرا مشاہدہ یہ ہے کہ جس وقت شاہ جی نے دینی دعوت کی تحریک کا آغاز فرمایا معاصر علماء کرام شاہ جی کی طرف دست تعاون بڑھانے میں ہچکچاہٹ کا شکار رہے یا بعض نے مخالفت بھی کی۔ آپ کی نظر میں اس کی کیا وجوہات تھیں؟

❁: دینی دعوت کے آغاز پر علماء دو وجوہ کی بناء پر دست تعاون بڑھانے سے ہچکچاتے تھے۔ ایک تو شاید شاہ جی کا انداز عام سنی علماء سے مختلف تھا اور اس پر علماء کو Reservations تھیں۔ دوسرا نوجوانوں کا جوق در جوق شاہ جی کے ساتھ چلنے پر بعض علما کو پریشانی لاحق ہو رہی تھی، لہٰذا ان میں سے ایسے علماء بھی تھے جو پھبتیاں کستے تھے اور ہم جب ان کے پاس جاتے تو ہمیں ڈانٹ دیتے یا مذاق اڑاتے۔ لیکن پھر وہ وقت بھی آیا کہ علماء نے قبلہ شاہ جی کے کام کو تسلیم کر لیا اور تعاون کے لیے بھی آمادہ ہو گئے۔

☆: کیا ایسا ممکن نہیں تھا کہ علیحدہ کام کرنے کے بجائے نظریاتی ہم آہنگی رکھنے والی معاصر تحریکوں میں سے کسی ایک کے ساتھ الحاق کر لیا جاتا تاکہ مقاصد کے حصول کیلئے جدوجہد نتیجہ خیز ہوتی؟

❁: اس ضمن میں مخلص کارکنان کی طرف سے خاصی کوششیں ہوئیں مگر بے سود رہیں۔ ایک موقع پر منہاج القرآن اور ادارہ تعلیمات

اسلامیہ کے ایک ساتھ چلنے کے بارے میں لاہور میں پوری رات میٹنگ ہوتی رہی۔ دونوں کے سربراہان اور ایک ایک کارکن موجود تھے، لیکن نتیجہ یہ اخذ ہوا کہ دونوں کا طریقہ کار بہت مختلف ہے۔ اس لیے ویسے ایک دوسرے سے تعاون جاری رکھا جائے۔

☆: معاصر تحریکوں کی کامیابی و ناکامی کو آپ کس نظر سے دیکھتے ہیں؟ ان میں کون سی تنظیم یا تحریک موب کو متاثر کرنے میں کامیاب ہوئی ہے؟

❁: تحریکوں کی کامیابی کہاں تک ہے یہ تو آپ کے سامنے ہے۔ کہیں ایک سوال کے جواب میں پہلے ہی اشارہ کر دیا ہے۔

☆: تحریک پاکستان میں قائد اعظم کا ساتھ دینے والے علماء و مشائخ کے علمی و روحانی جانشینان حضرات آج کہاں کھڑے ہیں؟ دور حاضر میں سیاسی و دینی امور اور قوم کی رہنمائی کے حوالے سے ان کا کیا کردار ہے اور یہ بھی کہ انہیں کیا کردار ادا کرنا چاہیے؟

❁: اس ضمن میں صرف عرض کروں گا کہ۔

نیرنگی سیاست دوراں تو دیکھئے کہ
منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے

علماء و مشائخ نے بنارس سنی کانفرنس اور دیگر سنی کانفرنسز کا انعقاد کر کے تحریک پاکستان میں روح پھونک دی تھی اور قیام پاکستان تک بھرپور کوشش کرتے رہے۔ بعد میں وہ محراب و منبر اور خانقاہوں میں بیٹھ گئے۔ ضرورت ہے۔ بقول اقبال:

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری

☆: کیا یہ صحیح ہے کہ ایک پاکیزہ نظریہ کے تحت حاصل کردہ ملک آج اپنی نظریاتی شناخت کھو بیٹھا ہے۔ اس کا ذمہ دار کن لوگوں کو ٹھہرایا جائے؟

❁: جب نظریہ پاکستان کے مخالفین بھرپور انداز میں پاکستان کی سیاست میں کردار ادا کریں گے تو نتیجہ یہی ہوگا۔ بہرحال اس میں اپنوں کا بھی قصور ہے۔

☆: وطن عزیز تاریخ کے نازک ترین موڑ پر کھڑا ہے، سیاسی و معاشی ابتری عروج پر ہے، دہشت گردی نے ساری قوم کو خوف اور عدم تحفظ کا شکار کر دیا ہے اور ملک کا مستقبل ایک سوالیہ نشان بن گیا ہے، ان بحرانوں سے کیسے نجات ممکن ہے؟

❁: اغیار کی ریشہ دوانیاں، اپنوں کی عیاشیاں، پاکستان کو لے ڈوبیں۔ پہلے پاکستان کو دولخت کیا اور اب اس کو مزید ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی سازشیں ہیں۔ کسی دور میں ایک آدھ میر جعفر اور میر صادق ہوا کرتے تھے، اب تو پوری پوری جماعتیں یہ کردار ادا کر رہی ہیں۔ ضرورت ہے کہ نوجوانوں کو ایک شعور دیا جائے تاکہ وہ اس طوفان بدتمیزی کے آگے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں۔

☆: کبھی دنیا کے کھو جانے کا خیال آئے تو غمگین ہوتے ہیں یا مطمئن رہتے ہیں؟

❁: اللہ کی کرم نوازی ہے جب سے حضرت قبلہ لالہ جی علیہ الرحمۃ سے تعلق ہوا اور قبلہ شاہ جی مدظلہ العالی کی صحبت نصیب ہوئی ہے ہر طرح سے اطمینان حاصل ہے۔ کبھی اس حوالے سے پریشانی نہیں ہوئی۔

☆: کبھی کسی دوسرے کے دکھ اور غم کو شیئر کرنے کا موقع ملا ہو؟

❁: دوسروں کے دکھ اور غم میں ہاتھ بٹانا ہمارا دینی اور اخلاقی فریضہ ہے۔ اپنے تئیں ہمیشہ یہ کوشش کرتا ہوں کہ ضرورت مندوں کی کسی بھی طرح مدد کر سکوں۔

☆: آپ کے مطالعہ میں زیادہ تر کون سے کتب رہتی ہیں؟

❁: ترجیحاً قرآن مجید سے اور تصوف سے متعلقہ کتب کو پڑھنا پسند کرتا ہوں۔

☆: تعمیر کردار اور اصلاح احوال کے لئے کن کتابوں کا مطالعہ مفید ہو سکتا ہے؟

❁: سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ تعمیر کردار میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

☆: اضطرابی کیفیت میں کیا عمل کرنا چاہیے جس سے انسان کو یکسوئی، سکون اور اعتماد حاصل ہو جائے؟

❁: اضطرابی کیفیت میں اللہ کا ذکر کرنا چاہیے اور غصہ یا غم کی حالت میں رسول اللہ ﷺ پر درود پاک پڑھنا مفید ہے۔

☆: لیڈر شپ میں کیا کوالیٹیز ہونی ضروری ہیں؟

❁: قیادت کو اپنے کارکنان اور پیروکاروں کے لئے ایک رول ماڈل ہونا چاہیے۔ کارکنوں کو ساتھ لے کر چلنا اور ان کی حوصلہ افزائی کرنا انتہائی ضروری ہے۔

☆☆☆

خلفائے راشدین

اور

حضرت سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

الحاج بشیر حسین ناظم

سیدنا صدیق اکبر کے مختصر حالات زندگی:

حضرت سیدنا صدیق اکبر ؓ کا اسم گرامی عبداللہ تھا۔ والد محترم کا نام مع کنیت ابوقحافہ عثمان بن عامر تھا۔ حضرت عثمان بن عامر قبیلہ قریش کی شاخ تیم سے تعلق رکھتے تھے۔ اشتراق یعنی خون بہا اور تاوان کی رقوم کا تعین تیم بن مرہ کے خاندان کے سپرد تھا۔ والدہ کا نام ام الخیر سلمٰی تھا۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کو عتیق کے لقب سے بھی پکارا جاتا ہے جس کی تشریح سرکار دو عالم ﷺ نے یہ فرمائی کہ وہ جہنم کی آگ سے آزاد ہیں۔ قدیم عرب مورخوں نے ان کا نام "عتیق" ہی بتایا ہے اور اہل لغت نے عتیق کو جمیل سے تعبیر کیا ہے۔ ابن زکین کا قول ہے کہ آپ عتیق اس لئے کہلاتے تھے کہ آپ شروع سے ہی نیک چلے آتے تھے۔ (لانہ قدیم فی الخیر) بعد میں آپ الصدیق کے لقب سے معروف ہوئے جس کے معانی سچ بولنے، معاملے سے سچے یا تصدیق کرنے والے کے ہیں۔ آخری مفہوم کو اس روایت کی تائید حاصل ہے کہ حضرت صدیق اکبر ہی تھے جو رسول اللہ ﷺ کے معراج اور اسراء کا واقعہ سن کر فی الفور ایمان لائے اور معراج رسول کو سب سے پہلے تسلیم کیا۔

سیدنا صدیق اکبر ؓ حضور ختمی مرتبت ﷺ سے عمر میں اڑھائی سال چھوٹے تھے، گویا عام الفیل کے اڑھائی سال بعد پیدا ہوئے۔ یعنی ہجرت سے پچاس سال چھ مہینے پہلے۔

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کے والد اور والدہ دونوں کو صحابیت کا شرف حاصل تھا اور یہ آپ کی ہی خصوصیت ہے کہ آپ کے خاندان کی چار پشتوں نے عہد رسالت دیکھا اور حضور ﷺ کا فیض صحبت پایا۔

اسلام قبول کرنے کے وقت آپ چالیس ہزار درہم کے سرمائے کے تاجر تھے۔ آپ کو بحیثیت تاجر اندرون و بیرون عرب بہت زیادہ نیک نامی اور شہرت حاصل تھی۔ آپ کو لکھنا پڑھنا بھی آتا تھا اور آپ عرب قبائل کے انساب کے بھی ماہر تھے۔ زمانہ جاہلیت میں بھی آپ اخلاق حسنہ کے حامل و داعی تھے اور آپ اخلاق محمدی کے مظہر تھے، چنانچہ حضرت خدیجہ الکبریٰ نے حضور ﷺ کے متعلق آپ پر وحی نبوت کے آغاز کے وقت جو الفاظ استعمال کئے تھے تقریباً وہی الفاظ ابن دغنہ نے قریش مکہ کے سامنے حضرت سیدنا صدیق اکبر ؓ کی تعریف کرتے ہوئے استعمال کئے اور کہا "وہ فقراء و مساکین کے دستگیر ہیں، گم شدہ نیکیوں کو بجالاتے ہیں۔ صلہ رحمی کرتے ہیں، مہمان نواز ہیں، حق کی راہ میں مصائب جھیلنے والوں کی مدد کرتے ہیں"۔

حضرت سیدنا صدیق اکبر ؓ کے حضور ﷺ سے دوستانہ تعلقات رسالت کے اعلان سے پہلے ہی قائم تھے جو اخلاق و فضائل کی مماثلت نے اس قدر مضبوط کر دیئے تھے کہ آپ صبح و شام دونوں وقت رسول ﷺ کے کاشانہ اقدس پر ضرور حاضری دیتے تھے۔ یہ دستور کی زندگی میں عرصے تک بعد از اسلام بھی قائم رہا یعنی قبول اسلام سے لے کر ارتحال رسالتمآب تک۔

حضرت سیدنا صدیق اکبر ؓ حضور ﷺ پر سب سے پہلے ایمان لائے۔ ایمان لانے کے بعد حضرت سیدنا صدیق اکبر ؓ نے اپنی تمام قوت و قابلیت، سارا اثر و رسوخ، کل مال و متاع، جان و مال، غرض جو کچھ بھی آپ کے پاس تھا دین اسلام کی راہ میں وقف کر دیا۔ اسلام کے بعد آپ کی تمام زندگی اطاعت و استقامت کی داستان دلکش اور سبق آموز ہے۔

کفار مکہ نے یوں تو تمام صحابہ پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے لیکن سیدنا صدیق اکبر ؓ کو ان کے اثر و رسوخ اور وجاہت کے باوجود بہت ہی دکھ دیئے۔ حضور ﷺ کے ارشاد کی تعمیل میں دو دفعہ ہجرت کی۔

سرکار دو عالم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی اجازت دی تو سیدنا صدیق اکبر ؓ کو اپنا رفیق سفر منتخب کیا۔ ہجرت کا واقعہ قرآن کریم نے بھی اختصار کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ ہجرت کا واقعہ ایک پرخطر راز تھا لیکن سیدنا صدیق اکبر ؓ اور آپ کے خاندان کے سینے اس راز کے گنجینے بن گئے تھے۔

مدینہ طیبہ پہنچنے کے جلد بعد آپ کے خاندان کے دیگر افراد بہ استثناء چند مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے جب مسلمانوں میں رشتہ مواخاۃ قائم کیا تو آپ کے انصاری بھائی حضرت خارجہ بن زید تھے جو بعد میں آپ کے خسر بھی ہو گئے۔ مدینہ طیبہ میں سب سے پہلی مسجد جو حضور ﷺ نے تعمیر کروائی اس کی زمین کی قیمت بھی حضرت سیدنا صدیق اکبر ؓ نے حضور ﷺ کے ارشاد پر ادا کی۔

مدینہ منورہ میں سکونت کے بعد آپ نے تمام غزوات و مشاہد میں حصہ لیا اور ہمیشہ نازک اور پرخطر لمحات میں ایک چٹان کی طرح حضور پاک صاحب لولاک ﷺ کا ساتھ دیا۔ حضور ﷺ اور آپ کے درمیان حیرت انگیز اتفاق اور ہم آہنگی تھی۔ آپ بلاشبہ حضور ﷺ کے مشیر خاص تھے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر صلح نامے پر مسلمانوں کی طرف سے حضور رحمۃ اللعالمین کے بعد سب سے پہلے آپ ہی کا نام تھا۔ فتح مکہ کے وقت جب سرکار دو عالم ﷺ شہر میں داخل ہوئے تو سیدنا صدیق اکبر ؓ آپ کے ساتھ قصویٰ اونٹنی پر سوار تھے۔ آپ ۹ ہجری میں امیر الحج

مامور ہوئے۔ حضور رسالت مآب ﷺ کی بیماری کے دوران میں آپ نے مسجد نبوی شریف میں نماز کی امامت فرمائی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

آپ ۱۱ھ/ ۶۳۲ تا ۱۳ھ/ ۶۳۴ء خلیفہ رسول اللہ ﷺ رہے۔ سب سے پہلے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ علیہ کو لشکر کے ساتھ روانہ کیا، پھر تحریک ارتداد کو پامال کیا۔ متنبیوں کی اچھی طرح خبر لی۔ مانعین زکوٰۃ کے خلاف بہر نوع جہاد کیا۔ آپ کے ان عظیم الشان کارناموں پر اسلام کی تاریخ کو ناز ہے۔

آپ کا سب سے بڑا کارنامہ تدوین وجمع قرآن کریم ہے۔ آپ کی تشویق (ترغیب) سے حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عثمان، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت عبیدہ ابن الجراح، حضرت عثمان ابن مظعون، حضرت ابوسلمہ، حضرت ابن الاسد اور حضرت خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہم دولت اسلام سے مالا مال ہوئے۔ آپ نے مالی امداد سے سیدنا بلال، سیدنا عامر بن فہیرہ، سیدہ زنیرہ، حضرت نہدیہ، حضرت جاریہ بنت مومل، ام عمیس اور حضرت لبینہ کو غلامی سے نجات دلائی۔ ان وقیع اخلاقی اور مالی امدادوں کا اعتراف خود حضور ﷺ نے اپنے ایک خطبے میں یوں فرمایا:

''رفاقت اور مال میں مجھ پر سب سے بڑا احسان ابوبکر کا ہے۔'' (بخاری شریف: مناقب الانصار)

آپ کو اپنے آقا ومولا ﷺ کی محبت کے ساتھ ساتھ آپ کی آل واطہار سے بھی زبردست مودت تھی اور آپ اپنی ان سے مودت کو محبت اعزہ واقارب پر ترجیح دیتے تھے۔

سرکار دو عالم ﷺ نے حضرت عمرو بن العاص کے سوال کے جواب میں فرمایا ''مجھے مردوں میں سب سے زیادہ محبوب ابوبکر ہے''۔ حضرت عمر ؓ نے اسی سیاق وسباق کی روشنی میں سقیفہ بن ساعدہ میں فرمایا ''آپ ہمارے سردار، ہم سے افضل اور حضور ﷺ کے سب سے محبوب ترین ساتھی ہیں۔ اس پر جناب رسالت مآب ﷺ کا ارشاد گرامی ''افضل البشر بعد الانبیاء ابو بکر'' دال ہے جو کسی بھی صحابی کے ہزار ہا مناقب پر بھاری ہے۔ اس سے انکار، انکار رسول اور انکار رسول حصول سقر (جہنم) کی جاہلانہ واحمقانہ کوشش۔ معاذ اللہ۔

حضرت سیدنا داتا گنج بخش نے اپنی تصنیف لطیف کشف المحجوب میں حضرت سیدنا صدیق اکبر ؓ کا ذکر جمیل نہایت ادب واحترام سے کئی جگہوں پر کیا ہے۔ کتاب کے باب سوم ''تصوف'' میں فرماتے ہیں:

اشیاء کے لطیف حصے کا نام ''صفا'' ہے اور کثیف کو ''کدر'' کہتے ہیں، چونکہ اہل تصوف اپنے اخلاق اور معاملات کو صاف رکھتے ہیں اور قلبی آفات سے بری ہوتے ہیں، اس لئے صوفی کہلاتے ہیں۔ ان کے لئے یہ لفظ ''اسم علم'' کی حیثیت رکھتا ہے۔ صوفیائے کرام کا عزوقار اس سے بلند ہے کہ ان کے معاملات میں کوئی چھپی ہوئی چیز ہو کہ ان کے اسم کو کسی لفظ سے مشتق ہونے کی ضرورت ہو لیکن اس زمانے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے بہت سے لوگوں کو تصوف اور اہل تصوف سے محجوب اور دور کر رکھا ہے اور اسرار تصوف ان کے دلوں سے چھپا رکھے ہیں، چنانچہ بعض کا خیال ہے کہ تصوف بغیر کسی باطنی کیفیت کے صرف زہد واتقاء تک محدود ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ تصوف ایک ظاہر داری کا طریق ہے اور اس کی اصل بنیاد کچھ نہیں۔ یہاں تک کہ انہوں نے اہل ہزل اور علمائے ظاہر کا نقطہ نظر قبول کر لیا اور تصوف کی اصل حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کئے بغیر اسے قابل طعن گردانے لگے۔ عوام الناس نے ان کی اندھا دھند تقلید کرتے ہوئے تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب سے روگردانی اختیار کی اور اپنے سلف اور صحابہ کے احکام کو پس پشت ڈال دیا۔

ان الصفاء صفته الصديق

ان اردت صوفيا على التحقيق

''اگر تو بہر لحاظ کامل واکمل صوفی دیکھنا چاہتا ہے تو ابوبکر الصدیق کو دیکھ کہ ''صفا'' بلاشبہ انہیں کی صفت ہے''۔

پھر فرماتے ہیں:

صفا کی اصل بھی ہے اور فروع بھی۔ اصل یہ ہے کہ دل اغیار سے خالی ہو اور فرع یہ ہے کہ دل اس فریب دینے والی دنیا سے منقطع ہو۔ ان دونوں صفات کے حامل حضرت سیدنا صدیق اکبر ؓ ہیں۔

ابوبکر عبداللہ ابن ابوقحافہ اہل طریقت کے امام ہیں۔ ان کا دل اغیار سے اس قدر تہی تھا کہ حضور ﷺ کے وصال پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شکستہ دل تھے۔ حضرت عمر ؓ نے شمشیر نکال لی اور اعلان کر دیا کہ جو پیغمبر اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت یہ کہے گا کہ وہ وفات پا گئے ہیں تو اس کا سر قلم کر دوں گا لیکن صدیق اکبر ؓ باہر آئے اور بلند آواز سے کہا!

الا من عبد محمد فان محمد قدمات ومن وعبد رب محمد فانه حي لا يموت

خبردار! جس نے محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بندگی کی تو وہ اس دنیا سے تشریف لے گئے اور جس نے محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پروردگار کی بندگی کی تو وہ بلاشبہ زندہ و پائندہ ہے، اس کو موت نہیں۔

اس کے بعد حضرت سیدنا صدیق اکبر ؓ نے یہ آیت پڑھی۔

وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افان مات او قتل انقلبتم على اعقابكم .

''اور نہیں ہے محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام مگر رسول اور ان سے پہلے بھی رسول ہو گذرے ہیں تو یہ اگر دنیا چھوڑ جائیں یا شہید کر دیے جائیں تو کیا تم الٹے قدم لوٹ جاؤ گے''۔

حضور داتا صاحب آیت کی توضیح و تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

جو فانی اشیاء کا دلدادہ ہوتا ہے فانی بے فنا ہو جاتا ہے اور اس کی جملہ محنت اکارت جاتی ہے اور جو خدا نے باقی کے حضور میں رہے وہ باقی بے بقا ہو جاتا ہے۔ جس نے محمد ﷺ کو بشریت کی نظر سے دیکھا اس کے دل سے تعظیم ان کے ارتحال کے بعد ہی ختم ہو گئی اور جس نے حضور ﷺ کو بچشم حقیقت دیکھا اس کے لئے ان کی موجودگی اور ارتحال یکساں تھا کیونکہ دونوں حالتیں باری تعالیٰ کی ذات سے منسوب ہیں۔

صدیق اکبر ؓ حالات سے منہ پھیر کر حالات کے خالق کو سامنے رکھا۔ فی الحقیقت حالات، خالق حالات کے حکم سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ حضرت صدیق اکبر ؓ نے رسول اللہ ﷺ کی تعظیم آپ کے شایان شان کی۔ اپنا دل بجز پروردگار کسی سے وابستہ نہ کیا۔ اپنی نظر کو خلقت سے بچا لیا۔ صدیق اکبر ؓ کا متاع دنیا سے انقطاع یہ تھا کہ انہوں نے اپنا تمام مال و منال راہ خدا میں دے دیا اور خود ایک کمبل اوڑھ کر حضور رسالت پناہ ﷺ میں آ گئے۔ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا ''اپنے بال بچوں کے لئے کیا چھوڑا؟ آپ نے عرض کی ''اللہ اور اس کا رسول'' یعنی دو خزانے بے انتہا اور نہ ختم ہونے والے۔

اس واقعہ سے حضرت سیدنا داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ سیدنا صدیق اکبر ؓ کا دل صفات دنیا سے خالی ہو گیا ہوا تھا اس لئے آپ نے اس کی کثافت سے بھی ہاتھ دھو لئے۔ یہ صوفی صادق کی علامات ہیں۔ اس چیز کا انکار حقیقت سے انکار کے برابر ہے اور یک صریح کج بحثی۔

حضرت سیدنا داتا صاحب باب تصوف میں حضرت سیدنا صدیق اکبر ؓ کا ضمناً تذکرہ کرنے کے بعد ساتویں باب میں ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا مختصر ذکر جمیل کرتے ہیں جو ان کی نظر میں آئمہ تصوف کا امام اول تسلیم کراتے ہوئے لکھا ہے۔

ان میں شیخ الاسلام بعد از انبیاء خیر الانام، خلیفہ پیغمبر و امام المسلمین، اہل تجرید کے سردار، ارباب تفرید کے شہنشاہ، انسانی آفات کے جدامیر المومنین ابوبکر عبداللہ بن عثمان الصدیق ؓ ہیں۔ آپ کی کرامات مشہور ہیں اور حقائق و معاملات و ارشادات و دلائل ظاہر و باہر ہیں۔ باب تصوف سے آپ سے متعلق کچھ بیان ہو چکا ہے۔ مشائخ کرام ان کو ارباب مشاہدہ میں سب سے مقدم سمجھتے ہیں اور اس کی وجہ سے یہ ہے کہ آپ کی جانب سے روایات و حکایات بہت ہی کم ہیں۔

اسی طرح حضرت سیدنا صدیق اکبر ؓ کو ان کی دینی حمیت میں شدت طبع اور علو ہمت کے باعث مجاہدہ میں مقدم جانتے ہیں۔ صحیح روایات میں آیا ہے اور اہل علم میں مشہور ہے کہ حضرت سیدنا ابوبکر ؓ نماز شب میں قرآن آہستہ پڑھتے تھے۔ حضرت عمر ؓ بلند آواز میں پڑھتے تھے۔ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا!

ابوبکر نماز شب میں قرآن آہستہ کیوں پڑھتے ہو؟ آپ نے عرض کیا ''جس کے سامنے مناجات کرتا ہوں وہ سب سے زیادہ سننے والا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ وہ مجھ سے دور نہیں۔ اس کے سامنے آہستہ یا بلند پڑھنا برابر ہے''۔

یہی چیز سیدنا عمر فاروق ؓ سے دریافت کی گئی تو انہوں نے عرض کیا میں سونے والوں کو جگاتا ہوں اور شیطان کو دور کرتا ہوں۔

یہ نشان مجاہدہ ہے اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا اشارہ مجاہدہ کی طرف تھا اور مجاہدہ کا مقام مشاہدہ کے مقابلے میں ایسا ہے جیسا قطرہ سمندر کے مقابل، اسی وجہ سے حضور ﷺ نے فرمایا: اے عمر ؓ، تو ابوبکر کی خوبیوں میں سے ایک خوبی ہے۔ غور کیجئے جب حضرت سیدنا عمر ؓ کی یہ کیفیت ہو تو باقی اہل علم کس شمار میں ہیں؟۔

روایت ہے کہ حضرت سیدنا صدیق اکبر نے فرمایا: ہمارا جہان فانی ہے۔ ہمارے احوال عاری ہیں، ہمارے سانس محدود ہیں اور ہماری کاہلی نمایاں ہے۔ سرائے فانی کی تعمیر جہالت ہے۔ عاری احوال پر بھروسہ حماقت ہے۔ گنتی کے چند سانسوں پر اعتبار غفلت اور کاہلی کو مذہب سمجھنا خیانت ہے، کیونکہ جو چیز عاریتاً ملی ہو واپس کرنا پڑے گی۔ جو چیز فانی ہے ایک دن نابود ہو جائے گی۔ جو چیز گنتی کی ہے ختم ہو جائے گی۔

کا بلی کا بجائے خود کوئی علاج نہیں۔ اشارہ یہ ہے کہ دنیا و مافیہا میں کوئی ایسی چیز نہیں کہ اس کا دلدادہ ہوا جائے کیونکہ فانی اشیاء کی دلدادگی حجاب بن جایا کرتی ہے۔ دنیا اور نفس امارہ طالب اور مطلوب کے درمیان پردے کی طرح حائل ہیں۔ دوستان حق ان سے پرہیز کرتے ہیں جو چیز عاریتاً ملی ہو کسی اور کی ملکیت ہوتی ہے اور اہل حق کسی اور چیز میں تصرف نہیں کرتے۔

یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبر ؓ مناجات میں کہا کرتے تھے:

''اے اللہ دنیا میرے اوپر فراخ کر دے اور اس میں مجھے زاہد بنا یعنی اس کی آفات سے مجھے محفوظ فرما''۔

اس چیز میں ایک رمز ہے۔ آپ نے پہلے دنیا مانگی تا کہ شکر بجالائیں، پھر توفیق مانگی کہ صرف خدا کے لئے اس سے دستبردار ہو سکیں تا کہ مقام شکر و انفاق بھی حاصل ہو اور مقام صبر بھی اور فقر کی نیابی اختیار ہو اور اضطرار کا اس میں دخل نہ ہو۔

یہ تردید ہے اس بزرگ کے قول کی جس نے کہا کہ اضطراری فقر اختیاری فقر سے بہتر ہوتا ہے کیونکہ اضطراری فقر از خود معرض وجود میں آتا ہے اور اختیاری فقر خود پیدا کیا جاتا ہے بہتر وہ فقر ہے جو بلا تکلف و کوشش میسر آئے۔

''ہم (داتا صاحب) کہتے ہیں کہ خوشتر فقیر وہی ہوتا ہے جس کا شوق فقر حالت غنا میں اس کے دل پر غلبہ کرے اور وہ دنیا کی محبوب چیزوں اور اولاد سے اسے بے نیاز کر دے۔ یہ نہیں کہ عالم فقر میں غنا کی خواہش دل پر طاری ہو اور ایسی شدت اختیار کرے کہ فقر در ہم و دینار کی تلاش میں ظالموں اور حاکموں کے دروازوں کی خاک چھانتا پھرے۔ غنا سے فقر کے دائرے میں آنے والا قابل تعریف ہے۔ فقر میں طلب ریاست کرنے والا قابل تعریف نہیں''۔

علاوہ ازیں صدیق اکبر انبیاء علیہم السلام کے بعد جملہ خلائق سے مقدم ہیں اور ان سے آگے قدم رکھنا ہرگز روا نہیں۔ انہوں نے فقر اختیاری کو فقر اضطراری سے مقدم سمجھا اور تمام مشائخ کرام کا یہی مسلک ہے۔ سوائے اس ایک بزرگ کے جس کا قول ہم نے بیان کیا ہے اور جس کے استدلال کی تردید کی کیونکہ اس نے اپنے قول کی حضرت سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کے مقابل اہمیت ظاہر کی تھی اور استدلال کیا تھا۔

حضرت امام زہری نے روایت کی ہے کہ جب لوگ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کر رہے تھے تو آپ نے منبر پر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے کہا:

''بخدا مجھے امیر بننے کی حرص و آرزو نہیں اور نہ ہی میں نے کسی دن یا رات میں امارت کی حرص کی۔ نہ مجھے اس سے رغبت ہے، نہ میں نے ظاہر یا پوشیدہ کبھی اللہ تعالیٰ سے اس کی خواہش کی اور نہ ہی میرے لئے اس میں کوئی راحت ہے''۔

اس بیان کے بعد داتا صاحب فرماتے ہیں:

جب اللہ رب العالمین کسی کو کمال صدیق کا مقام عطا فرماتا ہے اور محل تمکین سے نوازتا ہے تو وہ اشارہ حق کا منتظر رہتا ہے جو اشارہ ہو اس پر عمل پیرا ہوتا ہے۔ فقر ہو یا امارت اس میں تصرف و اختیار کی گنجائش نہیں ہوتی۔

چنانچہ صدیق اکبر ؓ نے ابتدا سے انتہا تک بجز ''تسلیم'' کسی چیز کو نہیں اپنایا۔ اہل تصوف، تجرید، تمکین، اختیار فقر اور آرزوئے ترک ریاست میں حضرت سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کے پیروکار ہیں اور وہی عام مسلمانوں اور خاص طور پر صوفیا کے امام دین و طریقت ہیں۔ بقول علامہ اقبال:

آں امن الناس بر مولائے ما
آں کلیم اول سینائے ما

امیر المومنین سیدنا عمر فاروق ؓ کے مختصر حالات زندگی:

حضرت سیدنا فاروق اعظم ؓ کا تعلق بنو عدی سے تھا۔ اسی نسبت سے آپ کو العدوی کہا جاتا ہے۔ یہ خاندان قریش کے معزز قبائل میں شمار ہوتا تھا۔ حضرت سیدنا عمر ؓ کے پدری شجرہ نسب میں آٹھویں پشت پر عدی کا نام ملتا ہے۔ کعب بن لوی نے نویں پشت پر حضرت سیدنا عمر ؓ کا سلسلہ نسب سید المرسلین سے جا ملتا ہے۔

زمانہ جاہلیت میں قریش کے نامور قبائل کو کچھ خاص مناصب موروثی طور پر سپرد کر دیئے جاتے تھے۔ اس سلسلے میں حضرت سیدنا عمر ؓ کے خاندان بنو عدی کے حصے میں سفارت اور فیصلہ و مناظرہ کے منصب چلے آتے تھے۔ علامہ ابن جوزی سیرت عمر ابن الخطاب ؓ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ قبائل لڑائی خواہ قریش کے مختلف قبائل کی آپس میں ہوتی یا کسی دوسرے سے، ہر صورت میں سفارت کی ذمہ داری بنو عدی پر ڈالی جاتی، چنانچہ اسلام لانے سے پہلے حضرت عمر ؓ نے بنو ثقیف کے ہاں سفارت کے فرائض انجام دے کر برسوں کی مخاصمت کو

ختم کرا دیا۔ الختصر ذہنی صلاحیتوں، علم وفضل، وقعت و وجاہت، عزت نفس اور خود اعتمادی میں بنو عدی پیش پیش تھے۔ بنو عدی کو بنو ہاشم عزت و منزلت کے لحاظ سے قریش کا دماغ جانتے تھے۔

آپ کے والد حضرت خطاب بن نفیل زبردست زعماء وعظماء میں سے تھے۔ ان کے فیصلوں کو حتمی تسلیم کیا جاتا تھا۔ والدہ کا نام عتمہ تھا جو ہاشم بن مغیرہ کی بیٹی اور حضرت خالد بن ولید کی چچازاد بہن تھیں۔

مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت سیدنا عمر فاروق اعظمؓ دور جاہلیت اور دور انوار وعلوم میں نہ صرف اہم اور معروف بلکہ زوردار ورقدآور شخصیت تھے۔ آپ اپنے دور کے سب سے زیادہ پڑھے لکھے تھے۔ ان کی بیٹی ام المومنین حضرت حفصہؓ بھی کتابت جانتی تھیں۔ حضرت سیدنا عمرؓ نسب دانی، شعر کے ناقدانہ ذوق اور وصف خطابت کے شہنشاہ تھے۔ علم الانساب عربوں کا اہم ترین علم تھا جو علم تاریخ کی ساس کی حیثیت رکھتا ہے۔ ادبی وثقافتی لحاظ سے آپ کی شان کی کوئی حد نہیں۔ نابغہ جعدی آپ کے حافظے اور یادداشت پر سو جان سے قربان تھا۔ جسمانی لحاظ سے آپ مسلمہ پہلوان تھے۔

حضرت صاحبزادہ نصیر الدین نصیر گولڑوی جو ملک کی اشہر ترین علمی و ادبی شخصیت ہیں، اپنے ایک مضمون بعنوان ''فاروق اعظم'' کی شخصیت مطبوعہ فاروق اعظم نمبر ضیائے حرم میں لکھتے ہیں:

''میرے ممدوح، روح حکمت، زیب فقر، زینت اخلاص، اصل نجابت، ممدوح خلاق عالم، لو کان نبی بعدی لکان عمر ہیں۔ سیدنا عمرؓ کی ذات عالی مرتبت مجموعہ اوصاف تھی، چنانچہ وہ وسیع النظر، دقیق الفکر اور رقیق القلب ہونے کے ساتھ قوی الجثہ، حدید البصر، بلیغ اللہجہ، صبیح العذار، قلیل الکلام اور کثیر الصمت بھی تھے۔ اگرچہ حالت ایمان میں تو ایک محیر العقول امتیاز کے حامل تھے ہی تاہم زمانہ جاہلیت میں پروقار، مستقل مزاج، عدل پسند، غریب پرور، گدانواز، یار باش اور مرنجان مرنج انسان تھے۔ فطری صلاحیتیں، صغرسنی ہی سے سیمائے سعادت ریز سے ٹپک رہی تھیں، لیکن اب صرف ایک ایسے مربی مزاج دان کی ضرورت تھی جو ان کے جبلی قوائے خفیہ کو اپنے تصرف نظر سے منصۂ شہود پر لا سکے''۔

''حضرت عمرؓ مراد سید الکونین ہیں۔ ان کے اسلام لانے سے دین حق کو زبردست تقویت ملی۔ کفار کی جمعیت بکھر کر رہ گئی۔ چیرہ دستوں کی گردنیں جھک گئیں۔ عدل وانصاف کے چشمے پھوٹے، جام وقدح سے شراب شکستہ ہو گئے، عرش پر سروشان بہجت نے خوشی کے ترانے گائے، نہ جانے کتنے یتیموں، بیواؤں، بے گھروں، زیردستوں اور خانہ بدوشوں کے ڈوبتے ہوئے دلوں سے صدائے آفریں صد آفریں نکلی''۔

سیدنا فاروق اعظمؓ جنہیں حضرت سید نا داتا صاحب نے صعلوک محمد کے لقب سے پکارا ہے اسلام کے لئے بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی نعمت غیر مترقبہ تھے۔ آپ کے دم قدم سے جدید دنیا کی تمام اصلاحات سے افراد معاشرہ مستفید ہوئے۔ آپ کے دور میں اسلامی سلطنت روز بروز پھیلتی گئی جس کا راز آپ کے بتائے ہوئے درخشاں اصول تھے۔

آپ فرمایا کرتے:

علم: پرہیزکاری کے بغیر کچھ نہیں۔

بادشاہ: انصاف کے بغیر کچھ نہیں۔

درویشی: قناعت کے بغیر کچھ نہیں۔

تونگری: بخشش کے بغیر کچھ نہیں۔

مرتبہ: تواضع کے بغیر کچھ نہیں۔

کم کھانا صحت، کم بولنا حکمت اور کم سونا عبادت ہے۔

حضرت سیدنا عمرؓ نوع انسانی کے محسن اعظم اور دلدار تھے۔ آپ نے نہایت ہی عمدہ اصلاحات کیں جن میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ غلامی کے ادارے کو ختم کیا۔

۲۔ سال ہجری کی ترویج کی۔

۳۔ محکمہ قضا قائم کیا۔

۴۔ وظائف کا سلسلہ شروع کیا۔

۵۔ وظائف پانے والوں کے رجسٹر تیار کرائے۔
۶۔ بیت المال قائم کیا۔
۷۔ مردم شماری کرائی۔
۸۔ نہریں کھدوائیں۔
۹۔ نئے شہر آباد کیے۔
۱۰۔ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک مسافروں کے لئے سرائیں بنوائیں۔
۱۱۔ نماز تراویح کو لازمی قرار دیا۔
۱۲۔ شراب نوشی کی حد مقرر کی۔
۱۳۔ نماز جنازہ میں چار تکبیروں پر اجماع کرایا۔
۱۴۔ قصائد میں عورتوں کا نام لینا جرم قرار دیا۔
۱۵۔ نظام تعلیم مرتب کیا۔
۱۶۔ مقاصد تعلیم بتائے۔
۱۷۔ زرعی نظام میں اصلاحات کیں۔
۱۸۔ زمینوں کی تقسیم اصح ترین اصولوں پر کی۔
۱۹۔ خراج کا طریق کار وضع کیا۔
۲۰۔ افتادہ زمینوں پر کاشتکاری کرائی۔
۲۱۔ مجلس شوریٰ کی عمدہ تشکیل کی۔
۲۲۔ معاشی اصلاحات کیں۔
۲۳۔ اصول جنگ مرتب کر کے ان پر سختی سے عمل کرایا۔
۲۴۔ غیر مسلموں کے حقوق متعین فرمائے۔
۲۵۔ ان کے مال و جان کی حفاظت فریضہ دین سمجھا۔
۲۶۔ ان کو مالی امداد دی۔
۲۷۔ لاوارث بچوں کی پرورش کا اہتمام کیا۔
۲۸۔ سرخ فیتے کی رسم کو ختم کیا۔

حضرت سیدنا فاروق اعظم کے چند اقوال:

۱۔ اپنے اختیار میں رہنا چاہو تو اپنا راز چھپاؤ۔
۲۔ جس کی طرف سے تمہارے دل میں نفرت اور بغض ہو، اس سے ڈرتے رہا کرو۔
۳۔ آج کے کام کو کل پر نہ چھوڑا کرو، قوت عمل اسی کا نام ہے۔
۴۔ جو شخص اپنے اعمال کی توضیح کرتا ہے وہ سب سے زیادہ عقلمند ہے۔
۵۔ دولت سر اونچا کئے بغیر نہیں رہتی یعنی تکبر پیدا کرتی ہے۔
۶۔ پیچھے ہٹی ہوئی چیز پھر آگے نہیں بڑھتی۔
۷۔ جو برائی سے بالکل واقف نہیں وہ برائی میں ضرور مبتلا ہوگا۔
۸۔ مجھے سائل کی عقل کا اندازہ ہو جاتا ہے۔
۹۔ دوسروں کی فکر میں اپنے آپ کو مت بھولو۔
۱۰۔ تھوڑی سی دنیا اختیار کرو گے تو آزادانہ بسر کر سکو گے۔
۱۱۔ گناہ ترک کر دینا آسان ہے مگر توبہ کرنا بڑا مشکل کام ہے۔

۱۲۔ اگر صبر و شکر دو سواریاں ہوتیں تو میں اس کی پرواہ نہ کرتا کہ دونوں میں سے کس پر سوار ہوں۔

۱۳۔ خدا اس کا بھلا کرے تو جو میرے عیب مجھ پر ظاہر کرے۔

۱۴۔ امانت اس کا نام ہے کہ ظاہر و باطن میں باہم مخالفت نہ ہو۔

۱۵۔ زر سے بچنے کا نام پرہیز گاری ہے۔

۱۶۔ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بچاتا ہے۔

۱۷۔ اے لوگو! علم کا حاصل کرنا فرض ہے، علم ایک چادر ہے جو اللہ تعالیٰ ایک طالب علم کو اوڑھاتا ہے۔

۱۸۔ جو شخص ہوا و حرص اور طمع و غضب سے بچا اس نے مخلصی پائی۔

۱۹۔ کسی کی تعریف اس کے منہ پر کرنا اسے ذبح کر ڈالتا ہے۔

۲۰۔ عقل کے بغیر سرداری اور بادشاہی نہیں ہو سکتی۔

۲۱۔ لوگوں کو بھلائی کا حکم دو اور برائی سے منع کرو، ورنہ تم پر بد حاکم مسلط کیے جائیں گے۔

۲۲۔ دعا کے بعد ہاتھوں کا منہ پر پھیر لینا مسنون ہے۔

۲۳۔ علم کے شیدا بنو اور بردباری اور وقار حاصل کرو۔

حضرت سیدنا داتا صاحب کے حضرت سیدنا فاروق اعظم کے بارے میں فرمودات:

حضرت داتا صاحب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اہل تصوف کے ہادی و رہنما ہوئے ہیں۔ انہی میں سے اہل ایمان کے سردار، اہل احسان کے پیشوا، اہل تحقیق کے امام، بحر محبت میں غرق، ابو حفص حضرت عمر ابن الخطاب ﷺ ہیں جو کرامت و فراست میں مشہور ہیں اور ان کی دانش و استقلال کا شہرہ ہے۔ تصوف میں آپ کے بہت لطیف و دقیق رموز ہیں۔

پیغمبر اعظم ﷺ نے سیدنا عمر ﷺ کے بارے میں فرمایا کہ "زبان عمر پر حق ناطق ہوتا ہے"۔ نیز فرمایا: "پہلی امتوں میں ایک نہ ایک محدث ہو گزرا ہے اگر میری امت میں ان ایسا ہے تو وہ عمر ہے"۔ طریقت میں آپ کے بہت سے لطیف رموز ہیں جو اس کتاب میں تحریر نہیں ہو سکتے۔

گوشہ نشینی بری صحبت کی بہ نسبت باعث راحت ہے۔ گوشہ نشینی کی دو صورتیں ہیں: ایک خلقت سے پرہیز، دوسرے قطع تعلق، پرہیز کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے لئے گوشہ منتخب کرے۔ بظاہر ہم جنسوں کی صحبت سے دور رہے۔ عزلت میں عیوب پر نظر رکھے، لوگوں سے میل ملاپ قطع کرے اور کسی کو اپنے افعال سے گزند نہ پہنچائے۔ قطع تعلق دل سے منسوب ہے، ایسا تب ہوتا ہے جب کسی بیرونی چیز سے تعلق نہ ہو۔ جب انسان قطع علائق کر لیتا ہے تو اس کو کسی مخلوق کا علم نہیں ہوتا اور کسی چیز کا خیال اس کے دماغ میں طاری نہیں ہوتا۔ وہ لوگوں میں رہتا ہے اور لوگوں سے دور ہوتا ہے۔ یہ بہت بلند مقام ہے۔

حضرت سیدنا عمر ﷺ اس معاملے میں صحیح راستے پر تھے۔ وہ بظاہر لوگوں میں خلیفہ اور حاکم کی حیثیت سے موجود تھے مگر ان کے قول سے بالکل واضح ہے کہ اہل حق اگرچہ لوگوں سے ملتے جلتے ہیں مگر ان کے دلوں کا لگاؤ باری تعالیٰ سے ہی ہوتا ہے اور ہر حال میں اسی کی طرف ہوتے ہیں جس قدر بھی صحبت حق انہیں نصیب ہو وہ حکم باری تعالیٰ پر مبنی سمجھتے ہیں، تاہم یہ صحبت ان کو راہ حق سے روگردانی نہیں کرا سکتی، کیونکہ دوستان حق کی نظر میں دنیا کسی صورت بھی آئینہ صفا نہیں ہوتی اور اس کے حالات کبھی قابل التفات نہیں ہوتے۔

حضرت سیدنا عمر ﷺ فرماتے ہیں:

جس سرائے کی بنیاد بلا پر ہو وہ کبھی بلا سے خالی نہیں ہو سکتی۔ حضرت عمر ﷺ رسول اللہ ﷺ کے خاص صحابی تھے اور آپ کے جملہ کام مقبول تھے۔ جب وہ مشرف بہ اسلام ہوئے تو جبرئیل علیہ السلام نے آ کر کہا:

"یا محمد ﷺ! آج اہل آسمان نے حضرت عمر کے اسلام قبول کرنے کی بشارت دی ہے، پس مشائخ خرقہ صوف پہننے اور دین کے بارے میں سختی کرنے میں ان کی پیروی کرتے ہیں اس لئے کہ وہ جملہ دینی امور میں تمام مخلوق کے امام ہیں"۔

حضرت سیدنا عثمان ذوالنورین ابن عفان کے مختصر حالات زندگی:

حضرت سیدنا عثمان ذوالنورین کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں جناب عبد مناف پر حضور ﷺ سے مل جاتا ہے۔ والدہ محترمہ کا نام اروی بنت کریز تھا۔ حضرت عثمان ﷺ کی کنیت ابو عمرو اور ابو عبداللہ مشہور ہے۔ آپ عام الفیل کے چھ سال بعد 576 عیسوی میں مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے گویا رسول اللہ ﷺ سے عمر میں تقریباً چھ سال چھوٹے تھے۔ آپ کا شمار ان معدودے چند افراد میں ہوتا ہے جنہوں نے زمانہ جاہلیت

میں ہی لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا، چنانچہ آپ بھی کاتبان وحی ربانی میں شامل تھے۔ طبری کے بقول آپ حضور ﷺ کے معتمد (سیکرٹری) کے فرائض بھی سرانجام دیتے رہے۔

آپ نہایت ہی سلیم الفطرت تھے۔ دور جاہلیت کی کسی برائی سے آپ کا دامن آلودہ نہ تھا۔ شرم وحیا آپ کے اخلاق عالیہ کا طرہ امتیاز تھی۔ امت مسلمہ میں کامل الحیاء والایمان کے الفاظ انہی کی شان میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ جوان ہونے پر انہوں نے معززین قریش کی طرح پیشہ تجارت کو اپنایا اور اپنی صداقت و دیانت اور امانت و راستبازی کی بدولت بحیثیت تاجر غیر معمولی شہرت پائی۔ وہ مکے کے معاشرے میں ایک ممتاز و معزز اور دولت مند شخصیت ہونے کے باعث عثمان غنی ﷺ کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔

حضرت سیدنا عثمان ﷺ کا شمار السابقون الاولون، عشرہ مبشرہ اور ان چھ اکابر صحابہ میں ہوتا ہے جن سے رسول اللہ ﷺ زندگی بھر راضی و خوش رہے۔ حضرت سیدنا ابوبکر ﷺ سے آپ کے گہرے مراسم تھے اور انہیں کی تبلیغ و تحریک پر انہوں نے اسلام قبول کیا۔ آپ عمر بھر اپنی جان و مال اور دولت سے اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں مصروف رہے۔

قبول اسلام کے بعد آپ نہ صرف اپنے چچا کی چیرہ دستیوں کا شکار ہوئے بلکہ کفار مکہ نے بھی انہیں اپنے مظالم کا ہدف بنایا لیکن آپ کے استقلال میں ذرہ برابر لغزش نہ آئی اور کہا جو چاہو کرلو میں اس دین رحمت کو کبھی نہیں چھوڑوں گا۔

حضور ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا عقد حضرت عثمان ﷺ سے کیا۔ حضرت سیدہ رقیہ کی وفات کے بعد حضور ﷺ نے اپنی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم کا نکاح بھی حضرت عثمان سے کر دیا۔

حضرت سیدنا عثمان ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں دو بار ہجرت کی۔ حضرت عثمان ﷺ کا مال ہمیشہ اسلامی رفاہی کاموں میں صرف ہوتا تھا۔ خصوصاً غزوات کے موقع پر بہت کام آتا تھا۔ آپ نے مسلمانوں کے لئے میٹھے پانی کا کنواں تقریباً تیس ہزار درہم میں خریدا اور حضور ﷺ نے آپ کو اس کار خیر پر جنت کی بشارت دی۔ بعد میں آپ نے اور بھی کنویں کھدوائے یعنی بئر عامر اور بیر ارلیس۔ مسجد نبوی کی توسیع کے لئے آپ نے قطعہ اراضی خرید کر دیا۔ غزوہ تبوک قحط سالی کے زمانے میں پیش آیا۔ اس موقع پر حضرت عثمان ﷺ نے بڑھ چڑھ کر مالی امداد فراہم کی۔ حضرت عثمان ﷺ نے سامان رسد کے لئے ایک ہزار اونٹ، ستر گھوڑے اور ایک ہزار دینار خدمت نبوی میں پیش کئے۔ حضور ﷺ ان کی اس خدمت پر اتنے خوش ہوئے کہ دیناروں کو ہاتھوں میں اچھالتے تھے۔ حضرت عثمان ﷺ نے تمام غزوات میں دامے درمے قدمے سخنے حصہ لیا۔ غزوہ بدر میں حضرت رقیہ کی علالت کے پیش نظر شریک نہ ہوئے لیکن سرکار دو عالم ﷺ نے انہیں خوشخبری دی کہ انہیں جنگ بدر میں شریک صحابہ کی طرح اجر اور مال غنیمت ملے گا، چنانچہ آپ کا اسم گرامی اصحاب بدر میں شامل تھا۔ غزوہ ذات الرقاع اور غزوہ بنی غطفان میں حضور ﷺ نے آپ کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔

حضرت علی ﷺ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا!

''اگر میری چالیس بیٹیاں بھی ہوتیں تو میں انہیں یکے بعد دیگرے عثمان سے بیاہ دیتا''۔

ایک دفعہ لوگوں نے حضرت سیدنا علی المرتضیٰ سے حضرت عثمان کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا وہ ایک ایسی شخصیت تھے جنہیں ملاء اعلیٰ میں ذوالنورین کہہ کر پکارا گیا کیونکہ آپ حضور ﷺ کی دو بیٹیوں کے خاوند تھے۔

سرکار دو عالم ﷺ نے 6 ہجری میں آپ کو اہل مکہ کی طرف سفیر بنا کر بھیجا۔ اسی کے نتیجہ میں بیعت الرضوان اور صلح حدیبیہ کے واقعات ظہور پذیر ہوئے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ بطحائے مکہ میں عثمان سے زیادہ اور کوئی معزز ہوتا تو رسول اللہ ﷺ ان کی جگہ اسے بھیجتے۔

کفار نے سیدنا عثمان ﷺ کو مکہ مکرمہ میں روک لیا۔ ادھر یہ افواہ پھیل گئی کہ وہ شہید ہو گئے ہیں۔ اس خبر سے حضور ﷺ فکر مند ہوئے۔ آپ ایک درخت کے نیچے تشریف فرما ہوئے اور خون عثمان کا بدلہ لینے کے لئے صحابہ کرام سے جانبازی کی بیعت لی۔ اس کو تاریخ میں بیعت رضوان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر رکھا اور فرمایا ''یہ عثمان کا ہاتھ ہے''

حضرت سیدنا عثمان حضرت صدیق اکبر کے مشیر تھے اور فتویٰ نویسی بھی دیگر صحابہ کے ساتھ انہیں کو تفویض تھی۔ آپ سیدنا عمر ﷺ کے عہد خلافت میں بھی مجلس شوریٰ کے ممتاز رکن تھے اور حضرت ابی بن کعب اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کے ساتھ استفتاء کا مرکز رہے۔

بہر حال حضرت عثمان ﷺ کا درجہ اور فضیلت صحابہ کرام میں تسلیم شدہ تھی۔ نافع نے عبداللہ ابن عمر سے روایت کی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں بات چیت کے دوران میں نام لیتے وقت یہ ترتیب اختیار کیا کرتے تھے۔ ''ابوبکر ﷺ، عمر ﷺ، عثمان ﷺ۔ اس سے ان

حضرات کا درجہ فضیلت بسلسلہ خلافت مدنظر تھا۔

حضرت عثمان ذوالنورین کے بارے میں حضرت سیدنا داتا صاحب کے فرمودات

انہی سردارانِ تصوف اور صحابہ کرام میں گنجینہ حیاء، سرخیل اہل صفا، مقبول درگاہ رضا اور طریق مصطفیٰ ﷺ سے مزین ابو عمرو عثمان رضی اللہ عنہم، جن کے فضائل و مناقب بہر انداز روشن ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن رباح اور ابو قتادہ رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں حرب الدار کے روز ہم امیر المومنین حضرت عثمان ﷺ کے پاس تھے۔ جب شور و غوغا کرنے والے ان کی بارگاہ کے اردگرد جمع ہوئے تو ان کے خدام نے ہتھیار سنبھال لئے۔ آپ نے حکم دیا جو خادم ہتھیار نہ اٹھائے وہ آزاد ہے۔ ہم بسبب خوف باہر نکلے۔ حضرت حسن ابن علی رضی اللہ عنہما سے ملاقات ہوئی، پھر ہم ساتھ ہو لئے۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ وہ کیا کرتے ہیں بارگاہِ خلافت میں پہنچ کر انہوں نے حضرت عثمان ﷺ کو سلام کیا اور شور و غوغا پر اظہارِ تاسف کرتے ہوئے عرض کی۔ اے امیر المومنین! آپ کے حکم کے بغیر تلوار نہیں نکال سکتے۔ آپ سچے امام ہیں۔ اجازت دیجئے ہم اس فتنہ کو دور کر دیں۔

اس پر حضرت عثمان ﷺ نے فرمایا:

''اے میرے بھائی کے بیٹے! لوٹ جاؤ اور اپنے گھر میں بیٹھو، یہاں تک کہ تقدیر الٰہی ظاہر ہو۔ پس ہمیں مسلمانوں کا خون بہانا درکار نہیں''۔

حضرت سیدنا عثمان ﷺ کے ان الفاظ سے حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ استخراج کرتے ہیں کہ آپ کا مندرجہ بالا بیان ''درد و بلا کے عالم میں تسلیم کا نشان ہے''۔

جب نمرود ملعون نے آگ بھڑکا کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو منجنیق میں آگ میں پھینکنے کے لئے رکھ دیا تو حضرت سیدنا جبرئیل علیہ السلام نے آ کر کہا ''کیا تجھے کوئی احتیاج ہے؟'' حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا ''تجھ سے کسی قسم کی حاجت نہیں'' حضرت جبرائیل علیہ السلام کہنے لگے ''پھر اللہ تعالیٰ سے اپنے احتیاج بیان کیجئے''۔ آپ نے فرمایا ''مجھے یہ کافی ہے کہ وہ میرے حال سے واقف ہے۔ وہ میرا حال مجھ سے بہتر جانتا ہے۔ اسے علم ہے کہ بہتری کس چیز میں ہے؟''۔

داتا صاحب فرماتے ہیں اس جگہ (جب حضرت حسن ﷺ) ان کے پاس آئے حضرت عثمان ﷺ بجائے حضرت خلیل علیہ السلام تھے، شور و غوغا بجائے آتش نمرود اور حضرت حسن ﷺ بجائے حضرت سیدنا جبرئیل۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے نجات تھی اور حضرت عثمان ﷺ کے لئے شہادت۔ نجات کو بقا سے تعلق ہے اور شہادت کو دنا ست۔ اس چیز کی نسبت قبل ازیں لکھا جا چکا ہے۔ اہل تصوف بذلِ جان و مال، تسلیم امور اور خلوص عبادت میں حضرت عثمان ﷺ کی پیروی کرتے ہیں۔ وہ حقیقت اور شریعت میں بلاشبہ امام حق ہیں اور دوستی حق ہی سے ان کا مرتبہ ظاہر و باہر ہے۔

حضرت سیدنا مولائے کائنات علی المرتضیٰ کے مختصر حالات زندگی:

حضرت سیدنا علی ابن علی طالب ﷺ، چوتھے خلیفہ راشد، داماد رسول، حضور ﷺ کے چچازاد بھائی، کمسنوں میں سب سے پہلے رسول اکرم ﷺ کی دعوت پر اسلام قبول کرنے والے تھے۔

آپ کے خاندان بنی ہاشم کو کعبہ کی تولیت کے باعث پورے عرب میں میں مذہبی سیادت حاصل تھی۔ حضور ﷺ کے کئی چچا تھے لیکن جو تعلق خاطر آپ کو جناب ابو طالب سے تھا وہ کسی اور کے ساتھ نہ تھا۔ جناب عبدالمطلب کی وفات کے بعد جناب ابو طالب نے نامساعد حالات میں بھی حضور اکرم ﷺ کی پشت پناہی کی۔ حضرت سیدہ فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا سے خاص انس و محبت تھی۔

سرکار دو عالم ﷺ نے بچپن ہی سے حضرت مولا علی ﷺ و اپنے دامن رحمت میں لے لیا۔ اس طرح حضرت علی ﷺ نے ابتداء ہی سے آغوش نبوت میں پرورش پائی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ جب سرکار دو عالم ﷺ نے دعوت اسلامی دی تو سب سے پہلے حضرت سیدنا علی المرتضیٰ ﷺ نے حضور ﷺ کی دعوت پر لبیک کہا۔ حضور ﷺ کی نظر کرم سے آپ زمانہ جاہلیت کی تمام آلودگیوں سے محفوظ و مصئون رہے۔

قبول اسلام کے بعد مولا علی ﷺ تبلیغ اسلام کے تمام اجتماعات میں حضور ﷺ کے ساتھ ساتھ رہتے۔ مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد مولا علی ﷺ کو حضور ﷺ کی دامادی کا شرف حاصل ہوا۔ اس وقت سے مولا علی کی مستقل زندگی شروع ہوئی۔ آپ تمام غزوات میں حضور پاک ﷺ کے ہمرکاب رہے۔ آپ نے بہادری، شجاعت، تہور اور جوانمردی کے سکے بٹھا دیئے۔ حضور ﷺ کے غسل اور تجہیز و تکفین کی سعادت بھی آپ کو ملی۔

سرکار دو عالم ﷺ کے ارتحال کے بعد آپ سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا فاروق اعظم کے مشیر خوش تدبیر رہے۔ حضرت سیدنا فاروق اعظم کہا

کرتے ''اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا''۔

حضرت سیدنا عثمان ذوالنورین ؓ کی شہادت کے بعد تین دن تک مسند خلافت خالی رہی۔ مدینہ طیبہ میں قیامت کا شور بپا تھا۔ ہر طرف باغی پھیلے ہوئے تھے لیکن خلافت کا انتظام بہر حال ضروری تھا۔ اس وقت اکابر صحابہ میں حضرت علی ؓ ہی کی ذات ایسی تھی جس پر سب کو اتفاق ہو سکتا تھا، چنانچہ مہاجرین وانصار نے جن میں حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم بھی تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ خلیفہ کا انتخاب بہت ضروری ہے۔ مولا علی ؓ نے اشارہ سمجھ کر فرمایا کہ مجھ کو اس کی حاجت نہیں جسے تم منتخب کرو گے میں بھی اسی کو قبول کر لوں گا۔ انہوں نے عرض کی کہ آپ کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا شخص اس کا مستحق نہیں ہے، اس لئے آپ کے علاوہ ہم کسی دوسرے کو منتخب ہی نہیں کر سکتے۔ حضرت مولا علی ؓ نے پھر عذر کیا اور کہا کہ امیر ہونے کے بہ نسبت مجھے وزیر ہونا زیادہ پسند ہے۔ آخر کار تمام مسلمانوں نے اجماعی و اجتماعی طور پر آپ کے دست حق پر بیعت کر لی۔ اس بیعت میں مدینہ منورہ کے تمام صحابہ شریک تھے۔ بیعت کے بعد 35ھ میں آپ نے مسند خلافت سنبھالی۔

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ ؓ کے دور خلافت پر ایک نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا سارا دور حکومت خانہ جنگیوں اور اندرونی جھگڑوں میں بسر ہوا۔ ایک دن کے لئے بھی آپ کو ملکی نظم ونسق کے قیام اور بیرونی فتوحات کی طرف توجہ کرنے کی فرصت نہ ملی۔ یہ ان حالات کا لازمی نتیجہ تھا جن میں آپ کو منصب خلافت ملا تھا۔

مولا علی ؓ فطرتاً سلیم تھے۔ آپ کی ذات سرکار دو عالم ﷺ کے کرم سے خلق نبوی کا پیکر اور تعلیمات اسلامی کا تصویر تھی۔ آپ کے فضائل اخلاق میں سب سے نمایاں زہد وتقویٰ ہے۔ آپ کی زندگی کا ہر پہلو زہد ہی کا مظہر تھا، زہد کے بارے میں آپ کا یہ حکیمانہ قول مشہور ہے کہ ''دنیا مردار ہے جو اسے حاصل کرنا چاہے اسے کتوں کی صحبت کے لئے تیار رہنا چاہئے''۔

حضرت مولا علی ؓ پر غربت وامارت کے مختلف دور گزرے لیکن کسی دور میں خرافات دنیوی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ زندگی نہایت سادہ تھی، کوئی ملازم نہ تھا۔ گھر کا سارا کام حضرت سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا اپنے ہاتھ سے کرتی تھیں۔ عبادت وریاضت اس نوری جوڑے کی زندگیوں کا مشغلہ تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں ''علی قائم اللیل اور صائم النہار تھے''۔

حضور مولا علی ؓ امین امت تھے۔ آپ نے نہایت ہی دیانت اور امانت سے مسلمانوں کی امانت بیت المال کی حفاظت فرمائی۔ ہر طرح کی تکلیفیں اٹھاتے تھے لیکن اپنے حق سے زیادہ ایک جبہ بیت المال سے لینا حرام سمجھتے تھے۔ شجاعت آپ کا خاص وصف تھا۔ غزوات میں آپ نے جس دلاوری وشجاعت کا مظاہرہ کیا وہ اسلام کی عسکری روایت وتاریخ کا سنہری باب ہے۔ زمانہ خلافت میں اکیلے بازاروں میں گھومتے، بھولے بھٹکوں کو راستے بتاتے، کمزوروں، ناتوانوں کی مدد کرتے، دوکانداروں اور تاجروں کو عدل کے بارے میں قرآنی آیات پڑھ کر سناتے اور سمجھاتے۔ آپ عادلانہ فیصلے صادر کرتے۔ ایک ایک بات سے علم وحکمت کا اظہار ہوتا۔ دینداروں کی تعظیم کرتے اور غریبوں کو مقرب بناتے۔

احادیث کے مجموعے حضرت مولا علی ؓ کے مناقب سے بھرپور ہیں۔ یہاں چند ایک مناقب کا ذکر کیا جاتا ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا:

1۔ علی ؓ دنیا وآخرت میں میرا بھائی ہے۔
2۔ علی ؓ قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علی کے ساتھ ہے۔ یہ دونوں ہرگز جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر پہنچیں۔
3۔ علی ؓ کی محبت نفاق سے دوری ہے۔
4۔ اے اللہ! جو علی ؓ کی عزت کرے تو بھی اسے عزت دے۔
5۔ جو شخص علی ؓ کو دوست رکھے۔ اس سے کہہ دو کہ جنت میں جانے کے لئے تیار رہے۔
6۔ اے علی ؓ میں تجھ سے ہوں اور تم مجھ سے ہو۔
7۔ میں مدینہ علم ہوں اور علی ؓ اس کا دروازہ ہیں۔
8۔ علی ؓ میرے رازوں کے امین ہیں۔
9۔ علی ؓ میرے علوم کا ظرف ہے۔
10۔ علی ؓ مومنوں کے سردار ہیں۔

حضرت سیدنا داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حضرت مولا علی ؓ کے بارے میں فرمودات:

انہی صحابہ کرام ؓ میں برادر مصطفیٰ، غواص بحر بلا، سوختہ آتش ولایت، پیشوائے اولیاء، اصفیا، ابوالحسن علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ ہیں۔ آپ کو تصوف میں شان عظیم اور مرتبہ بلند حاصل تھا۔ آپ اصول حقیقت میں اس قدر باریک بین اور نکتہ رس تھے کہ حضرت جنید بغدادی ؒ نے آپ کی نسبت کہا ہے کہ اصول اور بالکشی میں ہمارے شیخ علی المرتضیٰ ہیں یعنی معاملات وعلم میں علی ؓ ہمارے امام ہیں۔ علم تصوف کو اہل تصوف اصول کہتے ہیں اور معاملات تمام بالکشی ہوتی ہے۔

حضرت داتا صاحب فرماتے ہیں کوئی شخص حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کہ مجھے کچھ وصیت فرمایئے۔ آپ نے فرمایا:

"دیکھ! اہل وعیال کے معاملے کو ہر کام سے زیادہ اہمیت نہ دے۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں ضائع نہیں کرتا اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں تو تجھے اس کے دشمنوں سے کیا تعلق؟"۔

اس فرمان علی ؓ کا تعلق غیر اللہ سے لاتعلقی ہے۔ وہ اپنے بندوں کو جس طرح چاہتا ہے رکھتا ہے۔ یقین صادق ہونا چاہئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی کو عالم مصیبت میں چھوڑ دیا اور باری تعالیٰ کے سپرد کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو وادی غیر ذی زرع میں چھوڑ دیا اور خدا کے حوالے کیا۔ ان کو کسی کام سے بڑھ کر اہمیت نہیں دی اور اپنے دلوں کو حق تعالیٰ کی طرف لگا لیا اور تسلیم امور سے دونوں جہاں کی مرادیں پائیں۔ یہ وہی چیز ہے جو حضرت علی ؓ نے اس سائل سے کہی جس نے دریافت کیا کہ پاکیزہ ترین چیز کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا اللہ تعالیٰ کا غنی کیا ہوا دل، جو دل اللہ تعالیٰ کی عنایات سے غنی ہو متاع دنیا کا فقدان اسے فقیر نہیں کر دیتا اور اس کی موجودگی مسرت کا باعث نہیں۔ یہ بات فقر و تصوف تک جاتی ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

اہل تصوف حقائق عبارات، دقائق اشارات، تجرید دنیا و آخرت اور نظارہ تقدیر حق کے معاملے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی پیروی کرتے ہیں۔ ان کے لطائف کلام لاتعداد ہیں اور ہمیں اس کتاب کو مختصر رکھنا ہے واللہ اعلم۔

☆☆☆

کشف المحجوب

اہل نظر کی نظر میں

محمد رشید نقشبندی

عصر حاضر مادیت گزیدہ ہے۔ ہر شخص مادی ثروت، مادی لذتوں اور مسرتوں اور مادی جاہ و منصب کے حصول کے لئے دیوانہ وار مصروف عمل ہے۔ اس دور میں اس کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں کہ پاکیزہ اخلاقی قدریں کس طرح پامال ہو رہی ہیں۔ روحانیت کا رخ زیبا کیونکر مسخ ہو رہا ہے اور دل کی دنیا طمع و حرص اور حسد و بغض کی آلائشوں سے کس قدر مطعفن ہو رہی ہے۔

ملت کے بہی خواہوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی جملہ علمی روحانی اور عملی صلاحیت کو بروئے کار لا کر ملت کو اس تعفن سے بچائیں اس کا مؤثر ترین طریقہ یہ ہے کہ ان پاکیزہ فطرت ہستیوں کی زندگی کا مرقع زیبا پیش کریں جہاں للہیت، خلوص، قناعت، استغناء، عالی حوصلگی، جرات اور ہر انسان سے بے پناہ ہمدردی کے انوار قلوب و نظر کو روشنی بخش رہے ہوں اور یہ ساری خوبیاں اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ صوفیاء کرام کے سوانح حیات و تعلیمات میں ہی دستیاب ہو سکتی ہے۔ اس سلسلۃ الذہب کی ایک اہم اور عظیم کڑی حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ کی ذات ستودہ صفات ہے۔ آپ کی معرفت و حکمت، سیرت و بصیرت، محبت و لطافت، صحبت و سیاحت، فراست و کرامت، کلام و قیام، احوال و افکار اور مقصد حیات کو سمجھنے کا سب سے معتبر و مستند ماخذ و ذریعہ آپ کی زندہ و جاوید اور مایہ ناز تصنیف کشف المحجوب ہے۔ کشف المحجوب کا تصوف کی کتابوں میں کیا مقام و مرتبہ ہے؟ اس سلسلہ میں صرف اتنا کرنا کافی ہے کہ یہ تصوف پر فارسی زبان کی وہ عظیم تصنیف ہے جسے تصوف کے آئین کا درجہ دیا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا ایں گنجینہ رشد و ہدایت کے بارے میں:

1۔ حضرت نظام الدین محبوب الٰہی دہلوی کا ارشاد ہے کہ اگر کسی کا پیر نہ ہو تو وہ اس کتاب کا مطالعہ کرے تو اسے پیر مل جائے گا۔

2۔ نفحات الانس مؤلفہ حضرت مولانا عبدالرحمن جامی میں ہے کہ یہ کتاب اس فن کی مشہور و معتبر کتابوں میں سے ہے۔

3۔ میاں طفیل محمد (سابق امیر جماعت اسلامی) لکھتے ہیں کہ مولانا مودودی ہی سے سن رکھا تھا کہ اہل طریقت میں حضرت علی ہجویری المعروف حضرت داتا گنج بخش ایک صحیح الخیال اور بلند مرتبہ بزرگ تھے جنہیں اس کوچہ کے سبھی لوگ مقتدا مانتے ہیں اور ان کی تصنیف کشف المحجوب اس فن میں سند کا درجہ رکھتی ہے۔

4۔ بقول مولانا عبدالماجد دریابادی اس کتاب کی حیثیت محض ایک مجموعہ روایات حکایات کی نہیں بلکہ مستند محققانہ تصنیف ہے۔

5۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری کا ارشاد ہے کہ کشف المحجوب بذات خود مرشد کامل کی حیثیت رکھتی ہے۔

6۔ حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ خود رقمطراز ہیں کہ اس کتاب (کشف المحجوب) سے میرا مقصد یہ ہے کہ جس کے پاس یہ کتاب ہو اسے دوسری کتابوں کی حاجت نہ رہے۔ یہ کتاب طالب حقیقت کے لئے کافی ہے۔

آیات و احادیث کی تعداد:

حضرت سید نا علی ہجویری نے جہاں ضروری سمجھا کشف المحجوب میں بطور سند قرآن مجید کی آیات، احادیث مبارکہ اور صوفیاء مشائخ کے اقوال و ارشادات پیش کئے ہیں۔ آپ نے قرآن کریم کی 72 سورتوں میں سے 231 آیات کریمہ، ایک سو اڑتیس احادیث مبارکہ، تین سو باون اقوال اور بیالیس عربی اشعار درج فرمائے ہیں، نیز مشائخ و صوفیاء ایسی تصانیف اور تقریباً تین سو اٹھاسی صوفیاء و مشائخ کے اسماء گرامی اور اکیس شہروں کا ذکر نام لے کر کیا ہے۔

مسلمانوں کے فرقے:

پانچویں صدی ہجری تک مسلمانوں میں جتنے فرقے تھے یا گذر چکے تھے ان کا ذکر بھی تفصیل سے کیا ہے۔ ان کی تعداد تقریباً پچاس کے لگ بھگ بتائی ہے۔ کشف المحجوب کے مطالعہ سے حضرت سیدنا علی ہجویری کی نو دیگر مندرجہ ذیل تصانیف کا پتہ چلتا ہے مگر ان میں سے کوئی بھی دستیاب نہیں۔

کتب:

(۱) دیوان (۲) کتاب فنا و بقا (۳) اسرار الخلق والمؤنات (۴) الرعایت بحقوق اللہ (۵) کتاب البیان (۶) نحو القلوب (۷) منہاج الدین (۸) ایمان (۹) شرح کلام منصور۔

تاہم کشف المحجوب آپ کی آخری تصنیف ہے۔

کشف الاسرار نام کی کتاب بھی آپ کی طرف منسوب ہے، لیکن اہل تحقیق کے نزدیک یہ انتساب بالکل جعلی ہے۔ اگر اس نام کی کوئی کتاب تھی بھی، تو دیگر کتب کی طرح ضائع ہو چکی ہے، لہٰذا بازار میں اس نام سے فروخت کی جانے والی کتاب حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ کی تصنیف قطعاً نہیں ہے۔

کشف المحجوب کے قلمی ومطبوعہ نسخے مختلف ممالک کی لائبریریوں میں موجود ہیں۔ ایل ایس ڈگن کی فہرست کے مطابق کشف المحجوب کے قلمی نسخے وی آنا، پیرس، برٹش، میوزیم، لینن گراڈ یونیورسٹی، انڈیا آفس لائبریری لندن، تاشقند پبلک لائبریری، رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال برلن اور لاہور کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ ان میں نو سو سال پرانا نسخہ بھی شامل ہے۔ دو منقش قلمی نسخے پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں ہے جن میں سے ایک پر 1265ء درج ہے اور نگزیب عالمگیر کا عہد کا ایک قلمی نسخہ بھی پبلک لائبریری لاہور میں ہے۔ کشف المحجوب کے دنیا کی مختلف زبانوں انگریزی، عربی اردو میں تراجم کئی کئی بار شائع ہو چکے ہیں۔ انگریزی ترجمہ برطانوی عالم اے۔ آر۔ نکلسن نے کیا تھا، جبکہ پہلا عربی ترجمہ شیخ تاج الدین سنبھلی نے شہنشاہ جہانگیر کے دور میں کیا تھا اور دوسرا جدید عربی ترجمہ ڈاکٹر اسماء الہادی قندیل نے کیا۔

ایران کے محمد حسن نسیمی نے کشف المحجوب پر ایک طویل مقالہ تحریر کر کے پنجاب یونیورسٹی شعبہ فارسی 1985ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ہے۔

مندرجہ بالا حالات وواقعات کی روشنی میں بظاہر ایک نئے ترجمہ کی چنداں ضرورت نہ تھی، تاہم بطور جائزہ لیا جائے تو زیر نظر ترجمہ اپنی حسب ذیل خصوصیات کے لحاظ سے منفرد نوعیت کا ہے۔

کشف المحجوب ایسی بلند پایہ روحانی کتاب کا ترجمہ کرنے کے لئے نسبت وعلم دونوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ بفضلہ تعالیٰ مولانا محمد الطاف صاحب نیروی دونوں نعمتوں سے سرفراز ہیں۔ آپ شیخ الاسلام خواجہ غلام محی الدین نقشبندی غزنوی قدس سرہ آستانہ عالیہ نیریاں شریف تراڑکھل آزاد کشمیر کے دست حق پرست بیعت ہیں جن کی نگاہ فیضان وعرفان نے ان گنت ذروں کو ہمدوش ثریا کر دیا۔

کشف المحجوب کے فارسی نسخہ میں حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں ایک عربی قصیدہ ہے جو فرزدق شاعر نے نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے۔ ہماری نظر میں جتنے بھی فارسی نسخے گذرے ہیں وہ اس قصیدہ کے فن سے خالی ہیں، جبکہ زیر نظر ترجمہ اس نقص وعیب سے پاک ہے۔ علاوہ ازیں ترجمہ آسان اور عام فہم ہے جس سے ایک عام اور کم پڑھا لکھا آدمی بھی استفادہ کر سکتا ہے۔

آخر میں ایک اہم تاریخی حقیقت کی طرف قارئین کی کرام کی توجہ مبذول کرانا راقم الحروف اپنا فرض سمجھتا ہے اور وہ یہ ہے کہ 22 جولائی 199ء کے ایک انگریزی اخبار روزنامہ پاکستان ٹائمز میں شاکر رضوانی نام کے کسی سیاہ دل آدمی کی ایک آزاد تحریر چھپی ہے اس تحریر کا اردو ترجمہ درج ذیل ہے۔

''ان کی جائے تدفین کے بارے میں وثوق سے نہیں کہا جا سکتا۔ لاکھوں لوگ موجودہ جگہ کو ان کا مزار سمجھ کر زیارت کرتے ہیں، جبکہ ہو سکتا ہے کسی اور جگہ ہو، شاید اکبر کے قلعہ میں ایک کونے میں مدفون ہوں۔ حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ اس ولی کی قبر کا تعین کرے۔ خواہ یہ تیقن حاصل کرنے کی غرض سے یہاں سے انسانی ڈھانچے کے آثار دیکھنے کے لئے قبر ہی کیوں نہ کھودنا پڑے''۔

اس تحریر کے پس پردہ کسی گستاخی کا ہاتھ ہے۔ اس قسم کی افواہیں آئے دن ایسے لوگ پھیلاتے رہتے ہیں جو صوفیاء کرام کے مزارات پر حاضری بدعت وشرک سمجھتے ہیں۔ آج سے کئی سال قبل بھی لاہور کے ایک بدعقیدہ مولوی نے اسی قسم کا اعلان داغ دیا تھا کہ یہ مزار داتا صاحب کا نہیں۔ ان کا مزار تو قلعہ لاہور میں ہے۔ اس وقت مولوی صاحب موصوف کے اس بیان واعلان کے خلاف متعدد مضامین شائع ہوئے تھے۔ پاکستان ٹائمز کے مذکورہ بالا تحریر کے خلاف بھی اس وقت لاہور کے ہر گلی کوچے میں اور ہر مسجد میں احتجاج کیا جا رہا ہے بلکہ یہ ممکن ہے کہ کوئی عقیدت مند عدالت میں چیلنج بھی کر دے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ مزار شریف کے محل وقوع کے بارے میں دارا شکوہ لکھتا ہے:۔

''قبر درمیان شہر مغربی قلعہ واقعہ شدہ''

دارا شکوہ کے اس جملے کا محمد وارث کامل نے یوں ترجمہ کیا ہے۔

''مزار مبارک لاہور کے مغربی قلعہ میں واقع ہے''

اس ترجمہ اور لاہور کے قلعہ تبدیل ہو جانے کے سبب دارا شکوہ کی یہ تحریر بھی مبہم ہو گئی ہے۔ اس جملے کا ترجمہ اہل تحقیق کے نزدیک اس طرح ہے۔

''ان کی قبر لاہور شہر میں قلعہ سے مغرب کی جانب واقع ہے''۔

دارا شکوہ کے اس تحریر کے ابہام کو ڈاکٹر مولوی محمد شفیع نے اس طرح حل کیا ہے۔

دارا شکوہ نے یہ کہا ہے کہ ''قبر شہر لاہور کے درمیان قلعہ کے مغرب میں واقع ہے''۔ یہ کچھ عجیب سا بیان ہے اس لئے کہ قبر شہر کی فصیل کے باہر ہے، البتہ شہر کی بیرونی آبادی کے درمیان ہے اور قلعہ کے مغرب کی بجائے جنوب مغرب کہنا زیادہ صحیح تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دارا

شکوہ کے زمانہ میں قلعہ سے مغرب کو یہ آتے تھے تو شاید مسجد جو اس وقت تھی ہی نہیں، پہلا قابل ذکر مقام دریائے راوی کا گھاٹ تھا۔ دریا اس وقت قلعہ کے نیچے بہتا تھا۔ اس گھاٹ کو کابل جانے والی سڑک عبور کرتی تھی اور گھاٹ کے بعد داتا صاحب کے مزار والا علاقہ ہی قابل ذکر تھا، چنانچہ ایک انگریز سیاح نے جو 1611ء یعنی جہانگیر بادشاہ کے عہد میں ساڑھے چھ ماہ کے قریب لاہور ٹھہرا۔ اسی ترتیب سے ان مواضع کا ذکر کیا ہے۔ گو وہ جسد شکر گنج کہتا ہے، بجائے جسد گنج بخش کے۔

ڈاکٹر مولوی محمد شفیع کی اس تشریح و توضیح کے بعد مزید وضاحت کی ضرورت باقی نہیں رہتی، تاہم حضرت داتا گنج بخش کے مرید خاص حضرت شیخ ہندی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد صدیوں مزار و مسجد کی خدام اور سجادہ نشین چلی آ رہی ہے۔ موجودہ سجادہ نشین حضرت صاحبزادہ محمد سلیم تماد ہیں۔ اس خاندان میں یہ روایت تواتر سے چلی آ رہی ہے کہ ان کے جس اعلیٰ حضرت شیخ ہندی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ہاتھوں سے موجودہ مقام پر ہی اپنے روحانی پیشوا حضرت داتا گنج بخش کو دفن فرمایا، لہٰذا اس سلسلہ میں کسی قسم کے شعبہ اور غلط فہمی کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ بعض اولیاء کے شکار، بعض بدنصیب تشکیک و سازش کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل ہمیں اولیاء کرام کی محبت عطا فرمائے اور بے ادبی سے دور اور محفوظ رکھے۔

☆☆☆

داتا گنج بخش کا مشن

روحانیت اور مقناطیسیت کی روشنی میں

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری

یوں تو حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری کی شخصیت اور آپ کی تعلیمات کے حوالے سے گفتگو کرنے کی بہت سی جہتیں ہیں لیکن آج کی گفتگو کے لئے میں نے جس موضوع کا انتخاب کیا ہے وہ حضور داتا گنج بخش علی ہجویری کا ''مشن'' ہے۔ ان کا مشن ہے کہ انسانیت کو امت مسلمہ ''کو روحانیت'' سے آشنا کیا جائے۔

آج کے دور مادیت میں روحانیت کو سمجھنے کی اشد ضرورت ہے کیونکہ امت مسلمہ کی زندگی روحانیت سے عبارت ہے مگر بڑی بدقسمتی ہے امت مسلمہ کی، کہ آج اسلام کو مادیت کا لبادہ اوڑھایا جا رہا ہے۔ آج کے اس روحانی اور جسمانی زوال کے بہت سے اسباب اور وجوہات ہیں۔ ان میں درست وجوہات بھی ہیں اور غلط وجوہات بھی مگر بوجوہ امت مسلمہ روحانیت کے فکر سے، روحانیت کے عقیدے سے، روحانیت کے عمل سے اور روحانیت کی نسبت سے دور ہوتی جا رہی ہیں جس کی طرف توجہ دینا اشد ضروری ہے۔

عصر حاضر میں مادی دنیا کا سب سے بڑا معیار علم ''سائنس'' ہے۔ آج کا تعلیم یافتہ نوجوان اور مادیت زدہ ذہن جو حقیقت میں تشدد اور ابہام زدہ ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ سائنس جس حقیقت کو تسلیم کرے وہی حق ہے اور جو چیز Scientifie پیمانوں اور سائنسی اصولوں پر نہ اترے وہ محض تصور و تخیل ہے اور کچھ نہیں۔

سائنسی دنیا آج اپنی ترقی کے دور میں مقناطیسیت (Magnetism) کی ریسرچ میں آگے بڑھ رہی ہے جس میں Super Electromagnetic کی Theory جدید ترین کے طور پر سامنے آئی ہے جس پر امریکہ اور یورپ میں سیمینار ہو رہے ہیں اور اس Subject پر Research آگے بڑھ رہی ہے۔ اس جدید سائنٹیفک تھیوری کے حوالے سے زیر نظر مضمون میں منفرد موضوع کا انتخاب کیا گیا ہے اور وہ ''روحانیت اور مقناطیسیت'' ہے تاکہ پرکھا جا سکے کہ روحانیت کی حقیقت آج کی سائنسی تحقیقات کی روشنی میں کیا ہے اور اولیاء کرام اس سائنسی تحقیق کی روشنی میں کیا مقام رکھتے ہیں؟۔

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا۔

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَ فِيْ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ.

(حٰمٓ سجدہ: ۴۱:۵۳)

''ہم عنقریب ان کو دنیا میں اور خود ان کی ذات میں اپنی (قدرت و حکمت کی) نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ ان پر کھل جائے کا کہ یہ (قرآن) حق ہے''۔

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا کہ ہم عنقریب اپنی نشانیاں دکھائیں گے اس پورے خارجی آفاق (Pysical World) میں اور اس کے نفوس کے اندر (داخلی دنیا میں) حتی کہ ان پر آشکار ہو جائے کہ حق وہی ہے (جو ان کا غیر ہے، وہ باطل ہے)۔

اس آیہ کریمہ سے یہ بات طے ہو گئی کہ عالم (دنیائیں) دو ہیں: ایک عالم خارجی اور ایک عالم داخلی۔ خارجی دنیا آفاق اور مادی کائنات ہے جبکہ داخلی دنیا انسان کا من، قلب و باطن اور روح و نفس ہے۔ قرآن مجید نے واضح کر دیا کہ اللہ کی نشانیاں دونوں دنیاؤں میں موجود ہیں اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ کی نشانیوں اور اس کی پیدا کردہ قوتوں اور توانائیوں کو اس خارجی دنیا میں دریافت کیا اور دریافت کر کے انہیں بروئے کار لائے، انہیں ''سائنس دان'' کہا جاتا ہے اور اس مادی دنیا (خواہ وہ انسانی زندگی ہے یا آفاقی زندگی ہے) میں ان نشانیوں اور قوتوں کی تحقیق اور ان کو بروئے کار لانے کا عمل ''سائنس'' کہلاتا ہے جبکہ داخلی اور باطنی دنیا میں اللہ کی نشانیوں اور قوتوں کو تلاش کر کے انہیں اللہ کی راہ اور سمت میں ڈھال کر بروئے کار لانے والے ''صوفیاء'' کہلاتے ہیں۔ ان کے اس عمل کو ''تصوف'' کہا جاتا ہے جو اس عمل میں کامیاب ہو گئے وہ اولیاء ہو گئے۔ مادی دنیا اور باطنی دنیا دونوں جگہ تلاش اور جستجو اسی ایک حقیقت کی ہے اور وہ حقیقت علیاء مطلقہ (Absolute Reality) ہے۔ سائنس دان ابھی تک اس حقیقت مطلقہ کو دریافت نہیں کر سکے مگر ان کے بڑھنے کی سمت وہی ہے۔

میرے تصوف کے سچ اور حق ہونے کی دلیل اس وقت دنیا میں سائنس سے بہتر کوئی نہیں، لہٰذا اب ہم سائنسی دنیا کی لاکھوں تحقیقات میں سے فقط ایک نقطہ ''مقناطیسیت'' (جس کا ذکر شروع میں کیا گیا ہے) کی سائنسی تحقیق کے حوالے سے روحانی تصوف اور اولیائے کرام کے کام کا جائزہ لیتے ہیں۔ سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ جو لوگ معمولی سا بھی سائنسی علم رکھتے ہیں، انہیں معلوم ہے کہ ہر مقناطیس کی ایک مخصوص مقناطیسی قوت (Magnetic Force) ہوتی ہے جس کا اثر مقناطیس کے اردگرد کے ماحول میں ایک خاص فاصلے تک ہوتا ہے۔ جتنا طاقتور مقناطیس ہو گا اسی قدر فاصلے پر اس کا اثر ہو گا اور جس حد تک اس مقناطیسی قوت کا اثر ہوتا ہے اسے مقناطیسی قوت کا دائرہ کار (Magnetic Field) کہتے ہیں۔ اس ابتدائی نقطہ کو سمجھنے کے بعد یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ سائنس دانوں کے نزدیک

زمین خود ایک بہت بڑا مقناطیس ہے اور اس زمین کی مقناطیسی قوت (Magnetic Force) کا اثر فضا میں ہر سمت ۸۰۶۰۰ کلومیٹر تک جاتا ہے جبکہ نظامِ شمسی کے سب سے بڑے سیارے مشتری (Jupiter) کی مقناطیسی قوت زمین کی قوت کے مقابلے میں اڑھائی لاکھ گنا زیادہ ہے۔

مقناطیسیت کے دائرہ کار کے جائزے کے بعد اب ہم مقناطیس اور روحانیت کے تقابلی جائزے کی طرف آتے ہیں۔ واضح رہے کہ مقناطیسی قوت توانائی (Energy) ہے مادہ نہیں ہے۔ یہ روحانی شے ہے جو زمین کی مقناطیسی قوت کی صورت میں ۸۰۶۰۰ کلومیٹر پر پڑے مادے (Matter) پر اثر انداز ہوتی ہے اور مشتری کی روحانی قوت کی صورت میں زمین کے دائرہ اثر سے اڑھائی لاکھ گنا فاصلہ پر پڑے ہوئے مادے پر اثر انداز ہوتی ہے۔ مادیت کے علمبردار وہ لوگ جو نہ تو صحیح طور پر مادیت سے باخبر ہیں اور نہ روحانیت کی حقیقت کو سمجھتے ہیں وہ آج تک اس مخمصے میں ہیں کہ اولیاء کرام اپنی توجہ سے کسی مرید اور متعلق کو فیض یاب کیسے کر سکتے ہیں؟ اور تم لوگ جو یہاں بیٹھ کر کبھی داتا گنج بخش سے روحانی تعلق استوار کرنے کی بات کرتے ہو، کبھی خواجہ اجمیر کے فیوضات کی بات کرتے ہو، کبھی شہنشاہِ بغداد کی عطاؤں کی بات کرتے ہو، یہ کیسے ممکن ہے؟ اتنا دور وہ کون سا رابطہ ہے جو فوراً اثر انداز ہو جاتا ہے؟ ان متجسس ذہنوں کے لئے جواب یہ ہے کہ یہ وہی رابطہ ہے جو زمین کو اللہ تعالیٰ نے عطا کر رکھا ہے جو ۸۰۶۰۰ کلومیٹر کے فاصلے پر پڑے ہوئے مادے پر اپنی مقناطیسی قوت اثر کرتی ہے۔ یہ اس کائنات کی مادی حقیقتیں ہیں اور مادی حقیقت جب روحانی کیفیت میں بدلتی ہے تو کروڑوں اور اربوں میل تک بغیر کسی مادی قوت کے اثر انداز ہوتی ہے اور اس بات کو ہرگز نظر انداز نہ کیجئے کہ یہ زمین، یہ مشتری ہوئے سیارگانِ فلک اور یہ مادی حقائق کائنات، یہ کچھ اپنی جگہ مگر فرش سے عرش تک پوری مادی کائنات کے تمام تر حقائق اور تحت و فوق کی ساری روحانیت کے لئے سب سے بڑا مقناطیس "سیدنا محمد ﷺ" کا وجود مسعود ہے اور اس روحانی مقناطیسیت کا نام "حقیقتِ محمدی" ہے جو ساری مادی و روحانی کائنات میں جاری و ساری ہے، مگر کسی کو معلوم ہوتی ہے اور کسی کو نہیں ہوتی۔

پوری زمین مقناطیسی قوت سے لبریز ہے مگر آپ اس پر لوہے کی کوئی چیز مادہ یا لوہے کی کوئی عام سوئی رکھ دیں وہ مادے کا ٹکڑا پڑا رہے گا، وہ لوہے کی سوئی پڑی رہے گی اپنی خاص سمت نہیں بدلے گی، اس لئے کہ اس سوئی کا زمین کی مقناطیسی قوت سے کوئی ربط نہیں ہے، اس کے برعکس اسی مادے کا بنا کمپاس (وہ آلہ جو سمت کا تعین کرتا ہے) رکھ دیں آپ جہاں بھی رکھیں گے اس کے اندر موجود سوئی فی الفور اپنی سمت کو شمالاً جنوباً متعین کر لے گی، وجہ یہ ہے کہ زمین کے دو پولز ہیں (۱) نارتھ پول (۲) ساؤتھ پول جہاں سے مقناطیسی قوت پیدا ہوتی ہے جس سوئی کا ربط ان پولز کے ساتھ نہ تھا، اس نے اپنی سمت نہ بدلی اور ہزاروں میلوں کی مسافت کے باوجود لاکھوں اجساد اور لاکھوں اجسام بے ربط پڑے رہے اور جب کمپاس کا ان پولز کے ساتھ ربط ہو گیا، اسے جس خطے پر لے جائیں اس کمپاس کی سوئی کا چہرہ فوراً اس طرف ہو جاتا ہے، جہاں سے مقناطیسی قوت پیدا ہوتی ہے۔

اسی طرح یہاں انسانوں کے لاکھوں ذرے، تباہ و برباد جسم، تعفن زدہ، وہ جسم جن کا اللہ اور اس کے پیارے مصطفیٰ ﷺ سے کوئی ربط نہیں مادیت کا ڈھیر بنے، بے ربط اور بے نظم پڑے ہوئے ہیں، ان کی کوئی سمت نہیں بنتی اور وہ لوگ جو خود بے ربط پڑے ہوئے ہیں، وہ یہی کہیں گے کہ ربط نہیں بن سکتا۔ لاکھوں میل کے فاصلے پر ربط کیونکر بن سکتا ہے؟ مگر وہ لوگ جو اپنے دل کو کمپاس بنا لیتے ہیں اور مدینہ کے پول سے ربط قائم کر لیتے ہیں وہ جہاں جاتے ہیں مصطفیٰ کریم ﷺ کا چہرہ ادھر ہو جاتا ہے اس لئے کہ اس زمین (Earth) کے نارتھ اور ساؤتھ پولز ایک سوئی کو ایک خاص سمت (Direction) دے سکتے ہیں تو تاجدارِ کائنات ﷺ کی توجہ انسانی قلب و روح کو Direction کیوں نہیں دے سکتی۔ جو مجھ یہاں بے ربط مادوں میں ہے وہی وجہ وہاں بے ربط جسموں میں ہے۔ زمین کے شمال اور جنوب دو پول ہیں مگر روحانی کائنات کے لئے یہاں نظامِ وحدت ہے جیسے ربط ایک ہے ویسے مرکزِ فیض بھی ایک ہی ہے۔ یہاں کا پول مدینہ منورہ ہے جس کے قلب کی سوئی مدینہ کے پول سے مضبوط ہو گئی وہ پھر انحراف کا شکار نہیں ہوتا۔

اپالو گیارہ اور بارہ جب چاند پر تسخیر کے لئے جا رہے تھے تو امریکہ میں سائنس دانوں نے اپنی لیبارٹریز Establish کی تھیں، چاند گاڑی چاند پر اتر رہی تھی مگر ہدایات زمین کے اس مرکز سے لے رہی تھی تاریں نہیں لگی ہوئی تھیں مگر ایک ربط تھا وہ ربط انسان نے پیدا کر لیا ہے۔ زمین پر بیٹھ کر چاند کی طرف پرواز کرنے والوں کو ہدایات دے رہا ہے۔ وہ ہدایات لے رہے ہیں۔ راستے میں سفر کے دوران غالباً اپالو گیارہ کا ربط ٹوٹ گیا، ہدایات منقطع ہو گئیں، وہ منزلِ مقصود تک نہ پہنچ سکا۔ گردشِ ایام کی نظر ہو گیا اور وہ سفر میں ہی تباہ و برباد ہو گیا اور اپالو بارہ جس کا ربط مرکز سے قائم رہا، وہ اپنی منزلِ مقصود پہنچا اور تحقیقات کے بعد پلٹ کر واپس بھی آ گیا۔ جس طرح اپالو کے سفر کے لئے امریکہ میں قائم کردہ مرکز چاند تک پرواز کرنے والوں کو اپنے کنٹرول میں رکھے ہوئے تھا اور جس کا ربط اس مرکز سے قائم رہا وہ منزل تک پہنچا جس کا

رابطہ ٹوٹ گیا وہ تباہ و برباد ہو گیا۔ بالکل اسی طرح رب کائنات نے کائناتِ انسانی کے اندر ہدایت، رشد، فلاح، نجات، کامیابی اور منزل تک پہنچنے کے لئے مرکز وجود مصطفیٰ کریم ﷺ کو بنا دیا جس کا رابطہ تاجدار کائنات ﷺ کے ساتھ رہے گا وہ کبھی تباہ نہیں ہو سکتا اور جس کا رابطہ کٹ جائے گا وہ تباہی سے کبھی نہیں بچ سکتا۔

مقناطیسی مرکز Magnetic Poles کی جب بات ہو چکی۔ اب اگلا سوال آتا ہے کہ مقناطیس بنتے کیسے ہیں؟ مقناطیس بنانے کے دو طریقے ہیں:

1. Electric Charge Method
2. Strock Method

پہلا طریقہ Electric Charge Method مستقل (Permanent) طریقہ ہے اس کے تحت جس وجود کو مقناطیس بنانا ہو اس خاص وجود میں سے برقی رو (Electric Current) گزار دیتے ہیں اور ایک خاص Process اور Period کے بعد وہ مستقل مقناطیس بن جاتا ہے، پھر اس کے اندر مقناطیسی قوت Magnetic Force آ جاتی ہے۔ اس کا ایک خاص مقناطیسی میدان پر Magnetic Field ہوتا ہے اور وہ مستقل مقناطیس کے طور پر کام (Operate) کرتا ہے۔ جو وجود اس محنت سے نہ گزر سکے جو Electric Charges اور Eletric Current کے اس Process سے نہ گزر سکے اس وجود میں بھی مقناطیسیت پیدا کرنے کا ایک طریقہ ہے جسے Strock Method کہتے ہیں۔

لوہے کا عام سا ٹکڑا لیں اسے مقناطیس کے ساتھ رگڑ لیں۔ اس ٹکڑے میں مقناطیس کے ساتھ مس ہونے سے بھی مقناطیسیت آ جاتی ہے۔ اب اس کو ہاتھ میں اٹھائیں اس کے ساتھ لوہے کے ٹکڑے لگائیں تو وہ لوہے کے ٹکڑے بھی اس کے ساتھ لٹک جائیں گے۔ پہلے لوہے میں کوئی کشش نہ تھی مگر مقناطیس کے ساتھ رابطہ اور مس ہو جانے سے اس کے اندر مقناطیسی قوت پیدا ہو گئی اور اس کے ساتھ دیگر لوہے کے ٹکڑے لٹک گئے پھر ان ٹکڑوں کے ساتھ آپ سوئیاں چپکا دیں وہ بھی چپکتی چلی جائیں گی۔ روحانیت میں اس کو اولیاء کا سلسلہ کہتے ہیں۔

روحانیت میں اولیاء کرام Electric Charges کے ذریعے روحانی مقناطیسیت پیدا کرتے ہیں۔ Electric Charges کے ذریعے سے وہ تزکیہ کے مرحلے سے گزرتے ہیں وہ مجاہدات نفس کرتے ہیں، ریاضت کرتے ہیں، طاعت کی بھٹی میں اپنے آپ کو تپاتے ہیں عبادت اور ریاضت کے مجاہدات میں اپنے آپ کو فنا کرتے ہیں اور مجاہدہ کے دروازہ سے گزر کر مقام مشاہدہ تک پہنچتے ہیں اور جب مشاہدہ ہوتا ہے تو پھر مرکز فیض ان پر کھل جاتا ہے۔ وہ پکے چارج ہو کر مستقل مقناطیس (Permanent Magnets) بن جاتے ہیں۔ ان مقناطیسوں کو چارج کرنے کے سب سے بڑے مقناطیس (Magnet) سے ملتا ہے اور اس بڑے مقناطیس کو چارج مقام قاب قوسین سے ملتا ہے اور پھر اسے ساری کائنات کے لئے ایک خاص جگہ کے لئے برقرار کر دیا گیا ہے۔ پوری دنیا کے سب سے بڑے مقناطیس (Magnet) سے مختلف چارجز اور (Strock Method) کے ذریعے کئی (Magnet) تیار ہوتے ہیں۔ ان میں سے کسی کو داتا گنج بخش بنا کر لاہور میں رکھا جاتا ہے، کسی کو غوث الاعظم بنا کر بغداد میں رکھا جاتا ہے، کسی کو خواجہ اجمیر بنا کر اجمیر میں رکھا جاتا ہے کسی کو مجدد الف ثانی بنا کر سرہند میں رکھا جاتا ہے، کسی کو حضرت غوث بہاؤالدین ذکریا بنا کر ملتان میں اور کسی کو شیخ سہروردی بنا کر رکھا جاتا ہے۔ مختلف جگہوں پر یہ مقناطیس (Magnet) رکھ دیئے جاتے ہیں اور ہر (Magnet) کا ایک دائرہ اثر (Magnet Field) متعین ہو جاتا ہے۔ ہر ایک کا دائرہ سلطنت مقرر ہو جاتا ہے۔ اس میں کوئی دخل اندازی نہیں کر سکتا۔ ان صوفیا اور اولیاء کا بھی ایک دائرہ سلطنت ہوتا ہے، جہاں ان کا ہی حکم چلتا ہے۔ آج مادی ذہن پوچھتا ہے کیسے؟ اسی طرح جیسے ایک مقناطیس کا ایک خاص دائرہ ہے، وہاں اس کا حکم چلتا ہے اس دائرے کے اندر جو ذرہ آئے گا اسی سے چپکے گا اور جو اس سے مس ہو جائے گا، اسی میں مقناطیسیت آ جائے گی، پھر وہ اگلا ذرہ کسی اور سے ملے گا اس میں بھی مقناطیسیت آ جائے گی سو اگر یہ ربط قائم رہے تو یہ اولیاء کے سلسلے قائم رہتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ جسم موصل ہو وہ فیض لے بھی سکے اور دے بھی سکے۔

کچھ اجسام غیر موصل ہوتے ہیں جیسے لکڑی ہے اس کا اگر ایک کنارہ آگ میں ڈال دیں، وہ جل جائے گا مگر اپنے ہی دوسرے کنارے تک آگ کی تپش اور حرارت کو منتقل نہیں کر سکتا کیونکہ اس میں ایصال کا Process نہیں۔ اس کے برعکس لوہا موصل ہے۔ لوہے کو اسی آگ میں رکھ دیں وہ جلے گا نہیں بلکہ تپش لے کر اگلے کنارے تک منتقل کرے گا پھر اس سے متصل سارے مرحلوں پر حرارت منتقل کرتا چلا جائے گا۔ آپ بھی اس روحانی سلسلہ کو سمجھنا چاہتے ہو تو غیر موصل نہ بنیں، موصل بنیں۔ آپ اپنی روحوں کا سرا ان مقناطیسوں سے مس کر لیں، فیض آپ میں بھی آ جائے گا اور جو منسلک ہوتے چلے جائیں گے، فیض ان کو بھی منتقل ہوتا چلا جائے گا۔ تب سرکار غوث پاک ﷺ کی طرح وہ صاحب ایصال کہے گا جو ہم سے متعلق ہو گیا وہ بھی ہماری برکات و فیوض سے محروم نہ ہو گا۔

اسی طرح جب اولیاء کرام مستقل (Permanent) چارج کے ذریعے اپنی روحانی مقناطیسیت کو Create کرتے ہیں تو وہ لوگ جو Strock Method کے ذریعے ان کے ساتھ مس ہوتے ہیں۔ ان کے سلسلہ میں آتے ہیں ان سے محبت اور اتباع کا تعلق استوار کرتے ہیں۔ ان کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ ان کے ساتھ ملحق ہو جاتے ہیں اور محبت اور قلبی لگاؤ کے ذریعے متصل ہو جاتے ہیں۔ ان میں بھی ان کا فیض منتقل ہو جاتا ہے اور فیض منتقل ہونے سے وہ روحانی مقناطیسیت ان میں بھی آ جاتی ہے۔ اسی تصور کو قران مجید نے یوں بیان فرمایا۔

والصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم باالغداۃ والعشیّ یریدون وجھہ ولا تعد عینک عنھم ترید زینۃالحیوٰۃ الدنیا ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرناواتّبع ھواہ و کان امرہ فرطا ۔ (الکھف:۲۸)

''اور (اے رسول ﷺ) آپ اپنے کو ان کے ساتھ روکے رہئے (انہی کے ساتھ صبر واستقامت کے ساتھ روکے رہئے) جو اپنے پروردگار کو صبح وشام (رات دن ہر وقت) یاد کرتے رہتے ہیں (اس کی ذات اس کی دید کے متمنی) آپ کا چہرہ تکتے ہیں۔ اللہ کی یاد میں لگے ہیں اور آپ بھی اپنی آنکھیں (نظر التفات) دنیاوی زندگی کے خیال سے ان سے نہ ہٹائیں اور آپ اس (شخص) کا کہنا نہ مانیں (جو یہ چاہتا ہے کہ آپ غریب مسلمانوں کو چھوڑ دیں یہ تو وہ شخص ہے) جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے (جو ربط قلبی سے محروم کر دیا گیا) اور جو اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے اسکا معاملہ حد سے بڑھ گیا''۔

وہ لوگ جو صبح وشام اللہ کے نام کو جپتے ہیں، اللہ کی یاد میں مستغرق رہتے ہیں، ذکر اور محبت میں فنا ہوتے ہیں، اپنی انا کو اور اپنے وجود کو ختم کیے ہوتے ہیں، اس کی رضا اور مکھڑے کے دیدار فرحت آثار کے طالب رہتے ہیں، جنہوں نے مقصود ومطلوب کے سارے بتوں کو توڑ کر جینے اور مرنے کا ایک ہی مقصد بنالیا ہوتا ہے۔ فرمایا'' اے بندے تو اپنی جان لگا اور بٹھا کر ان کی صحبت میں رکھا کر''۔ قران نے یہاں نہ نماز کی بات کی ہے اور نہ روزے کی۔ یہ فرائض اپنی جگہ مگر قران مجید یہاں انسان کو انسان سے متعلق ہونے کا سبق دے رہا ہے کہ جو صبح وشام اللہ کے ذکر میں فنا ہیں تو بھی ان کی صحبت میں فنا ہو جا، ان کے تعلق میں مٹ جا اور جم کر رہ۔ جب جم کر رہے گا تو پھر شراب عشق الٰہی کے پیالے بلکہ پورے میخانے جو ان کو عطا ہوتے ہیں، ان میں سے کوئی جام تمہیں بھی نصیب ہو جائے گا اور اگر جام نہیں تو اس جام شربت سے معرفت الٰہی کی خوشبو آ جائے گی۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

گرد مستاں گرد گر مے کم رسد بوئے رسد

بوئے او گر کم رسد رویت ایشاں بس است

''کہ مستوں کے گرد گھوما کر اس لئے کہ جب تو مستوں کے گرد گھومتا رہے گا تو جام شراب معرفت الٰہی کا کوئی گھونٹ تمہیں بھی نصیب ہو جائے گا۔ آگے فرماتے ہیں کوئی بات نہیں اگر شراب کا گھونٹ نہ ملا تو شراب معرفت الٰہی اور شراب عشق کی خوشبو تو مل ہی جائے گی''۔ فرماتے ہیں بوئے او گر کم رسد رویت ایشاں بس است۔ ممکن ہے تجھے زکام ہو، بوئے عشق ہو مگر تجھے پتہ نہ چلے تو پھر بھی خود کو محروم نہ سمجھ اس لئے کہ کم سے کم تو ان کو دیکھ لے گا۔ ان عاشقانِ الٰہی کا چہرہ تک دیکھ لینا بھی غنیمت ہے کیونکہ جو ان کی صحبت میں آتے ہیں وہ کچھ نہ کچھ پا کے جاتے ہیں، محروم نہیں لوٹتے۔ اسی لئے قرانِ مجید نے فرمایا اور اپنی نگاہیں ان کے چہروں سے نہ ہٹا۔ اگر تیری نگاہیں ان کے چہروں سے ہٹ گئیں تو دنیا کی زیب وزینت میں پھنس جائے گا۔ اے بندے! دنیا کا طلبگار نہ بن، آخرت کا بن اور اے عاشق! تو آخرت کا طلبگار نہ بن آخرت والے مولا کا طلبگار بن اور جن کے دلوں کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے، ان کی پیروی نہ کر۔ جن کے دل اللہ کی یاد میں زندہ ہیں ان کے پیچھے چلا کر۔ قرانِ مجید جا بجا بندوں کو بندوں کے پیچھے چلنے اور بندوں کو بندوں سے متعلق ہونے اور بندوں کو بندوں کی صحبت میں جا بیٹھنے اور ان بندوں کو بندوں کے مکھڑے تکنے کی بات کر رہا ہے اس لئے کہ یہ Strock Method ہے، اس سے فیض منتقل ہوتا ہے۔ میں نے ذکر کیا Super Electromagnetic کا اس وقت آج کی سائنس نئی مشینری اور آلات کے ذریعے چل رہے ہیں Electro Magnetic میں کوائلز (تاریں) ہوتی ہیں جن کے اندر بجلی کے چارج کے خلاف مزاحمت (Electrical Resistance) ہوتی ہے اس کو ختم کرنے کے لئے محنت کی جاتی ہے جبکہ صوفیاء کرام اطاعت الٰہی کے خلاف جو مزاحمت ہوتی ہے، اسے ختم کرنے کے لئے محنت کرتے ہیں جسے روحانیت کے میدان میں تزکیہ کہا جاتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا۔

قد افلح من تزکّی وذکر اسم ربہ فصلّٰی (الاعلیٰ ۱۴،۱۵)

''بلاشبہ وہی بامراد ہوا جس نے اپنے آپ کو پاک کر لیا (شریعت کا پابند بنالیا، تصور صالح میں آ گیا) اور اپنے ربّ کا نام لے کر نماز پڑھی''۔

صوفیاء کرام نفس کی کثافتوں کو دور کرتے ہیں، روزے رکھتے ہیں اور عبادتیں کرتے ہیں، شب کو سجدہ ریزیاں کرتے ہیں اور ریاضت

کرتے ہیں اور نفس کی کثافتوں کو، رذائل کو، کدورت کو ختم کر کے اپنے آپ کو مزکی و مصفی کرتے ہیں تا کہ اطاعت الٰہی کا نور اور معرفت الٰہی کا نور ان کے اندر جاگزیں ہو سکے۔

اس طرح سائنس دان کسی چیز کو اتنا ٹھنڈا کرتے ہیں کہ اس ٹمپریچر Reduce ہو کر 269 ڈگری نیچے چلا جاتا ہے جب ٹمپریچر اتنا نیچے چلا جاتا ہے تو وہ برقی کرنٹ (Electric Charge) زیادہ سے زیادہ اپنے اندر سما سکتا ہے۔ اسی طرح صوفیاء تزکیہ، مجاہدہ اور عبادت و ریاضت کے ذریعے پہلے نفس کی کثافتیں دور کرتے ہیں، جب کثافتیں دور ہو جاتی ہیں جب تزکیہ ہو جاتا ہے تو پھر وہ تصفیہ کرتے ہیں۔ تزکیہ کے بعد تصفیہ کر کے اپنے اندر سے غیض و غضب، تکبر و تکلف، حسد و عناد اور بغض و کینہ کو نکال دیتے ہیں۔ وہ ساری جو اس فیض کے لینے میں رکاوٹ ہیں، انہیں اتنا ٹھنڈا کرتے ہیں کہ وہ بے نفس ہو جاتے ہیں پھر کرنٹ لینے کے قابل ہوتے ہیں اس کو ہوائے نفس کی نہی کہا جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس واللہ یحب المحسنین (آل عمران ۱۳۴)

''اور وہ غصے کو پی جاتے ہیں اور لوگوں کی خطاؤں کو معاف کرتے ہیں (اور ان تینوں باتوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ محسن بن جاتے ہیں) اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے''۔

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

واما من خاف مقام ربہ و نھی النفس عن الھوی فان الجنۃ ھی المأوی (النازعات ۴۱،۴۰)

''اور جو کوئی (قیامت کے دن) اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور اپنے نفس کو (بری) خواہش سے روکا ہوگا (اللہ کے حقوق ادا کرنے میں نفس پر قابو پایا ہوگا اپنے نفس پر دوسروں کو ترجیح دی ہوگی اور معاشرے کے فرائض ادا کیے ہوں گے) تو یقیناً جنت ہی اس کا ٹھکانا ہوگا (اور وہ کیا خوب ٹھکانا ہے)''۔

نفس جب حرص و ہوا سے خالی ہو گیا تو پھر فیضان الٰہی لینے کے قابل ہو گیا۔ وہ جب Super Electromagnetic بنتے ہیں تو پھر ان سے سائنسی کائنات میں کرامات صادر ہونے لگ جاتی ہیں۔ اسی طرح صوفیاء کرام اور اولیاء عظام کا نفس رذائل اور کدورت سے پاک ہوتا ہے اور ٹھنڈا ہو کر، مزاحمتوں سے پاک ہو کر فیضان الوہیت اور فیضان رسالت کو اپنے اندر جذب کرتا ہے۔ جب فیضان الوہیت اور فیضان مصطفویت کا جذبہ ہوتا ہے تو ان کے نفوس اس طرح چارج ہوتے ہیں کہ پھر وہ اولیاء اللہ جدھر نگاہ اٹھاتے ہیں، اس مادی اور روحانی کائنات میں ان کے وجود سے کرامات کا ظہور شروع ہو جاتا ہے۔

عام طور پر ایکسرے مشین میں استعمال ہونے والے Conduction Magnetic جب تیار ہوتے ہیں ان کے اندر ایک Process ہوتا ہے جسے NMR سکینر کہتے ہیں جب ایکسرے مشین کے سامنے مریض کو لٹاتے ہیں تو جسم کا پردہ قائم رہتا ہے مگر جب NMR کا عمل آتا ہے تو جسم کا پردہ حائل نہیں رہتا بلکہ جسم کے اندر لگی ہوئی چوٹ کے ہر نشان اور زخم کے داغ کی تصویر واضح طور پر ایکسرے میں آجاتی ہے اور اس عمل سے وہ ساری چیزیں جو پہلے ننگی آنکھ کے لئے غیب تھیں سکینر کے لئے آشکار ہو جاتی ہیں۔

وہ لوگ جن کی آنکھوں کے سامنے ابھی پردے ہیں، جنہوں نے ابھی تزکیہ اور تصفیہ کی راہ نہیں دیکھی، وہ یہی کہتے رہیں گے کہ دکھائی تو کچھ نہیں دیتا اس کے برعکس جن کے عمل جاری ہو جاتے ہیں، ان کے سامنے بصورت کشف پردے اٹھا دیئے جاتے ہیں۔ وہ یہاں بیٹھ کر توجہ کرتے ہیں تو ہزار ہا میل پر پڑی ہوئی چیزیں جو عام انسان کے لئے غائب تھیں، کشف کے ذریعے ان پر آشکار ہو جاتی ہیں۔

مذکورہ بالا Magnetic Process سے حرارت (Heat) پیدا ہوتی ہے، پھر اس حرارت سے بجلی کی روشنی بھی بنتی ہے اس روشنی کے بعد یہ Process میکینیکل انرجی میں منتقل ہوتا ہے جب میکینیکل انرجی آتی ہے تو مردے کی مانند ساکن جسم حرکت (Move) کرنے لگ جاتے ہیں۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ بازار سے ایک کھلونا لے کر اس میں بیٹری ڈال دیں، بیٹری جب چارج ہوتی ہے تو پلاسٹک کا کھلونا جو مردے کی مانند تھا جس کے چلنے کا کوئی سوال ہی نہ تھا، چلنے لگ جاتا ہے اور تن مردہ جس کے اندر چلنے کے لئے اعضاء ہی پیدا نہیں کیے گئے تھے، اس چارج کے عمل کے ذریعے اس میں جان ڈال دی گئی اور وہ تن زندہ بن گیا۔ جس طرح مادی کائنات میں انرجی کا نظام تن مردہ تن زندہ بناتا ہے اس طرح جب اولیاء کرام کی روحانیت اپنے عمل میں آتی ہے تو وہ دل مردہ جن پر ولی کی نظر پڑ جاتی ہے وہ دل زندہ ہو جاتا ہے اور وہ لوگ جو مردہ ہو کر صحبت اولیاء میں آتے ہیں تو ان کی صحبت سے مردہ جسم زندہ ہوتے ہیں، مردہ روحیں زندہ ہوتی ہیں، مردہ دل زندہ ہوتے ہیں اور غافل دل ذاکر ہوتے ہیں۔ بقول علامہ اقبال۔

دل مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے امتوں کے مرضِ کہن کا چارہ

جس کی تصدیق قرآن مجید بھی کرتے ہیں جیسے سیّدنا خضر علیہ السلام کی ملاقات کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یوشع علیہ السلام نے انہوں نے مچھلی کاٹ کے تل لی (مردہ ہوگئی) اور ناشتے کے طور پر تیار کر کے ساتھ لے چلے۔ راستے میں ایک مقام پر پہنچے جو مرج البحرین تھا، ایک تالاب تھا جہاں خضر علیہ السلام رہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو پتہ نہیں بتایا گیا تھا صرف نشانی بتائی گئی تھی' وہاں کچھ دیر رک کے، آگے گئے، بھوک لگی۔ فرمایا توشع! "وہ جو تلی ہوئی مچھلی کے ٹکڑے ساتھ لے کر چلے تھے، پیش کر دتا کہ کھانا کھالیں"۔ اس وقت انہیں یاد آیا کہا "حضرت وہ جس تالاب پر ہم رکے تھے جہاں وضو کر رہے تھے وہاں مردہ مچھلی زندہ ہو کر بھاگ گئی تھی"۔

واتخذوا سبیله فی البحر عجبا (الکھف: ۶۱)

"اور اس نے تو عجیب طرح سے دریا میں اپنا راستہ بنالیا"۔

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

ذالک ما کنا نبغ فارتد علی اثارھما قصصا (ایضاً: ۶۴)

"یہی (وہ مقام) ہے جس کی ہم تلاش میں تھے پھر اپنے پیروں کے نشان دیکھتے الٹے پھرے"۔

یہ علامت ولی کی بتائی جارہی ہے کہ وہ اپنے قدموں کے نقش دیکھتے دیکھتے پلٹے اس جگہ پہنچے جہاں پانی اور ہوا کی تاثیر یہ تھی کہ مردہ مچھلی زندہ ہوگئی جب اس مقام پر پہنچے تو قرآن کہتا ہے:

فوجدا عبدا من عبادنا و اتینه رحمة من عندنا و علمنه من لدنا علما (ایضاً: ۶۵)

"تو انہوں نے ہمارے (مقبول) بندوں میں سے بندہ کو پایا جس کو ہم نے اپنی رحمتِ خاص عطا کی تھی (یعنی نعمت ولایت دی تھی) اور اپنے پاس سے ان کو ایک علم (لدنی) بھی تعلیم کیا تھا (یہ علم اسرار کونیہ کے متعلق تھا)"۔

قرآن مجید نے تو اس سائنسی حوالے سے بات نہیں کی کہ جب چارج ہوتا ہے تو موت زندگی میں بدلنے لگتی ہے مگر اللہ کا ولی جس جگہ قیام کرتا ہے وہاں کی ہوائیں، فضائیں اس کی سانس کی برکت سے اور اس کے وجود کے اثر سے حیات بخش ہو جاتی ہیں۔ ایک ولی کا وجود زندگی دیتا ہے لیکن بعض ایسے ولی ہیں جو ایک حیات بخش نہیں بلکہ گنج بخش ہو جاتے ہیں۔ یہاں کوئی آتا ہے دلوں کو زندگی ملتی ہے، نابیناؤں کو نظر ملتی ہے، مردوں کو زندگی ملتی ہے، وردی والوں کو قربت ملتی ہے، جاہلوں کو علم ملتا ہے، فاسقوں کو نیکی ملتی ہے، کافروں کو ایمان کا نور ملتا ہے اور خدا کے طلبگاروں کو خدا ملتا ہے۔ وہاں ہر خزانہ پایا جاتا ہے۔ حیات اور گنج بخش اولیاء کا ایک مقام ہے۔ بڑے بڑے اولیاء اپنے ہاں ایک ایک خزانہ رکھتے ہیں، کوئی دو (2) رکھتا ہے کوئی تین۔ مگر حضور داتا گنج بخش کو اللہ رب العزت نے بہت سے خزانے دیئے۔ اس لئے خواجہ اجمیر نے ان کو گنج بخش کہا' اور جگہوں پر عام سائل جاتے ہیں اور اس جگہ پر وہ آتے ہیں جن کو بنا ہوتا ہے، ان کے ہاں وہ آتے ہیں جنہوں نے آگے بنانا ہوتا ہے۔ اللہ رب العزت کی ذات ہمیں آپ کی ذات اقدس اور آپ کے روحانی مرکز کے ساتھ قلبی اور روحانی رشتہ استوار کرنے اور اس سلسلہ فیض سے خیرات حاصل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

آمین بجاہ سیّد المرسلین

☆☆☆

حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ

صوفی غلام مصطفےٰ تبسم نامور شاعر، اہل قلم اور عظیم استاد تھے۔ گورنمنٹ کالج میں اردو اور فارسی پڑھاتے رہے۔ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کا شعری مجموعہ کلیات تبسم کے نام سے چھپ چکا ہے۔ لوگ ان کا بے حد احترام کرتے۔ حکیم الامت علامہ اقبال کے مداح تھے اور ان کے قریب بھی رہے۔ علامہ اقبال کی یادوں پر مبنی کتاب بھی چھپ چکی ہے۔

(مرتب سعید بدر)

صوفی غلام مصطفیٰ تبسم

مسلمان حملہ آوروں کے ہندوستان وارد ہونے سے اس سرزمین میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا۔ یہ لوگ آنے اور اپنے ساتھ نئی معاشرت، نیا پیام حیات اور نئی تہذیب وتمدن کے اثرات لے کر آئے۔ ان کے باہمی میل جول سے اس دیس میں رہنے والوں کی زندگی میں کئی اہم تبدیلیاں ہوئیں۔ ان کی زبان کے تیور بدلے، خیالات کا رنگ بدلا، رسم ورواج کے انداز اور سے اور ہو گئے۔ تہذیب نئے قالب میں ڈھلنے لگی اور اس طرح باہمی آمیزش اور معاشرتی لین دین سے دو اجنبی قومیں ایک مشترکہ تمدن کی فضا میں سانس لینے لگیں اور ان کے دل ایک دوسرے سے قریب تر ہو گئے۔

اس باہمی رشتہ محبت کو پیدا کرنے میں سب سے نمایاں حصہ ان بزرگان دین کا تھا جنہیں ہم اولیاء اللہ کے نام سے پکارتے ہیں۔ کون ہے جسے ان بزرگوں سے محبت اور عقیدت نہیں لیکن افسوس ہے کہ اس عقیدت کے باوجود ہمیں اس بزرگوں کے حالات زندگی سے اتنی واقفیت نہیں جتنی ہونی چاہئے۔ بالعموم دیکھا جاتا ہے کہ وہ لوگ بھی جن کے خاندان صدیوں سے ان بزرگوں کے مزاروں کے قرب وجوار میں رہتے چلے آئے ہیں اور ہر روز صبح وشام ان کے آستان پر اپنی نیاز مندیوں کے پھول چڑھاتے ہیں، ان کے صحیح حالات زندگی سے واقف نہیں ہوتے۔

ان بزرگوں لوگوں کی زندگی قدرت کا ایک بڑا شاہکار ہوا کرتی ہے اور بنی نوع انسان کے لئے مشعل ہدایت کا کام دیتی ہے۔ ہم لوگ جہاں ان کے درخشاں روحانی کارناموں سے فیض یاب ہونے کی تمنا کرتے ہیں، ہمارے لئے یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ یہ نور کے سرچشمے کہاں سے پھوٹے؟ اور ان کا روحانی فیض کیونکر جاری ہوا؟

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا پورا نام ابوالحسن علی بن عثمان الجلابی الہجویری تھا۔ آپ غزنی کے رہنے والے تھے۔ گیارہویں صدی عیسوی کے شروع میں پیدا ہوئے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب غزنی میں سلطان محمود کی حکومت تھی اور یہ شہر پایہ تخت ہونے کے علاوہ علم وفضل کا بہت بڑا مرکز تھا۔ سینکڑوں شعراء، علماء، فضلاء شاہی دربار سے وابستہ تھے اور ان کے علاوہ شہر میں کئی ایک ایسی بزرگ ہستیاں بھی تھیں جن کے آستانہ پر حاضر ہونا خود بادشاہ اپنے لئے باعث فخر سمجھتا تھا۔ انہیں میں شیخ ابوالحسن خراسانی بھی تھے جن کے متعلق مشہور ہے کہ محمود نے ان کی خدمت میں پہنچ کر "عاقبت محمود باد" کی دعا لی تھی۔

غرض یہ وہ علمی روحانی فضا تھی جس میں حضرت موصوف نے جنم لیا۔ ان دنوں غزنی بہت آباد ہو گیا تھا اور اس کے بعض محلے پھیل کر بستیوں کی صورت اختیار کر چکے تھے۔ انہی میں سے دو محلے ہجویر اور جلاب تھے، چونکہ آپ نے دونوں محلوں میں رہ کر پرورش پائی تھی۔ اس لئے اس نسبت سے آپ کو ہجویری اور جلابی کہا جاتا ہے لیکن ہجویری کا لفظ زیادہ مشہور ہے۔

آپ کا سلسلہ نسب نو واسطوں سے حضرت علیؓ تک پہنچتا ہے اور چونکہ آپ براہ راست حضرت امام حسینؓ کی اولاد سے ہیں اس لئے آپ کو حسنی سید کہہ کر پکارا جاتا ہے۔

روحانی سلسلے میں آپ کا تعلق فرقہ جنیدیہ سے ہے۔ اس فرقہ کی ابتداء حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ سے ہوتی ہے جن کا نام کسی مزید تعارف کا محتاج نہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ قدیم زمانہ میں بعض جلیل القدر ہستیوں کو سیر وسیاحت کا بہت شوق ہوا کرتا تھا۔ اس سیر وسیاحت کا مقصد محض سیر وتفریح نہیں بلکہ اکثر حالات میں علم، تجربہ اور روحانی فیض حاصل کرنا ہوتا تھا چنانچہ جہاں کہیں کسی صاحب علم وفضل کا نام سنتے میں آتا علم وفضل کے دلدادہ کشاں کشاں وہاں پہنچتے اور فیض حاصل کرتے۔

حضرت موصوف کی زندگی کا بیشتر حصہ اسی سیر وسیاحت میں بسر ہوا۔ وہ حصول علم کی خاطر جگہ جگہ گھومتے رہے۔ کبھی خراسان میں جاتے، ورماوراء النہر کا سفر کرتے۔ کبھی فرغانہ میں ہوتے اور کبھی آذربائی جان میں۔ ظاہر ہے کہ اس دوران میں انہوں نے کئی ایک بزرگوار ہستیوں سے استفادہ کیا ہوگا، جیسا کہ وہ اپنی تصانیف میں بہت سے بزرگ کا نام لیتے ہیں لیکن جہاں تک دنیاوی علوم کا تعلق ہے، وہ نام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ایک ابوالقاسم گرگانی کا اور دوسرے خواجہ مظفر کا جو اس زمانہ کے بہت بلند پایہ عالم تھے۔

روحانیت میں وہ ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی کے مرید تھے۔ ابوالفضل خود بہت بڑے بزرگ ہیں۔ انہی کے فیض وصحبت سے حضرت موصوف نے روحانیت کے بعض مدارج طے کئے اور جب مرشد نے دیکھا کہ میرا مرید علمی اور روحانی تکمیل کر چکا ہے تو اسے ہندوستان جانے کا حکم دیا۔

جس طرح دنیاوی حاکم مفتوحہ علاقوں میں اپنا کوئی نہ کوئی نائب مقرر کر دیتے ہیں۔ اسی طرح اقلیم روحانی کی تسخیر کرنے والے بھی اپنی

سلطنت کے مختلف گوشوں میں اپنے نمائندے بھیجا کرتے تھے جن کا کام لوگوں کی خاموش رہنمائی ہوا کرتا تھا۔ جب آپ کو اپنے مرشد کی طرف سے لاہور آنے کا ارشاد ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اس وقت میرے پیر بھائی حسین زنجانی وہاں موجود ہیں۔ میرے جانے کی کیا ضرورت ہے؟ حکم ہوا کہ لیت ولعل کی ضرورت نہیں۔ فوراً پہنچو، چنانچہ آپ روانہ ہو گئے۔ آپ کے ہمراہ آپ کے دو رفیق شیخ احمد سرخسی اور شیخ ابوالحسن ہجویری تھے۔

یہ مختصر سا قافلہ سفر کی منزلیں طے کرتا اور علم و معرفت کا نور برساتا لاہور پہنچا۔ شہر میں داخل ہوئے تو دیکھا ایک جنازہ چلا آ رہا ہے۔ پوچھا یہ کس کا جنازہ ہے؟ جواب ملا، حضرت حسین زنجانی کا۔ اس وقت آپ کو اپنے مرشد کا ارشاد یاد آیا۔ دم بخود ہو کر رہ گئے۔

یہ واقعہ محمود غزنوی کی وفات 1030ء کے تقریباً دس سال کے بعد کا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ سلطان مسعود کی حکومت دم توڑ رہی تھی اور غزنی اور لاہور میں سیاسی ابتری پھیلی ہوئی تھی اور لوگ بدامنی سے خائف ہو رہے تھے۔ اس وقت حضرت علی ہجویری کی لاہور میں تشریف آوری لوگوں کے لئے سکون قلب اور اطمینان خاطر کا باعث ہوئی۔

آپ نے آتے ہی اس مقام پر جہاں آج ان کا مزار واقع ہے، ایک مسجد تعمیر کی اور اس میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا لیکن اس علمی فیض سے بڑھ کر ان کی شخصیت کا اخلاقی اور روحانی اثر کارفرما تھا۔ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے جو شخص لاہور میں ان کے حلقہ بگوشوں میں شامل ہوا، وہ پنجاب کا نائب حاکم رائے راجو تھا جو بعد میں شیخ ہندی کے نام سے مشہور ہوا۔ مزار کے موجودہ خدمت گذار اور مجاور اسی شیخ ہندی کی اولاد سے ہیں۔

اس علمی اور روحانی فیض کا سلسلہ یہاں تک بڑھا کہ لوگ انہیں گنج بخش کے نام سے یاد کرنے لگے۔ اس لقب سے جو شخص ان کی صحبت میں آتا علم و عرفان کی دولت سے مالا مال ہو جاتا تھا۔

چونتیس برس تک خلق خدا کو فیض یاب کرنے کے بعد 1073ء میں کم و بیش ستر برس کی عمر میں وفات پائی۔ اپنی مسجد اور درس گاہ کے قریب دفن ہوئے۔ اس وقت سے آج تک ان کا مزار زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ ان کے آستانہ پر حاضر ہونے والوں میں جہاں دنیا کے زبردست تاجدار تھے، وہاں دوسری طرف بڑے بڑے فقراء اور جلیل القدر بزرگ بھی تھے۔ سلطان ابراہیم غزنوی سے لے کر اکبر، جہانگیر، شاہ جہان، داراشکوہ اور مہاراجہ رنجیت سنگھ سب کے سب یہاں آتے رہے اور نذر عقیدت پیش کرتے رہے، بزرگان دین میں سے حضرت خواجہ معین الدین اجمیری علیہ الرحمۃ، حضرت بابا فرید الدین گنج شکر علیہ الرحمۃ اور حضرت لال حسین علیہ الرحمۃ لاہوری خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ خواجہ موصوف عرصہ تک یہاں مقیم رہے اور چلہ بھی کیا اور پھر جب پوری طرح فرض یاب ہو کر رخصت ہونے لگے تو روضہ کی طرف رخ کر کے یہ شعر پڑھا۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

یہ شعر لاہور میں ہر شخص کی زبان پر ہے اور ان کے مزار کے صدر دروازے پر کندہ ہے۔

حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ کی بہت سی تصانیف ہیں:

سید ہجویر کا مزار بڑا خوبصورت ہے اور اس کے اوپر ایک گنبد ہے۔ مزار کا چبوترا سنگ مرمر کا ہے اور اس کے گرد نقرئی کٹہرا ہے، بلور کا ایک جھاڑ قبر کے تعویذ پر آویزاں ہے۔ ملحقہ دالانوں میں سے ایک دالان میں قرآن شریف رکھے ہوئے ہیں جو تلاوت کے کام آتے ہیں۔

یہ دالان کنور نونہال سنگھ کے مصاحب بھائی ہیرا سنگھ نے بنوایا تھا اور بعد میں رانی جنداں والدہ مہاراجہ دلیپ سنگھ نے اسے اور بھی کشادہ کر دیا۔ ان قرآنوں میں بعض بہت پرانے لکھے ہوئے ہیں جو مختلف بادشاہ حاکم اور امیر بطور تبرک بھیجتے رہے۔ انہی میں دو قرآن محمد ابراہیم غزنوی اور سلطان شمس الدین التمش کے ہاتھ کے لکھے ہوئے بھی ہیں۔

کبھی اس مزار کا احاطہ بہت وسیع تھا اور اس میں بے شمار قبریں اور عالی شان عمارتیں تھیں۔ رفتہ رفتہ کچھ زمانے کے انقلاب اور کچھ نااہل مجاوروں کی غفلت سے یہ احاطہ سمٹ سمٹا کر اب مختصر چار دیواری میں محصور ہو گیا ہے۔ یہاں سال بھر میں ایک مرتبہ بہت بھاری عرس ہوتا ہے جس میں ہزاروں لوگ شریک ہوتے ہیں۔ عرس کے لئے 19، 20 صفر کی تاریخیں مقرر ہیں۔

دنیا کی ہر چیز آنی و فانی ہے۔ بڑے بڑے نقش ابھرتے ہیں اور محو ہو جاتے ہیں۔ عالی شان قصر تعمیر ہوتے ہیں اور زمانہ کی گردش انہیں مٹا دیتی ہے۔ اس مزار کی موجودہ صورت وہ نہیں جو پہلے تھی اور نہ وہ رہے گی جواب ہے لیکن اس سنورتے بگڑتے ماحول میں ایک روح ابدی

زندگی کی فضا میں سانس لے رہی ہے جس کی یاد انسانی دلوں کو ہمیشہ شگفتہ اور تر و تازہ رکھے گی۔ ص

اب مزار اقدس کے آمنے سامنے کافی تبدیلیاں آچکی ہیں، مسجد از سر نو تعمیر ہوئی ہے، زیر زمین سماع ہال اور اجتماع ہال تعمیر ہوئے ہیں۔ یہ عمارت اب جدید و قدیم کا حسین امتزاج ہے۔ (مرتب سعید بدر)

☆☆☆

محکمہ اوقاف و مذہبی امور کے آفیسر اعلیٰ

ڈاکٹر سید طاہر رضا بخاری

سے ایک ملاقات

قدوۃ السالکین، رئیس المتصوفین، مخدوم اُمم، پاسبان عزت اُم الکتاب، فضیلت مآب، عظیم الدرجات، سید ہجویر جناب حضرت علی بن عثمان المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ہمارے تصورات و خیالات سے بھی کہیں بلند و بالا ہے۔ ہمارے جیسے عامی اور ادنیٰ لوگ ان کے رفیع الشان مرتبہ و مقام کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ جس طرح ان کی شخصیت کی رفعت و بلندی کا اندازہ کرنا، جائزہ لینا مشکل تر ہے، اسی طرح ان کی علمی، ادبی، دینی، مذہبی اور قومی و ملی اور بالخصوص روحانی خدمات کا جائزہ لینا بھی مشکل ترین ہے۔ ان کو بلند پایہ صوفیاء، عالی مرتبت علماء، فضلاء اور عظیم الشان بزرگان دین نے بے پناہ اور بے حد و حساب خراج عقیدت پیش کیا ہے جن میں سید معین الدین چشتی، مولانا نور الدین، عبدالرحمٰن جامی، سلطان شہاب الدین محمد شاہ جہاں کے فرزند اکبر دارا شکوہ قادری اور میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہم اجمعین جیسی بلند و بالا ہستیاں شامل تھیں۔

دس بارہ سال پہلے محترم المقام عزت مآب، ہم محتشم و محترم علامہ سید ریاض حسین شاہ اشاہ نے گفتگو نے خیال ظاہر کیا کہ سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کی حیات و خدمات اور احوال و آثار پر ماہنامہ "دلیل راہ" کا خصوصی ایڈیشن شائع کیا جائے۔ راقم نے تیاری شروع کی۔ کافی سے زیادہ مواد کمپوزرائزڈ بھی کرا لیا گیا لیکن عین وقت پر ایک مقامی ڈائجسٹ نے خصوصی نمبر چھاپ دیا۔ بدقسمتی سے یہ ایڈیشن معیاری بھی نہ تھا۔ اس پر قبلہ شاہ جی نے "سید علی ہجویر ایڈیشن" کی طباعت و اشاعت ملتوی کروا دی۔ اب نئے سرے سے سعی و کوشش بروئے کار لائی گئی اور نیا مواد تیار کیا گیا۔ اہل قلم حضرات سے نئی تحریرات حاصل کی گئیں اور اسے بالکل نئی شکل و صورت دی گئی، نئے انداز سے آراستہ و پیراستہ کیا گیا۔ تیاری کا مرحلہ جاری تھا کہ قبلہ شاہ جی اور مدار المہام عزیزم بہاؤ الدین حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے جس کی وجہ سے کام کی رفتار میں سست روی اور کمی آ گئی۔ عین آخری وقت پر احساس ہوا کہ اس خصوصی ایڈیشن میں ایسا انٹرویو موجود نہیں جس کے متن اور نفس مضمون کا تعلق خاص طور پر حضرت داتا صاحب اور ان کے دربار شریف سے متعلق ہو۔ اس کے لئے محکمہ اوقاف، مذہبی امور کے سینئر آفیسر ڈاکٹر سید محمد طاہر رضا بخاری کا نام نامی اور اسم گرامی سامنے آیا جن کی خدمات جلیلہ کا ہر جگہ، ہر محفل اور ہر تقریب میں اعتراف کیا جا رہا ہے۔ انہوں نے اپنے محکمہ کے افسران بالا کے تعاون سے بلاشبہ بعض نئے ادارے قائم کئے ہیں اور بعض پرانے اداروں کو حیات نو بخشی بالکل جدید اور محققانہ انداز میں کام کر دکھایا ہے جس کی ہر کسی نے داد دی ہے اور اسے بے حد سراہا ہے۔

اسی طرح نوآگندہ اہم کہ جدت پسند افتادہ اہم

انہوں نے "جامعہ ہجویریہ" کے لئے داتا دربار کمپلیکس میں جگہ حاصل کی اور محکمہ کے سابق سیکرٹری سید شفیق حسین بخاری کے تعاون سے مرکز معارف الاولیاء کی از سر نو تشکیل کی اور ان ہر دو اداروں کو آستانہ عالی کے زیر سایہ چھت فراہم کی۔ یہ ان کی امر ہے کہ نئی عمارت کی تعمیر کے بعد ان اداروں کو یہاں جگہ ہی نہ دی گئی تھی۔ اس وقت چار ادارے خوش اسلوبی سے کام کر رہے ہیں جن میں جامعہ ہجویریہ، مجلہ سیکشن، شعبہ تحقیق اور لائبریری شامل ہیں۔ معارف اولیاء کے اب تک 25 شمارے چھپ گئے ہیں جن میں 236 کے قریب تحقیقی مقالات اور علمی مضامین کی اشاعت کا اہتمام عمل میں آ چکا ہے۔ ان میں سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ سمیت، دیگر بزرگان دین کے بارے میں خصوصی شمارے بھی شامل ہیں۔ درحقیقت یہ کام ہر اعتبار سے تعریف و تحسین کا مستحق ہے۔

محکمہ اوقاف وقف پراپرٹی آرڈیننس کے تحت یکم جنوری 1960ء کو معرض وجود میں آیا جس کا مقصد اسلامک وقف املاک کی بہترین دیکھ بھال اور ان سے حاصل شدہ آمدنی کو تبلیغ دین کے کاموں میں صرف کرنا تھا۔ اس وقت محکمہ اوقاف کے تحت 400 مزارات ہیں۔ مزید برآں 415 مساجد اور 75 دینی مدارس بھی قائم ہیں، لیکن آمدنی صرف ستر کروڑ روپے سالانہ ہے جس سے سٹاف کی تنخواہیں اور مزارات کے دیگر اخراجات بمشکل پورے کئے جاتے ہیں۔ محکمہ مالی اعتبار سے آزاد و خود مختار ہے۔ وہ نہ حکومت سے مالی امداد لیتا ہے اور نہ کسی کو کچھ دیتا ہے گویا مالی امور میں کم و بیش خود کفیل ہے۔ یہ اس محکمہ کی یہ انفرادی خصوصیت ہے لیکن سید ہجویر یونیورسٹی کے قیام اور دیگر وہ منصوبے جن کا وقتاً فوقتاً سابق وزرائے اعظم اور دیگر ارباب بست و کشاد اعلان کر چکے ہیں، جیسے نئے منصوبے شروع کرنا ہوں تو ان کے لئے حکومت یا مخیر حضرات کی امداد کی لازماً ضرورت پیش آئے گی۔ یہ منصوبے نہایت مفید قابل قدر

ہیں جن کی تکمیل ضروری و لازمی ہے ورنہ محکمہ کی افادیت اور جواز کمزور پڑ جائے گا۔

ہماری ناچیز رائے میں محکمہ کے قیام کے وہ مقاصد پورے نہیں ہو سکے جن کے لئے ادارہ قائم کیا گیا۔ کسی ادارہ کے قیام کا مقصد محض انتظام و انصرام ہی نہیں ہوتا بلکہ مستقبل کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے نئے منصوبوں کی تشکیل و تکمیل اور ان کا قیام اور ان کا بہتر انداز میں چلانا ہوتا ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ اب تک اعلیٰ پائے کے متعدد تعلیمی و تحقیقی ادارے اور جدید ترین یونیورسٹیاں قائم ہو چکی ہوتیں جن میں ایسے مدرسین، محققین اور بلند پایہ علماء و فضلاء تیار کئے جاتے جو مغربی مستشرقین اور معترضین کے ان اعتراضات کا مدلل اور شافی و کافی جواب دیتے جو انہوں نے قرآن عظیم اور رسالت مآب ﷺ کی ذات و برکات اور اسلام جیسے دین حق کے بارے میں نہ صرف اب تک کئے ہیں بلکہ مسلسل کئے جا رہے ہیں۔ دور حاضر کا تقاضہ ہے کہ جدید فکر کے مسلمان علمائے کرام ایک ہاتھ میں دینی علوم کا عصائے موسوی تھام کر میدان عمل میں اتریں اور دوسرے ہاتھ میں جدید ترین تحقیق و تفتیش اور ریسرچ کا پرچم اٹھا کر اہل مغرب کو للکاریں کہ ہم دلائل و براہین کے ساتھ بات کرنے، مکالمہ کرنے اور ڈائیلاگ کرنے کے لئے مستعد و تیار ہیں۔ آئیے! آپ کو بتائیں کہ اسلام کیا ہے؟ یہ وہی اسلام ہے کہ سپین میں قائم جس کے اداروں سے آپ نے علوم و فنون سیکھے اور آج "پھنے خاں اور طرم خاں" بنے بیٹھے ہیں۔

اس کے برعکس صورت یہ ہے کہ ڈنمارک میں حضور اقدس نبی اکرم و محتشم ﷺ کے بارے میں توہین آمیز خاکے چھپتے ہیں اور کسی دوسرے یورپی ملک میں دل آزار فلم کی نمائش کی جاتی ہے ملعون سلمان رشدی اور تسلیمہ نسرین نے رسوا کن اور دل آزار ناول لکھے اور لٹریچر تیار کیا لیکن ہم نے اس کے جواب میں کیا کیا؟ ہم نے ایک دو احتجاجی جلسے کرنے یا ہڑتال کرا کے اپنا جوش و خروش ٹھنڈا کر لیا۔ ڈنمارک میں توہین آمیز خاکے تیار کرنے والے ملعون ایڈیٹر کو سزا دینے کی کوشش کرنے والے عامر عبدالرحمٰن چیمہ کو ملعون گارڈ نے قتل کر دیا۔ سیالکوٹ کے ایک اور شخص کو برطانیہ کے نام نہاد مہذب لوگوں نے اس وقت قتل کر دیا جب اس نے احتجاج کیا کہ ہمارے نبی کریم و رحیم ﷺ کی شان میں گستاخی نہ کرو۔ دونوں کی لاشیں پاکستان آئیں، ہم نے پھر ایک دو جلسے کئے، نعرے لگائے اور گھروں میں جا کر بیٹھ گئے ایک بہادر مصری خاتون نے یورپ میں حجاب اوڑھا تو اس پاداش میں ایک ظالم نے اسے عدالت کے احاطے میں قتل اور اس کے خاوند کو شدید زخمی کر دیا۔ سوا ارب مسلمانوں میں سے کسی نے غیرت ایمانی کا ثبوت نہیں دیا، کسی کی حمیت نے جوش نہیں پایا۔ ہم تو غازی علم الدین شہید کے وارث ہونے کے دعویدار ہیں۔ افسوس صد افسوس ہے کہ کوئی تعمیری کام کوئی بھی کرنے کو تیار نہیں، محکمہ اوقاف و مذہبی امور کے "کارکنان قضاء و قدر" ہمیں بتائیں کہ اہل مغرب کے چیلنجز کے بڑھتے ہوئے سیلاب اور "طوفان بلا" کو روکنے کے لئے محکمہ نے کیا توڑ کیا ہے؟ کسی نے کچھ سوچا بھی ہے یا نہیں؟ کسی ارباب اختیار نے غور و فکر کیا ہے؟ کوئی منصوبہ بنایا ہے؟ آپ نے تو یہ بھی نہیں کیا کہ داتا گنج بخش کی کتاب "کشف المحجوب" کے دنیا بھر میں بکھرے ہوئے قلمی نسخوں یا مطبوعہ کتابوں کو ہی جمع کر لیتے۔ ان کے ترجمے کرتے اور اس مواد پر تحقیقی کام کر کے جناب سید ہجویری کی تاریخ پیدائش، تاریخ وفات یا پھر لاہور آمد کا سال ہی متعین کر لیتے۔ پچاس سال ہوئے محکمہ قائم ہوا، عالمی معیار کی کم از کم پچاس تحقیقی کتابیں ہی چھاپ لیتے۔ اللہ کے بندو! حضور داتا صاحب کے دربار اقدس پر زائرین کے جوتوں سے حالانکہ ایک کروڑ پچیس لاکھ آمدنی ہوتی ہے۔ آج تک جمع کریں تو وہ بھی ستر اسی کروڑ بن جاتی ہے۔ آپ اس آمدنی سے کشف المحجوب کا ایک بھی بین الاقوامی معیار کا قابل قدر اور مستند نسخہ نہ چھاپ سکے۔ محکمہ اوقاف کے قیام کے وقت الزام تھا کہ "مجاور حضرات" سب کچھ کھا پی جاتے ہیں مگر انہوں نے کوئی قابل قدر کام نہیں کیا۔ آپ نے کون سا قابل قدر "کارنامہ یا کارنامے" سرانجام دیئے ہیں۔ ایک مسجد بنائی اس کی چھت میں بھی سنا ہے دراڑیں پڑ چکی ہیں ہر روز جو دیگیں پکتی ہیں کبھی کسی نے دیکھا کہ ان کا کھانا کہاں جاتا ہے؟ زائرین میں تقسیم بھی ہوتا ہے یا نہیں، زائرین تو ان دیگوں سے کھاتے ہیں جو سارا دن اور ساری رات "بے چارے عوام کالانعام" پیش کرتے ہیں۔

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی سے معاف

اب ہم اصل انٹرویو کا متن پیش کرتے ہیں۔ قارئین کرام اسے پڑھیں اور لطف اندوز ہوں۔ یہ انٹرویو ہمارے خیال میں معلومات افزا، کارآمد اور دلچسپ انٹرویو ہے۔ مطالعہ کے بعد اپنی آراء سے ہمیں نوازیں۔

(سعید بدر)

☆ آپ کے خاندان کے بارے میں مختصر طور پر

✿ میرا نسبی تعلق "نقوی و بخاری سادات" سے ہے۔ بخاری سادات کے سرخیل اور برصغیر میں تصوف و طریقت کی بلند پایہ شخصیت حضرت سیّد جلال الدین سرخ بخاری نے برصغیر میں تشریف آوری کے بعد "اوچ شریف" کو علم و حکمت کا مرکز بنایا۔ آپ کے نبیرہ عظمیٰ کی جن جلیل القدر ہستیوں نے برصغیر میں علوم و معارف کی ترویج اور شریعت و طریقت کی تبلیغ کے حوالے سے گرانقدر خدمات سرانجام دیں، ان میں میرے جدِ اعلیٰ حضرت پیر سیّد محمد ابراہیم شاہ بخاری کا نام انتہائی معتبر اور نمایاں ہے، جن کا آستانہ محلہ پیر بخاری نارنگ شریف میں مرجع خلائق ہے۔ ہمارا شجرۂ نسب 23 واسطوں سے حضرت سیّد جلال الدین سرخ بخاری اوچ شریف اور 40 واسطوں سے سرچشمۂ حکمت و ولایت، باب مدینۃ العلم حضرت علی المرتضیٰ ؓ سے ملتا ہے۔ میرے والد گرامی پیر سیّد فاضل شاہ بخاری بلند پایہ شیخ طریقت، متبحر عالم دین اور خوبصورت و وضع دار شخصیت کے مالک ہیں۔ (اللہ ان کو صحت کے ساتھ درازیٔ عمر عطا فرمائے۔) میرے والد گرامی نے اپنے بیشتر روحانی و دینی علوم کا اکتساب میرے دادا جان سے ہی کیا تھا۔ ہمارا آبائی علاقہ محلہ پیر بخاری نارنگ شریف ہے، تاہم میرے والد گرامی میرے دادا جان کے حکم کی تعمیل میں 1950ء میں جڑانوالہ ضلع فیصل آباد میں تشریف فرما ہوئے اور اپنے بزرگوں کی روایات کے مطابق خانقاہ، مسجد اور مدرسہ کی بنیاد رکھتے ہوئے اپنے دینی، علمی اور روحانی سلسلہ کو آگے بڑھایا۔ میری ابتدائی پرورش اسی ماحول میں ہوئی۔ میری والدہ بڑی صالح، پرہیزگار، تہجد گزار خاتون ہیں۔ نماز و روزہ کے معاملہ میں ان کی سختی اور دینی روایات کے حوالے سے والد گرامی کی بھرپور نگرانی مجھے اپنے اوائل دور میں میسر رہی۔

میرے جدِ اعلیٰ نقوی و حسینی سادات کی زینت، طریقت و معرفت کے امام اور حضرت میاں شیر محمد شرقپوری کے خلیفۂ مجاز تھے۔ ان کو اپنے پیر و مرشد کی خصوصی توجہات حاصل تھیں۔ مجھے اس وقت شہزادۂ غوث الوریٰ صاحبزادہ پیر سیّد نصیر الدین نصیر الگیلانی کی طویل فارسی منقبت جو انہوں نے میرے جدِ اعلیٰ حضرت پیر سیّد محمد ابراہیم شاہ بخاری کے لیے کہی، کے چند شعر یاد آ رہے ہیں:

پیر ابراہیم شیخ ذی وقار
آں چمن زار طریقت را بہار
نسبت فقرش بہ شاہ نقشبند
آں امام اولیائے ارجمند
اندر اثنائے تجنس بے درنگ
شیر ربانی در آوردش بہ چنگ
پس معاوش گشت خاک شرقپور
زد ابراہیم آں ہمدوش طور
کامل و فاضل بہ علم ظاہری
قلب او مملو ز نورِ باطنی
منتسب با دودمان مصطفیٰ
یک گل تر از ریاض مرتضیٰ
می تپد یک آرزو در دل نصیر
اشک با ریزم بہ خاک ایں فقیر

میرے جدِ اعلیٰ نے علمی و دینی علوم کی تحصیل کے لئے برصغیر کی معروف درسگاہوں اور معتبر علمی شخصیات سے اکتساب فیض کیا۔ وہ بیسویں صدی کے اوائل میں دارالعلوم نعمانیہ میں بھی قیام پذیر رہے۔ آپ جانتے ہیں کہ دارالعلوم نعمانیہ اپنے دور میں برصغیر کے چند نمایاں دینی مدارس میں سے ایک تھا۔ مجھے ان کے تذکرہ میں یہ بات پڑھنے کو ملی کہ میرے جدِ اعلیٰ جس وقت اس دارالعلوم میں اکتساب علوم کے لیے موجود تھے اس وقت برصغیر کی اکابر علمی و روحانی شخصیات بھی یہاں موجود تھیں اور اس وقت یہ دارالعلوم لاہور کا علمی و تہذیبی مرکز تھا۔ اس کے اردگرد علماء، حکماء، رؤساء اور معتبر شخصیتوں کی اقامت گاہیں تھیں۔ ایک طرف بادشاہی مسجد اور شاہی قلعہ مسلمانوں کی عظمت و سطوت کا امین جبکہ دوسری طرف مرکز تجلیات، منبع فیوض و برکات حضرت داتا گنج بخش کا آستانِ فیض روحانی فیوض و برکات کو عام کیے ہوئے تھا۔ لاہور

کا یہ علاقہ ان دنوں "بغداد العلم والفضل" کہلاتا تھا۔ اس وقت دارالعلوم کو کھلی فضا اور قدرے اونچی جگہ میسر تھی۔ افسوس ایسے دارالعلوم اور تعلیمی ادارے جہاں سے عہد ساز علمی شخصیات نے اکتساب کیا، شکست وریخت کا شکار ہو گئے۔ مجھے گذشتہ عرصے میں اس دارالعلوم میں حاضری کا موقع ملا تھا۔ یہ دیکھ کر قدرے اطمینان ہوا کہ اب یہ قدیم دارالعلوم ایک جدید عمارت کے روپ میں اپنی سابقہ علمی اور تدریسی روایات کو از سر نو زندہ کرنے کا عزم کیے ہوئے ہے۔

میرے والد گرامی نے اپنے والد یعنی میرے دادا جان کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کے سلسلۂ طریقت ومعرفت کو آگے بڑھانے میں اپنی زندگی صرف کی۔ میرے والد گرامی روحانی طور پر سلسلۂ نقشبندیہ کے مکمل طور پر پیرو اور زندگی بھر حضرت شیر ربانی کے مشرب کے امین رہے جبکہ علمی طور پر اپنے دور کی اکابر شخصیات، جن میں ابوالبرکات سید محمد احمد قادری سے اپنے تعلیمی سلسلہ کے آخری ایام میں خصوصی استفادہ کیا نیز حضرت محدث اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد نے بھی خصوصی محبت و نیازمندی کا سلسلہ رہا۔ میں روحانی اور علمی طور پر اپنے والد گرامی اور جدِ اعلیٰ کی شخصیات کا بڑا معتقد اور معترف ہوں، شاید یہی وجہ ہو کہ میں نے سال 2007ء میں اپنے والد گرامی کے ہاتھ پر بیعت کی اور سلسلۂ نقشبندیہ سے اپنا وہ روحانی تعلق جو گذشتہ کئی پشتوں سے استوار ہے، کو قائم رکھا۔

☆: ابتدائی تعلیم کہاں سے حاصل کی؟ اعلیٰ تعلیم کہاں کہاں حاصل کی اور کس قدر؟

✿: میں نے اپنی ابتدائی تعلیم جڑانوالہ سے ہی حاصل کی۔ گورنمنٹ کالج جڑانوالہ سے گریجوایشن کے بعد پنجاب یونیورسٹی میں 1986ء میں ایم اے اسلامیات میں داخلہ لیا۔ ازاں بعد 1988ء میں ایم اے عربی میں ایڈمیشن مل گیا۔ ایم اے سے فارغ ہونے کے بعد عربی زبان وادب اور اسلامی علوم ومعارف میں معروف استاذ ڈاکٹر ظہور احمد اظہر جو کہ اس وقت اورینٹل کالج کے پرنسپل اور فیکلٹی آف اسلامک اینڈ اورینٹل لرننگ کے ڈین تھے، کے ساتھ پنجاب یونیورسٹی میں بطور پی ایچ ڈی سکالر منسلک ہونے کا موقع میسر آیا اور ان کی نگرانی میں میں نے "مواهب العلام في فضائل سيّد الانام" کے عنوان سے اپنا تحقیقی مقالہ تحریر کیا۔ یہ قلمی نسخہ تھا، جس کے مصنف الشیخ الامام عبداللہ بن محمد السندھی ہیں، جن کا شمار بارہویں صدی ہجری کی جید شخصیات میں ہوتا ہے۔ آپ نے مسلمانوں کے سیاسی، معاشرتی اور علمی زوال کے دور میں ان کی رہنمائی کی اور امت کو اسوۂ رسول ﷺ اور سیرت طیبہ کی طرف متوجہ کیا۔ انہوں نے سیرت طیبہ اور محبت رسول ﷺ کے فیضان کو عام کرنے کے لیے "مواهب العلام في فضائل سيّد الانام" کے نام سے یہ معرکۃ الآراء قلمی نسخہ تحریر کیا۔ سیرت طیبہ پر یہ عظیم مخطوطہ بھی اس اہم علمی سرمایہ کا حصہ ہے جو دنیا بھر کی لائبریریوں میں مخطوطات کی صورت میں موجود ہیں۔ یہ نادر قلمی نسخہ جس کے الفاظ اور اوراق شکستگی کے سبب ناپید ہوتے جا رہے تھے، کو تحقیق وتفحص کے مسلمہ معیار اور علمی تقاضوں سے ہم آہنگ کرتے ہوئے جدید علمی سرمایہ کا حصہ بنایا۔ 760۔ صفحات پر مشتمل یہ عظیم مقالہ 22۔ فصلوں پر محیط ہے، جو کہ سیرت طیبہ کے مختلف پہلوؤں کے حوالے سے خاص کی گئی ہیں، جبکہ اس کے ساتھ 106۔ صفحات پر مشتمل مقدمہ بھی تحریر کیا گیا ہے جس میں سیرت نگاری کے آغاز وارتقاء سے لے کر اس عظیم موضوع کی ضرورت، اہمیت اور افادیت کو پورے تاریخی، علمی، دینی اور مذہبی حوالے کے ساتھ بیان کیا گیا ہے نیز دنیا کی مختلف زبانوں میں سیرت نگاری کے فروغ میں ہونے والی کاوشوں کو بھی شامل تحریر کیا گیا ہے۔ مذکورہ مخطوطے پر علمی، تحقیقی کام پر پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے مجھے 1997ء میں پی ایچ ڈی کی ڈگری عطا کی گئی۔ حال ہی میں پنجاب یونیورسٹی نے ایک مراسلے کے ذریعے اس تحقیقی مقالہ کی اشاعت کا عندیہ دیا ہے۔

میں یہاں پر یہ بات ضرور کہنا چاہوں گا کہ:

سعادت روح کی کس چیز میں ہے آپ کیا جانیں
کہ کالج میں کوئی اس علم کا ماہر نہیں ملتا

محض نصابی کتابیں اور سکول وکالج کی روایتی تعلیم انسان کی طبیعت میں ذوق، سیرابی یا شادابی پیدا نہیں کرتی۔

کورس تو حرف ہی سکھاتے ہیں
آدمی آدمی بناتے ہیں

انسانی زندگی میں برکات تو "صحبت پاک" سے پیدا ہوتی ہیں۔ میرا گھریلو ماحول اور والدین کا سایۂ عاطفت اور ان کی دعائیں میرے لیے لاتعداد رحمتوں اور برکتوں کا ذریعہ ہیں لیکن یہ بات بھی میرے لیے بڑی سعادتوں کا باعث ہے کہ مجھے گذشتہ اٹھائیس برسوں سے حضرت قبلہ پیر سید ریاض حسین شاہ صاحب کے ساتھ عقیدت وارادت اور محبت کا ایک مضبوط تعلق میسر ہے۔ میں فرسٹ ائیر میں تھا جب 1982ء میں زرعی یونیورسٹی فیصل آباد میں میلادِ مصطفیٰ کانفرنس سے خطاب کے لیے حضرت قبلہ شاہ جی وہاں تشریف فرما ہوئے۔ یونیورسٹی کا

پروقار ماحول، خوبصورت پنڈال اور اس میں وسیع اور بھرپور اجتماع سے خطاب کے لیے حضرت شاہ جی ڈائس پر تشریف فرما ہوئے۔ اس چکا چوند ماحول میں آپ کی پرانی وضع اور سادہ انداز کی دیسی چادر کی بکل ایک عجیب سماں باندھ رہی تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آپ نے "یا ایھا الناس قد جاء کم برھان" پر 45 منٹ کا خطبہ ارشاد فرمایا، بس خطاب کیا تھا علم و حکمت اور حقیقت و معرفت کا ایک بحر چشمہ رواں تھا جس نے سارے مجمع کو سرشار و نہال کر دیا۔ اس اوائل عمر میں حضرت شاہ جی کے ساتھ عقیدت و محبت کا ایک تعلق استوار ہو گیا۔ شاہ جی ان دنوں ٹیچ بھائی راولپنڈی میں جمعہ کا خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ مجھے وہاں بھی حاضری کی سعادت میسر رہی، تاہم میرے لیے وہ مرحلہ زیادہ سعادت افزا تھا جب آپ نے 1989ء میں اتفاق مسجد لاہور میں مستقل خطیب جمعہ کی ذمہ داری قبول فرمائی۔ میں اس وقت پنجاب یونیورسٹی میں زیر تعلیم اور نیو کیمپس ہاسٹل میں رہائش پذیر تھا۔ ان ابتدائی سالوں میں حضرت شاہ جی ہفتہ میں 3 دن لاہور قیام فرماتے تھے۔ خوش قسمت ہوں کہ یونیورسٹی کے رومان خیز اور جنوں انگیز ایام میں حضرت شاہ جی کی صحبت پاک میسر رہی۔ مستزاد یہ کہ محترم ڈاکٹر محمد ظفر اقبال نوری بھی ان دنوں لاہور میں موجود ہوتے تھے۔ ڈاکٹر نوری صاحب پر حضرت شاہ جی کا لطف و کرم ہمیشہ سایہ فگن رہتا اور یوں کچھ محبتیں ہمارے حصہ میں بھی آ جاتیں۔

☆: سرکاری ملازمت کب شروع کی اور محکمہ اوقاف میں کب آئے؟

✿: تعلیم کی ابتدائی تکمیل کے بعد پنجاب پبلک سروس کمیشن کے ذریعے بطور لیکچرر انتخاب عمل میں آیا، اور 1992ء میں پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ میں میری پوسٹنگ ہو گئی۔ جبکہ اس کے ساتھ پنجاب یونیورسٹی میں بطور پی ایچ ڈی سکالر اپنے علمی و تحقیقی کام کو آگے بڑھاتا رہا۔ 1997ء میں پی ایچ ڈی مکمل کرنے کے بعد پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ میں ہی گریڈ 18 میں ترقی حاصل کرنے کے بعد دوبارہ پوسٹنگ عمل میں آ گئی۔ اسی اثناء میں پنجاب گورنمنٹ کو محکمہ مذہبی امور و اوقاف پنجاب میں ڈائریکٹر کے لیے ایک ایسے آفیسر کی ضرورت تھی جو ایم اے عربی اور ایم اے اسلامیات کے ساتھ علوم اسلامیہ میں پی ایچ ڈی کا حامل ہو۔ چنانچہ اس عہدے کے لیے میرا انتخاب عمل میں آیا اور یوں 1998ء میں ڈائریکٹر مذہبی امور کے طور پر محکمہ مذہبی امور و اوقاف پنجاب میں آ گیا۔ میں ذاتی طور پر سمجھتا ہوں کہ محکمہ مذہبی امور و اوقاف پنجاب میں میری یہ پوسٹنگ درحقیقت حضرت داتا گنج بخش کے آستاں کے ساتھ میری عقیدت و ارادت کا ثمر ہے۔ 1992ء میں، اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ کا آغاز حضرت داتا گنج بخش کے آستاں پر حاضری کے ساتھ کیا اور اس کے ابتدائی صفحات آپ کی مرقد مبارک کے قدموں میں بیٹھ کر تحریر کیے۔ یقیناً یہ اسی کا فیضان تھا کہ میں نے اپنا مقالہ ایک ریکارڈ مدت میں مکمل کیا اور صرف 30 سال کی عمر میں مجھے پی ایچ ڈی کی ڈگری عطا ہو گئی۔ یہاں ایک اور واقعہ بھی میرے ذہن میں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہے جب 1997ء میں حضرت داتا گنج بخش کے سالانہ عرس کی افتتاحی تقریب پاکستان ٹیلی ویژن نے براہ راست ٹیلی کاسٹ کرنے کا فیصلہ کیا تو اس کی کمپیئرنگ کے لیے مجھے طلب کیا گیا، جسے میں اپنے لیے بڑی سعادت سمجھ کر حاضر ہوا۔ آپ کے مزار مبارک پر حاضر ہو کر کچھ کہنا یقیناً میرے لیے بہت بڑی سعادت تھی۔ میرے لہجے پر عقیدت و ارادت کا رنگ غالب ہونا ایک فطری سی بات تھی۔ جسے یہاں کے قدیمی وابستگان نے پسند کیا۔ شاید ایسے ہی کسی لمحے کے طفیل مجھے اس در کی مستقل چاکری میسر آ گئی۔

☆: مزار داتا صاحب اور مسجد کی تعمیر نو، مرحلہ وار حالات و واقعات

✿: آپ جانتے ہیں کہ حضرت داتا گنج بخش لاہور تشریف فرما ہوئے تو آپ نے سب سے پہلے مسجد کی بنیاد رکھی، آپ کی تعمیر کردہ مسجد پر لوگوں نے اس کے قبلہ رخ ہونے پر اعتراض کیا۔ جس پر آپ نے شہر کے اکابر علماء کو اپنے ہاں مدعو کیا، سب نے حضرت داتا گنج بخش کی

اقتداء میں نماز ادا کی، دوران نماز لوگوں کو قبلہ کی زیارت ہوگئی اور یوں حضرت داتا صاحب کی مسجد کی تعمیر کے ساتھ ہی، آپ کی عظمت اور بزرگی کا شہرہ عام ہوگیا۔ محمد دین فوق نے آپ کی پہلی مسجد کی تعمیر 431ھ میں قرار دی۔ 1867ء میں گلزار سادھو کشمیری نے مسجد کی تعمیر نو کی اور پہلی مرتبہ مسجد پر گنبد بنوایا۔ ازاں بعد اس مسجد کی تعمیر اور توسیع کا سلسلہ مختلف ادوار میں جاری رہا، یہاں تک کہ 1960ء میں حضرت داتا گنج بخش کا آستاں اوقاف کی تحویل میں آگیا اور توسیع و تعمیر کا ایک نیا سلسلہ شروع ہوگیا۔ حضرت داتا گنج بخش کے مزار اقدس پر ایک عظیم الشان مسجد کی تعمیر کے لیے 28۔ فروری 1978ء کو بذریعہ اخباری اشتہار نئے ڈیزائن کے لیے ماہرین فن تعمیر کو دعوت دی گئی 02۔ جولائی 1981ء کو صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے موجودہ مسجد کی تعمیر کا سنگ بنیاد رکھا۔

مسجد کے ایوان (اندرونی حصہ) کا طول 160 فٹ اور عرض 80 فٹ ہے۔ یوں اندرونی حصے کا رقبہ 12800 مربع فٹ ہے۔ جس میں تقریباً 1900 نمازیوں کی گنجائش ہے، جبکہ مسجد کے صحن کا رقبہ 25000 مربع فٹ ہے۔ مسجد کی عمارت کے دائیں بائیں دو میناروں میں سے ہر ایک کی بلندی 198 فٹ ہے۔ تعمیراتی رقبہ 1,60,197 مربع فٹ ہے۔ موجودہ مسجد کا افتتاح میاں محمد نواز شریف نے بطور وزیر اعلیٰ پنجاب 28 نومبر 1989ء میں کیا۔

تعمیراتی منصوبے کے دوسرے مرحلے میں داتا دربار کمپلیکس جس میں سماع ہال، کار پارکنگ، جامعہ ہجویریہ، مرکز معارف اولیاء، بینک، پولیس سٹیشن، وضو خانے سمیت دیگر دفاتر شامل تھے، کا افتتاح 31 مئی 1999ء کو میاں محمد نواز شریف نے بطور وزیر اعظم پاکستان کیا۔ اس عظیم منصوبے پر تقریباً 40۔ کروڑ روپے لاگت آئی۔ مجموعی طور پر دربار شریف کا رقبہ جو 30 سال قبل صرف 4 کنال اور چند مرلے پر مشتمل تھا۔ آج محکمہ مذہبی امور و اوقاف کے توسیعی منصوبے کی بدولت یہ رقبہ 58 کنال پر محیط ہو چکا ہے، تاہم جمعرات اور جمعہ کے روز زائرین کی کثیر حاضری کے سبب یہ جگہ بھی کم پڑ جاتی ہے۔

☆: داتا صاحب کے مزار پر کون کون سے حکمران آتے رہے؟ کوئی خاص واقعہ پیش آیا ہو تو۔۔۔۔۔

✿: حضرت داتا گنج بخش جب لاہور تشریف فرما ہوئے تو اس وقت لاہور سلطنت غزنہ کا حصہ تھا۔ آپ کے مزار شریف کی تعمیر کے اوّلیں حوالوں میں بھی سلاطین غزنہ کی عقیدت بھری خدمات کا تذکرہ ملتا ہے۔ مغل بادشاہ شاہی قلعے سے حاضری کا اہتمام کرتے تھے بالخصوص داراشکوہ کو آپ کی ذات سے خصوصی محبت تھی۔ داراشکوہ نے اپنی مختلف تصنیفات میں آپ کے مزار اقدس کی حاضری کے حوالے سے خصوصی باتیں تحریر کی ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ: "حضرت داتا گنج بخش کے روضۂ اقدس پر ہزاروں لوگ حاضری دیتے ہیں۔ مشہور ہے کہ جو شخص چالیس جمعرات یا چالیس دن کامل روضہ پر حاضری دے اس کی ہر ضرورت پوری ہوتی ہے۔ یہ عاجز آپ کے روضہ اور آپ کے والدین اور ماموں تاج الاولیاء کے مزارات پر حاضری دے آیا ہے"۔ داراشکوہ ہی نے سفینۃ الاولیاء میں اسی شہر لاہور کو "عروس البلاد" سے موسوم کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ "لاہور ایک معزز و ممتاز شہر ہے۔ اس جیسا اور کوئی شہر روئے زمین پر موجود نہیں۔ یہ شہر آج اولیاء، صالحین اور علماء و فضلاء کا مرکز ہے۔ کثیر تعداد میں مشائخ اولیاء کے مزارات سے یہ سرزمین مزین ہے"۔

مسلم حکمران تو رہے ایک طرف۔۔۔ مغلوں کے زوال کے بعد لاہور پر سکھوں کا قبضہ ہوا تو مہاراجہ رنجیت سنگھ جس کا سال وفات 1939ء ہے، کا قیام شاہی قلعہ لاہور میں تھا۔ وہ بھی پاپیادہ حضرت داتا گنج بخش کے مزار پر انوار پر حاضری دیتا تھا اور سالانہ عرس کے لیے ایک ہزار روپیہ نذر پیش کرتا تھا۔ رنجیت سنگھ کی رانی جنداں اور بیٹے دلیپ سنگھ کو بھی داتا دربار سے بڑی عقیدت تھی اور انہوں نے اپنی عقیدت و محبت کے اظہار کے لیے دربار شریف پر برآمدے وغیرہ تعمیر کروائے۔ مہاراجہ کھڑک سنگھ کی بیوی اور نہال سنگھ کی ماں چندر کور نے بھی یہاں ایک محرابی چھت والا کمرہ تعمیر کروایا۔ قیام پاکستان کے بعد تو شاید ہی کوئی حکمران ایسا ہو جس کو مرکز یا صوبے میں اقتدار نصیب ہوا ہو اور حلف

اٹھانے کے بعد اس در کی حاضری سے فیض یاب نہ ہوا ہو تاہم بعض حکمران اس حاضری کو ایک رسمی کارروائی کی بجائے اپنے لیے دنیوی و اخروی اعزاز اور سعادت سمجھتے ہیں۔ قریب دور میں میاں نواز شریف بطور وزیراعظم اور میاں شہباز شریف بطور وزیراعلیٰ اپنے دور حکومت (1997ء تا 1999ء) میں اپنے والد گرامی کی سرکردگی میں اکثر حاضری دیا کرتے تھے اور بالخصوص داتا دربار کمپلیکس کی تعمیر و تکمیل کے امور کی نگرانی بھی کرتے تھے۔

داتا دربار کمپلیکس کی تعمیر اور تکمیل میں میاں محمد نواز شریف کا بطور وزیراعظم اور میاں محمد شہباز شریف کا بطور وزیراعلیٰ بڑا اہم اور بنیادی کردار ہے۔ جبکہ محمد اسحاق ڈار جو کہ اس وقت وفاقی وزیر ہونے کے ساتھ امور مذہبیہ کمیٹی داتا دربار کے چیئرمین اور صاحبزادہ حاجی محمد فضل کریم اس وقت صوبائی وزیر مذہبی امور و اوقاف تھے، کی خدمات بھی ناقابل فراموش ہیں۔ میاں محمد نواز شریف بطور وزیراعظم ویک اینڈ پر لاہور آتے تو میاں محمد شریف اپنی سربراہی میں بالعموم اتوار کے روز چھٹی کے دن اس کمپلیکس کے تعمیراتی امور کے جائزہ کے لیے اپنے بیٹوں کو ہمراہ لے کر آتے۔ شریف خاندان کی ذاتی عقیدت و ارادت کے سبب یہ کمپلیکس اپنے صحیح نقشہ کے مطابق مکمل ہوا ورنہ سماع ہال کی جگہ "شاپنگ مال" اور "مارکیٹ" بنانے کی سازش تیار ہو چکی تھی، جس میں 500 کے قریب بننے والی دکانوں کی بندر بانٹ کے لیے لوگ نظریں جمائے بیٹھے تھے۔

آپ کے لیے یہ بات دلچسپی کا باعث ہوگی کہ صدر جنرل ضیاء الحق داتا دربار میں بڑی کثرت سے حاضری دیتے تھے۔ بالعموم رات کے آخری حصہ میں خاموشی کے ساتھ ایک عام زائر کے طور پر بغیر کسی پروٹوکول کے آتے تھے، مزار شریف کے سرہانے کی طرف موجود قرآن محل میں زیادہ وقت گزارتے۔ ان کی ہدایت کے مطابق صرف ایک گریڈ سولہ کا لائزن افسران کے ساتھ منسلک کیا جاتا تھا۔ محکمہ کے ایک افسر جو حال ہی میں ملازمت سے ریٹائر ہوئے ہیں، انہوں نے کم و بیش 15 مرتبہ مرحوم صدر ضیاء الحق کو داتا دربار میں اٹینڈ کیا۔ مزار شریف کے قدیمی خادم بابا شوکت کے ساتھ مرحوم صدر بڑے مانوس تھے، اس کی ریٹائرمنٹ پر مرحوم صدر نے ان کو تاحیات دربار شریف کی دربانی کی ذمہ داریاں سونپی تھیں۔ جنرل پرویز مشرف نے اپنی ریفرنڈم کے حوالہ سے انتخابی مہم کا آغاز بھی داتا دربار حاضری سے کیا اور اس کے بعد مینار پاکستان میں جلسہ سے خطاب کیا۔ میر ظفر اللہ خان جمالی، سید یوسف رضا گیلانی اور آزاد کشمیر کے وزیراعظم سردار عتیق احمد خان بھی بڑی عقیدت و ارادت سے حاضر ہوئے۔ پنجاب کے موجودہ وزیراعلیٰ میاں محمد شہباز شریف سالانہ عرس کا افتتاح اور غسل کی تقریب میں بطور خاص شرکت کرتے ہیں۔ گورنر خالد مقبول اپنے طویل عرصہ گورنری میں داتا دربار حاضری کے لئے ہمہ وقت مستعد رہے۔ چوہدری پرویز الٰہی بطور وزیراعلیٰ حلف اٹھانے کے بعد داتا دربار حاضر ہوئے تاہم شاید پنجاب کے واحد وزیراعلیٰ ہوں گے جو اپنے پانچ سالہ دور حکومت میں سالانہ عرس اور رسم غسل کی کسی تقریب میں حاضری سے محروم رہے۔

☆: حضرت داتا گنج بخشؒ کے نام سے "داتا گنج بخش یونیورسٹی" کی تشکیل کے حوالہ سے مختلف ادوار میں مختلف اعلانات عمل میں آتے رہے۔ اس پر عمل درآمد کیوں نہیں ہو سکا؟ ناظم اعلیٰ جماعت اہلسنت پاکستان نے سیکرٹری محکمہ اوقاف و مذہبی امور سے بھی اس سلسلہ میں ایک اعلیٰ سطحی میٹنگ کی تھی، اس کا کیا نتیجہ نکلا؟

✿: حضرت علی بن عثمان ہجویری المعروف حضرت داتا گنج بخش برصغیر میں قافلہ علم و حکمت اور شریعت و طریقت کے سالار اعظم ہیں۔ آپ ان برگزیدہ ہستیوں میں سرفہرست ہیں جنہوں نے اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں تاریخ ساز اور کلیدی کردار ادا کیا۔ آپ کے علم و عمل کی عظمت کا اعتراف جس طرح ہر مکتب فکر اور شعبہ ہائے زندگی کے لوگوں نے کیا۔ اسی طرح آپ کے عقیدت مندوں کا وسیع حلقہ نہ صرف برصغیر بلکہ پوری دنیا میں ہمیشہ موجود رہا ہے، لیکن تعجب کی بات ہے کہ بہت کم لوگ آپ اور آپ کی مساعی جمیلہ اور آپ کی بے مثل تصنیف کشف المحجوب اور اس کے مواعظ سے استفادہ کی اہلیت کے حامل ہیں۔ تاریخ نے حضرت داتا گنج بخش کے حالات اور احوال کے حوالے سے جو کوتاہی کی ہے یقیناً اس کی تلافی ایک حد تک آپ کی تربت پاک اور آپ کا مزار اقدس کر رہا ہے، جہاں سالہا سال سے عقیدت مندوں کا ہجوم روز افزوں ہوتا جا رہا ہے، تاہم یہ المیہ اپنی جگہ ہے کہ آپ کا آستان فیض جو کہ علم و حکمت اور تحقیق و تربیت کا مرکز ہونا چاہیے تھا، پر چند سال پہلے تک کوئی معتبر اور قابل ذکر علمی اور تدریسی ادارہ موجود نہ تھا جہاں پر طلباء کی علمی، روحانی اور اخلاقی تربیت کا اہتمام کیا جاتا۔ گذشتہ مختلف ادوار میں اس عظیم

آستاں پر مختلف اداروں کے قیام کے اعلان اور ان کے منصوبے پیش کیے جاتے رہے جس کی مختصر تفصیل یوں ہے:

i۔ "داتا گنج بخش ہجویری اکیڈیمی" کا اعلان۔۔۔۔۔۔۔۔سال 94-1993ء میں ہوا۔
یہ منصوبہ اس وقت کے وزیر اعلیٰ پنجاب نے اپنی خصوصی نگرانی میں شروع کروایا تاہم یہ معاملہ محض رسمی کارروائی تک محدود رہا۔

ii۔ "سیّد علی ہجویری یونیورسٹی برائے سائنس اینڈ ٹیکنالوجی" کا اعلان۔۔۔۔۔۔۔۔31 مئی 1999ء کو ہوا۔
یہ اعلان اس وقت کے وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف نے داتا دربار کمپلیکس کے افتتاح کے موقع پر کیا۔ اس پر ابتدائی طور پر ایک کمیٹی کی تشکیل عمل میں آئی جو اس کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لے رہی تھی کہ اکتوبر 1999ء میں میاں صاحب کی حکومت ختم ہونے کے ساتھ ہی یہ منصوبہ کھٹائی میں پڑ گیا۔

iii۔ "داتا گنج بخش انسٹی ٹیوٹ برائے ایجوکیشن اینڈ ریسرچ" سال: جون 2001ء
یہ منصوبہ بھی ابتدائی غور و خوض سے آگے نہ بڑھ سکا۔

iv۔ "ہجویری یونیورسٹی کا قیام"۔۔۔۔۔اس کا اعلان سال 2002ء میں ہوا تاہم اس پر بھی کوئی عملی پیش رفت ممکن نہ ہو سکی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت داتا گنج بخش کی ذات گرامی کے حوالے سے عظیم الشان یونیورسٹی کا قیام ماضی کی مختلف حکومتوں کی خواہش رہی ہے اور عقیدت اور جذباتیت کی فضا میں متعدد مرتبہ اس کے اعلانات بھی عمل میں آ چکے ہیں لیکن وسائل کی عدم دستیابی اور عملی رکاوٹوں کے سبب آج تک کوئی منصوبہ پایۂ تکمیل تک نہ پہنچ سکا۔ اس کی سب سے اہم اور بنیادی وجہ یہ بھی ہے کہ اعلان تو عمل میں آ جاتا ہے لیکن اس کی تکمیل کے لیے جس قدر فنڈز اور جو گراں قدر معاونت اور سرپرستی درکار ہوتی ہے، وہ میسر نہیں آتی۔ جبکہ محکمہ مذہبی امور و اوقاف کے وسائل اس قدر نہیں ہیں کہ وہ کسی یونیورسٹی کے اخراجات کا بوجھ اٹھا سکے۔ اس وقت پنجاب یونیورسٹی سمیت دیگر بڑی یونیورسٹیوں کے سالانہ بجٹ کا تخمینہ 2 ارب سے زیادہ ہے جبکہ محکمہ مذہبی امور و اوقاف کا سالانہ بجٹ تقریباً 70 کروڑ ہے۔ یقیناً اس خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے اور مطلوبہ نتائج کے حصول کے لیے قلیل المدت (Short Term) اور طویل المدت (Long Term) منصوبہ بندی درکار ہے۔

سال 2006ء کے وسط میں، جماعت اہل سنت پاکستان کے مرکزی ناظم اعلیٰ پیر سیّد ریاض حسین شاہ صاحب کی اس وقت کے سیکرٹری اوقاف سیّد رئیس عباس زیدی کے ساتھ ایک طویل میٹنگ ہوئی تھی جس میں اس منصوبہ کے عملی پہلوؤں کا جائزہ لیا گیا تھا جس کے بعد محکمہ نے حکومت کو یہ تجویز پیش کی تھی کہ اس وقت لاہور میں محکمہ مذہبی امور و اوقاف کے پاس ٹاؤن شپ کے اندر 82۔ کنال کا قطعہ اراضی موجود ہے، یقیناً یہ اراضی اپنے محل وقوع کے اعتبار سے انتہائی قیمتی اور کارآمد ہے، جس کو سیّد علی ہجویری یونیورسٹی کے قیام کے لیے مختص کیا جا سکتا ہے، تاہم اس منصوبے کی عملی تشکیل کے لیے پنجاب گورنمنٹ اور ہائر ایجوکیشن کمیشن (وفاقی حکومت) کی خصوصی مالی معاونت درکار ہوگی جس کے لیے حسب ذیل تجاویز پیش کی گئیں۔

1۔ اراضی کی فراہمی — محکمہ مذہبی امور و اوقاف
2۔ یونیورسٹی کیمپس کی تعمیر — حکومت پنجاب (تخمینہ تقریباً 40 کروڑ)
3۔ سالانہ اخراجات — ہائر ایجوکیشن کمیشن (تخمینہ تقریباً 25 کروڑ سالانہ)

اسی ملاقات کے نتیجہ میں مرکز معارف اولیاء کو سیّد علی ہجویری اسلامک سنٹر کے طور پر اپ گریڈ کرتے ہوئے ابتدائی طور پر ایم اے اسلامیات اور ازاں بعد ایم اے عربی کی کلاسز بتدریج شروع کرنے کی منصوبہ بندی بھی کی گئی تھی۔ یقیناً اس عظیم روحانی مرکز پر ماسٹر کلاسز کا اجراء متعلقہ دینی حلقوں کے لیے اطمینان بخش اور محکمہ کے لیے نیک نامی کا باعث تھا۔ تاہم پنجاب حکومت کی طرف سے مالی وسائل کی عدم دستیابی اور صوبائی سطح پر کسی اعلیٰ سطحی منصوبہ بندی کی عدم فراہمی کے سبب یہ منصوبہ بھی پایۂ تکمیل تک نہ پہنچ سکا۔ تاہم یہ بات اطمینان بخش ہے کہ مرکز معارف اولیاء اپنی علمی، تحقیقی اور تدریسی سرگرمیوں کے اعتبار سے خود کو معروف اور معتبر کیے ہوئے ہے۔

☆: آپ کے دور میں کون کون سے منصوبے شروع ہونے اور مکمل ہوئے۔ اب کس حال میں ہیں؟ مرکز معارف اولیاء اور جامعہ ہجویریہ کی ترتیب، تشکیل کس طرح عمل میں آئی؟

میں یہاں پر بطور خاص ''دلیل راہ'' کو ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں کہ انھوں نے مرکز تجلیات، منبع فیوض و برکات الشیخ السید علی بن عثمان الجو یری المعروف حضرت داتا گنج بخش کے 966ویں سالانہ عرس کے موقع پر ''خصوصی نمبر'' کی اشاعت کا اہتمام کیا۔ انٹرویو میں سوالوں کے جوابات میں بالعموم ''واحد متکلم'' کا صیغہ استعمال کرنا پڑتا ہے جس کا اپنی کم مائیگی اور بے بضاعتی کے سبب متحمل نہیں ہو سکتا۔ میری قارئین سے درخواست ہوگی کہ انٹرویو کی ضرورت کے پیش نظر لفظ ''میں'' کے استعمال میں اگر تحسین و ستائش کا تاثر پیدا ہو تو اسے میرے ادارہ کی کارکردگی یا بزرگوں کی توجہات سے منسوب سمجھیں اور اگر اس میں کہیں کسی کوتاہی کا اظہار ہو تو وہ یقیناً میری ذات کے سبب ہے۔ حضرت میاں محمد بخش کے شعر کا یہ مصرعہ میرے تو ہر وقت حرز جاں رہتا ہے۔

میں کلیاں دا زوڑا کوڑا
محل چڑھایا سائیاں

ان ذیلی معروضات کے بعد اب میں آپ کے اصل سوال کی طرف آتا ہوں۔ سید علی ہجویری یونیورسٹی کے قیام کے حوالہ سے صوبائی سطح پر ہونے والی جملہ کاوشوں کا تفصیلی تذکرہ ہو چکا ہے، جس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ سرکاری سطح پر ادارہ سازی ایک مشکل کام ہے۔ مجھے ان جملہ عوامل پر تفصیلی غور و خوض کا موقع میسر آتا رہا ہے، لہٰذا میری یہی کوشش رہی ہے کہ اداروں کو چھوٹی چھوٹی اکائیوں سے شروع کیا جائے۔ گورنمنٹ کے خطیر مالی وسائل کی بجائے ٹیم ورک، ذاتی کمٹمنٹ، اخلاص اور انفرادی کاوش سے مطلوبہ مقاصد اور نتائج کے حصول کی کوشش کی جائے۔ آپ کو یہ جان کر حیرانگی ہوگی کہ 80 اور 90 کی دہائیوں میں تکمیل پانے والے عظیم الشان تعمیراتی منصوبوں میں کسی تعلیمی اور تدریسی ادارے کے لیے کوئی جگہ مختص نہ کی گئی تھی۔ یہاں تک کہ یہاں کا قدیمی جامعہ ہجویریہ بھی اتنے وسیع کمپلیکس میں جگہ حاصل کرنے میں ناکام رہا اور یہ جامعہ ریگن روڈ کے ایک سکول کے اندر شفٹ کر دیا گیا تھا۔ 1999ء میں، میں نے اس ادارے کے لیے

داتا دربار کمپلیکس میں جگہ حاصل کی اور اس ادارے کو از سر نو منظم کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ بات بھی حیران کن ہے کہ داتا دربار میں موجود مرکز معارف اولیاء، اوقاف آرگنائزیشن کی تشکیل نو 1993ء کے موقع پر، لاہور کے جاندار علمی اور دینی حلقوں کی موجودگی میں ختم کر دیا گیا تھا۔

اس ادارے کی ضرورت، اہمیت اور افادیت کے پیش نظر، صوبائی کابینہ کے اجلاس منعقدہ 6۔ دسمبر 1997ء میں مرکز معارف اولیاء کی از سر نو تشکیل کا فیصلہ ہوا۔ تاہم 1999ء میں حکومت کے ختم ہونے کے سبب یہ معاملہ پھر معرض التواء میں چلا گیا۔ تاہم سال 2002ء میں حضرت داتا گنج بخش کے آستاں کے زیر سایہ، مرکز معارف اولیاء کی عملی تشکیل کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوا جس کا بہت زیادہ کریڈٹ اس وقت کے سیکرٹری سید شفیق حسین بخاری صاحب کو جاتا ہے۔

اس وقت اس جگہ پر حسب ذیل شعبہ جات کام کر رہے ہیں:

i۔ جامعہ ہجویریہ
ii۔ مجلہ سیکشن
iii۔ شعبہ تحقیق
iv۔ لائبریری

اس ادارے کے قیام کے بنیادی مقاصد یہ ہیں:

1۔ جدید تقاضوں اور عصری ضروریات سے مزین تصوف لائبریری کا قیام۔
2۔ ریسرچ سکالرز اور پی ایچ ڈی سٹوڈنٹس کے لئے تحقیقی سہولیات کی فراہمی۔
3۔ متصوفانہ دینی افکار کی ترویج کے لئے تحقیقی مجلہ "معارف اولیاء" کی اشاعت۔
4۔ اسلامی علوم و معارف کے فروغ کے لئے سیمینارز اور مذاکروں کا اہتمام۔
5۔ درس نظامی، تجوید و قرأت اور حفظ و ناظرہ کے حوالے سے قرآنی و اسلامی تدریس کا اہتمام۔

متصوفانہ دینی افکار کی ترویج و اشاعت کے لیے علمی، تحقیقی، طباعتی اور تقریباتی حوالے سے مرکز معارف اولیاء ایک مستند اور نمائندہ

ادارے کے طور پر سرگرم عمل ہے۔ مرکز معارف اولیاء کے افتتاح اکتوبر 2002ء کے ساتھ ہی سہ ماہی مجلّہ ''معارف اولیاء'' کی اشاعت کا اہتمام کرتے ہوئے اس کا پہلا شمارہ منصۂ شہود پر آیا۔ جس کی ادارت یقیناً میرے لیے ایک اعزاز اور سعادت کی بات ہے۔ گزشتہ 7 سال سے زائد عرصہ سے باقاعدگی سے اشاعت پذیر اس تحقیقی مجلّہ کے اب تک 25 شمارے شائع ہو چکے ہیں۔ یہ مجلّہ تصوف اور اس کے حقائق و معارف اور بالخصوص حضرت داتا گنج بخش کے احوال و تعلیمات اور افکار و نظریات کا امین ہے۔ جس کے لیے اب تک 236 تحقیقی مقالات اور علمی مضامین کی اشاعت کا اہتمام عمل میں آ چکا ہے۔ مرکز معارف اولیاء اپنے علمی اور تحقیقی مزاج کے سبب مختصر عرصے میں علمی حلقوں اور تحقیقی زاویوں میں قابلِ قدر مقام حاصل کر چکا ہے۔ گزشتہ عرصہ میں مجلّہ معارف اولیاء کے حسب ذیل خصوصی شمارے بطور خاص اہمیت کے حامل ہیں:

- حضرت داتا گنج بخش اور تصوف نمبر
- حضرت داتا گنج بخش نمبر
- سیّد عبدالقادر جیلانی نمبر
- حضرت خواجہ معین الدین چشتی نمبر
- کشف المحجوب نمبر
- حضرت مجدد الف ثانی نمبر
- حضرت خواجہ غلام فرید نمبر
- حضرت میاں میر قادری نمبر
- حضرت بابا فرید الدین گنج شکر نمبر
- حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نمبر
- حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی نمبر
- مضامین کشف المحجوب نمبر
- المنقذ من الضلال للغزالی نمبر
- کشف المحجوب کے تراجم کے مقدمات پر مشتمل خصوصی اشاعت

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی شہرۂ آفاق تصنیف "کشف المحجوب" میں شامل احادیث کی تخریج پر مشتمل ایک کتاب 'الزاد المطلوب بتخریج احادیث کشف المحجوب" کی اشاعت کا اہتمام بھی عمل میں آیا ہے۔

''مرکز معارف اولیاء'' میں اکابرین ملّت اور مشاہیر اُمّت کے ایام بھی نہایت عقیدت و احترام اور تزک و احتشام سے منانے کا اہتمام ہوتا ہے۔ گزشتہ برسوں سے "سیمینار ہال" مرکز معارف اولیاء میں حسب ذیل علمی تقریبات کا اہتمام بڑے تسلسل سے جاری ہے:

- حضرت ابوبکر صدیق ؓ کانفرنس
- حضرت عمر فاروق ؓ سیمینار
- حضرت عثمان ؓ کانفرنس
- حضرت علی المرتضیٰ ؓ کانفرنس
- سیّدہ خاتون جنت کانفرنس
- اُمہات المومنین کانفرنس
- عشرہ مبشرہ سیمینار
- نعت سیمینار
- محفل میلاد
- سیّد ہجویر تصوف سیمینار
- خواجہ غریب نواز تصوف سیمینار

- خواجہ غلام فرید تصوف سیمینار
- حضرت نظام الدین اولیا تصوف سیمینار
- بین المدارس و بین الجامعات مقابلہ حسن قرأت و حسن تقریر

☆: جامعہ ہجویریہ کی تشکیل کے محرکات کیا تھے؟ اور اس وقت اس کی کارکردگی کیسی ہے؟

✿: مدارس دینیہ قرونِ اولیٰ ہی سے خانقاہی نظام کا لازمی جزو رہے ہیں، بالخصوص برصغیر پاک و ہند میں اولیاء کرام اور صوفیاء عظام کے آستانے اور خانقاہیں ہمیشہ دینی اور روحانی تعلیم و تربیت کے مراکز کے طور پر معروف اور معتبر تھے۔ خانقاہوں سے ملحق مدارس کی تاریخ بتاتی ہے کہ ان اداروں نے جو یان علم کی جس نہج پر علمی، روحانی، قلبی اور ذہنی تربیت کی، دنیا کے کسی اور نظام تعلیم کو یہ سعادت نصیب نہ ہو سکی۔ انہی دینی اداروں سے روحانیت اور تصوف کے وہ آفتاب آسمانِ علم پر ضوفشاں ہوئے جنہوں نے پوری دنیا اور خاص طور پر ساکنان برصغیر کے قلوب کو ایمان اور ایقان سے منور کیا اور انہی اولیاء امت کی اشاعت اسلام کی کوششوں سے دو قومی نظریے جیسا عظیم تصور ملی اور سیاسی افق پر ابھرا جو بعد ازاں قیام پاکستان کی اساس بنا۔ خانقاہوں سے ملحق مدارس میں رائج علوم اپنے دور کی عصری ضروریات سے بھی مزین ہوتے تھے اور یہاں کے فارغ التحصیل طلبہ معاشرے کے بہترین افراد ثابت ہوتے۔ بدقسمتی سے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خانقاہ کا وہ ادارہ جو "فیضانِ نظر" اور "مکتب کی کرامت" کے خوبصورت اوصاف سے متصف تھا۔ علمی، دینی، روحانی اور تربیتی انفرادیت اور تشخص کو اس درجے برقرار نہ رکھ سکا، جس کے سبب معاشرے میں افتراق و انتشار اور مذہب پر فرقہ بندی اور تشدد پسندی کے رجحانات غالب آنے لگے۔ دینی تدریسی نظام کو آج قومی اور بین الاقوامی سطح پر جو چیلنجز درپیش ہیں، ان سے نبرد آزما ہونا اس کے بغیر ممکن نہیں کہ ہم آج تعلیم، تدریس اور تربیت کو صوفیاء کے منہاج پر لے جائیں، اس لیے کہ آج تک ان صوفیاء، اولیاء اور اکابرین اُمت کی خانقاہوں سے ملحق کسی درسگاہ میں تشدد اور انتہا پسندی نے جنم نہیں لیا بلکہ ان اداروں سے محبت، امن، اخوت اور ایثار جیسے جذبوں کو تقویت میسر آئی ہے جو کہ علم کا اصل مقصد بھی ہے۔

سال 2002ء۔۔۔ اوقاف کی علمی تاریخ میں خصوصی اہمیت کا حامل ہے کہ اس میں جامعہ ہجویریہ کی از سرِ نو تشکیل بطور خاص قابل ذکر ہے جو کہ حضرت داتا گنج بخش کے آستاں سے وابستگی رکھنے والے کروڑوں عقیدتمندوں کے لیے باعث اطمینان امر تھا۔ اس ادارے میں درس نظامی کی کلاس کے اجراء سے طلبہ کی دینی، علمی، روحانی اور اخلاقی تربیت کا اہتمام ممکن ہوا، جس سے مستقبل میں ایسے نوجوان میسر آئیں گے جو عصری ضروریات اور جدید تقاضوں کی روشنی میں دین و ملت اور ملک و قوم کی خدمت کا فریضہ سرانجام دے سکیں گے۔

آپ کو یہ جان کر حیرت و مسرت ہوگی کہ اس جامعہ کی پہلی کلاس سند فراغ حاصل کر چکی ہے۔ سال 2006ء میں جامعہ ہجویریہ میں موقوف علیہ کے اسباق کا آغاز اور رسم افتتاح قبلہ پیر سید ریاض حسین شاہ صاحب نے مشکوٰۃ شریف کی حدیث کے درس سے فرمایا تھا اور دورۂ حدیث شریف کی کلاس کا افتتاح سال 2007ء میں حضرت قبلہ شاہ جی نے درس حدیث سے کیا تھا۔

بحمدہٖ تعالیٰ یہ ادارہ ترقی کی منازل کو بتدریج طے کرتا ہوا انتہائی کامیابی و کامرانی سے دورۂ حدیث/ الشهادة العالمیه فی العلوم العربیه والاسلامیه تک جا پہنچا ہے جو کہ یقیناً علمی و دینی حلقوں کے لیے ایک اطمینان بخش امر ہے۔

ابتدائی مرحلہ پر 25 طلبہ سے "الشهادة الثانوية العامه" (سال اوّل) کا آغاز کیا گیا۔ بتدریج ترقی کے مراحل طے کرتے ہوئے بفضل تعالیٰ اب ادارے میں الشہادۃ العالیہ فی العلوم العربیہ والاسلامیہ (ایم۔اے) تک سلسلہ تعلیم پہنچ چکا ہے۔ اس وقت جامعہ میں 100 سے زائد اقامتی طلبہ اور 50 ڈے۔کالرز تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ اقامتی طلبہ کی رہائش و خوراک کے تمام تر اخراجات کا بندوبست محکمانہ سطح پر کیا جاتا ہے۔

جامعہ میں درج ذیل شعبہ جات کام کر رہے ہیں:

الف۔ شعبہ درس نظامی

i۔ الشهادة الثانوية العامه (میٹرک)

ii۔ الشهادة الثانوية الخاصه (ایف۔اے)

iii۔ الشهادة العاليه (بی۔اے)

iv۔ الشهادة العالميه فی العلوم العربيه والاسلاميه (ایم۔اے)

ب۔ شعبہ تجوید و قرأت

ج۔ شعبہ تحفیظ القرآن

د۔ شعبہ علوم عصریہ

و۔ شعبہ فاضل عربی

ھ۔ طلبہ میں فکری اور تقریری صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لیے "بزم سید ہجویرؒ" کے تحت منعقدہ پروگرامز کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان کے زیر اہتمام منعقدہ امتحانات کے حوالے سے جامعہ ہجویریہ نے مختصر عرصے میں حسب ذیل امتیازات حاصل کیے:

سال2003ء الثانویۃ العامہ جامعہ ہجویریہ کے طالبعلم کی ملک بھر میں پہلی پوزیشن

سال2006ء الثانویۃ الخاصہ جامعہ ہجویریہ کے طالبعلم کی ملک بھر میں پہلی پوزیشن

سال2007ء الشہادۃ العالیہ جامعہ ہجویریہ کے طالبعلم کی ملک بھر میں تیسری پوزیشن

مقابلہ حسن قرأت میں:

ضلعی مقابلہ: جامعہ ہجویریہ کے طالبعلم کی پہلی اور دوسری پوزیشن

زونل/صوبائی مقابلہ: جامعہ ہجویریہ کے طالبعلم کی پہلی اور دوسری پوزیشن

قومی مقابلہ: جامعہ ہجویریہ کے طالبعلم کی پہلی اور دوسری پوزیشن

السعودا نٹرنیشنل مقابلہ حُسن قرأت حرمین شریفین میں پاکستان کی نمائندگی کرتے ہوئے جامعہ ہجویریہ کے دو طلبہ نے شمولیت کی سعادت حاصل کی۔

☆: دربار داتا صاحب سے ہر ماہ اور ہر سال کتنی رقم نکلتی ہے اور اس کے مصارف؟

✿: حضرت داتا گنج بخش کے آستانے سے محکمہ کو سالانہ 17 کروڑ 60 لاکھ آمدن ہوتی ہے جب کہ داتا دربار کے مختلف امور پر تقریباً 4 کروڑ روپے خرچ کیا جاتا ہے۔ آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ محکمہ اوقاف کے معرض وجود میں آنے کا بنیادی سبب بھی داتا دربار ہی تھا۔ محکمہ کی زیر تحویل دیگر مساجد اور مزارات کے بہت سے اخراجات اسی آمدن سے پورے کیے جاتے ہیں۔ داتا دربار میں صرف حفاظت پاپوش۔۔ جسے ہم عام طور پر جوتیوں کا ٹھیک کہتے ہیں، کی مد میں محکمہ کو 1 کروڑ 13 لاکھ موصول ہوتے ہیں۔ داتا دربار میں روزانہ کی بنیاد پر آنے والے زائرین کی تعداد تقریباً 20 ہزار جبکہ جمعرات، جمعہ کو تقریباً 40 سے 50 ہزار ہوتی ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ داتا دربار کہ عمومی انتظامات میں زائرین کو زیادہ سے زیادہ سہولتوں کی بہم رسانی کا معیار بین الاقوامی سطح کا ہو۔ میری یہ دلی تمنا بھی ہے کہ آپ کے مزار اقدس کی مسجد کا محراب و منبر بھی علمی، تحقیقی اور دینی حوالے سے اس قدر وقیع اور معتبر ہو کہ اس کی وساطت سے حضرت داتا گنج بخش کے علوم و معارف لوگوں تک صحیح انداز میں پہنچ سکیں۔

☆: اوقاف کا کل بجٹ کتنا ہے اور کتنے مزارات آپ کے زیر کنٹرول ہیں؟

✿: محکمہ اوقاف کی کل آمدن 70 کروڑ روپے سالانہ ہے جبکہ سالانہ اخراجات تقریباً ساڑھے چونسٹھ کروڑ ہیں۔ محکمہ ایک خود مختار ادارہ ہے جو اپنے جملہ اخراجات اپنی اسی آمدن سے پورے کرتا ہے۔ یہ آمدن محکمہ کی زیر تحویل مزارات اور وقف املاک سے ہوتی ہے۔ محکمہ کو حکومت کی طرف سے کوئی علیحدہ گرانٹ نہیں دی جاتی۔ محکمہ کے زیر انتظام تقریباً 400 مزارات ہیں، جن سے حاصل ہونے والی کل آمدن ان مزارات اور مساجد کی تعمیر اور تزئین و مرمت پر خرچ کی جاتی ہے محکمہ کی زیر تحویل کل 418 مساجد ہیں جن میں 271 بریلوی، 131 دیوبندی، 12 اہلحدیث اور 4 شیعہ ہیں۔ اس کے علاوہ محکمہ میں تقریباً 3 ہزار ملازمین ہیں، جن کی تنخواہوں وغیرہ کے جملہ امور بھی محکمانہ سطح پر اسی آمدن سے پورے کیے جاتے ہیں۔ محکمہ ایک خود مختار ادارہ ہے جو اپنے جملہ اخراجات اپنے وسائل سے پورے کرتا ہے۔

☆: ڈائریکٹوریٹ جنرل مذہبی امور یقیناً پورے محکمہ کے علمی، دینی اور تحقیقی تشخص کے حوالہ سے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس ڈائریکٹوریٹ کے حوالہ سے کچھ تفصیلات سے ہمارے قارئین کو آگاہ کریں نیز "محکمہ اوقاف" کے قیام کے بنیادی مقاصد پر بھی روشنی ڈالیے۔

✿: وقف پراپرٹیز آرڈی نینس 1959ء کے تحت یکم جنوری 1960ء کو "محکمہ اوقاف" قائم کیا گیا۔ جس کا مقصد وقف املاک کی بہتر دیکھ بھال اور ان سے حاصل شدہ آمدن کو تبلیغ دین، علوم اسلامیہ کی تحقیق و اشاعت، صوفیاء و اولیاء کی تعلیمات کے فروغ اور دیگر سماجی و فلاحی

کاموں پر صرف کرنا تھا۔ مذکورہ اہداف کے حصول کے لیے محکمہ اوقاف پنجاب نے مساجد کے نظام کو مؤثر اور بہترین بنانے کے ساتھ مدارس میں اسلوب تعلیم کو قرآنی اور اسلامی خطوط پر استوار کیا، نیز خانقاہی رسومات کو طریقت اور شریعت کے دائرہ میں رکھتے ہوئے مؤثر بنایا، تاکہ ملت کی نگہبانی اور راہنمائی کا وہ فریضہ جو ان مساجد، مدارس، آستانوں اور خانقاہوں کی بنیادی ذمہ داری ہے، کا فیضان عام ہو سکے۔

1993ء میں اوقاف آرگنائزیشن کی تنظیم نو ہوئی جس کے تحت حسب ذیل ڈائریکٹوریٹ کی تشکیل عمل میں آئی:

۱) ڈائریکٹوریٹ جنرل مذہبی امور
۲) ڈائریکٹوریٹ ایڈمنسٹریشن
۳) ڈائریکٹوریٹ اسٹیٹ
۴) ڈائریکٹوریٹ پراجیکٹس
۵) ڈائریکٹوریٹ فنانس
۶) ڈائریکٹوریٹ ہیلتھ

1993ء میں پنجاب اوقاف آرگنائزیشن کی تنظیم نو کے ذیل میں "ڈائریکٹوریٹ جنرل مذہبی امور" کی تشکیل عمل میں آئی۔ مساجد کی درجہ بندی کرتے ہوئے، ان کی تاریخی اہمیت اور علمی ومعاشرتی مرکزیت کے پیش نظر مساجد "خصوصی درجے سے لے کر درجہ ششم" میں تقسیم کی گئیں۔ آئمہ/خطباء، مؤذنین وخدام اور مدرسین سمیت دیگر عملہ مساجد و مدارس کے لیے ان کی تعلیمی اہلیت وقابلیت کا تعین کیا گیا۔ مساجد میں ان کے مسلک کے مطابق عملہ کی تعیناتی کو یقینی بنایا گیا۔ سال 2002ء میں محکمہ کے دائرہ کار میں وسعت اور اس کے دینی اور علمی مزاج کے پیش نظر اس کو "محکمہ مذہبی امور واوقاف" سے موسوم کر دیا گیا۔ جبکہ جنوری 2008ء میں ڈائریکٹوریٹ مذہبی امور کو "ڈائریکٹوریٹ جنرل مذہبی امور" کے طور اپ گریڈ کرتے ہوئے ضلعی خطباء، زونل خطباء اور صوبائی خطباء سمیت ڈائریکٹر مذہبی امور کی آسامیاں اپ گریڈ کی گئیں۔ اس وقت ڈائریکٹوریٹ جنرل مذہبی امور واوقاف کے زیر انتظام 418 مساجد، 400 مزارات اور 75 مدارس ہیں، جن میں ایک ہزار سے زائد "عملہ مساجد و مدارس" ایک مؤثر نیٹ ورک اور مربوط حکمت عملی کے ساتھ علمی، دینی، تدریسی وانتظامی خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ عصر حاضر میں "مسلکی تشخص" ایک مسلمہ حقیقت ----- تاہم ڈائریکٹوریٹ جنرل مذہبی امور سے منسلک تمام مسالک اور مکاتب فکر کے آئمہ خطباء، مدرسین اور مؤذنین کے درمیان بہترین ذہنی ہم آہنگی اور مذہبی و

فکری سطح پر اشتراکِ عمل کی خوبصورت فضا قائم ہے۔ اس سلسلے میں صوبائی و زونل سیرت کانفرنسز، محافلِ قرأت و نعت، امّہات المومنین، اہل بیت اطہار، خلفائے راشدین و صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خصوصی ایام کے حوالے سے مشترکہ تقریبات کا اہتمام، جس میں تمام مسالک کی نمائندہ شخصیات اور عامۃ المسلمین موجود ہوتے ہیں، خصوصی طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ معاشرے سے انتہا پسندی اور تشدد پرستی جیسے عوامل کی بیخ کنی کے لیے ضروری ہے کہ صوفیاء کی تعلیمات کا صحیح ابلاغ اور خانقاہوں کے دینی، علمی اور تدریسی تشخص کو مؤثر انداز میں اجاگر کیا جائے اور ان کی متصوفانہ دینی اقدار، علم پروری، رواداری، محبت اور انسان دوستی کے فیضان کو عام کیا جائے، جس کے لیے محکمہ ایک مربوط حکمتِ عملی کے ساتھ سرگرم عمل ہے۔

موجودہ قومی اور بین الاقوامی تناظر میں دینی ادارے بہت اہمیت اختیار کرتے جارہے ہیں، جس کے سبب "ڈائریکٹوریٹ جنرل مذہبی امور" کا مذہبی، علمی، عملی اور انتظامی دائرہ بھی بہت وسیع ہو چکا ہے۔ حالیہ برسوں میں متحدہ علماء بورڈ، پنجاب قرآن بورڈ، سیرت اکیڈمی و قرآن کمپلیکس، داتا گنج بخش یونیورسٹی، مرکز معارف اولیاء، ایوانِ صوفیاء، مدارس کی ضابطہ بندی و رجسٹریشن، ماڈل دینی مدارس کا قیام، بین المذاہب ہم آہنگی کمیٹی، اتحاد بین المسلمین کمیٹی پنجاب ایسے گراں قدر شعبہ جات اسی ڈائریکٹوریٹ کی معاونت و اشتراک سے روبہ عمل ہیں۔" ڈائریکٹوریٹ جنرل مذہبی امور میں عملہ مساجد کی تقرری، تعیناتی، تبادلہ و ترقی سمیت دیگر دفتری امور اور مساجد و مزارات کی دینی و انتظامی ضروریات و خدمات کو گزشتہ عرصے سے، نہایت مدگی اور جانفشانی سے سرانجام دیا جارہا ہے۔ تاہم کسی بھی ادارے یا شعبے کو اس کی تخلیقی اور تحقیقی سرگرمیاں اور علمی کارہائے نمایاں ہی دوسروں سے ممتاز کرتے ہیں جس کے لیے ڈائریکٹوریٹ جنرل مذہبی امور اور اس سے منسلک اور متعلق دیگر شعبہ جات اپنی کارکردگی اور علمی و فکری سعی و کاوش کے سبب لائقِ تحسین ہیں۔

☆: پنجاب یونیورسٹی یا دنیا بھر کی لائبریریوں میں کشف المحجوب کے متعدد قلمی و مطبوعہ نسخے موجود ہیں۔ کیا آپ نے کبھی سوچا ہے کہ ان تمام نسخوں کی فوٹو سٹیٹ حاصل کر کے داتا گنج بخش لائبریری میں جمع کیے جائیں تا کہ ریسرچ حضرات کچھ کام کر سکیں۔

✿: اس وقت مرکز معارف اولیاء، داتا دربار کمپلیکس میں ایک خوبصورت لائبریری موجود ہے۔ جس میں متصوفانہ دینی افکار کا حامل جملہ لٹریچر جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے بالخصوص حضرت داتا گنج بخش کے افکار، احوال اور افکار و تعلیمات کے حوالہ سے یہاں جملہ تحریری ادب موجود ہے۔ مجلّہ معارف اولیاء گذشتہ سالوں میں کشف المحجوب کے مختلف حوالوں سے خصوصی نمبرز شائع کر چکا ہے۔ کشف المحجوب کے قلمی نسخوں کو محفوظ کر کے ان کی طباعت و اشاعت کے حوالہ سے بھی خصوصی اہتمام زیرِ غور ہے۔

☆: پنجاب یونیورسٹی میں سیّد علی ہجویری چیئر قائم کی گئی اس نے اب تک کیا کام کیا ہے؟

✿: پنجاب یونیورسٹی میں سیّد علی ہجویری چیئر گذشتہ طویل عرصہ سے خدمات سرانجام دے رہی ہے۔ مرکز معارف اولیاء اور ہجویری چیئر کے اشتراک سے کشف المحجوب کے محقق متن کی تدوین اور ایک معیاری نسخہ کی ترتیب کا کام جاری ہے جس میں کشف المحجوب جملہ آیات، احادیث، فارسی اقوال کی تخریج، کتابیات، شخصیات، اماکن، اشعار اور سیرت نگاران داتا گنج بخش کی الگ الگ فہارس شامل ہوں گی۔ اس تحقیقی منصوبہ میں شعبہ عربی پنجاب یونیورسٹی کے چیئرمین ڈاکٹر خالق داد ملک اور یہ ناچیز مشترکہ طور پر اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں کوشاں ہیں۔ یقیناً اس نسخہ کی اشاعت قارئین و محققین کے لیے خصوصی دلچسپی کا باعث ہوگی۔ علاوہ ازیں اسی ہجویری چیئر کے زیرِ اہتمام پنجاب یونیورسٹی میں تصوف پر سرٹیفکیٹ اور ڈپلومہ کلاسز کا آغاز ہو چکا ہے اور تصوف کے حوالہ سے خصوصی سیمینارز کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ گو کہ یہ چیئر اس سطح کی کارکردگی کا مظاہرہ نہیں کر سکی جیسا کہ توقع کی جارہی تھی تاہم پنجاب یونیورسٹی میں اس کا قیام اور اس کی موجودہ کارکردگی بھی بہر حال غنیمت ہے۔

☆: یونیورسٹی کے طلباء نے ایم اے اور پی ایچ ڈی کے مقالات لکھے ہوں گے۔ کیا ان کی طباعت کا بھی محکمہ نے منصوبہ تیار کیا ہے؟ مثال کے طور پر محمد حسین تسبیحی کا قابلِ قدر مقالہ ہے۔ وہ چھپا ہے یا نہیں؟

یہ بات خوشی اور اطمینان کا باعث ہے کہ ایرانی نژاد محقق ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی جنہوں نے اپنی عمرِ عزیز کا ایک طویل حصہ کشف المحجوب کی تدوین نو اور حضرت داتا گنج بخش کی حیات و تعلیمات کے محققانہ تجزیے اور تحلیل میں صرف کیا، کا فارسی زبان میں شہرۂ آفاق تحقیقی مقالہ بعنوان " تحلیل کشف المحجوب و تحقیق دراحوال و آثار حضرت داتا گنج بخش" کی اشاعت سال 1999ء میں داتا دربار کمپلیکس کے افتتاح کے موقع پر محکمہ کے اشتراک سے عمل میں آئی اور یہ بات بھی اطمینان بخش ہے کہ اس کتاب کے اردو ترجمہ کا اہتمام بھی جاری ہے۔ یہ تحقیقی مقالہ 12 ضخیم فصلوں پر مشتمل ہے۔ اس کی پہلی فصل بعنوان " عصر ہجویری، محیط فرہنگی، محیط دینی، محیط سیاسی" سمیت ابتدائی ابواب اردو ترجمہ کے

ساتھ مجلہ معارف اولیاء کے مختلف شماروں میں شائع ہو چکے ہیں۔ اس کتاب کے ترجمہ کے لیے محکمہ نے ڈاکٹر محمد اقبال ثاقب چیئرمین شعبہ فارسی گورنمنٹ کالج یونیورسٹی کی خدمات حاصل کی ہیں۔

حضرت داتا گنج بخش کے احوال واقوال اور حیات وتعلیمات اور آپ کی تصنیف لطیف کشف المحجوب کے حوالہ سے یونیورسٹی کی سطح پر تحقیقی کام گذشتہ صدی کے اوائل میں شروع ہوا۔ اس علمی اور تحقیقی روایت کو آگے بڑھانے میں تہران یونیورسٹی ایران کو ایک واضح برتری اور سعادت میسر ہے۔ جہاں حضرت داتا گنج بخش کے احوال وآثار پر مختلف موضوعات کے تحت پی ایچ ڈی کی سطح کے 6 تحقیقی مقالے لکھے جا چکے ہیں۔ پی ایچ ڈی کی سطح پر ایک تحقیقی مقالہ جامعہ الازہر مصر میں بھی لکھا جا چکا ہے، جو کہ مطبع الاھرام التجاریۃ قاہرہ سے دو جلدوں میں شائع ہو چکا ہے۔ کشف المحجوب کا عربی ترجمہ "کشف المحجوب للہجویری" 1980ء میں لبنان سے بھی شائع ہو چکا ہے۔ علاوہ ازیں پنجاب یونیورسٹی شعبہ فارسی سے "کتابشناسی ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش" کے عنوان پر ایم فل کا مقالہ جبکہ ایم اے اور بی اے کی سطح پر تحقیقی مقالات کی ایک کثیر تعداد اس وقت موجود ہے۔ کشف المحجوب کے حوالہ سے اب تک سب سے عمدہ کام ایرانی سکالر ڈاکٹر محمد محمود عابدی کا ہے جس کو ایران ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذیلی اشاعتی ادارے سروش نے سال 2004ء میں شائع کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ یہ ضخیم نسخہ 1231 صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں 74 صفحات کا مقدمہ، 610 صفحات پر مشتمل کشف المحجوب کا متن، 332 صفحات تعلیقات اور توضیحات، 208 صفحات اشاریے اور آخری 14 صفحات مقدمہ اور تعلیقات کے ماٰخذ کی فہرست پر مشتمل ہیں۔ اس ایڈیشن کا آدھا حصہ متن پر مشتمل ہے اور آدھا اس متن پر تحقیق وتدوین پر، جس سے ڈاکٹر عابدی کی محنت اور کاوش کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر عابدی نے کشف المحجوب کی تدوین میں ژوکوفسکی کے نسخہ کو ہی بنیاد بنایا ہے۔ سال 2006ء کے سالانہ "سیّد ہجویر تصوف سیمینار" منعقدہ پنجاب یونیورسٹی لاہور میں ایرانی قونصلیٹ نے اس فارسی نسخے کی کاپی باقاعدہ طور پر محکمہ کے حوالے کی، جس کے اردو ترجمہ کے لیے محکمانہ سطح پر کاوشیں جاری ہیں۔

☆: آپ کو سیّد علی ہجویری سے یقیناً بے حد عقیدت ہوگی۔ روحانی عقیدت کا کوئی واقعہ؟

✿: اس عظیم آستاں پر میری پہلی حاضری کا جو خوبصورت تأثر میرے ذہن میں محفوظ ہے، وہ 1977ء کا ہے۔ جب میں چھٹی یا ساتویں جماعت کا طالبعلم تھا، مجھے اپنے والد گرامی کے ساتھ حضرت داتا گنج بخش کے سالانہ عرس شریف میں حاضری کی سعادت میسر آئی۔ اگلے روز جب میں اپنے سکول (گورنمنٹ ہائی سکول، جڑانوالہ) اپنی کلاس میں گیا تو کلاس ٹیچر جن کا نام محمد بشیر احمد تھا، وہ مجھ سے بڑی محبت سے پیش آئے اور بار بار کلاس میں "مرکز تجلیات" کے الفاظ بڑی وارفتگی سے ادا کرتے ہوئے حضرت داتا گنج بخش کے احوال پر گفتگو کرتے رہے۔ ازاں بعد بھی مجھے یہاں حاضری کا موقع میسر آتا رہا لیکن پنجاب یونیورسٹی میں داخلہ کے بعد یہاں کی حاضری میرا معمول رہی، پھر یہاں تک کہ میں اسی در کا ہو کے رہ گیا۔

1998ء میں۔۔۔ یہاں پر باقاعدہ پوسٹنگ کے بعد الحمدللہ، مجھے یہ توفیق عطا ہوئی کہ آستانہ شریف کی قدیم علمی، روحانی تقریبات اور خانقاہی معمولات۔۔۔۔ جن میں وقت گزرنے کے سبب مزید بہتری اور تبدیلی کی گنجائش محسوس کی جا رہی تھی۔۔۔ مگر یہاں کے روایتی تقدس اور ان معمولات کی حرمت کے سبب کوئی کمی بیشی کرنے کی ہمت نہ ہو رہی تھی۔ سیّدی حضور داتا گنج بخش کی خصوصی توجہ اور فیضان کے سبب اور انہی کے طفیل سے مجھ ناچیز کو یہ توفیق عطا ہوئی کہ میں نے بتدریج ان امور میں بہتری کے لیے تحریک شروع کی۔ مجھے گذشتہ بارہ سالوں سے آپ کے مزار اقدس کے غسل کی تقریب میں شمولیت اور انتظامات کی نگرانی کی سعادت میسر رہی۔ غسل کی تقریب صدیوں سے 9 محرم الحرام کو عصر کی نماز کے بعد شروع ہوتی تھی جس میں صوبے کے سربراہ، دیگر عمائدین اور اعلیٰ شخصیات کے ساتھ شامل ہوتے تھے۔ مزار شریف کے اندر تلاوت، سورۃ یٰسین، شجرۂ طریقت، شجرۂ نسب اور ختم شریف پڑھنے کے بعد غسل شریف شروع ہوتا تو لوگ دیوانہ وار مزار شریف کی طرف بڑھتے۔ کچھ لوگ ذکر اذکار اور درود وسلام میں مصروف ہو جاتے اور کچھ لوگ اپنی عقیدت وارادت کا اظہار اس طرح کرتے کہ جس سے ہلڑبازی اور دھکم پیل کا سلسلہ شروع ہو جاتا اور یوں تلاوت اور شجرہ وغیرہ کی آواز ہجوم کی ہاؤ ہو میں دب جاتی اور ایک عجیب سا ماحول پیدا ہو جاتا۔ گذشتہ طویل عرصہ سے یہ انتہائی اہم تقریب اسی بدنظمی کے دوران سرانجام پاتی رہی۔ چنانچہ اس صورت حال پر طویل غور وخوض کے بعد گذشتہ 2 سالوں سے اس تقریب کے وقت کو تبدیل کیا گیا۔ عام زائرین کے لیے نشستوں کا اہتمام کر کے ان کی قلبی وروحانی آبیاری کے لیے درود وسلام اور ذکر واذکار کا اجتماعی طور پر اہتمام ہوا۔ کلوز سرکٹ ٹی وی کے ذریعے غسل کی جملہ رسومات کو لوگوں تک پہنچانے کا بندوبست کیا گیا جس سے یہاں پر موجود ہزاروں زائرین ایک اجتماعیت میں ڈھل کر اپنے آپ کو اس تقریب میں شامل ہونے کے احساس

سے مزین ہوئے اور یہاں کا وہ پرنور ماحول جو اس درگاہ کا حقیقی حسن ہے، اپنی پوری رفعتوں اور برکتوں کے ساتھ اس طرح سایہ فگن ہوا کہ ہر شخص کیف و سرور میں ڈوب گیا۔ اسی طرح عرس شریف کی تقریبات کو جو دو دن تک محدود تھیں، ان کو حقیقی طور پر 3 دنوں میں پھیلایا گیا، بلکہ عملاً یہ تقریبات ہفتہ بھر پر پھیل گئیں۔ عرس کا افتتاح جو رات عشاء کے بعد ہوتا تھا، اس کو ظہر کے وقت میں لایا گیا اور تینوں راتوں میں قومی محافل قرأت و نعت کے سلسلہ کو رائج کیا گیا۔ عرس شریف کی مختلف نشستوں کے لیے اکابر علماء، مشائخ، علمی شخصیات، قراء اور نعت خوان حضرات کو باوقار انداز میں باقاعدہ طور پر محکمہ کی طرف سے مدعو کیا گیا۔ علماء اور سکالرز کے خطابات کے لیے موضوعات کا تعین عمل میں آیا۔ سیّد ہجویر تصوف سیمینار، بین الجامعاتی مقابلہ حسن تقریر و حسن قرأت، مشاعرۂ منقبت کو باقاعدہ طور پر عرس تقریبات کا حصہ بنایا گیا۔

میرا معمول یہی رہا ہے کہ اس طرح کے جملہ امور سرانجام دینے سے قبل باقاعدہ آپ کے آستاں پر حاضری دیتا اور آپ کی بارگاہ میں اپنی معروضات پیش کرنے کے بعد وہاں سے جو خیال عطا ہو پھر اس کو کر گزرنے کے لیے اپنی جملہ توانائیاں اور وسائل صرف کرنے کی سعی کرتا ہوں۔ الحمد للہ اس قسم کے جملہ امور کو داتا صاحب نے اپنی بارگاہ میں قبولیت عطا فرمائی۔ میں اپنے تئیں ان کی سب سے بڑی کرامت اسی کو سمجھتا ہوں کہ انہوں نے مجھ جیسے کمزور اور ناتواں اور بے بضاعت شخص کو ہمیشہ اپنے حصار اور حفاظت میں رکھا۔ بظاہر بڑے بڑے طوفان اور تصادم آئے اور گزر گئے اور معمولی ردّ و قدح کے بعد حالات معمول پر آ جاتے رہے۔ بلاشبہ آپ کی ہستی بڑی شفیق ہے، بڑی مہربان ہے، وہ اپنے خادموں کا خیال رکھتے ہیں اور مجھ پر ان کا یہ کرم ہے کہ انہوں نے مجھے اپنے در کی چاکری کی سعادت عطا کر رکھی ہے، جبکہ مجھے کوئی دعویٰ علم و فضل نہیں لیکن یہ ان کی نظرِ کرم ہے کہ آج میں آپ کے سامنے بیٹھا۔۔۔ دلیلِ راہ کے لیے باتیں کر رہا ہوں۔ ہم چھوٹے لوگ ہیں، ہماری چھوٹی چھوٹی خواہشیں ہیں، جن کو وہ شرفِ قبولیت عطا کرتے ہیں، یہی ان کی میرے لیے سب سے بڑی کرامت ہے۔

☆: مزار اقدس کے حوالے سے کوئی خاص بات؟ ان لوگوں کو سہولتیں فراہم کرنے کے لئے محکمہ اوقاف کیا انتظامات کرتے ہیں؟

✿: بلاشبہ حضرت داتا گنج بخش کا آستانہ برصغیر کا سب سے بڑا دینی اور روحانی مرکز ہے۔ یہاں کے تذکار کی اتنی جہتیں ہیں کہ جس کے بیان کے لئے کئی نشستیں اور ہو سکتی ہیں۔ میں یہاں پر مختصر سی بات کہنا چاہوں گا۔ ایک بین الاقوامی سروے کے مطابق دنیا کے "میگا سٹیز" یعنی بڑے شہروں میں لوگوں کو خوراک، رہائش اور شدید نفسیاتی الجھنوں کا سامنا ہے۔ دنیا کے اکثر بڑے شہروں میں لوگ بھوکے پیٹ فٹ پاتھوں پر سوتے ہیں اور جو آسودہ حال لوگ ہیں وہ جملہ مادی آسائشوں کے باوجود اندر سے بکھرے ہوئے ہیں۔ اس سروے کے مطابق صرف لاہور ہی ایک ایسا شہر ہے جہاں ہر غریب الدیار اجنبی کو کھانے کے لئے روٹی، رہنے کے لئے جگہ اور اپنی دکھوں کے مداوے کے لئے صاحب مزار کی چوکھٹ میسر آ جاتی ہے۔ لاہور کے لوگ داتا دربار کے در و دیوار سے اتنے ہی مانوس ہیں۔۔۔ جتنے بچے اپنے والدین سے ہوتے ہیں۔ لوگ اپنے دلوں کا بوجھ اور دکھوں بھری کہانیاں صاحب مزار کو سنا کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لیتے ہیں اور یوں بہت سی نفسیاتی اور ذہنی الجھنوں سے بچ جاتے ہیں۔

☆☆☆

سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے چند رفقاء

صاحبزادہ اقبال احمد فاروقی

حضرت سید ابوالحسن علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اولیاء کرام میں ایک ہر دلعزیز اور محترم شخصیت تھے۔ آپ نے اپنی جوانی میں عالم اسلام کی سیر و سیاحت میں ایک لمبا عرصہ گزارا۔ خصوصاً خراسان جوان دنوں نصف جہان تھا کے اولیاء کرام سے استفادہ کیا۔ روحانیت کی تربیت و اشاعت میں یہ خطہ خیابان روحانیت کہلاتا تھا جہاں اولیاء اللہ کی ایک کثیر تعداد موجود تھی۔ خراسان کے ایک ایک شہر اور ایک ایک قصبے میں بزرگان دین کی روشن خانقاہیں تھیں جہاں سے روحانیت کی ضیاء پھوٹتی تھی۔

جسٹس پیر کرم شاہ بھیروی رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ حضرت سید ابوالحسن ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب کشف المحجوب میں لکھتے ہیں" مجھے اس سیاحت میں خراسان کے تین سو اولیاء اللہ سے مصافحہ کی سعادت نصیب ہوئی تھی اور حاضری کا شرف ملا۔ ان اولیاء کرام میں دنیا اسلام کے جلیل القدر مشائخ اور ارباب کرامت تھے۔ ہم داتا گنج بخش کی اس بات سے اندازہ لگا سکتے ہیں جو آپ نے اپنے پیر و مرشد ابوالفضل ختلی رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی فرمائی ہے آپ فرماتے ہیں کہ میرے پیر و مرشد حضرت حضری رحمۃ اللہ علیہ نے خراسان کے ایک جنگل میں اپنے ہم عصر اولیاء کرام کو دعوت دی۔ میں نے دیکھا کہ دنیا کے گوشے گوشے سے اولیاء اللہ کے کاروان آنے شروع ہوئے۔ ہر ایک ولی اللہ ایک تخت پر بیٹھا فضا میں اڑتا چلا آرہا ہے اور ہر ایک کے ساتھ سو سو زیر تربیت بزرگ آرہے ہیں۔ میرے پیر و مرشد نے فضا سے اترنے والے کسی صاحب کرامت بزرگ کی طرف توجہ نہ کی مگر ایک بزرگ جو پیدل چل کر پہنچے تھے، ان کے پاؤں کے جوتے ٹوٹ چکے تھے، لباس غبار آلود تھا، چہرہ سفر کی سختیوں سے گرد آلود تھا، آپ نے آگے بڑھ کے استقبال کیا اور بتایا نہیں کسی کرامت کی پروا نہیں بلکہ کرامتیں ان کی تلاش میں رہتی ہیں۔

خراسان کی سرزمین میں صاحب کرامت اولیاء کرام اللہ کی اتنی کثرت سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچویں صدی کا اسلامی معاشرہ روحانیت کی تربیت میں بے حد خوش قسمت تھا۔ پھر حضرت داتا گنج بخش جن اصحاب کی نورانی مجالس اور محافل میں نشست و برخاست رکھتے تھے وہ کتنے صاحب فکر و نظر تھے۔ آپ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ میرے ایک دوست بڑے خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ خراسان کے ایک علاقہ کے گورنر نے آپ کو تیس ہزار درہم بطور نذرانہ بھیجے۔ آپ اس وقت ایک حمام میں غسل فرما رہے تھے۔ باہر آئے، نذرانہ قبول کیا اور کھڑے کھڑے غربا و مساکین میں تقسیم کر دیا۔ ایثار و غریب پروری کی یہ مثالیں اہل اللہ کے ہاں ملتی تھیں۔

حضرت داتا گنج بخش کشف المحجوب میں لکھتے ہیں:

"ایک بوڑھے درویش کو کوفہ کے بازار میں دیکھا جو کئی دنوں سے بھوکے اور پیاسے تھے اور سفر کی پریشانیوں سے نڈھال تھے۔ ہاتھ پر ایک خوبصورت چڑیا بٹھا رکھی تھی اور آواز لگا رہے تھے" ہے کوئی جو یہ چڑیا خریدے تاکہ میں کھانا کھا سکوں" لوگ ان کے اردگرد جمع ہو گئے اور انہیں سمجھانے لگے آپ اللہ کے نام پر روٹی مانگیں لوگ دیں گے۔ آپ نے فرمایا" میں روٹی کے لئے خدا کا نام نہیں بیچ سکتا"۔

حضرت ابوالقاسم امام قشیری حضرت داتا گنج بخش کے استاد مکرم تھے۔ آپ اپنے زمانہ کے نادر الوجود اور بلند قدر ولی اللہ تھے۔ زمانے کے حالات و واقعات سے باخبر تھے۔ دنیا کے واقعات پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔ وہ ہر موضوع پر بڑی عمدہ گفتگو فرمایا کرتے۔ آپ کی تصانیف و تالیفات اہل علم و عرفان کے لئے روحانی دولت کا سامان تھیں۔ صاحب "خزینۃ الاولیاء" نے آپ کا سن وصال 465ھ لکھا ہے۔ حضرت داتا گنج بخش نے آپ کے علمی اور روحانی انوار سے بڑا فائدہ اٹھایا۔ آپ لکھتے ہیں کہ مجھے ایک مسئلہ درپیش تھا۔ میں نے اس کے حل کے لئے بڑی تگ و دو کی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ آخر میں اپنے استاد گرامی کی خدمت میں "طوس" پہنچا۔ حضرت امام قشیری ؒ اس وقت اپنی مسجد میں اکیلے بیٹھے مسجد کے ستون کو وہ مسئلہ سمجھا رہے تھے جس کی تلاش میں مجھے اتنا لمبا سفر کرنا پڑا۔ آپ کے پاس بیٹھ گیا۔ آپ ستون سے ہم کلام رہے۔ جب آپ گفتگو کے بعد خاموش ہوئے تو میں نے سلام عرض کیا اور دریافت کیا" حضرت ستون سے گفتگو کا کیا معنی؟ آپ نے فرمایا ابھی ابھی اس ستون نے مجھ سے یہ مسئلہ دریافت کیا تھا میں اس کی وضاحت کر رہا تھا۔ حضرت داتا گنج بخش فرماتے ہیں کہ آپ نے میرا مشکل مسئلہ حل کر دیا تھا اور میں مطمئن ہو گیا۔

حضرت داتا گنج بخش کے پیر و مرشد حضرت شیخ ابوالفضل ختلی ؒ اپنے وقت کے بلند پایہ شیخ طریقت اور زبردست عالم تفسیر و احادیث تھے۔ آپ حضرت حضری رحمۃ اللہ علیہ کے محرم راز مرید تھے۔ آپ نے زندگی کے ساٹھ سال بیابان و جنگلات میں بسر کئے۔ لوگوں سے دور رہے اور عالمانہ لباس اور مشائخ کا جبہ و دستار نہیں پہنا۔ وہ دمشق کے قصبہ "بیت الجن" میں رہتے تھے۔ لوگ دور دراز سے چل کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ کی وجہ سے بے پناہ فائدہ اٹھاتے۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ایک دن میں اپنے پیر و مرشد کو وضو کرا رہا تھا۔ میرے دل میں خیال آیا جب اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کی تقدیر اور مقدر لکھ دیا ہے تو پھر یہ نمازیں، روزے، ریاضتیں اور

ستاد، پیرومرشد کی خدمات کا کیا فائدہ؟ حضرت نے میرے دلی خدشات کو پالیا اور خود ہی فرمایا "بیٹا! تمہارے دل میں جو خیالات آ رہے ہیں میں ان سے واقف ہوں۔ یاد رکھو اس دنیا میں ہر کام کا ایک سبب ہوتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے انعامات اور اعزازات حاصل کرتا جاتا ہے اور یہی نوشتہ تقدیر ہے"۔ داتا صاحب فرماتے ہیں کہ میرے پیرومرشد ابوالفضل ختلی وصال سے پہلے اپنے گھر "بیت الجن" میں تشریف فرما تھے۔ میں بھی آپ کے حجرے میں موجود تھا۔ حضرت کا سر میرے پہلو میں تھا اور میری نگاہیں آپ کے چہرے پر تھیں۔ اس طرح میں نے عالم روحانیت کے سورج کو غروب ہوتے دیکھا۔ آپ نے نزع کے عالم میں مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا "بیٹے! دنیا کی تمام چیزیں خواہ اچھی ہوں یا بری، اللہ نے بنائی ہیں۔ تم اچھی چیزوں کو اپنا لو مگر بری چیزوں سے جھگڑا مت کرو کیونکہ یہ بھی اللہ کی مخلوق ہیں"۔

حضرت داتا گنج بخش ایک سفر کے دوران چین میں فرغانہ کے قصبہ میں جا پہنچے۔ فرغانہ کے پاس ہی ایک گاؤں تھا جس کا نام "ساتک" تھا۔ وہاں ایک بزرگ رہتے تھے جن سے آپ کو ملنے کا اشتیاق تھا۔ داتا صاحب لکھتے ہیں یہ بزرگ اوتاد کے منصب پر فائز تھے۔ اہل اللہ انہیں "اوتاد الارض" کہا کرتے تھے۔ مقامی بزرگ لوگ آپ کو "باب العمود" کہہ کر یاد کیا کرتے تھے۔ آپ جس گھر میں رہتے تھے وہاں آپ کی ضعیف العمر بیوی فاطمہ کے علاوہ اور کوئی نہ رہتا تھا۔ اس "اوزخیز" سے چل کر صرف اس بزرگ کی زیارت کو آیا تھا۔ مجھے دیکھتے ہوئے فرمایا "تم کیوں آئے ہو" میں نے عرض کی حضور کے چہرہ انور کی زیارت کو حاضر ہوا ہوں، فرمانے لگے بیٹا! یہ سفر و سیاحت بچوں کا کھیل ہے اب مجھے ملنے کے لئے سفر کی ضرورت نہیں جہاں توجہ دو گے مجھے سامنے پاؤ گے"۔ اسی اثنا میں آپ نے بیوی فاطمہ کو آواز دے کر مہمان کے لئے کچھ لانے کو کہا۔ وہ ایک طشتری میں نہایت عمدہ انگور اور تر کھجوریں لائیں۔ نہ وہ انگور کا موسم تھا نہ وہاں تازہ کھجوریں ملتی تھیں۔ میں ان کی تواضع کا آج تک لطف محسوس کرتا ہوں۔

حضرت عبداللہ رودباری صوفیاء کرام میں بلند مقام والے بزرگ تھے۔ دریائے دجلہ کے کنارے ایک گاؤں "صور" میں رہتے تھے۔ بڑے صاحب کرامت اور ماہر علوم شریعت تھے۔ حضرت داتا گنج بخش نے آپ کو ابتدائی زندگی میں نہ دیکھا تھا۔ آپ کا ایثار و تقویٰ اس قدر قوی تھا کہ آپ اپنے مریدوں کو بھی ایثار اور سخاوت کا نمونہ بنا دیتے تھے۔ حضرت داتا گنج بخش آپ کا ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ آپ اپنے رئیس اور امیر مرید کے گھر آئے۔ گھر دنیاوی اشیاء سے بھرا پڑا تھا مگر مرید گھر میں موجود نہ تھا۔ آپ نے غربا مساکین کو بلایا اور مرید کا سارا گھر لٹا دیا۔ ہر چیز کو غربا میں تقسیم کر دیا۔ مرید آیا اس نے گھر کو خالی پایا۔ حضرت مرشد کو دیکھا تو اطمینان حاصل ہوا اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ:

اب بے نیاز گروش دوراں ہوئے تو ہیں

مرید کی بیوی نے اپنے زیورات اور ریشمی ملبوسات بھی حضرت عبداللہ کے حوالے کر دیئے کہ یہ بھی گھر کا سامان ہے اسے بھی مساکین میں تقسیم کر دیں۔ مرید نے دیکھا تو بیوی کو ڈانٹ کر کہا یہ کیا تکلف ہے۔ بیوی نے کہا جو کچھ شیخ نے کیا وہ "جود" ہے اور جو کچھ میں کیا وہ تکلف ہے۔ جود و تکلف دونوں اللہ کو پسند ہیں۔ یہ تھے مرشد اور یہ تھے مرید۔ سب کچھ اللہ کی راہ پر لٹا کر مطمئن تھے۔

حضرت شیخ ابوالقاسم گورگانی اپنے وقت کے بے مثال بزرگ تھے۔ اپنے زمانہ کی لاثانی شخصیت۔ آپ کی توجہ نے ہزاروں طالبان حق کو واصل باللہ کر دیا۔ شیخ بوعلی فارمدی جیسے صاحب کرامات بزرگ آپ کے خلیفہ تھے۔ حضرت داتا گنج بخش نے آپ کی مجالس سے بڑا روحانی فیض پایا تھا۔ آپ "کشف المحجوب" میں لکھتے ہیں کہ ایک دن مجھے حضرت کی مجلس میں حاضری کا اتفاق ہوا تو میں نے اپنے احوال کی تفصیلات بیان کرنا شروع کیں۔ میں جواں سال تھا اور مراحل سلوک طے کر رہا تھا۔ اس لئے اپنے تجربات اور احوال بیان کرتے وقت بڑا پرجوش تھا اور اپنی منازل طے کرنے پر فخر و غرور کا اظہار بھی کر رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت میری باتیں سن رہے ہیں مگر نہایت سکون اور خاموشی سے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ آپ کو میری باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ یہ بڑے بزرگ ابتدائی تجربات اور مشکلات سے ناواقف ہوتے ہیں اس لئے میرے احوال کی قدر نہیں کرتے۔ حضرت نے میرے ان قلبی خدشات کو بھانپ لیا۔ فرمانے لگے "بیٹا! یہ انکسار اور عاجزی تمہارے لئے نہیں ہے۔ یہ تمہارے احوال و مقامات کے لئے ہے۔ میں تو اس ذات کے لئے عجز کر رہا ہوں جو احوال کو تبدیل کرنے والا ہے، پھر ہر طالب علم کے لئے بھی انکسار اور عجز اختیار کرتا ہوں جو مقامات سلوک سے گزرتا ہے۔ حضرت داتا گنج بخش لکھتے ہیں کہ میں حضرت کی یہ بات سن کر دم بخود ہو گیا مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے قدموں تلے سے زمین نکل گئی ہے۔ آپ نے فرمایا "بیٹے! طریقت میں جب بندے کو ان حالات سے شکایت ہوتی ہے تو اس کو اس کے گمان میں بند کر دیا جاتا ہے جب انسان اپنے آپ میں بند ہو جاتا ہے، وہ اپنی نفی کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ میں فنا ہو کر اپنے تمام گمانوں اور دعوؤں سے خالی ہو جاتا ہے۔ اس مقام پر اس کے سامنے بس اللہ کی ذات ہوتی ہے جس کی اطاعت کرتا ہے۔ حضرت داتا گنج بخش لکھتے ہیں کہ اس دن کے بعد میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتا تو خاموش بیٹھا رہتا اور اپنے

احوال بیان کرنے کی بجائے اسرار ورموز سے دامن بھرتا۔ میں نے آپ کی مجالس سے وہ اسرار ورموز پائے کہ اگر بیان کروں تو دریا ٹھاٹھیں مارنے لگیں۔

شیخ ابو احمد المظفر بن حمدون خراسان کے ایک صوبے کے گورنر تھے، جذب حقیقی نے اپنی طرف کھینچا تو تخت شاہی پر ہی مقامات ومراتب ملے جو سالوں کی ریاضتوں اور حیلوں سے نہیں ملتے۔ اقتدار اور حکومت پر رہتے ہوئے آپ نے مقامات سلوک حاصل کیے۔ سلطان المشائخ شیخ ابو سعید ابو الخیر رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے، ہم تو اللہ کی بندگی اختیار کر کے اس تک پہنچے مگر خواجہ مظفر کو تاج و تخت میں بیٹھے بیٹھے دولت روحانیت مل گئی، ہم مجاہدہ کرتے رہے وہ مشاہدہ سے بلند مقام ہو گئے۔ حضرت داتا گنج بخش فرماتے ہیں، اگرچہ مجھے حضرت ابو احمد المظفر کی مجالس سے زیادہ استفادہ کا موقع نہیں ملا مگر آپ کے بیٹے خواجہ احمد نے مجھے بتایا کہ ایک دن خواجہ مظفر کے پاس سیتا پور سے چند ایسے ولی اللہ آئے جنہیں اپنی اولیائی پر بڑا ناز تھا۔ ایک نے مجلس میں کہا، پہلے فنا ہے پھر بقا۔ شیخ خواجہ مظفر نے فرمایا کہ اگر فنا ہے تو بقا کی ضرورت ہی کیا ہے۔ بقا قائم ہو گئی تو فنا ختم ہو گئی۔ حضرت داتا گنج بخش فرماتے ہیں، میں نوعمر تھا مجھے سفر کی گرمی نے ستایا ہوا تھا۔ میں طویل سفر کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لباس گرد آلود تھا۔ چہرے اور سر کے بال پراگندہ تھے۔ مجھے دیکھ کر فرمانے لگے ابو الحسن اپنی قلبی حالت بیان کرو اور یہ بتاؤ کہ تمہاری کیا تمنا ہے؟ میں نے عرض کی، حضرت میرا دل چاہتا ہے کہ سماع سنوں، آپ نے اپنے ایک خادم کو حکم دیا کہ گھر سے قوالوں کو بلالاؤ۔ قوال آئے سماع شروع ہوا۔ کئی لوگ مجلس میں جمع تھے۔ میرے اندر جوانی کی آگ بھڑک رہی تھی۔ باطنی ارادت کی وجہ سے سماع سے بڑا لطف اندوز ہوا۔ حضرت نے مجھے پوچھا "سناؤ ابو الحسن مجلس سماع کیسی رہی؟" میں نے عرض کی حضور بڑا لطف آیا۔ سفر کی تھکان جاتی رہی اور روح کو تازگی ملی۔ کچھ عرصے بعد میرا جوش اور سماع کا اشتیاق ٹھنڈا پڑنے لگا تو آپ نے مجھے اپنے پاس بلایا اور فرمایا۔ ابو الحسن ایک وقت آئے گا کہ قوالی اور کوے کی آواز میں تمہیں کوئی فرق محسوس نہ ہوگا کیونکہ سماع کا اشتیاق اسی وقت تک رہتا ہے جب تک انسان کو مشاہدہ حاصل نہیں ہوتا۔ مشاہدے کے بعد سماع اور دوسری ریاضتیں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔

حضرت داتا گنج بخش کے احباب میں شیخ زکی ابن ملا شیخ ابو جعفر، بسید لانی، شیخ ابو القاسم سرسی، شیخ الشیوخ ابو الحسن ابن سابعہ، ابو اسحاق، شہریار، ابو الحسن علی بن بکران، شیخ شفیق فرج زنجانی، شیخ ابو طاہر مکشوف، شیخ عبد اللہ جنیدی، خواجہ حسن سمنانی، شیخ محمد بن سلیح، خواجہ ابو جعفر، محمد الحواری، خواجہ محمود نیشا پوری، خواجہ رشید، مظفر ابو سعید، شیخ احمد نجار سمرقندی اور ابو الحسن ابی طالب الاسود جیسے جلیل القدر صوفیاء عصر کے اسمائے گرامی ملتے ہیں نجاران بزرگان دین کے علاوہ سینکڑوں باکمال صوفیاء آپ کے دوست تھے جو دنیائے تصوف میں آفتاب و ماہتاب بن کر چمکتے رہے ہیں۔ یہ حضرات، شام، عراق، فارس، آذربائیجان، طبرستان، کرمان، خراسان، ماوراء النہر، غزنیں اور ایران کے مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے تھے۔

حضرت حماد اور شیخ ابو سعید آپ کے خصوصی دوست تھے جلیس مجالس اور شریک سفر وحضر تھے۔ حضرت داتا گنج بخش غزنی سے لاہور آئے تو آپ بھی حضرت کے ہمرکاب تھے۔ قیام لاہور کے دوران آپ کے ساتھ رہے، حضرت داتا گنج بخش کی معرکۃ الارا کتاب کشف المحجوب شیخ ابو سعید کی فرمائش پر لکھی گئی تھی بلکہ فاضل مصنف نے آپ کے بعض سوالات کے جواب میں آپ کو مخاطب فرما کر یہ گراں مایہ کتاب ترتیب دی۔ شیخ ابو سعید ایک بلند پایہ عالم اور صوفی تھے۔ وہ ایک زیر تربیت سالک کی حیثیت سے حضرت داتا گنج بخش کی صحبت میں رہے۔ لاہور میں ابتدائی دنوں میں جن مصائب اور ناموافق حالات کا سامنا کرنا پڑا اس میں شیخ ابو سعید نہ صرف برابر کے شریک تھے بلکہ حضرت داتا گنج بخش کے لئے ایک رفیق غمگسار رہے۔ ان مشکلات کے بعد جن کامیابیوں نے حضرت داتا گنج بخش کے قدم چومے ان میں شیخ ابو سعید کا باقاعدہ حصہ ہے۔

صاحب کشف المحجوب نے اپنی کتاب میں جہاں تصوف کے اسرار ورموز کو بیان کیا ہے وہاں آپ نے اپنے سفر اور بزرگان دین سے ملاقاتوں کی تفصیل بھی بیان کی ہیں پھر جن بزرگان دین سے استفادہ کیا ہے ان کا تذکرہ بڑے خوبصورت انداز میں کیا ہے۔ صرف افراد ہی نہیں آپ نے اکثر بزرگان دین کے مزارات سے بھی استفادہ کیا اور روحانی برکات حاصل کیں۔ آپ اپنی کتاب میں ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ مجھے بعض مشکل مسائل کا سامنا تھا۔ میں نے بڑی کوشش کی مگر میری قلبی مشکلات حل نہ ہو سکیں۔ میں حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر تین ماہ تک ٹھہرا رہا مگر مسائل اور مشکلات جوں کی توں رہیں۔ آخر میں نے خراسان جانے کا ارادہ کیا اور پھر "کش" کے ایک قریبی گاؤں میں رات گزارنے کا فیصلہ کیا۔ اس گاؤں میں کسی ولی اللہ کا مزار تھا۔ اس خانقاہ پر کئی گدڑی پوش صوفیائے کرام قیام پذیر تھے۔ میں نے اس دن ایک کھردری گدڑی پہنی ہوئی تھی۔ میرے پاس کوئی سامان نہیں تھا، صرف ایک کوزہ اور ایک ڈنڈا تھا۔ ان صوفیوں نے مجھے اس لباس میں دیکھا تو حقارت سے نظر انداز کر دیا اور کہنے لگے تم ہم میں سے نہیں ہو۔ میں واقعی ان میں سے نہیں تھا۔ رات کا حصہ گزرا تو مجھے

کہنے لگے تم اس اونچی جگہ لیٹ رہو۔ وہ خود ایک چبوترے پر جا بیٹھے۔ انہوں نے مجھے ایک باسی، اور بدبودار سوکھی روٹی دی اور خود اعلیٰ قسم کے کھانے کھانے لگے۔ مجھے ان کے کھانوں کی خوشبو آ رہی تھی اور ان کے چٹخاروں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ کھانے کھاتے رہے اور مجھ پر طنز بھی کرتے جاتے۔ کھانا کھانے کے بعد وہ خربوزے کھانے لگے اور خربوزوں کے چھلکے مجھ پر پھینکتے جاتے اور قہقہے لگاتے جاتے۔ میں نے دل میں کہا اے اللہ! اگر یہ لوگ تیرے نیک بندوں کے لباس میں نہ ہوتے تو میں ان کی وہ خبر لیتا کہ وہ یاد رکھتے۔ اس کے باوجود ان کی زبانیں طنز کرنے اور ہاتھ چھلکے پھینکنے سے نہ رکے۔ میں ان کی یہ حرکات برداشت کرتا رہا، اپنے نفس کی انا کو دباتا رہا۔ ان کی ملامت پر ضبط کرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اس برداشت کی وجہ سے میری قلبی مشکلات آسان فرما دیں اور میرے مسائل حل ہو گئے۔ اب مجھے معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ بعض مجہول اور جاہل قسم کے لوگوں کو اپنے ساتھ کیوں رکھتے ہیں۔

حضرت داتا گنج بخش نے دوران سفر کئی ایسے اولیاء اللہ سے ملاقات کی جو واقعی اللہ کی راہ میں درویش بے نوا کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہے تھے۔ آپ کشف المحجوب کے صفحہ 636 پر لکھتے ہیں کہ میں نے ایک بیابان میں ایک ایسے شخص کو دیکھا جو سال میں چالیس چالیس روز متواتر کھائے پیئے بغیر رہتا تھا۔ شیخ دانش ابو محمد باغوی رحمۃ اللہ علیہ جب دنیا سے رخصت ہونے لگے تو میں وہاں موجود تھا۔ سابقہ ستر اسی دن سے آپ نے کچھ نہ کھایا تھا۔ پھر اتنے عرصہ میں آپ نے ایک نماز بھی قضا نہیں کی تھی۔ میں نے ایک درویش کو دیکھا جو اسی دن تک روزے سے رہا اور تمام نمازیں باجماعت ادا کرتا رہا۔ مرو کے علاقہ میں مجھے ایسے دو بزرگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ ایک کا نام مسعود تھا اور دوسرے کا شیخ ابو علی سیاہ تھا۔ حضرت مسعود نے شیخ ابو علی سیاہ کو بلایا اور کہا آؤ آج سے چالیس دن کا چلہ کریں اور کچھ نہ کھائیں اور نہ پئیں۔ ابو علی سیاہ نے جواب دیا کہ میرے پاس آ جائیں اور ہر روز خوب پیٹ بھر کر مرغن کھانا کھائیں مگر چالیس روز تک ایک ہی وضو سے تمام نمازیں ادا کریں۔ حضرت داتا گنج بخش ایسے ہزاروں مردان خدا کو ملتے تھے اور ان کی مجالس و صحبت سے استفادہ کرتے تھے۔

☆☆☆

ہجویری نامہ

ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی "رہا"

شیریں زبان فارسی میں درج ذیل مرصع و مقفع طویل نظم ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی نے لکھی، جو حضرت ابوالحسن علی بن عثمان الجلابی والہجویری لاہوری کے بارے میں ہے۔ صاحب کشف المحجوب، جو حضرت داتا گنج بخش کے لقب سے مشہور و معروف ہیں، لاہور (پاکستان) میں مدفون ہیں۔ یہ نظم 5 مارچ 1990ء کو حضرت سید علی ہجویری کے بارے میں منعقدہ کانفرنس میں پڑھی گئی جو دانش کدہ فرہنگ ایران میں منعقد ہوئی۔

ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی جن کا تخلص "رہا" ہے، ایرانی نژاد ہیں۔ وہ ایران سے پاکستان آئے اور برسوں تحقیق کے بعد سید علی ہجویری کی ذات بابرکات اور ان کے کارناموں پر پی ایچ ڈی کے لئے طویل مقالہ تیار کیا جسے پنجاب یونیورسٹی نے منظور کر لیا۔ ڈاکٹر صاحب کو حضرت داتا گنج بخش کی ذات سے جو عقیدت اور محبت ہے، اس کا اظہار ان کے مقالہ سے بھی ہوتا ہے اور نظم سے بھی۔ وہ آج کل اسلام آباد میں ہیں اور حضرت سید علی ہجویری سے متعلقہ ریسرچ سنٹر سے وابستہ ہیں۔ داتا علی ہجویری نمبر کی اشاعت کے سلسلہ میں راقم کی ان سے خط و کتابت رہی ہے۔

(مرتب: سعید بدر)

پیرِ عرفان و طریقت علی ہجویری
مرشدِ کامل مردم بود و نور افشاں
ہادیٔ و رہبرِ عشاقِ طریقت گشتہ
اولیں عارفِ اسلام بہ ملکِ اسلام
منبع عالمِ تصوف بہ جہانِ عرفاں
حامیٔ اہلِ طریقت سخت از حق گوید
آنکہ ارباب سخن را بہ سخن باز آرد
ہر کہ جوید رہ و رسم ادب عرفانی
ہر کہ پویائی حقیقت بہ جہان اسلام
آن کہ جویای تصوف ہمہ جا را دیدہ
سر بہ سر پیکرِ عفت نہ کلامش ستوار
سخن ازیرِ حقائق برساند جاں را
آن کہ از دشتِ بلا نالۂ دل بیروں کرد
صدقِ گفتار و بیانش بنشیند بر دل

پیکرِ مہر و محبت علی ہجویری
سیدِ رحمت و شفقت علی ہجویری
سرورِ گلزارِ شفاعت علی ہجویری
سیرت و خوئے نبوت علی ہجویری
کشفِ محجوبِ حقیقت علی ہجویری
لوحِ پاکی و شرافت علی ہجویری
خوشۂ سلم و سلامت علی ہجویری
کاشفِ علم و علامت علی ہجویری
عارفِ درگہ رحمت علی ہجویری
شعلۂ طورِ کرامت علی ہجویری
ماہرِ علمِ بلاغت علی ہجویری
شارحِ امرِ شہادت علی ہجویری
شاہدِ شہدِ شہادت علی ہجویری
محرمِ سرِّ صداقت علی ہجویری

اولیاء را بود او ذاکر و گویای جلی
گوہرِ دُرجِ ولایت علی ہجویری

در روایات و رسوم متصوف اول
مشعلِ کاخِ ثقافت علی ہجویری

منطقِ عقل و شعور از سخن اُو پیدا
خواجۂ باغِ درایت علی ہجویری

وقتِ اثباتِ شریعت نبود مانند ش
پیکِ ایمان و شریعت علی ہجویری

اُو بود مستفتد اہلِ ضلالت ہر دم
ماحیِ شرکت و بدعت علی ہجویری

قلبِ پاکش سخن از قدس و شرافت گوید
بُلبلِ باغِ قدامت علی ہجویری

جاہلاں را بہ سخن در رہ ایمان آرد
دشمنِ جہل و ضلالت علی ہجویری

صحبت و یاریٔ او وقت سفر شائستہ
مُرشد و ہادیٔ صحبت علی ہجویری

زہد و تقویٰ بود اُو را عمل حقانی
آیتِ عفت و عصمت علی ہجویری

چرخ گردوں بہ مرادش ہمہ جا می گردد
رہبرِ ملکِ سعادت علی ہجویری

درس علم و ادب و فقہ و حدیثش اول
شاہِ توشیحِ فصاحت علی ہجویری

نورِ اسلام عزیز از قلمش گستردہ
شیوۂ حفظِ قرأت علی ہجویری

جرأتش وقت بیان از شرف و عزو ادب
ماخذِ پیرِ صلابت علی ہجویری

گوہرِ نحو قلوبش بہ کمال عرفاں
منہجِ اش گشتہ دیانت علی ہجویری

روضہ از جایگہ پیر و جوانِ اسلام
در گہش، درگۂ جنت علی ہجویری

خرقۂ مہر و محبت اگرت می باید
مقصدِ تُست زیارت علی ہجویری

از بیاں اہل عیاں گشتہ نمایاں امروز
سروِ محبوبِ عنایت علی ہجویری

راہ ایمان بہ کلامش شدہ ستوار و سترگ
صفدرِ پیکِ شجاعت علی ہجویری

نقدِ آثارِ بزرگان ز کتابش پیدا
صحتِ فکر و لطافت علی ہجویری

مسجدش گنبد اور نور است و منار افلاک
نورِ عرفان و جلالت علی ہجویری

لنگرش حات طای بہ جہان عرفان
مہبطِ اطعام و سخاوت علی ہجویری

مکتبش جایگہ اہل کتاب و دانش
روشنی بخشِ کتابت علی ہجویری

سکرو صحوش ہمہ جا مایۂ فکرِ عارف
ذاکرِ راہ فتوت علی ہجویری

عشق پاکش بہ خدا مایہ تسلیم و رضا
گلشنِ فکر ریاضت علی ہجویری

ہر کسی از جہتی ہمرہ و ہمراز علی
بری از تہمت و غفلت علی ہجویری

یاد او در ہمہ دل ہا بہ کمال خوبی
تابعِ آیتِ رحمت علی ہجویری

اہل غزنین و خراسان بہ کلامش مایل
ساقیِ چشمۂ وحدت علی ہجویری

مردم از خورد و کلاں زائرِ دربار علی
منجیِ امرِ سکونت علی ہجویری

استعاذت کند از جہل و خرافات و ستم
واعظِ درگۂ عزت علی ہجویری

در مناجات و دعا جل وریدش گویان
زاہد اہل بصیرت علی ہجویری

در صلوٰۃ و صلوات آیت قرآن شریف
متکلم بہ دلالت علی ہجویری

چون بہ تعبیرِ تصوف سخن حق جوئی
حصن ارباب بصارت علی ہجویری

در حکایات و لطائف نبود مانندش
چہرۂ لطف و ظرافت علی ہجویری

از فنا گشتہ بقا دولت اقبال علی
آیتِ حق و شقاوت علی ہجویری

فیض درگاہ علی، فیض خدای بیچون
قاطع ظلم و شقاوت علی ہجویری

کسب و تدبیر و صلاح ہمگان راہ خواہد
مبتدی راشدہ حاجت علی ہجویری

حرص و آز رز سخن اش محوی باشد
دور حق و عدالت علی ہجویری

استعانت طلب امر خدا در ہرکار
رشحہ حق و عدالت علی ہجویری

استخارت طلب خیر بود از قرآن
حفظ آداب و عبادت علی ہجویری

آں کہ حماد سرخسی بودش یار و انیس
سرو ایثار و سیادت علی ہجویری

بو سعید آن، گل خوشبوی سخندان ادب
سخن اش کردہ اجابت علی ہجویری

ختلی شیخ بزرگش بہ تمام احوال
پیرو اُو بہ طریقت علی ہجویری

شیخ ہندی شدہ عاشق بہ بیان داتا
بہترین مرد رفاقت علی ہجویری

احمد خوش گہراز شہر سرخش آمدہ بود
ہمرہش درہمہ صنعت علی ہجویری

یک دل و یک سخن آمد بہ حقیقت گوئی
شد حدی خوان سماعت علی ہجویری

در جوانمردی اوشبہہ نباشد ہرگز
بیت کاخ مروت علی ہجویری

او جنیدی بود و فکر جنیدی دارد
جہد او جہد رسالت علی ہجویری

مقامات و کرامات بزرگاں خواہی
بحر مواج بشارت علی ہجویری

اہل عرفان سخن اش را دل و جان می دانند
نکند ہیچ طوالت علی ہجویری

شرح الفاظ تصوف بہ کتابش مشہور
جلسہ اش اوج صدارت علی ہجویری

از صفات بشریت بودش خلق عظیم
گنج سلطان نصیحت علی ہجویری

منبع و ماخذ آداب و علوم دینی
شیخ دانای فقاہت علی ہجویری

طینت پاک علی آب نبوت دارد
اہل اخلاق و نجابت علی ہجویری

صنعت فقر و بلا بر دل او مستولی
طالب فقر و بلیت علی ہجویری

اولیاء از قلمش گشتہ شہیر دوراں
کشتی نوح سیاحت علی ہجویری

در کراماتت و اشارات و لطائف شہرہ
حاکم ملک فراست علی ہجویری

عاصیاں را بہ رہِ توبہ ہدایت فرمود
عابد درگہ توبت علی ہجویری

سائلاں جملہ بہ درگاہ علی پوینده
حضرتش لنگر نعمت علی ہجویری

مشرب صحبت او عشق الٰہی باشد
بری از آفت و ذلت علی ہجویری

اہل تحقیق اگر دل بہ کلامش دارند
ماہر حسن روایت علی ہجویری

مقتدای ہمہ اہل تصوف آمد
معنی ہمت و رویت علی ہجویری

اہل بیت نبوی یا بہ ایمان علی
پیرو اہل طہارت علی ہجویری

صفہ پاک رسالت بہ کتابش مذکور
حافظ قول امانت علی ہجویری

باب علم و علماء با قلمش مستحکم
اہل تدبیر و کفایت علی ہجویری

نور ایماں بہ دلش کردہ تجلی آری
دادہ پیغام رشادت علی ہجویری

حفظ اسرار سرایر بہ ضمایر باشد
طاقت حمل ریاضت علی ہجویری

صدق احوال علی اہل سخن می دانند
نکند ظلم و خصومت علی ہجویری

معصیت راہ ندارد بہ دل پاک علی
خوشۂ خرمن عفت علی ہجویری

عصمت او چو ملائک ہمہ جاگستردہ
نزدو راہ جہالت علی ہجویری

ز مقالات و مقامات و مذاہب گوید
نکتہ و رمز و اشارت علی ہجویری

بحث و تدریس علی جلوہ گر اسلامی
حلقۂ درس و دراست علی ہجویری

صیقل فکر و عمل بانحناں حلاج
شاہد حکم نظامت علی ہجویری

گرچہ از اہل ملامت سخن حق گوید
نرود راہ ملامت علی ہجویری

جملہ ارباب خرد عاشق افکار وبند
شمسۂ رحمت و صفوت علی ہجویری

فارسی گشتہ زبان و سخن جلابی
بہ سخن دادہ، سلاست علی ہجویری

ہمہ آثار علی مظہر پاک اسلام
راہ او راہ دیانت علی ہجویری

دشت پنجاب و ہمہ مملکت پاکستان
مزرع سبز سقایت علی ہجویری

ملک ایران و ہمہ کشور افغانستان
جادۂ ربط و سفارت علی ہجویری

روح داتا ہمہ جا سایہ فگن می باشد
نفحہ گلشن رفعت علی ہجویری

رفعت کشور پاک از سخن جلابی
بر ہمہ دادہ ریاست علی ہجویری

عرس پاکش چورسد، پیرو جوان،خورد و کلاں
نعرہ زن بہر زیارت علی ہجویری

مردماں جملہ بہ دربار علی می آیند
پرچم صلح و قیادت علی ہجویری

وقت نوشیدن شیر، از طرف مرد پاک
بہترین نذر عقیدت علی ہجویری

ہر کسی خادم درگاہ علی جلابی
قاضی عدل و قضاوت علی ہجویری

کرسی حضرت ہجویر و مقام عرفاں
کردہ تاسیس بہ سطوت علی ہجویری

ابن ''رہا'' تشنۂ فیض و کرم داتایی
مرکز فیض و کرامت علی ہجویری

☆☆☆☆☆

کرامات سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ

صاحبزادہ محمد سعید احمد بدر قادری

اہل دنیا کا وطیرہ رہا ہے کہ وہ کسی بزرگ کو اس وقت تک ''خدا رسیدہ بزرگ'' تسلیم نہیں کرتے تاوقتیکہ اس سے کرامات یا کم از کم محیر العقول واقعات کا ظہور نہ ہو، حالانکہ یہ کوئی معقول معیار نہیں کیونکہ محیر العقول واقعات کا ظہور، غیر مسلموں کے ذریعے بھی ہو سکتا ہے یا عام لوگوں سے بھی۔ اس کا ثبوت رائے راجو سے (جس کا ذکر آگے آئے گا) بھی ملتا ہے جو اپنے سحر، جادو یا افسوں کے زور پر اپنے کھڑاؤں (جوتے) فضا میں اچھال سکتا تھا۔ اس قسم کے ہزاروں واقعات تاریخ میں بھی موجود ہیں اور عام زندگی میں بھی مل جاتے ہیں۔ ان سے یہ مطلب اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ یہ لوگ بزرگ تھے، اولیاء اللہ تھے یا خدا رسیدہ تھے، بلکہ سچے اور حقیقی بزرگ تو کرامات دکھانے ہی سے گریزاں ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں ہم جناب شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ پیش کر سکتے۔

شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص آیا اور 6 ماہ تک مقیم رہا۔ وہ ہر نماز میں شامل ہوتا اور درس بھی لیتا۔ چھ ماہ بعد وہ واپس جانے لگا تو آپ نے پوچھا کہ بھئی! کیوں جا رہے ہو؟ اس نے کہا ''جو غرض لے کر دور دراز سے آیا تھا، وہ پوری نہیں ہو سکی۔ مایوس ہو کر واپس جا رہا ہوں''۔ آپ نے فرمایا کہ بھئی! اتنا تو بتاؤ کہ اس عرصہ میں میں نے کوئی نماز ترک کی؟ اس آدمی نے کہا نہیں، ہرگز نہیں۔ آپ نے ایک نماز بھی قضاء نہیں، آپ نے پھر پوچھا کہ آپ نے دیکھا ہو کہ میں نے اس مدت دوران کوئی خلاف شرع کوئی کام کیا ہو؟ اس پر آپ نے فرمایا ''اس سے بڑھ کر اور کرامت کیا ہوتی ہے''۔

اس واقعہ سے کرامت کی تعریف اور حقیقت بھی سامنے آجاتی ہے۔ دراصل سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ اور اس کے نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات واحکامات پر من وعن عمل کیا جائے اور ان کے ارشادات وسودات کی خلاف ورزی نہ کی جائے شیخ مصلح الدین شیرازی نے خوب فرمایا ہے:

خلاف پیمبر کسے را گزید
ہرگز نخواہد منزل رسید

سید الاولیاء حضرت داتا گنج بخش نے ایک جگہ ''نماز کی اہمیت'' کے بارے میں فرمایا ہے کہ

''نماز ایک عبادت ہے کہ طالبان حق اللہ تعالیٰ کی راہ میں ابتدا سے لے کر انتہا تک اس ذریعہ راستہ پاتے ہیں اور اس میں ان کے مقام کھلتے ہیں''۔

اس فرمان سید ہجویر سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ جو لوگ نماز کی پابندی نہیں کرتے، یا دیگر خلاف شرع کام کرتے ہیں وہ صاحب کرامت کیسے ہو سکتے ہیں، البتہ شعبدہ باز ہر دور اور زمانے میں پائے جاتے ہیں۔

''کرامات'' کے بارے میں سید ہجویر لاہور کشف المحجوب میں رقمطراز ہیں:

''حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی کا میں طریقت میں پیرو ہوں۔ ایک مرتبہ میں وضو کے لئے ان کے ہاتھوں پر پانی ڈال رہا تھا کہ دل میں خیال گزرا۔ ''جب تمام کاموں کا انحصار تقدیر اور قسمت پر ہے تو آزاد لوگ کرامت کی امید پر اپنے آپ کو پیر و اور ولیوں کا غلام کیوں بناتے ہیں؟''

یہ خیال میرے دل میں آیا ہی تھا کہ انہوں نے (جناب ختلی صاحب) فرمایا ''بیٹا! جو خیال تیرے دل میں گذرا ہے، وہ مجھے معلوم ہو گیا ہے جان لے کہ ہر حکم کا ایک سبب ہے۔ جب خدائے بزرگ وبرتر چاہتا ہے عام بچے کو تاج وسلطنت (سلطنت فقر) دے تو اسے توبہ کی توفیق عطا کر کے اپنے کسی دوست کی خدمت میں مشغول کر دیتا ہے تاکہ یہ خدمت اس کی کرامت کا سبب بن جائے''۔

سیدۃ السالکین جناب علی ہجویری کے اس واقعہ سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ کرامت کے ظہور کا سبب کیا ہے لیکن اس کے لئے سالک کے لئے پہلے تو یہ اور پھر کسی بزرگ کی خدمت لازمی ہے۔

کشف المحجوب کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ سید ہجویر کو اپنی طویل سیر وسیاحت کے دوران میں ایسے بزرگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا جن سے کرامات سرزد ہوئیں۔ مثال کے طور پر لکھتے ہیں کہ:

''ولایت فرمانہ میں ایک گاؤں ہے جسے سلاتک کہتے ہیں وہاں اوتاد میں ایک بزرگ رہتے تھے جن کا نام بام عمر تھا اس علاقے کے تمام بڑے درویش مشائخ کو باب کہتے ہیں۔ ان کے ہاں فاطمہ نامی بوڑھی عورت تھی''۔

میں نے مقام ''روزگنڈ'' سے ان کی زیارت کا ارادہ کیا۔ جب میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا کس غرض سے آیا ہے؟ عرض کی اس غرض سے کہ شیخ کا دیدار اصل صورت میں کر سکوں اور وہ مجھ پر شفقت کی نگاہ ڈالیں۔ انہوں نے ارشاد کیا بیٹا! میں خود فلاں دن سے تجھے

دیکھ رہا تھا اور اس وقت تک دیکھتا رہوں گا جب تک مجھ سے تجھے غائب نہ کر دیا جائے۔ جب میں نے دن اور برس گنے تو جو دن انہوں نے بتایا تھا، وہ دن میرے توبہ کا دن نکلا۔ انہوں نے فرمایا بیٹا! تھوڑے وقت میں سفر کرنا بچوں کا کام ہے۔ اب اس کے بعد اس ''ذات کی زیارت'' کے لئے ہمت کر! جسے ہر شخص نہیں پا سکتا اور نہ اس کی زیارت کو شرط سفر ضروری ہے۔ پھر فرمایا: اے فاطمہ! جو کچھ تیرے پاس ہے لے آ! تاکہ یہ درویش کچھ کھائے۔ وہ تازہ انگوروں کا ایک تھال لے آئیں، حالانکہ ان کا موسم نہ تھا، انگوروں کے اوپر چند تازہ کھجوریں بھی تھیں حالانکہ ''فرمانہ'' میں تازہ کھجوروں کا ملنا ممکن نہ تھا''۔

اس واقعہ سے آپ کرامت اور صاحب کرامت کا اندازہ کر سکتے ہیں بلکہ اس واقعہ میں تو ایک نہیں کئی کرامتوں کا صدور اور ظہور ہو رہا ہے، بس چشم بصرت وا ہونا چاہیے۔

(۱) مسجد میں قبلہ کا رخ اور سید ہجویر کا کشف

سیدنا علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش لاہور میں جس مقام ہر سب سے پہلے اقامت پذیر ہوئے وہاں آپ نے وہاں ایک خوبصورت مسجد تعمیر کروائی وہیں لوگوں کے لئے درس و تدریس کے لئے مدرسہ قائم کیا۔ چند ہی دنوں بعد علماء کے اعتراض آنے لگے کہ ''مسجد کا قبلہ درست نہیں اور لاہور میں سے موجود مساجد سے قدرے مختلف ہے''۔ آپ نے سنا تو چپ رہے، ایک روز ان معترض اصحاب کو مسجد میں مدعو کیا، ان کے ساتھ نماز جمعہ ادا کی۔ امامت کے فرائض خود سرانجام دیئے۔ آخر میں جب مقتدی حضرات سر بسجود ہوئے تو انہوں نے کعبۃ اللہ کو اپنے روبرو پایا اور یہ دیکھ کر محو حیرت استعجاب ہو گئے اور انہیں حضرت کی روحانیت اور معرفت کا صدق دل سے اعتراف کرنا پڑا۔ اس شہرہ آفاق واقعہ کا دارشکوہ نے اپنی مایہ ناز تصنیف ''سفینۃ الاولیاء'' میں نہایت شرح و بسط سے ذکر کیا ہے۔

(۲) دودھ فروش عورت کی بکریوں میں اضافہ

رائے راجو ایک ماہر منجم اور کامل ریاضی دان تھا۔ مذہبی علوم میں بھی اسے دسترس خاص تھی۔ اسے سحر افسوں اور شعبدہ و استدراج میں کمال حاصل تھا۔ بایں ہمہ سادہ لوح افراد اسے بھگوان کا اوتار ماننے لگے اور بیشتر گوالوں نے تو اپنے مویشیوں کا دودھ اسے نذر کرنا شروع کر دیا بعض ضعیف الاعتقاد لوگ اس سے مرادیں بھی حاصل کرنے لگے۔

روایت ہے کہ سیدنا علی ہجویری قدس سرہ کی قیام گاہ سے تھوڑے ہی فاصلے پر رائے راجو کا مسکن تھا۔ ایک روز ایک گوالن دودھ کی دیگچی سر پر اٹھائے حضرت کی اقامت گاہ کے قریب سے گذر رہی تھی کہ آپ نے اس سے کہا ''ہمیں دودھ کی ضرورت ہے، قیمت لے لو اور دودھ ہمیں دے دو''۔ گوالن نے جواباً کہا کہ ''یہ دودھ میں رائے راجو جوگی کو پہنچانے جا رہی ہوں کیونکہ اگر ہم اسے دودھ نہ پہنچائیں تو ہمارے مویشیوں کے تھنوں سے دودھ کی بجائے خون آنے لگتا ہے۔ جوگی مہاراج بڑی شکتی کے مالک ہیں''۔ اس پر حضرت مسکراتے ہوئے فرمایا کہ اگر یہ دودھ آج ہمیں دے دو تو اللہ تعالیٰ نہ صرف تیرے مویشیوں کی حفاظت فرمائے گا، بلکہ وہ دودھ زیادہ دینے لگیں گیں۔ عورت نے آپ کی گفتگو سے متاثر ہو کر تعمیل ارشاد کی اور دودھ حضرت کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اسی رات جب وہ شام کو دودھ دوہنے لگی تو حضرت کی دعا و برکت سے دودھ کی مقدار اس قدر وافر ہو گئی کہ گھر کے تمام برتن دودھ سے بھر گئے اور دودھ ختم ہونے کو نہ آتا تھا۔ اس محیر العقول واقعہ کی خبر شہر میں دور دور تک پھیل گئی اور اس کے بعد تمام گوالے آپ کی خدمت میں دودھ پیش کرنے لگ گئے، جس کے باعث ان کے مویشی بہت زیادہ دودھ دینے لگے۔

(۳) جادوگر رائے راجو کا حلقہ بگوش ہونا

سیدنا علی ہجویری قدس سرہ کے اس تصرف کا یہ اثر ہوا کہ رائے راجو کا شہرہ ماند پڑ گیا۔ اس کے عقیدت مندوں نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا، پھر کیا تھا؟ وہ نہایت پریشانی اور غضب کے عالم میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ آپ نے ہمارا دودھ بند کر دیا ہے۔ اب مزید کسی کرامت کا مظاہرہ بھی ہونا چاہئے۔ جادو منتر اور سحر و افسوں کے بل بوتے پر وہ حضرت ہجویر کے ساتھ مقابلے میں اتر گیا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ ''میں کوئی جادوگر یا کاہن نہیں ہوں۔ میں تو خدا بزرگ و برتر کا عاجز و مسکین بندہ ہوں۔ میرا کام صرف دین اسلام کی تبلیغ کرنا ہے''۔ نیز فرمایا ہاں! اگر تجھے اس میں کوئی کمال ہے تو مظاہرہ کر۔ جوگی نے فضا میں پرواز کرنے کا شعبدہ پیش کیا۔ حضرت نے جوگی کا یہ شعبدہ دیکھ کر اپنے نعلین ہوا میں چھوڑ دیئے جو اس کے سر پر پے در پے برسنا شروع ہو گئے اور وہ چشم زدن میں واپس زمین پر اتر آیا اور فوراً ہی حضرت ہجویر کے قدموں میں آ گرا۔ سیدنا حضرت علی ہجویری قدس سرہ کی نگاہ کیمیا اثر سے رب العزت نے اسے تائب ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور اسے ایسے بصیرت و بصارت بخشی کہ اس کا ظلمت کدہ دل مطلع انوار بن گیا۔ وہ حلقہ بگوش اسلام ہوا اور حضرت نے اسے اپنی بیعت

میں لے لیا۔اس کا اسلامی نام ''عبداللہ'' رکھا اور ''شیخ بندی'' کے لقب سے ملقب فرمایا، جس کی نسل آج تک آپ کے آستانہ عالیہ کی متولی چلی آ رہی ہے۔ یہ خانوادہ آج بھی مزار حضرت سیدنا علی ہجویری کی قریب وجوار میں آباد ہے اور درگاہ معلیٰ کا محکمہ اوقاف کی تحویل میں آجانے کے باوجود آج بھی بعض متولیان اور سجادہ نشینان حضرات ہر سال حضرت کا یوم وصال اپنے ذاتی مصارف پر حسب دستور عقیدت واحترام سے منعقد کرتے ہیں جن میں صاحبزادہ ابوالعاصم محمد سلیم کا نام نامی سرفہرست ہے۔

(۴) سید ہجویری کی علامہ اقبال سے ملاقات:

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے خاص خادم علی بخش تھے۔انہوں نے یہ واقعہ ممتاز عالم دین، تحریک پاکستان کے رہنما اور سابق وفاقی وزیر مولانا عبدالستار نیازی کو ان کے ابتدائی ایام میں سنایا تھا، راقم نے ایک بار ان سے دریافت کیا تو انہوں نے من وعن یہ واقعہ دوبارہ سنا دیا۔ واقعہ یوں ہے۔

حضرت علامہ اقبال کے گھر پر رات کے دو بجے کے قریب کسی نے اچانک دستک دی۔خادم باہر نکلا کہ دیکھے کہ اس وقت رات گئے دستک دینے والا کون ہے؟ دروازے پر آ کر دیکھا تو ایک باریش بزرگ کھڑے ہیں۔انہوں نے فرمایا کہ علامہ اقبال سے ملنا ہے۔خادم علی بخش علامہ کو اطلاع دینے اندر گیا۔علی بخش کا کہنا ہے کہ جب علامہ کی خدمت میں پہنچا تو مجھے یوں لگا کہ علامہ پہلے ہی کسی کے منتظر بیٹھے تھے۔ فرمایا ''مہمان کو عزت واحترام کے ساتھ اندر لے آؤ۔وہ بزرگ اندر آئے تو علامہ اس سفید ریش بزرگ کے ساتھ اٹھ کر تپاک سے ملے اور بیٹھنے کو کہا۔بزرگ بیٹھ گئے تو علامہ ان سے باتیں کرنے لگے یوں لگتا تھا کہ باہمی طور پر بہت تعلق ہے۔تھوڑی ہی دیر بعد بزرگ نے ارشاد فرمایا ''اقبال! مجھے لسی پلاؤ''۔

علامہ نے علی بخش سے کہا کہ ''ایک جگ لسی لاؤ'' علی کا کہنا ہے کہ میں یہ سن کر بہت پریشان ہوا کہ یہ کیسی فرمائش ہے۔اس وقت بھلا لسی کہاں ملے گی؟ دسمبر کی ٹھٹھرتی رات ہے اور دو ڈھائی بجے کا وقت ہے۔اتنے میں علامہ کچھ مضطرب ہو گئے اور بلند آواز سے فرمایا علی بخش! کیا سوچ رہے ہو؟ جلد لسی لاؤ''۔علی بخش جگ لے کر باہر نکلا تو سڑک کے کنارے ایک گیس جل رہا تھا اور ایک شخص دہی کے کونڈے سامنے رکھے دوکان میں بیٹھا تھا۔علی بخش نے اسے لسی بنانے کے لئے کہا۔اس نے جھٹ سے لسی بنا کر جگ میں ڈال، پھر اس میں مزید برف بھی ڈال دی۔علی بخش دل ہی دل میں حیران تھا کہ رات کے اس وقت لسی کیسے مل گئی۔بہر کیف لسی لے کر گھر پہنچا۔اس باوقار اور باریش بزرگ کو لسی پیش کی۔انہوں نے بڑے شوق سے لسی پی اور پھر شکریہ کے انداز میں علامہ کی طرف دیکھا۔

جب وہ بزرگ چلے گئے تو علامہ نے استفہامیہ انداز سے علی بخش سے پوچھا کہ جانتے ہو کہ یہ بزرگ کون تھے؟ علی بخش نے کہا کہ 'جناب! میں کیا جانوں؟ آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں''۔اس پر علامہ اقبال نے فرمایا کہ ''علی بخش! سفید ریش والے بزرگ داتا گنج بخش تھے اور دہی بیچنے والی بستی میاں میر تھے''۔

چند سال قبل یہ واقعہ روزنامہ نوائے وقت کی کسی اشاعت میں بھی چھپا تھا۔

(۵) داتا نے تین روپے عنایت فرمائے:

پطرس بخاری بلند پایہ ادیب اور ممتاز دانشور تھے۔پطرس بخاری نے اقوام متحدہ میں پاکستان کے پہلے نمائندے کے طور پر گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔ان کے ایک بھائی زیڈ اے بخاری، کے نام سے مشہور ہوئے۔پورا نام ذوالفقار علی بخاری تھا۔انہوں نے اپنے بچپن کا ایک واقعہ لکھا ہے جس سے سید ہجویر داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت کا اندازہ ہوتا ہے۔

وہ لکھتے ہیں کہ 1915ء کا ذکر ہے کہ والد گرامی نے کسی خدمت سے خوش ہو کر مجھے سیر وسیاحت کے لئے لاہور جانے کی اجازت دے دی۔ریل کے ذریعے پشاور سے لاہور تک میرا یہ پہلا سفر تھا۔اس زمانے میں ریل گاڑی لاہور سے پشاور تک 24 گھنٹوں میں پہنچتی تھی۔شوق وجستجو کا یہ عالم تھا کہ میں ٹرین میں نہ رات کو سویا نہ دن کو، دن رات جاگتا ہی رہا جس کی ایک وجہ یہ تھی کہ والد صاحب نے حکم دیا تھا کہ واپس آ کر سفر کے حالات لکھنا۔(اس زمانے میں کیسے باپ تھے کہ جو ہر لحہ اور ہر پل اولاد کی تعلیم وتربیت کا موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ظاہر ہے کہ جو بچہ بچپن ہی میں سفر کے حالات لکھنا شروع کر دے گا، اسے لامحالہ لکھنے کا فن آ جائے گا اور اس کے بعد زندگی میں کبھی سفر کرے گا تو سفرنامہ ضرور لکھے گا۔راقم) میں ایک کاپی میں ہر ریلوے سٹیشن پر جہاں گاڑی رکتی، سٹیشن کا نام لکھتا رہا اور جو دلچسپ واقعہ پیش آتا لکھ دیتا۔آخر کار لاہور پہنچ گیا۔اسٹیشن کو دیکھا تو ہوش اڑ گئے۔سوچنے لگا کہ یہی وہ مقام ہے جسے والد صاحب سرائے سلطان کہا کرتے تھے۔ والد صاحب سنایا کرتے تھے کہ 18، 19 برس کے نوجوان تھے کہ ایک دن لاہور کی سنہری مسجد کے قریب کسی دوست سے باتیں کر رہے

تھے کسی نے بتایا کہ سرائے سلطان کے قریب ایک عجیب وغریب گاڑی آئی ہے اس کے آگے گھوڑا ہے نہ بیل، لیکن بہت تیز چلتی ہے بلکہ اس قدر بھاگتی ہے اور دوڑتی ہے کہ خدا کی پناہ! ہم سب لڑکے سنہری مسجد سے سرائے سلطان کی طرف بھاگے۔ (سرائے سلطان ریلوے سٹیشن کے قریب ہی قدیم عمارت ہے جو لنڈا بازار میں اب تک موجود ہے۔ کسی زمانے میں معروف سرائے ہوا کرتی تھی۔ راقم) ریلوے سٹیشن پر پہنچ کر دیکھا کہ لوگوں کا زبردست ہجوم ہے۔ ہندو بھی موجود ہیں جو ریل پر پھول چڑھا رہے ہیں اور زور زور سے ''کالی ماتا کی جے'' کے نعرے لگا رہے ہیں۔

یہ تو خیر پرانے وقتوں کی بات ہے، ہندوؤں کے بلند پایہ لیڈر پنڈت مدن موہن مالویہ جب راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں ایک رکن کی حیثیت سے شرکت کے لئے ہندو قوم کی نمائندگی کے لئے لندن گئے تو وہ اپنے ساتھ دریائے گنگا کا پانی کنستروں میں بھر کر لے گئے تھے۔ (راقم)

ذوالفقار علی بخاری لکھتے ہیں کہ لاہور کا سٹیشن اتنا بڑا دکھائی دیا کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ یہاں سے سامان اٹھا کر باہر نکلا تو تانگے کے ذریعے ایک عزیز کے گھر پہنچ گیا۔ قیام لاہور کے ایام میں میرا معمول تھا کہ میں کھانا کھا کر باہر نکلتا اور پھر شام کو ہی واپس آتا۔ تمام دن لاہور کے بازاروں اور گلی کوچوں میں گھومتا رہتا۔ دو مرتبہ عجائب گھر دیکھا، شالامار اور شاہدرہ کے مغل باغوں کے چکر لگائے، کشتی میں بیٹھا دریائے راوی کی سیر کی اور بارہ دری دیکھی۔ شاہی قلعہ دیکھا، بادشاہی مسجد دیکھی، غرضیکہ کوئی اہم مقام باقی نہ رہا۔ آخر پشاور جانے کا دن قریب آ پہنچا۔ جیب میں ہاتھ ڈالا تو پشاور کے کرایہ کے پیسے کم پڑ گئے جو تین روپے کم تھے۔ واپسی میں صرف دو دن باقی تھے۔ پشاور سے پیسے منگوانا ناممکن تھا۔ جس عزیز کے ہاں ٹھہرا تھا اس سے مانگنا مناسب نہ سمجھا۔ آخر ایک ترکیب سوجھی، وہ یہ تھی کہ میزبان کی الماری سے کوئی کتاب لے کر بازار میں بیچ دوں۔ آخر ایک دن الماری کی کتابوں کو الٹ پلٹ کیا ایک موٹی سی کتاب اٹھائی اور بازار چل پڑا۔ باغ میں پہنچ کر کتاب کھولی تو اس پر لکھا تھا ''کشف المحجوب'' حضرت داتا گنج بخش''۔

یہ الفاظ پڑھ کر میرے آنسو نکل آئے میں روتا روتا دربار پہنچا۔ فاتحہ پڑھی اور معافی مانگی، پھر ایک گوشے میں گھٹنوں میں سر ڈال کر دیر تک بیٹھا رہا۔ جانے کتنی دیر وہاں بیٹھا اور کیا سوچتا رہا۔

آخر کتاب کو سینے سے لگائے واپس چل پڑا۔ ٹکسالی گیٹ کی طرف باغ میں ایک بینچ پر جا کر بیٹھ گیا۔ دیر تک پریشان و مبہوت بیٹھا رہا۔ آخر کار تھک گیا تو کتاب کو سینے سے لگایا اور دوسرے ہاتھ کے سہارے اٹھنے لگا تو ہاتھ کو کوئی چیز چبھی، دیکھا تو تین روپے تھے۔ میری آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ یہ شکریہ کے آنسو تھے یا خوشی کے۔ لاہور کے داتا نے بہر حال ایک بیکس و مجبور طالب علم کی فریاد سن لی تھی۔ یہ کرامت ہے یا کچھ اور؟ آپ کچھ بھی سمجھ لیں۔ داتا گنج بخش نے میرا کام تو کر دیا۔ میری بگڑی تو بن گئی۔

بقول علامہ اقبال:

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہے تو دیکھ ان کو
ید بیضا لئے پھرتے ہیں اپنی آستینوں میں

(۱) بھارتی جنرل کری آپا کے بیٹے کا واقعہ:

جماعت اسلامی کے ہفت روزہ ''آئین'' کے ایک شمارے میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے حوالے سے ایک ایمان افروز واقعہ چھپا تھا۔ مولانا فرماتے ہیں:

1965ء کی جنگ میں بھارت کے کئی طیارے پاکستان بمباری کرنے کے لئے آتے رہے۔ ایک بھارتی پائلٹ نے راوی کے پل پر کئی بار حملے کئے۔ آخر کار اس کا جہاز تباہ ہو گیا اور پائلٹ گرفتار کر لیا گیا۔ یہ پائلٹ ہندوستانی فوج کے پہلے جنرل کری آپا کا بیٹا تھا، جو اتفاق سے مولانا مودودی کا دوست تھا۔ پائلٹ میو ہسپتال میں علاج کے لئے داخل کرا دیا گیا۔ مولانا مودودی دوست کا بیٹا سمجھتے ہوئے اس کی عیادت اور بیمار پرسی کے لئے خود میو ہسپتال گئے۔ پائلٹ نے باتوں باتوں میں انہیں بتایا کہ وہ بھارت کا کہنہ مشق تجربہ کار اور بہترین پائلٹ ہے۔ اس کا نشانہ کبھی خطا نہیں گیا۔ راوی پل پر میں نے نشانہ تاک تاک کر بم پھینکے لیکن ایک بھی نشانے پر نہ لگا۔ بم گرنے سے پہلے ہی سبز کپڑوں میں ملبوس ایک بزرگ بم اٹھا لیتے تھے اور ان بموں کو پل پر گرنے ہی نہیں دیتے تھے۔ اس طرح اس کے تمام بم ضائع ہو گئے۔ حالانکہ راوی پل نشانے کی زد میں تھا۔ پائلٹ بتاتا ہے کہ اس عجیب وغریب واقعہ سے میں سخت حیران اور پریشان تھا۔ جب میرے سب نشانے خطا گئے تو میں تھک گیا۔ پائلٹ نے مولانا مودودی کو پورا واقعہ خود سنایا اور ان سے اس کی وضاحت چاہی۔ مولانا فرماتے ہیں کہ یہ عجیب وغریب واقعہ جو میں آپ کے سامنے بیان کر رہا ہوں لیکن پائلٹ کے سامنے میں اس کی وضاحت نہ کر سکا اور چپ رہا۔

داتا گنج بخش کے روحانی فیض کا ذکر کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید اور جدید علوم کی روشنی میں روح کی حقیقت اور تصرف کے بارے میں مختصر روشنی ڈالی جائے تاکہ بعض غلط فہمیاں دور ہو سکیں۔

روح کی حقیقت کے بارے میں قرآن پاک ارشاد فرماتا ہے:

''وہ تم سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں، کہہ دو کہ وہ میرے پروردگار کی شان ہے اور تم لوگوں کو (روح کے بارے میں) بہت ہی کم علم دیا گیا ہے''۔ (سورہ بنی اسرائیل)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب ''حجۃ البالغہ'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''اصل روح انسانی غیر مادی شے ہے جو ہمیشہ باقی رہتی ہے۔ یہ روح حیوانی (نسمہ) تو دراصل روح انسانی کے لئے بمنزلہ سواری ہے بلکہ اس کا غلاف یا خول ہے۔ روح حیوانی یا نسمہ اپنی استعداد کے مطابق روح انسانی کے توسط سے عالم قدس کا فیض اخذ کرتا ہے۔ اسے براہ راست اس کے ہاں رسائی نہیں۔ نسمہ اور روح قدس کا تعلق موت کے بعد بھی قائم رہتا ہے۔ شاہ صاحب کہتے ہیں کہ روح کو سر بھی کہا جاتا ہے۔ سر یا روح کا تعلق حقائق علوی کا مشاہدہ بھی ہے''۔

(۷) سید ہجویر کا فیض روحانی اور میلا رام کا واقعہ:

1905-6 کا واقعہ ہے کہ لاہور کی ایک معزز اور معروف شخصیت میلا رام داتا دربار کے قریب رہتی تھی۔ میلا رام کی ایک فیکٹری بھی تھی۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں آج کل ضیائے حرم کی دکان، ایک مسجد اور ایک مارکیٹ ہے۔ اس زمانے میں بجلی بہت کم ہوتی تھی۔ گورنر ہاؤس یا چند اہم دفاتر یا شخصیات کی رہائش گاہوں پر بجلی کے قمقمے روشن ہوتے تھے۔ میلا رام کی رہائش بھی انہی میں شامل تھی۔ بہر کیف ہر جگہ بجلی نہیں تھی۔ اس سے آپ میلا رام کی مالی پوزیشن کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ ایک دن میلا رام کا بیٹا اچانک بیمار ہو گیا۔ اسے سخت بخار تھا۔ دس بارہ سال کی عمر تھی۔ علاج کے باوجود اس کی بیماری میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ حتیٰ کہ جان کنی کا مرحلہ آن پہنچا۔ گھر کے تمام افراد سوگوار اور پریشان تھے۔ رات ایک بجے حالت زیادہ خراب ہو گئی۔ میلا رام اور اس کی بیگم زار و قطار رو رہے تھے۔ دولت بے پناہ تھی لیکن قدرت کے سامنے بے بس تھے۔ رات کے تین بجے کا عمل تھا کہ ایک سفید ریش بزرگ تشریف لائے۔ میلا رام حیران ہو کر نے پوچھا آپ کون ہیں اور آپ نے کیسے تکلیف کی؟ بزرگ نے کہا میں آپ کا پڑوسی علی ہجویری ہوں۔ میلا رام نے استقبال کیا اور انہیں اندر لے گیا۔ وہ بزرگ بچے کے پاس بیٹھ گئے اور بچے کے لئے ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔ دعا کے فوراً بعد بچے کی حالت بہتر ہونا شروع ہو گئی اور وہ جلد ہی ٹھیک ہو گیا۔ بزرگ خاموشی سے غائب ہو گئے۔ ڈھونڈا تو وہاں کچھ نہ تھا۔ دن نکلا تو میلا رام نے سوچا کہ میں دربار کی کچھ سیوا کروں۔ آخر اس نے سوچا کہ دربار داتا کے لئے بجلی مہیا کر دوں۔ چنانچہ عقیدت کے طور پر میلا رام نے دربار پر بجلی فراہم کی۔ اس واقعہ کے راوی علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بیٹھنے والے شیخ عبدالشکور ہیں جو شیخ لاہور کے طور پر مشہور تھے۔

(۸) حضور داتا گنج بخش کا تبرک اور راقم:

آٹھ دس سال قبل کی بات ہے کہ ممتاز صحافی اور آج کل روزنامہ پاکستان کے چیف ایڈیٹر مجیب الرحمان شامی نے راقم سے دوران گفتگو کہا کہ آپ ماہنامہ ''قومی ڈائجسٹ'' کے لئے کام کریں اور ''خصوصی ایڈیشن'' مرتب کرنے میں ہماری مدد کریں۔ انہوں نے پہلے ایڈیشن کے لئے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا نام لیا لیکن میں نے کہا کہ پہلے داتا گنج بخش پر کام کرتے ہیں۔ وہ داتا گنج بخش کے الفاظ پر زور دے کے۔ میں ان کا مسئلہ سمجھ گیا میں نے کہا چلئے نام ''علی ہجویری نمبر'' رکھ لیتے ہیں۔ اس پر وہ نہ صرف راضی ہو گئے بلکہ کہا اس کے بعد ''اجمیری نمبر'' نکالیں گے''۔ اس سلسلہ میں، میں نے اپنے استاد ڈاکٹر وحید قریشی مرحوم (اللہ انہیں غریق رحمت کرے) سے رابطہ کیا تو انہوں نے حکیم محمد موسیٰ مرتسری کا حوالہ دیا کہ ان سے ملیں۔ اس نام پر میں ذرا حیران ہوا تو انہوں نے کہا کہ حکیم صاحب نے کشف المحجوب کا دیباچہ لکھا ہے جو معرکۃ الآرا دیباچہ ہے۔ میں نے فوری طور پر مختلف اہل قلم اور دانشوروں کو خطوط لکھے اور ان سے مضامین لکھنے کی درخواست کی لیکن جوابات کی رفتار کافی کمزور تھی۔ اسی اثناء میں میرے بیٹے نے محمد زاہر سعید بدر نے کہا کہ ''ابو! آپ نے دربار داتا صاحب جا کر ان سے اجازت حاصل کی ہے؟'' میں نے کہا کہ ''اجازت تو حاصل نہیں کی لیکن اس کی ضرورت کیا ہے؟ میں انہیں کی خدمت بجا لا رہا ہوں۔ کوئی غلط کام تو نہیں کر رہا''۔ لیکن دل ہی دل میں خیال آیا کہ بات تو صحیح ہے کہ اجازت حاصل کرنا چاہئے۔ ایک روز میں داتا دربار کے سجادہ نشین قبلہ محمد سلیم حماد صاحب سے ملنے گیا۔ (اس سے پہلے انہیں خط لکھ رکھا تھا۔ انہوں نے جواب ہی نہیں دیا تھا) وہ گھر پر نہ ملے۔ میں داتا صاحب چلا گیا خیال تھا کہ وہاں ظہر کی نماز پڑھ کر واپس آ جاؤں گا اور جناب سلیم حماد سے مل لوں گا۔ داتا صاحب پہنچا، وضو کر رہا تھا کہ سامنے لنگر خانہ کے لفظ

دکھائی دیئے۔ ایک دو خالی دیگیں بھی پڑی تھیں۔ خیال آیا کہ لوگ یہاں آتے ہیں، کوئی نہ کوئی تبرک لے کر جاتے ہیں اور واپس جا کر لوگوں سے فخر کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ تم کئی بار آئے ہو کبھی کوئی تبرک نہیں ملا اور نہ لے کر گئے ہو"۔ اتنی دیر میں نماز کھڑی ہو گئی۔ تکبیر ہونے لگی، میں بھاگ کر جماعت میں شامل ہو گیا۔ نماز ادا کر کے داتا صاحب کے مزار پر انوار پر حاضر ہوا۔ فاتحہ پڑھی اور دعا مانگی۔ دعا میں "علی ہجویری ایڈیشن کے لئے بھی درخواست کی"۔ جب وہاں سے نکلا اور جوتے لینے لگا تو گلی میں نگاہ پڑی۔ ہُو کا عالم تھا۔ پوری گلی خالی پڑی تھی۔ کوئی تنفس موجود نہیں تھا۔ حیران ہوا کہ یہاں تو اس قدر لوگ ہوتے ہیں کہ چلنا اور گزرنا دشوار ہوتا ہے اب لوگ کہاں گئے۔ بوٹ پہن کر نیچے گلی میں اتر رہا تھا کہ کچھ فاصلے پر چار افراد آگے پیچھے دو دیگیں اٹھائے چلے آ رہے ہیں۔ اتنی دیر میں، میں بھی گلی میں داخل ہو چکا تھا۔ دیگ والے کے قریب سے گزرنے لگا تو اس نے آواز دے کر کہا کہ "بابو جی! آپ بھی تبرک لے لیں"۔ میں نے سوٹ پہن رکھا تھا۔ جیب سے رومال نکال کر اسے دکھایا کہ میرے پاس اس رومال کے سوا کچھ شے نہیں۔ اس نے ایک شاپر بیگ بیچنے والے کی طرف اشارہ کیا کہ اس سے لے لو۔ میں شاپر والے کی طرف بڑھا تو وہ اپڈا کا چپڑاسی نکلا۔ ملیک سلیک کے بعد اس نے کافی بڑا لفافہ دے دیا۔ لفافہ لے کر دیگ والے کی طرف بڑھا تو اس کی دیگ خالی ہو چکی تھی اور لوگ بھی کافی جمع ہو چکے تھے۔ اس نے دوسری دیگ بانٹنی شروع کر دی۔ اس کے اشارے پر میں نے لفافہ اس کی طرف پھینکا اس نے شاپر میں کافی چاول ڈال دیئے۔ میں وہ چاول لے کر گھر کی طرف چل پڑا۔ چاول اٹھا کر محترم سلیم حماد کی طرف جانا معیوب سمجھا۔ جب مین روڈ پر، یعنی داتا گنج بخش روڈ کے کنارے پہنچا تو وہاں ایک دوکاندار چاول بانٹ رہا تھا اس نے بھی آواز دی کہ "بابو جی! تبرک لے لو"۔ میں نے ہاتھ میں پکڑا لفافہ اسے دکھایا میں نے دراصل اشارہ سے بتایا کہ میرے پاس تبرک موجود ہے۔ اس کے باوجود اس نے کہا کہ "لفافہ میں دے دیتا ہوں آپ اور چاول لے لیں"۔ میں نے شکریہ ادا کیا اور بس پر بیٹھ کر علامہ اقبال ٹاؤن اپنے گھر آ گیا۔ اہل خانہ بھی حیران تھے کہ میں پہلے کبھی اس طرح شاپر میں چاول لے کر نہیں آیا تھا۔

بہر حال دوسرے روز جناب سلیم حماد سے ملنے گیا۔ وہ گھر پر ہی مل گئے ان کا خط بھی اسی اثناء میں مل چکا تھا۔ ان سے بات چیت ہوئی اور موضوع طے پایا کہ وہ "ان اعتراضات پر ریسرچ مضمون لکھیں گے جو بدعقیدہ لوگ ہمیشہ مختلف امور سے متعلق کرتے رہتے ہیں۔ واپس چلا تو وہ گلی کی نکڑ تک چھوڑنے آئے۔ انہوں نے بھی دکان سے "مکھانے" لے کر دیئے۔ اس طرح تبرک پر منی ایک اور لفافہ مل گیا۔ اس کے بعد مضامین بھی ملنا شروع ہو گئے۔ کوئی کتاب یا رسالہ دیکھتا تو اس میں کوئی نہ کوئی اچھی تحریر نکل آتی جو حضور داتا صاحب کے متعلق ہوتی۔

اسے آپ داتا صاحب کا فیضان کہہ لیں یا کرامت۔ میرے دل میں محض ایک خیال آیا اور ان کی توجہ ہو گئی دیگ والے نے خود بلا کر چاول دیئے یہ کرامت نہیں تو اور کیا ہے؟ یاد رہے کہ جب وضو کے دوران میں، میں سوچ رہا تھا کہ تو اس وقت میں نے اپنے اسی خیال کو یہ دلیل دے کر باطل کر دیا تھا کہ تبرک یہاں ان لوگوں کو ملتا ہے جو قطار میں کھڑے ہوتے ہیں اور دو چار دھکے کھاتے ہیں۔ چونکہ تم نہ قطار میں کھڑے ہوتے ہو اور نہ کوئی دھکا کھاتے ہو پھر تمہیں تبرک کیوں ملے اور کیسے ملے؟ لیکن یہ تبرک دھکے نہ کھانے کے باوجود ملا اور دو تین بار ملا۔ اب بھی کوئی بدعقیدہ نہ مانے تو کیا کیا جا سکتا ہے۔

حضور قبلہ داتا صاحب نے جب نظر توجہ فرمائی تو قطار میں لگے اور دھکا کھائے بغیر ہی چاول بھی مل گئے اور ذات مکھانے بھی۔ کاش! کچھ اور مانگ لیتا۔ ان سے عرفان مانگ لیتا۔ ان کے در کی گدائی طلب کر لیتا تو ضرور مل جاتی۔ ویسے میں تو اب بھی ان کے در کا فقیر ہوں۔

آج پھر داتا حضور کے دروازے پر کھڑا ہوں۔ دست بہ دعا ہوں کہ دین کی معرفت عطا کر دیں۔ صراط مستقیم دکھا دیں اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کر دیں اور سب سے بڑھ کر جرعہ عشق نبی ﷺ عطا کر دیں۔ آمین!

(۹) نولاکھ روپے کے نوٹ

ماہنامہ "قومی ڈائجسٹ" کے خصوصی نمبر ہی کے سلسلہ میں ایڈمنسٹریٹر داتا دربار سے بھی ملنا ہوا۔ ان کے دفتر پہنچا تو دو تین دوسرے افراد بھی بیٹھے تھے۔ مختصر تعارف کے بعد میں نے انہیں اپنے مقصد سے آگاہ کیا تو انہوں نے کہا کہ وہ ایک پرانے خادم سے ملا دیں گے جو بہت ساری باتیں بتائے گا۔ ان کے کہنے کے مطابق جنرل محمد ضیاء الحق جب وہ برسر اقتدار تھے، یہاں رات کے دو تین بجے آیا کرتے تھے تو اس وقت بھی یہی خادم ان کے جلو میں ہوتا تھا اور خدمت کرتا۔

باتوں باتوں میں ایڈمنسٹریٹر سے پوچھا کہ آپ کب سے یہاں اس سیٹ پر کام کر رہے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ دو تین سال سے یہاں پر کام کر رہا ہوں۔ راقم نے پوچھا کہ کیا آپ نے داتا صاحب کی کوئی کرامت یا محیر العقول واقعہ مشاہدہ کیا ہے۔ ایڈمنسٹریٹر اس وقت تو چپ رہا۔ جب وہاں بیٹھے آدمی چلے گئے تو اس نے بتایا کہ سچی بات یہ ہے کہ میں اہل حدیث ہوں۔ میں انہیں اس طرح مانتا ہی نہیں جس طرح

بریلوی حضرات یا حنفی لوگ مانتے ہیں۔ بہرحال میں مزار کے اندر تک سب کچھ دیکھنا چاہتا تھا۔ اس نے کہا کہ ایک ہفتہ بعد آئیں تو ضرور دکھا دوں گا۔ میں واپس چلا آیا۔ ایک ہفتہ بعد میں پہلے محکمہ اوقاف کے ہیڈ آفس مسجد شاہ چراغ پہنچا۔ وہاں پبلک ریلیشنز آفیسر نعیم عباسی سے ملا۔ انہوں نے بزرگان دین کے بارے میں کچھ پمفلٹس دیئے۔ وہ چائے کے لئے اصرار کر رہے تھے۔ میں گریزاں تھا انہوں نے وجہ پوچھی تو میں نے بتایا کہ میں نے داتا دربار جا کر آپ کے ایڈمنسٹریٹر صاحب سے ملنا ہے۔ انہوں نے کہا کہ آج نہ جائیں۔ آج انہوں نے ڈبے اور گلے وغیرہ کھولنے ہیں، اس لئے مل نہیں سکیں گے، کل چلے جائیں، میں نے ان کی بات مان لی۔ اگلے دن ایڈمنسٹریٹر سے ملنے وہاں پہنچا تو انہوں نے بتایا کہ کل جب ہم نے گلا کھولا تو اس میں سے 9 لاکھ روپے کے نئے نوٹ نکلے جن کی سیریز مسلسل تھی۔ میں نے غور کیا تو بہت حیران ہوا کہ یہ تمام نوٹ صرف ایک آدمی نے ڈالے ہوں گے"۔ ایڈمنسٹریٹر نے کہا کہ یہ نوٹ کئی آدمیوں نے نہیں ڈالے کیونکہ ایک ہی سیریز کے تھے۔ یقیناً کسی ایک آدمی نے ڈالے ہیں۔ میں کل سے سوچ رہا ہوں کہ اس شخص کا کوئی بہت بڑا کام ہوا ہے۔ تو اس نے اتنا بڑا حوصلہ کر کے نو لاکھ روپے دیئے ہیں۔ ورنہ کوئی آدمی نو روپے دینے سے بھی گریز کرتا ہے۔ اب تو میں بھی سوچنے پر مجبور ہوں کہ حضور داتا گنج بخش بہت بڑے بزرگ ہیں اور صاحب کرامت ہیں"۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ نہ صرف صاحب کرامت ہیں بلکہ صاف تصرف بزرگ بھی ہیں۔ ہر روز ہزاروں دیگیں دینے والے، نذرانہ پیش کرنے والے اور دیگر نذرانے بانٹنے والے بلاوجہ تو ایسا نہیں کرتے۔ ان کے دل کی کوئی نہ کوئی مراد تو بر آتی ہے ناں!۔ کسی کو روحانی تجربہ ہوتا ہے، کسی کے دل کی کل جاگ اٹھتی ہے، کسی کو معرفت الٰہی مل جاتی ہے اور دنیا والے ہیں کہ اپنی دنیوی مرادیں حاصل کر لیتے ہیں۔

یا داتا! مجھ فقیر ناچیز پر نگاہ کرم ڈال دیجئے، دین کی پہچان عطا فرمایئے! زندگی کی شام ہو گئی ہے۔ نامہ اعمال بھی سیاہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ورحیم ﷺ سے معافی کی درخواست کر دیجئے کہ اپنے دامان رحمت میں جگہ عنایت فرمائیں۔ "دلیل راہ" کا داتا علی ہجویری نمبر ادنیٰ سی کاوش ہے اسے قبول فرمایئے۔ برسوں سے محنت کر رہا ہوں۔ اس کی اشاعت میں تاخیر ہو رہی تھی۔ اسے سند قبولیت عطا فرمائیں آمین!۔

☆☆☆

لاہور کب تشریف لائے

ڈاکٹر ناظر حسین زیدی

اس باب میں مختلف آراء کے سبب یہ مسئلہ نہایت پیچیدہ ہے۔ لالہ سجان رائے بٹالوی رقم طراز ہیں:

''محمود غزنوی کے ہمراہ غزنی سے لاہور آئے اور یہیں فوت ہوئے۔ سلطان کا عقیدہ تھا کہ لاہور کی فتح انہی کی توجہ سے ہوئی۔''

(خلاصۃ التواریخ مترجم ڈاکٹر ناظر حسین زیدی، ص104)

یہ روایت واضح طور پر غلط ہے اس لئے کہ بقول سید محمد لطیف مصنف ''تاریخ لاہور'' سلطان محمود غزنوی نے لاہور ۴۹۲ھ میں فتح کیا اور بقول لین پول سلطان ۴۹۲ھ میں پہلی بار پاک و ہند کی طرف متوجہ ہوا، گویا اس وقت تک حضرت داتا صاحب کی اس جہان رنگ و بو میں تشریف آوری بھی نہیں ہوئی تھی۔

فوائد الفواد میں ایک ایسی روایت درج ہے جو بعض غلط فہمیوں کا باعث ہوئی، لہٰذا وہ آج تک ہدف تنقید بنتی چلی آ رہی ہے:

''شیخ حسین زنجانی اور شیخ علی ہجویری دونوں ایک ہی پیر کے مرید تھے اور وہ پیر اپنے عہد کے قطب تھے، شیخ حسین زنجانی پہلے ہی لاہور میں مقیم تھے۔ کچھ مدت بعد ان کے پیر نے خواجہ علی ہجویری سے فرمایا کہ لاہور جاؤ اور وہیں مقیم ہو جاؤ۔ شیخ علی ہجویری نے عرض کی کہ وہاں حسین زنجانی مقیم ہیں۔ پیر نے فرمایا! تم جاؤ اور جب علی ہجویری ان کے حکم کے مطابق لاہور پہنچے تو رات کا وقت تھا، صبح ہوئی تو دیکھا کہ لوگ حسین زنجانی کا جنازہ باہر لا رہے ہیں۔'' (فوائد الفواد فارسی طبع لاہور، ص57)

اس روایت کی تکذیب و تردید میں راقم احقر اس قسم کی گرما گرم بحث نہیں کر سکتا، جس طرح کہ ڈاکٹر پیر محمد حسن اور پروفیسر محمد اسلم نے کی ہے، اس لئے کہ یہ ان ہی فضلا کا حق ہے۔ مختصر یہ کہ حضرت شیخ حسین زنجانی جن کا مزار مبارک چاہ میراں لاہور میں مرجع خلائق ہے۔ ان کا سال وفات ''خزینۃ الاصفیاء'' میں 600ھ اور تحقیقات چشتی میں 606ھ درج ہے اور ان کی لاہور میں آمد کے متعلق لکھا ہے کہ وہ سید یعقوب زنجانی کے ہمراہ آئے اور سید یعقوب زنجانی کے حالات میں بیان کیا ہے کہ وہ 535ھ میں وارد لاہور ہوئے۔ حضرت سید محمد معصوم شاہ قادری ساکن چک سادہ شریف (م1388ھ) نے ایک دفعہ فرمایا کہ ''میں نے شیخ زنجانی کے مزار پر وہ پتھر نصب دیکھا ہے جس پر ان کا سن وصال 600ھ کندہ تھا جو مزار کی مرمت کے وقت اتار دیا گیا''۔ عجیب بات یہ ہے کہ مفتی غلام سرور اور مولوی نور احمد چشتی نے ان کا سن وصال 600ھ اور 606ھ اپنی کتابوں میں لکھنے کے باوجود فوائد الفواد کی اس روایت کو حضرت داتا صاحب کی لاہور میں آمد کے سلسلے میں درج کر کے اسے حضرت حسین زنجانی مدفون چاہ میراں پر منطبق کر دیا ہے۔ بہر حال یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت حسین زنجانی حضرت داتا صاحب قدس سرہ سے قریباً ایک سو تیس سال بعد واصل بحق ہوئے اور ان سے حضرت خواجگان معین الدین اجمیری حسن سجزی چشتی اجمیری قدس سرہ (م633ھ) نے لاہور میں ملاقات کی تھی۔ ان دونوں بزرگوں کی ملاقات کا ذکر معتبر کتابوں میں موجود ہے۔ مشہور تذکرہ نویس اور صوفی بزرگ حضرت شیخ جمال (م942ھ) نے یہ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے:

''حضرت شیخ المشائخ حسین زنجانی جو حضرت شیخ سعد الدین حمویہ قدس روحہ کے پیر ہیں، ان دنوں بقید حیات تھے، حضرت زبدۃ المشائخ و اولیاء معین الحق والدین قدس سرہ اور حضرت شیخ المشائخ و اولیاء شیخ حسین زنجانی قدس سرہ کے درمیان حد سے زیادہ ربط و محبت کا اظہار ہوا۔''

ابوالفضل آئین اکبری میں ان دونوں بزرگوں کی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''شیخ حسن (حسین) زنجانی فراداں آگہی داشت، خواجہ معین الدین در لاہور بہ صحبت اور سید و خواب گاہ او در آنجاست''۔

مولانا محمد غوثی شطاری رقم طراز ہیں:

''جب خواجہ معین اولیاء چشتی اجمیری ہند تشریف لائے تو اس وقت چند روز لاہور میں پیر زنجانی کی مصاحبت میں بھی قیام فرمایا تھا، باہم رازداری اور خدا شناسی کی باتیں ہوا کرتی تھیں''۔

''بالجملہ در لاہور بہ صحبت شیخ حسین زنجانی رسیدہ و از آنجا توجہ جانب دہلی اختیار فرمود''

دارا شکوہ کی تائید مزید بھی ملاحظہ ہو:

''شیخ حسین زنجانی را در لاہور دیدہ اند''

اس مقام پر یہ واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ حضرت خواجہ اجمیری قدس سرہ لاہور کب تشریف لائے؟ مولانا سید عبدالباری اجمیری اپنی تنقیدی تالیف تاریخ السلف میں لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ بزرگ 588ھ میں وارد ہند ہوئے اور لاہور میں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد 589ھ میں اجمیر شریف پہنچ گئے۔

اندریں صورت فوائد الفواد کی اس روایت کو الحاقی سمجھ لینا کوئی گناہ نہیں مگر یہ جب نہیں کہا جا سکتا کہ یہاں کی تاریخ نے سب بزرگوں کے حالات کو محفوظ کر لیا تو عنان فکر کو اس طرف بھی موڑا جا سکتا ہے کہ حضرت داتا صاحب سے پہلے لاہور تشریف لانے والے حسین زنجانی ان سے مختلف ہوں گے اور ان کا مزار اور حالات محفوظ نہیں رہ سکے۔ مگر ہم نامی کی وجہ سے پہلے حسین زنجانی سے متعلق روایت کو بعد والے حسین زنجانی کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ ہم نام بزرگوں کے حالات کے سلسلے میں اکثر ایسا ہوا ہے اور اس کی سینکڑوں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ حضرت خواجہ پارسا قدس سرہ کے تسامح کا واقعہ مذکور ہو چکا ہے کہ انہوں نے حضرت داتا صاحب اور حضرت ابو سعید دونوں کو ایک ہی پیر کا مرید قرار دے دیا یا جس طرح کہ جامی لاہوری کے قطعہ تاریخ وفات حضرت داتا صاحب کو حضرت عبدالرحمن جامی کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے، لہٰذا اس معاملہ میں بھی التباس و اشتباہ کا قوی امکان ہے۔

اندریں حال حضرت حسین زنجانی سے متعلق روایت مندرجہ فوائد الفواد اس مسئلے کو سلجھانے کے بجائے مزید الجھا دیتی ہے۔

بہر حال جس طرح حضرت کی تاریخ ولادت اور دیگر حالات زندگی کے باب میں قدیم تاریخیں کوئی رہنمائی نہیں کرتیں، اسی طرح ان کے لاہور میں ورود مسعود کے سلسلے میں بھی کوئی نشان دہی نہیں کرتیں لہٰذا اس کے متعلق بھی صرف قیاس ہی سے کام لیا گیا ہے۔

رائے بہادر کنہیا لال نے بسال 1884ء کسی ماخذ کا حوالہ دیئے بغیر لکھا ہے:

''یہ بزرگ سلطان مسعود، سلطان محمود کے بیٹے کے ہمراہ لاہور میں آئے''۔

سید محمد لطیف نے بسال 1892ء سن ورود کا تعین بھی کر دیا:

''آپ سلطان مسعود پسر سلطان محمود کی فوج کے پیچھے 431ھ میں لاہور تشریف لائے''۔

سید محمد لطیف نے سن کا تعین کر کے اس قیاسی سن کو مزید مشکوک بنا دیا ہے اس لئے کہ 431ھ میں سلطان مسعود دوراتماء میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس سال ترکمانوں نے اس کے ملک پر حملہ کر کے اسے شکست دے دی تھی۔ اس کے بعد وہ اپنے خزائن لے کر لاہور آ رہا تھا کہ دریائے جہلم کے کنارے اپنے ہی فوجیوں کے ہاتھوں گرفتار ہو کر اپنے بھائی محمد کا قیدی بن گیا''۔

اس کے باوجود 431ھ پر اکثر مورخین مطمئن نظر آتے ہیں، مگر رائے بہادر کنہیا لال کی تاریخ لاہور سے 32 سال قبل لکھی جانے والی کتاب چہار باغ پنجاب مؤلفہ گنیش داس میں ان کی تشریف آوری کا سال 451ھ تحریر ہے۔

''در 451ھ چہار صد و پنجاہ و یک ہجری در لاہور تشریف آورند۔۔۔ بعد چہار دہ سال در سلطنت سلطان ابراہیم غزنوی بتاریخ 465ھ چہار صد و شصت و پنجم ہجری در لاہور دو یعت حیات سپردند''۔

جب یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت داتا صاحب نے اپنی عمر کے آخری سال لاہور میں گزارے تو پھر گنیش داس وڈیرہ نے جو سن (451ھ) دیا ہے، اسے ترجیح دینا چاہئے۔ 451ھ کو قرین قیاس قرار دے لیا جائے تو حضرت داتا صاحب سلطان ابراہیم ظہیر الدولہ بن مسعود بن محمود غزنوی کی تخت نشینی کے ساتھ ہی لاہور تشریف لائے۔ لین پول نے ابراہیم کے سریر آرائے سلطنت ہونے کا سال 1059ء/451ھ لکھا ہے۔

مگر یہاں ایک اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت داتا صاحب قدس سرہ کے مرشد حضرت شیخ ابوالفضل محمد بن حسن ختلی قدس سرہ کی تاریخ وصال خزینۃ الاصفیاء میں 452ھ میں واصل الی اللہ ہوئے اور ان کے وصال کے وقت حضرت داتا صاحب بیت الجن (دمشق) میں مقیم تھے اور پیر نے مرید کی گود میں جان جاں آفریں کے سپرد کی تھی۔۔۔ ڈاکٹر محمد شفیع نے اس کا حل یہ پیش کیا ہے ''وہ یا تو لاہور 460ھ کے بعد آئے یا ایک سے زیادہ دفعہ یہاں آئے''۔

حق زحرف او بلند آوازہ شد

اس نائب رسول مقبول ﷺ نے قیام لاہور کے دوران ہزار ہا بت پرست کفار کو کلمہ توحید پڑھا کر ان کے سینوں کو نور اسلام سے منور کیا۔ سینکڑوں خداؤں کو پوجنے والوں کو صرف ایک خدا کے حضور سجدہ ریز ہونے پر مائل کیا اور لاتعداد گم گشتگان بادیہ ضلالت کو صراط مستقیم پر گامزن کیا اور کتنے ہی خوش نصیبوں کو اپنی نظر کیمیا اثر کی بدولت ولایت کے بلند مراتب پر فائز کیا۔

یہ درست ہے کہ سلطان محمود کی حکومت کے قیام کے ساتھ ہی یہاں مسلمان ایک ''حاکم قوم'' کی حیثیت سے رہنے لگے تھے اور یہاں کے کفار مسلم عوام سے بظاہر مرعوب تھے، لیکن ان کے قلوب مسلمان فاتحین کے ساتھ نہیں تھے اور وہ ہر وقت موقع کی تلاش میں رہتے تھے، مگر یہاں تشریف لانے والے صوفیہ کرام بالخصوص حضرت داتا صاحب کے ورود مسعود کے بعد یہاں کی مقامی آبادی میں سے لاتعداد لوگ ان کی

تبلیغ کے سبب حلقہ بگوش اسلام ہو گئے، چنانچہ یہاں کے باشندوں میں سے ایک کثیر گروہ کی دلی ہمدردیاں فاتحین کے ساتھ ہو گئیں" نظریہ وطنیت" خاک میں مل گیا اور" دوقومی نظریہ" کی بنیادیں رکھ دی گئیں اور بعد میں آنے والے صوفیہ کرام کی مساعی جمیلہ سے اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا جس سے مسلمانوں کی حکومت استحکام پکڑتی گئی۔ فاتحین نے کفار کو تیر و سنان سے زیر کیا تو ان نائبین مصطفیٰ ﷺ نے انہیں تیر نظر سے خدائے واحد کا مطیع و منقاد بنا دیا۔

علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے حضرت داتا صاحب قدس سرہ کی عظیم الشان دینی خدمات اور روحانی عظمت کو چند اشعار میں جو خراج عقیدت پیش کیا ہے وہ ان ہی کا حصہ ہے۔ ذیل میں ان کے وجد آفریں اشعار ملاحظہ ہوں۔

سید ہجویر مخدوم امم
مرقد او پیر سنجر را حرم
بند ہائی کوہسار آساں گسیخت
در زمین ہند تخم سجدہ ریخت
عہد فاروق از جمالش تازہ شد
حق ز حرف او بلند آوازہ شد
پاسبان عزت ام الکتاب
از نگاہش خانۂ باطل خراب
خاک پنجاب از دم او زندہ گشت
صبح ما از مہر او تابندہ گشت
عاشق و ہم قاصد طیار عشق
از جبینش آشکار اسرار عشق

حضرت شیخ مجدد الف ثانی سرہندی قدس سرہ نے لاہور کو جو قطب ارشاد کا درجہ دیا۔ اصل میں یہ اسی قطب الاقطاب (علی ہجویری) کو خراج تحسین ادا کیا ہے۔ حضرت شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"فقیر کے نزدیک یہ شہر لاہور تمام ہندوستان کے شہروں میں قطب ارشاد کی طرح ہے، اس شہر کی خیر و برکت تمام بلاد ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہے"۔

حضرت نے اپنی روحانی قوت سے کفرستان ہند میں جو "تخم سجدہ کی کاشت" کی تھی، رائے بہادر کنہیالال نے بایں الفاظ اس کا اعتراف کیا:

"مسلمانی دین پھیلانے میں بڑی بڑی کوشش کی"۔

اور گنیش داس وڈیرہ رقم طراز ہے:

"دراں عہد اکثر قوم گوجران ہندو مشرب در لاہور وطن گاہ داشتند معتقد او شدہ اسلام قبول کردند"۔

مولوی نور احمد چشتی نقل کرتے ہیں:

"جب حضرت یہاں تشریف لائے تو اس وقت یہاں ایک شخص رائے راجو نائب حاکم پنجاب، حضرت کا مرید ہو کر مسلمان ہوا اور اس کا نام شیخ ہندی رکھا گیا، اس کی اولاد تا حال خادم و مجاور ہے"۔

تعمیر مسجد اور ایک کرامت

حضرت داتا صاحب قدس سرہ نے لاہور تشریف لاتے ہی اپنی فرودگاہ کے ساتھ ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کرائی۔ دارا شکوہ لکھتا ہے:

"انہوں نے ایک مسجد تعمیر کرائی تھی، جس کے محراب دیگر مساجد کی بہ نسبت جنوب کی طرف مائل تھے، کہتے ہیں کہ اس وقت کے علماء جو لاہور میں موجود تھے، اس محراب کی سمت کے سلسلے میں حضرت شیخ پر معترض ہوئے، چنانچہ ایک روز حضرت نے سب علماء کو جمع کیا اور خود امامت کے فرائض انجام دیئے اور بعد ادائے نماز حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا دیکھو کعبہ شریف کس سمت میں ہے؟ دیکھا تو حجابات اٹھ گئے اور کعبہ شریف محراب کی سیدھ میں نمودار ہو گیا۔ ان کا مزار بھی ان کی مسجد کی سمت کے مطابق ہے"۔

سال وصال

حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ کے سال وصال میں بھی خاصا اختلاف ہے۔ لعل بیگ لعلی نے ثمرات القدس میں اور شہزادہ دارا شکوہ نے سفینۃ الاولیاء میں ان کے سن وفات 465ھ اور 242ھ رقم کئے ہیں۔ عہد جہانگیر کے ایک عالم و عارف مولانا جامی لاہوری (مدفون بجوار حضرت شیخ طاہر بندگی رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنے قطعہ تاریخ میں 465ھ نظم کیا ہے۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی نے ماثر الکرام میں، گنیش داس وڈیرہ نے چہار باغ پنجاب میں، سامی بیگ نے قاموس الاعلام میں 465ھ ہی لکھا ہے اور دیگر متعدد مؤلفین نے بھی یہی سن نقل کیا ہے۔ نکلسن نے 465ھ تا 469ھ کا کوئی سا سال کہا ہے۔ ڈاکٹر قاسم غنی نے تاریخ تصوف دار السلام جلد دوم میں در حدود 470ھ تجویز کیا ہے۔

مگر ڈاکٹر مولوی محمد شفیع اور عبدالحیٔ حبیبی قندھاری (کابل) ان سب سے آگے نکل گئے ہیں۔ مولوی صاحب نے 479ھ اور حبیبی صاحب نے 500ھ تک کا تعین کیا ہے۔ ان فاضلوں نے کشف المحجوب کے چند ایک مختلف ایڈیشن سامنے رکھ کر اس قسم کی داخلی شہادتیں فراہم کی ہیں کہ داتا صاحب نے فلاں فلاں بزرگ کے نام کے ساتھ "رحمۃ اللہ" یا "رضی عنہ" لکھا ہے اور فلاں کا ذکر صیغہ ماضی سے کیا ہے۔ ہذا یہ کتاب بقول مولوی محمد شفیع 479ھ اور بقول حبیبی 481ھ کے بعد تک لکھی جا رہی تھی۔ حبیبی صاحب نے اپنی طویل بحث کا لب لباب ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

"لازمی طور پر 481ھ اور 500ھ کے درمیان وفات پائی ہوگی۔"

مفصل بحث کا یہ مقام نہیں۔ مختصر یہ کہ بیشتر مقامات پر "رحمۃ اللہ علیہ" اور "رضی اللہ عنہ" کاتبوں کے خود ساختہ اضافے ہیں اور اسی طرح "ہست" کو "بود" بھی بنایا ہوا ہے۔ ایسی تحقیق کی بنیاد مصنف کا اپنا مکتوبہ نسخہ ہونا چاہیے۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو قدیم ترین متعدد خطی نسخے پیش نظر ہونے چاہئیں۔ کاتبوں کی کمی بیشی تحقیق کا مدار نہیں بن سکتی۔ اس جدید تحقیق کی ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔ فاضل حبیبی نے کشف المحجوب سمرقند سے ذیل کا اقتباس پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ کتاب زیر تسوید تھی کہ حضرت امام قشیری قدس سرہ 465ھ میں وفات پا گئے تھے۔

"استاد امام زین الاسلام ابو القاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری ﷺ اندر زمانہ خود بدیع بود و قدرش رفیع و منزلتش بزرگ"۔

مگر یہی عبادت ژدکوفسکی ایڈیشن میں اس طرح ہے:

"استاد امام زین اسلام عبدالکریم ابو القاسم بن ہوازن القشیری اندر زمانہ خود بدیع ست و قدرش رفیع ست و منزلت بزرگ"۔

پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں کشف المحجوب کا ایک خطی نسخہ مکتوبہ 1080ھ موجود ہے۔ اس میں بھی:

"اندر زمانہ خود بدیع ست ----" تحریر ہے ---- گویا اس بحث برائے بحث یا تحقیق کی بنیاد محض اختلاف نسخ اور کاتبوں کے اضافات پر رکھی گئی ہے۔ اگر اس پر اصرار کیا جائے کہ ان بزرگوں کے اسماء کے ساتھ "رحمۃ اللہ" وغیرہ حضرت نے خود ہی لکھا ہے تو پھر ان کے اپنے اسم گرامی کے ساتھ شروع کتاب ہی میں "ﷺ" بھی لکھا ہوا ہے۔ اس کے متعلق کیا کہا جائے گا؟ اور اگر انہوں نے اپنے یہ دعائیہ کلمہ خود تحریر کیا ہے تو دوسرے زندہ بزرگوں کے لئے بھی کر سکتے تھے۔ بہر حال حضرت کا صحیح سن وصال کسی معاصر نے نہیں لکھا لہذا 462ھ تا 469ھ ہی قرین صحت سمجھا جا سکتا ہے۔

مزار پر انوار

یوں تو جملہ ارباب یقین کے قلوب حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ کے مزار ہیں مگر جہاں وہ محو استراحت ہیں، وہ مقام بوسہ گاہ عالم، قبلہ اہل صفا اور کعبہ عشاق ہے۔ یہاں عوام کے علاوہ ہر وقت اولیائے ظاہرین و مستورین کا ہجوم رہتا ہے۔ پاکستان بھر میں یہ وہ متبرک و مقدس مقام ہے جہاں جملہ مقامات مقدسہ سے زیادہ قرآن خوانی ہوتی ہے جہاں سب سے زیادہ ذکر خدا اور ذکر محبوب خدا ﷺ ہوتا ہے اور یہ تبلیغ اسلام اور روحانیت کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ جہاں ہر وقت حاجت مند زائرین کا تانتا بندھا رہتا ہے اور داتا (سخی) کے دریائے فیض کو دیکھ کر بے اختیار ان کی زبان پر جاری ہو جاتا ہے۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

حضرت کا مزار فائض الانوار زمانہ قدیم سے مرجع خواص و عوام چلا آ رہا ہے۔ بڑے بڑے عارفین اور سرخیل اولیاء یہاں سے فیض یاب ہوئے اور اس خانقاہ کی دھول کو اپنی آنکھوں کا نور بنانا عین سعادت سمجھتے رہے۔

مولانا جامی لاہوری لکھتے ہیں:

خانقاہ علی ہجویری است

خاک جاروب از درش بردار
طوطیا کن بدیدہ ، حق بیں
تا شوی واقف در اسرار
چونکہ سردار ملک معنی بود
سال وصلش بر آید از سردار

میر عبدالعزیز زنجانی جو غالباً شاہ جہاں کے زمانہ کا شاعر ہے، نے عرفی کے مشہور قصیدے کے جواب میں لاہور پر ایک قصیدہ لکھا ہے، اس میں حضرت داتا صاحب کے روضہ انور و اطہر پر جو زائرین کا ہجوم رہتا ہے، اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

مزار در شار ہجویری ندیدستی
کہ محل آسایہ پیرا مونش جوش انس وجاں بینی
گدای در گہش از منزلت شاہ جہاں یابی
غلام خادمش از رتبہ مخدوم جہاں بینی

داراشکوہ لکھتا ہے:

''ہر جمعرات کو خلقت انبوہ در انبوہ روضہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہوتی ہے اور مشہور ہے کہ جو کوئی چالیس جمعراتیں یا چالیس دن متواتر ان کے روضہ شریفہ کا طواف کرے اس کی ہر حاجت پوری ہو جاتی ہے۔ فقیر (داراشکوہ) نے بھی ان کے روضہ منورہ کی زیارت کی ہے۔''

مفتی علی الدین رقم طراز ہیں:

''ہر شب جمعہ و روز ہزار ہا مردم برائے زیارت ایشاں مع نذورات می روند، مرادات دلی را مستدعی می شوند''۔

داراشکوہ مزار شریف کے محل وقوع کے بارے میں لکھتا ہے:

''قبر در میان شہر لاہور و مغربی قلعہ واقع شدہ''

ان کی قبر لاہور شہر میں قلعہ سے مغرب کی جانب واقع ہے۔

اس جملے کا محمد وارث کامل نے یوں ترجمہ کیا ہے:

''مزار مبارک لاہور کے مغربی قلعہ میں واقع ہے''۔

لاہور کا نقشہ تبدیل ہو جانے کے سبب داراشکوہ کی یہ تحریر مبہم ہو گئی ہے، پھر ترجمہ کرنے والے نے غلطی کھائی تو آج سے قریباً پندرہ سال قبل لاہور کے ایک ایسے مولوی صاحب نے جو صوفیہ کے مزارات پر حاضری بدعت و شرک سمجھتے تھے۔ یہ اعلان داغ دیا کہ یہ مزار داتا صاحب کا نہیں۔ ان کا مزار تو قلعہ لاہور میں ہے۔ اس وقت مولوی صاحب موصوف کے اس بیان کے خلاف متعدد مضامین شائع ہوئے تھے۔۔ داراشکوہ کی اس تحریر کے ابہام کو ڈاکٹر مولوی محمد شفیع نے اس طرح حل کیا ہے:

داراشکوہ نے یہ کہا کہ ''قبر شہر لاہور کے درمیان، قلعہ کے مغرب میں واقع ہے۔'' یہ کچھ عجیب سا بیان ہے۔ اس لئے کہ قبر شہر کی فصیل کے باہر ہے۔ البتہ شہر کی بیرونی آبادی کے درمیان ہے اور قلعہ کے مغرب کے بجائے جنوب مغرب کہنا زیادہ صحیح تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ داراشکوہ کے زمانہ میں قلعہ سے مغرب کو آتے تھے شاہی مسجد جو اس وقت تھی ہی نہیں، پہلا قابل ذکر مقام دریائے راوی کا گھاٹ تھا۔ دریا اس وقت قلعہ کے نیچے سے بہتا تھا۔ اس گھاٹ کو کابل جانے والی سڑک عبور کرتی تھی اور گھاٹ کے بعد داتا صاحب کے مزار والا علاقہ ہی قابل ذکر تھا چنانچہ ایک انگریز سیاح فچ نامی نے جو 1611ء یعنی جہانگیر بادشاہ کے عہد میں ساڑھے چھ ماہ کے قریب لاہور میں ٹھہرا رہا۔ اسی ترتیب سے اس مواضع کا ذکر کیا ہے۔ گو وہ مسجد شکر گنج کہتا ہے بجائے مسجد گنج بخش کے۔

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ ظہیر الدولہ سلطان ابراہیم بن مسعود بن محمود کے عہد حکومت میں واصل الی اللہ ہوئے تھے اور اسی سلطان نے حضرت کا مزار تعمیر کرایا تھا اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت کے ساتھ جو دو قبریں ہیں، وہ شیخ احمد حمادی سرخسی اور شیخ ابوسعید ہجویری کی ہیں۔

واللہ اعلم بالصواب۔

☆☆☆

کشف المحجوب کے آٹھ نسخے

علامہ ارشد القادری

یکم مارچ 1991ء کو میں مملکت خداداد پاکستان کی زیارت سے دوسری بار مشرف ہوا۔ اس بار مجھے لاہور کے قیام میں مخدوم ہجویری حضرت داتا گنج بخش کے آستانہ عالیہ پر چار دن تک معتکف رہنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اعتکاف کے دوران حضرت مولانا محمد الطاف صاحب نیروی سے جو حضور داتا صاحب کی مسجد کے نائب امام ہیں ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ آپ مستند عالم دین ہیں۔ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور اور جامعہ قادریہ فیصل آباد میں آپ نے کچھ دنوں تک تعلیم حاصل کی اور اخیر میں سند فراغت دارالعلوم حزب الاحناف لاہور سے حاصل کی۔ آستانہ عالیہ کی مسجد میں پندرہ سال سے مؤذن کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

یہ معلوم کر کے مجھے خوشی ہوئی کہ موصوف کو تصنیف و تالیف کے کام سے بھی دلچسپی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی تصنیف کردہ تین کتابیں صلوٰت المومنین، ارشادات نبویہ اور حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے سیاسی اور روحانی افکار جو زیور طبع سے آراستہ ہو گئی ہیں۔ مجھے پیش کیں۔ انہوں نے اپنے اسی ذوق کی تحریک پر حضرت داتا گنج بخش کی مشہور کتاب کشف المحجوب فارسی کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ انہوں نے مجھے ترجمے کا مسودہ دکھایا۔ مختلف مقامات سے اصل کتاب ترجمے کا تقابلی مطالعہ کر لینے کے بعد مجھے واضح طور پر محسوس ہوا کہ ترجمہ نہایت سلیس، شگفتہ اور عام فہم ہے۔ انہوں نے جس حسن و خوبی کے ساتھ اپنے ترجمہ کے ذریعہ حضرت مصنف کے مطالب و مفاہیم کی ترجمانی کی ہے وہ نہایت قابل تحسین ہے۔ جزاہم اللہ خیر الجزاء۔

انہوں نے مجھے بتایا کہ تین سال تک سبقاً سبقاً انہوں نے حضرت مولانا سعید احمد صاحب سابق خطیب و امام مسجد داتا صاحب سے اس کتاب کا درس لیا ہے۔ موصوف نے تین سال کی مدت میں ترجمے کا کام مکمل کیا۔ اس سلسلے میں اپنی مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے مجھے بتایا کہ ترجمے کے دوران جب بھی کسی مقام پر مجھے کوئی اشکال پیش آیا، میں نے مزار مبارک پر حاضر ہو کر استغاثہ کیا اور کچھ وقت گذرنے کے بعد مجھے شرح صدر ہو گیا۔ یہ حضرت مخدوم کا کھلا ہوا تصرف ہے۔ موصوف نے مجھے بتایا کہ اس کتاب کا ترجمہ کرتے وقت انہوں نے مختلف مطابع کے آٹھ نسخوں کو سامنے رکھا تھا۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔

ایک نسخہ تاشقند کا چھپا ہوا تھا۔ دوسرا نسخہ ہندوستان کے کسی مطبع میں طبع ہوا تھا۔ تیسرا نسخہ مشہور بزرگ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی کے دست مبارک کا لکھا ہوا تھا جسے پنجاب یونیورسٹی لاہور نے شائع کیا ہے۔ چوتھا نسخہ ایران کے کسی مطبع کا چھپا ہوا تھا۔ پانچواں نسخہ خوشی محمد صاحب کا تھا جو شیخ ہندی کی اولاد میں سے ہیں۔ واضح رہے کہ شیخ ہندی حضرت داتا صاحب کے خلیفہ تھے۔ خوشی محمد صاحب کے بیان کے مطابق یہ نسخہ داتا صاحب کے دست مبارک کا لکھا ہوا ہے جس کی انہوں نے عکسی طباعت کرائی ہے۔ اس نسخے میں داتا صاحب کا نسب نامہ بھی لکھا ہوا ہے کہ وہ حضرت امام حسن مجتبیٰ ؓ کی اولاد امجاد میں سے ہیں۔ ان کے اور حضرت مولائے کائنات علی شیر خدا ؓ کے درمیان نو پشتوں کا واسطہ ہے۔ اس کتاب میں حضرت داتا صاحب کا سال وصال 465ھ لکھا ہوا ہے۔ ایک روایت 464ھ بھی ہے۔ چھٹا نسخہ سمرقند کا مطبوعہ ہے جسے ملا سید عبدالمجید مفتی بن ملا سید عبداللہ المدرس حنفی نے طبع کرایا ہے۔ اس نسخہ میں بھی کشف الظنون اور سفینۃ الاولیاء کے حوالہ سے حضرت داتا صاحب کا سال وصال 464ھ لکھا ہے۔ جہاں تک میں نے سمجھا ہے سال وفات میں تعارض کی وجہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے سال پورا ہو لینے کے بعد متفرق مہینوں کو بھی شمار کیا ہے انہوں نے سال وفات 465ھ لکھا ہے اور جن لوگوں نے متفرق مہینوں کو نہیں جوڑا ہے انہوں نے 464ھ لکھا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ساتواں نسخہ نامی پریس لاہور کا چھپا ہوا ہے جسے عشرت پبلشنگ ہاؤس ہسپتال روڈ انارکلی لاہور نے شائع کیا ہے۔ ہندوستان میں حضرت داتا صاحب کی تشریف آوری کی کیفیت بیان کرتے ہوئے دیباچے میں لکھا ہے کہ ان کے پیر و مرشد شیخ ابوالفضل بن حسن نے انہیں حکم دیا کہ محمود غزنوی ہندوستان فتح کرتا ہے اور پھر لوٹ آتا ہے اس بار اس کے لشکر کا علم ہاتھ میں لئے ہوئے تم ساتھ جاؤ اور وہیں جھنڈا گاڑ کر بیٹھ جاؤ تاکہ ہندوستان میں اسلام کی جڑیں مضبوط ہوں اور اس کے برگ و بار ہند پر محیط ہو کر آسمان کی طرح چھا جائیں۔ چنانچہ اپنے پیر کے حکم کے مطابق حضرت داتا صاحب محمود غزنوی کے لشکر کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے۔ ان کے ہمراہ ان کے دو پیر بھائی حضرت ابو سعید اور سید لطفی بھی تھے۔ لاہور کے شمال میں دریائے راوی کے کنارے رات گذارنے کے لئے آپ نے قیام فرمایا۔ جب صبح کو شہر میں داخل ہوئے تو آپ کو ایک جنازہ ملا جو حضرت سید حسین زنجانی قطب لاہور کا تھا۔ ان کی تجہیز و تکفین میں شریک ہوئے۔ اس کے بعد شہر کے مغربی حصہ میں تشریف لائے جہاں ہندوؤں کا ایک مندر تھا اس کے قریب ہی آپ نے اپنا اسلامی جھنڈا نصب کرایا اور فرمایا یہ جھنڈا ہند کی سر زمین پر اس طرح لہراتا رہے گا اور دیار لاہور پر سایہ فگن رہے گا۔ مزار مبارک سے سات گز کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا چشمہ ہے اس کے متعلق سینہ بہ سینہ یہ روایت چلی آ رہی ہے کہ اسی جگہ دریائے راوی کے کنارے آپ کا قیام تھا۔ دریائے راوی تو مرور زمانہ کے ساتھ پیچھے ہٹتا چلا گیا

اور آج وہ کافی فاصلے پر ہے لیکن آپ کے فیض وکرم کا جھنڈا اسی مقام پر لہرا رہا ہے۔ ایک ہزار سال میں ہزاروں انقلابات آئے لیکن آپ کی عظمت و روحانیت اور ولایت ومحبوبیت کا چشمہ فیض اسی شان سے جاری ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک جاری رہے گا۔

آٹھواں نسخہ تہران کا ہے۔ ہندوستان میں اس کی طباعت واشاعت کا اعزاز مشترکہ طور پر مرکز تحقیقات ایران و پاکستان اسلام آباد اور اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور کو حاصل ہے۔ یہ نسخہ عارف پریس شارع گنج بخش لاہور میں چھپا ہے جو ٹائپ حروف میں ہے۔ اس کتاب میں جگہ جگہ جناب علی قویم صاحب کا مفید ترین حاشیہ بھی ہے۔ طباعت کا اہتمام جناب ارشد قریشی صاحب نے فرمایا ہے۔

اس کتاب کے مترجم سے جب میں نے دریافت کیا کہ کشف المحجوب کے جو آٹھ نسخے ترجمے کے وقت آپ کے سامنے تھے ان کے درمیان عبارت لفظوں کا اگر کوئی اختلاف نظر آیا تو آپ نے اسے کس طرح دور کیا۔ موصوف نے جواب دیا کہ اس طرح کے سارے مواقع پر میں نے حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی کے قلمی نسخے کو ترجیح دی کہ تاریخی اعتبار سے میرے نزدیک وہ بہت زیادہ مستند اور قابل اعتماد ہے اور دوسری وجہ ترجیح یہ تھی کہ عبارتوں کے سیاق وسباق کے لحاظ سے وہی الفاظ زیادہ موزوں اور معنوی طور پر مقام ومحل کے تقاضے کے مناسب بھی تھے۔

اخیر میں ترجمان حقیقت علامہ محمد اقبال کی منقبت کے ان دو شعروں میں اپنا یہ تبصرہ ختم کرتا ہوں۔ مختلف نسخوں کے جو مندرجات میں نے یہاں نقل کئے ہیں ان میں میری حیثیت صرف ناقل کی ہے۔ حقائق کا علم اللہ ہی کو ہے۔

سید ہجویر مخدوم امم
مرقد او پیر سنجر را حرم
خاک پنجاب از دم او زندہ گشت
صبح از مہر او تابندہ گشت

☆☆☆

مخدوم امم سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ

علامہ اقبال علیہ الرحمہ کی نظر میں

صاحبزادہ محمد سعید احمد قادری

ترجمان حقیقت، علامہ اقبال علیہ الرحمہ عالم اسلام کی نہ صرف بلند پایہ شخصیت تھے بلکہ وہ بہت دور اندیش، صاحب نظر اور صاحب بصیرت انسان تھے، ان کی چشم بصیرت اور نگاہ تیز بیں نے برسوں پہلے دیکھ لیا تھا کہ جس سرزمین پر "پاسبان عزت ام الکتاب" "مخدوم امم" سید ہجویر نے ایک ہزار سال قبل سرزمین ہند پر جو "تخم سجدہ" کاشت کیا تھا اس کے بارآور ہونے کا وقت آن پہنچا ہے چنانچہ مرد درویش نے 1930ء میں مسلم لیگ کے جلسہ الہ آباد کی صدارت کرتے ہوئے ببانگ دہل یہ اعلان کیا کہ:

"میری آنکھ دیکھ رہی ہے کہ شمال مغربی ہندوستان میں ایک ایسی الگ مملکت قائم ہو کر رہے گی جہاں مسلمان اپنی آرزوؤں اور تمناؤں کے مطابق زندگی بسر کر سکیں گے اور وہ وہاں اپنے تمدن، اپنی تہذیب، اپنے کلچر اپنے آئین اور اپنے قانون کے مطابق حکومت چلائیں گے، ان کو اپنے دین و مذہب پر چلنے اور اس پر عمل کرنے کی مکمل آزادی ہوگی، اپنا لباس پہننے اور اپنی زبان بولنے کی اجازت ہوگی"

سید ہجویر نے جس خطہ زمین پر اپنی روحانی طاقت اور بصیرت کا تخم سجدہ کاشت کیا تھا اس سے قبل اسی خطہ میں سلطان محمود غزنوی نے راجہ جے پال کے بار بار حملوں سے تنگ آ کر جوابی کارروائیاں کیں اور لاہور اور ملتان کے علاقے فتح کر کے اپنی قلمرو میں شامل کر لئے تھے۔ گویا یہ سرزمین مسلمان فاتحین اور روحانی بزرگوں کی بیک وقت سجدہ گاہ بنی۔ صدیوں یہاں اسلامی مملکت قائم رہی بلکہ اس کا دائرہ کار پورے ہندوستان میں سرنگاپٹم اور راس کماری تک پھیل گیا۔ ادھر بنگال (موجودہ بنگلہ دیش) بھی مسلمان حکمرانوں کے زیر نگیں تھا۔ اس کے بعد زوال آیا اور ایسا زوال آیا کہ عظیم الشان مغل سلطنت کا شیرازہ بکھرنے لگا۔ ایسے عالم میں ہندوستان میں تجارت کی غرض سے آنے والے انگریزوں کی ایسٹ انڈیا کمپنی نے فائدہ اٹھایا اور بتدریج پورے ہندوستان کو زیر نگیں کر لیا۔ دو سو سال تک انہوں نے ڈٹ کر حکومت کی۔ مسلمانوں کو بالخصوص مار اپیٹا کیونکہ انہوں نے حکومت ان ہی سے چھینی تھی۔ 1857ء میں جب ہندوؤں کے ساتھ مل کر مسلمانوں نے آزاد ہونے اور غلامی کے چنگل سے نکلنے کی کوشش کی تو ہندوؤں کی دھوکہ دہی اور فریب کاری کی وجہ سے خوب مار کھائی۔ انگریزوں نے مسلمانوں کے کشتے کے پشتے لگا دیئے۔ ان کی جاگیریں چھین لیں اور انہیں قلاش و بدحال کر دیا جبکہ انہوں نے ہندوؤں کی حوصلہ افزائی کی اور انہیں بلند و بالا عہدے دیئے۔ ٹیپو سلطان علیہ الرحمہ سے لے کر سر سید احمد خاں، نواب افتخار حسین محمد وٹ، نواب بہادر یار، نواب سلیم اللہ، نواب محمد اسماعیل خاں، سید امیر علی، راجہ صاحب محمود آباد، اے کے فضل الحق، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، سر آغا خاں سوم، سر میاں محمد شفیع، سر شفاعت احمد خاں، جسٹس محمد شاہ دین، پیر سید جماعت علی شاہ، میاں بشیر احمد، بیگم شاہ نواز اور دیگر درد مند دل رکھنے والے رہنماؤں نے باانداز دگر مسلمانوں کی بحالی اور بہبودی کی کوششیں شروع کر دیں۔ اسی دوران ممبئی سے محمد جناح سامنے آئے اور پنجاب سے علامہ اقبال نے اپنی شعر و شاعری سے سوئی ہوئی قوم کو خواب غفلت سے بیدار کیا اور قائداعظم محمد علی جناح کو جو مایوس و ناراض ہو کر انگلستان جا چکے تھے، بالاصرار لندن سے واپس لائے اور انہیں مسلمانوں کی قیادت کے لئے آمادہ و تیار کیا۔ خود بھی ان کی مدد کی اور دوسرے اہل درد کو بھی میدان میں لائے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ 23 مارچ 1940ء میں قرارداد پاکستان لاہور میں منظور ہوئی اور 14 اگست 1947ء کو پاکستان منصۂ شہود پر آ گیا۔ مذہب کی بنیاد پر معرض وجود میں آنے والا پاکستان دنیا بھر میں پہلا ملک تھا۔ اسرائیل اس کے بعد 1948ء میں بنا۔ علامہ اقبال نے تاریخ اسلام کی روشنی میں اپنے بسیط مطالعہ اور روحانی بصیرت کی بساط پر آزادی قوم و ملت کا خواب دیکھا۔ حیران کن امر یہ ہے کہ یہ خطہ ارض وہ تھا جہاں صدیوں پہلے سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ نے توحید کے دلکش نغمے گائے تھے۔ چنانچہ سید ہجویر کے سجدوں سے یہاں ایک ایسی فصل نور اور زر افشاں تیار ہوئی جس نے میدان میں آ کر قائداعظم کی قیادت میں نعرہ حق و صداقت بلند کر دیا اور انجام کار ہندوستان کے گوشے گوشے میں توحید الٰہی کے نغمے پھر سے گونجنے لگے۔

یہ امر قابل فخر و مباہات ہے کہ قیام پاکستان کی جدوجہد میں سنی و حنفی علماء کا کردار بہت نمایاں اور معتبر ہو رہا۔ امام احمد رضا خاں، پیر سید جماعت علی شاہ، سید روح الامین، پیر آف مانکی شریف محمد عبدالطیف پیر آف زکوڑی شریف۔ مولانا عبدالحامد بدایونی اور دیگر ہزاروں علمائے حق کی مساعی جلیلہ، جمیلہ بروئے کار آئیں۔ افسوس! کہ اہل دیوبند اور ان کے بزرگ مولانا حسین احمد مدنی اس وقت پاکستان کے سخت مخالفین میں سے تھے بلکہ کانگریس کے حامی و موید تھے۔ ان کے خیال میں وطن کی بنیاد مذہب پر نہیں، زمین پر ہوتی ہے جس پر علامہ اقبال اٹھ کھڑے ہوئے انہوں نے قلندرانہ انداز میں فرمایا:

عجم ہنوز نداند رموز دیں ورنہ
ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است
سرود بر سر منبر کہ دیں از وطن است

چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است
بمصطفیٰ برساں خویش کہ "دیں ہمہ اوست"
اگر باو نرسیدی ، تمام بولہبی است

یعنی "اہل عجم نے ابھی تک رموز دیں سے شناسائی و آگاہی حاصل نہیں کی، مولانا حسین احمد مدنی کے مرکز دیوبند سے یہ کیا حماقت آمیز (خبر آئی ہے) کہ انہوں نے مسجد کے منبر پر کھڑے ہو کر کہا ہے کہ "قوم کا تعلق وطن سے ہوتا ہے یعنی (قومیں اوطان سے بنتی ہیں) یہ شخص جناب محمد عربی ﷺ کے مقام و مرتبہ سے بے خبر ہے۔ (میں بتاتا ہوں) اپنے آپ کو حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کے قدموں میں لے چلو کہ یہی دین ہے اور اگر آپ وہاں نہ پہنچے تو (یقین جانیئے) پھر آپ ابولہب اور ابوجہل کے دین پر عمل پیرا ہیں۔"

حکیم الامت علامہ اقبال علیہ الرحمہ اہل اللہ اور درویشان و فقراء سے بہت گہری عقیدت رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے اردو و فارسی کلام میں جا بجا ان بزرگان دین کا ذکر بالواسطہ اور براہ راست عقیدت مندی سے کیا ہے اور ان کی خدمات کا اعتراف کیا ہے۔ ان میں امام ربانی، سید احمد مجدد الف ثانی، نظام الدین اولیاء، سید معین الدین چشتی اجمیری اور سید ہجویر سید علی بن عثمان المعروف داتا گنج بخش نمایاں طور پر شامل ہیں۔

دراصل علامہ اقبال کی تیز بیں نگاہوں نے دیکھ لیا تھا کہ جہاں داتا گنج بخش نے اپنی روحانی قوت سے تخم سجدہ کاشت کیا تھا وہ سرزمین نظریہ پاکستان کا مرکز و مستقر بننے والی ہے۔

علامہ اقبال نے "خودی اور خودداری" کو اپنے کلام کا موضوع بنایا ہے اور اپنا ایک نیا فلسفہ حیات وضع کر کے مسلمانوں کو پیش کیا ہے۔ اس کے مطابق انہوں نے مسلمانان ہند کو بالخصوص اور مسلمانان عالم کو بالعموم زندگی و بیداری اور عملی جدوجہد کا پیغام دیا۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ میں جو کردار علامہ اقبال نے ادا کیا وہ انہی کا حصہ ہے۔ ان کے دور میں مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک مسلمان غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ علامہ نے بروقت یہ ادراک کر لیا کہ سید علی ہجویری جیسے بزرگان دین اور اکابرین ملت نے شمال مغربی ہندوستان کے علاقہ میں سجدوں کے جو بیج کاشت کیے تھے وہ نظریہ پاکستان کی بنیاد بن چکے ہیں۔ اور ان کے بارآور ہونے کا وقت آن پہنچا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سید علی ہجویری کے عہد میں نظریہ پاکستان وجود میں آچکا تھا۔ چنانچہ علامہ نے فرمایا:

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تیری
دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی

علامہ کے نزدیک ملت اسلامیہ کی بنیاد کسی خطۂ زمین یا رنگ و نسل و نسب پر نہیں رکھی گئی۔ ان کا ملجا و ماویٰ حضور رسالت مآب ﷺ کی ذات پاک ہے جنہوں نے عرب و عجم کو اٹھا کر دیا۔ رنگ و نسل کے بت توڑ دیے اور اب چینی ہوں یا ہندوستانی، ایرانی ہوں یا تاتاری۔ افغان ہو یا ترک، مصری ہوں یا شامی، عرب ہوں یا بربر سب کو برابر اور یکساں قرار دیا۔ تمام مسلمان ایک ہیں اور ایک ہی شاخسار کے مختلف پھول ہیں۔

علامہ اقبال نے "خودی کے استحکام" کے سلسلہ میں سید ہجویر کے مرید خاص کا ایک دل افروز واقعہ نظم کیا ہے جو مرو (ترکستان) سے آیا تھا۔ یہ مرید اپنے دشمنوں کے ہاتھوں سخت تنگ اور پریشان تھا۔ سید ہجویر نے اسے بتایا کہ "دشمن" دراصل تیرا دشمن نہیں، وہ درحقیقت تیرا دوست ہے۔ اس کی وجہ سے تیری زندگی کا نظام قائم ہے اور تو اس کے شر سے بچنے کے لئے جو سعی و کوشش کرتا ہے۔ وہی سعی و کوشش اور وہی جدوجہد، مرد آزاد کا شیوہ ہے اور جدوجہد کا سامان، تیر تفنگ اور تلوار اس کا زیور ہے۔ زندگی مقابلہ آرائی Confrontation کا نام ہے۔ آرام و آسائش سے بیٹھ رہنے کا نام زندگی نہیں۔ علامہ اقبال نے یہ دلچسپ اور سبق آموز واقعہ اپنی مشہور کتاب "اسرار و رموز" میں درج کیا ہے۔ یہ کتاب اگرچہ فارسی زبان میں ہے۔ آیئے! ہم اسے اردو کا قالب پہناتے ہوئے اس کا جائزہ لیتے ہیں جس سے سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ علامہ اقبال کی عقیدت و محبت بھی کھل کر سامنے آجائے گی۔

تازہ خواہی داشتن گر داغ ہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

''اگر دلوں کے داغوں کو تازہ رکھنا چاہتے ہو تو پھر کبھی کبھی بزرگان دین متین اور اہل درد کے قصے اور کہانیاں پڑھتے رہا کرو۔ ان میں ہدایت و آگہی کا بہت بڑا سرمایہ موجود ہے''۔ حکیم الامت علامہ اقبال نظم کا آغاز کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

سید ہجویر مخدوم امم
مرقد و پیر سنجر را حرم
بندہائے کوہسار آساں گسیخت
در زمین ہند تخم سجدہ ریخت

حکیم الامت، شاعر مشرق، مفکر اسلام علامہ اقبال حضرت سید علی ہجویری موسوم بہ داتا گنج بخش کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''عظیم الشان شہر غزنی کے محلہ ہجویر کے رہنے والے عظیم المرتبت انسان سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ جو دنیا کی تمام امتوں اور قوموں کے مخدوم ہیں۔ یعنی دنیا بھر کی قومیں، بلند پایہ روحانی مقام حاصل ہونے کی وجہ سے ان کا بے پایاں احترام کرتی ہیں اور اپنے آپ کو ان کا ادنیٰ خادم اور غلام قرار دینے میں فخر محسوس کرتی ہیں۔ ان کا مزار پُر انوار خواجہ اجمیر معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے لئے حرم کی مانند ہے۔ گویا سید معین الدین چشتی جیسا بلند پایہ روحانی بزرگ بھی ان کا عقیدت مند ہی نہیں بلکہ ان کا خوشہ چین ہونے کا اعتراف کرتا ہے اور اس پر اسے فخر محسوس ہوتا ہے۔

دراصل تاریخ سے ثابت ہے کہ خواجہ چشت جب ہندوستان آئے اور لاہور پہنچے تو انہوں نے سید ہجویر کے مزار پُر انوار پر چالیس روز تک چلہ کشی کی تھی چنانچہ نشانی کے طور پر مزار اقدس کے قریب اس جگہ کو حجرہ کی صورت میں نمایاں کر دیا گیا ہے اور مزار داتا پر آنے والے عام عقیدت مند وہاں بھی سلام عقیدت پیش کرتے ہیں۔ خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ اس کے بعد راجپوتانہ کے ریگزار میں چلے گئے اور اجمیر میں قیام کیا اور وہاں ہزاروں لاکھوں بے دینوں کو حلقہ بگوش اسلام کیا۔ ان کے مزار پُر انور پر بھی ہر سال لاکھوں لوگ جاتے ہیں اور سلام عقیدت پیش کرتے ہیں۔ ان میں ہندو، سکھ اور دیگر مذاہب کے بھی لوگ شامل ہوتے ہیں۔

علامہ اقبال نے جس طرح سید علی ہجویری کو ''سید ہجویر'' کہا ہے، اسی طرح خواجہ چشت کو ''پیر سنجر'' کہا ہے۔ سنجر دراصل ایران کے کسی قصبہ کا نام ہے لیکن جدید تحقیق کے مطابق یہ لفظ سنجر (س۔ن۔ج۔ر) نہیں بلکہ ''سجز'' (س۔ج۔ز) ہے مگر برعظیم پاکستان و ہند میں یہ لفظ سنجر ہی بولا لکھا اور پڑھا جاتا ہے۔ یہ بات صرف علامہ اقبال پر ہی موقوف نہیں ہمارے تمام بزرگوں اور قلمکاروں نے آج تک اس لفظ کو ''سنجر'' ہی کے طور پر استعمال کیا ہے اور اسی طرح بولتے اور پڑھتے بھی ہیں لیکن بلند پایہ عالم محقق اور اہل سنت کے دانش ور حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے کشف المحجوب کا پُر مغز دیباچہ لکھتے ہوئے، اس کے حاشیہ میں لکھا ہے:

''اہل تحقیق کے نزدیک سجز (س۔ج۔ز) لکھنا صحیح ہے۔ استاد سعید نفیسی نے لاہور میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ڈاکٹر اقبال مرحوم کے شعر میں ''پیر سنجر'' کسی وجہ سے غلط چھپ گیا ہے۔ اصل میں یہ شعر یوں ہونا چاہیے:

سید ہجویر مخدوم امم
مرقد او پیر سجزی را حرم

(ماہنامہ ہلال (فارسی) مطبوعہ کراچی بحوالہ اذکار جمیل از حکیم محمد موسیٰ، ص: ۱۵)

اب ہم اگلے شعر کی تشریح کی طرف آتے ہیں:

سید ہجویر جو سنگلاخ اور بلند بالا پہاڑوں کی رکاوٹیں آسانی سے توڑ کر (اور دشوار گزار دریاؤں سے گزر کر) ہندوستان کے کفرستان میں وارد ہوئے اور یہاں کی سرزمین (کفر) میں سجدے کا بیج بویا۔ میاں عبدالرشید نے ''اسرار و رموز'' کے ترجمہ میں کم و بیش یہی الفاظ استعمال کئے ہیں لیکن ہمارے خیال میں اس شعر کا ترجمہ یوں بھی ہو سکتا ہے کہ جناب سید ہجویر جب ہندوستان تشریف لائے تو یہاں ہر طرف کفر و شرک کا بول بالا تھا۔ اگرچہ سلطان محمود غزنوی (وفات 1030ء) نے 17 حملوں کے بعد کفار کے مضبوط قلعوں کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تھا اور ان کی قوت قاہرہ کو شکست و ریخت سے دوچار کر دیا تھا۔ اس کے باوجود فکر حق ادا کرنے والوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر تھی۔ ان کے چاروں طرف بت پرست ہندو معاشرہ کا غلبہ تھا جو رام اور سیتا کے بھجن گاتا تھا اور مختلف دیوی دیوتاؤں کے اشلوک پڑھتا تھا۔ کہتے ہیں کہ سلطان مسعود غزنوی (421ھ تا 430ھ) کی حکومت دم توڑ رہی تھی۔ غزنی اور لاہور میں سیاسی ابتری کا زمانہ تھا۔ ہر طرف بے چینی اور بدامنی تھی جس سے لوگ خوفزدہ اور ہراساں تھے۔ گویا ہر طرف مشکلات ہی مشکلات تھیں اور مصائب ہی مصائب کے پہاڑ تھے۔ ہندو تاک

میں تھے کہ سلاطین غزنوی ذرا کمزور ہوں اور وہ (ہندو) تاج وتخت پر قبضہ کرلیں۔ گویا سید ہجویر کے سامنے پہاڑ نہیں بلکہ پہاڑوں جیسی مشکلات اور رکاوٹیں سر اٹھائے کھڑی تھیں جن کو انہوں نے اپنی فقید المثال ہمت وجرأت اور بے پناہ محنت وریاضت، عزم جوان اور یقین کامل کے ذریعہ آسان بنالیا۔ انہوں نے مشکلات کے پہاڑوں کو نہ صرف سر کیا بلکہ سرزمین ہند میں جہاں ہر طرف باطل ہی کے کھیت لہلہاتے تھے وہاں اپنے عجز وانکساری، اخلاق ومروت، محبت وشفقت اور بصیرت ومشاہدہ کی بدولت ایسی فضا پیدا کردی کہ ان کے لئے "سجدوں کے بیج" بونے اور کاشت کرنے آسان ہوگئے۔ علامہ نے "تخم سجدہ" کی کیا خوب صورت ترکیب استعمال کی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بیج بھی زمین میں بویا جاتا ہے اور سجدہ بھی زمین پر ہی کیا جاتا ہے اور سجدہ کے بغیر نماز مکمل نہیں اور نماز کی ادائیگی کے بغیر کوئی مسلمان، مسلمان اور مومن نہیں"۔ اس سے آگے لکھتے ہیں۔

عہد فاروق از جمالش تازہ شد
حق ز حرف او بلند آوازہ شد
پاسبان عزت ام الکتاب
از نگاہش خانۂ باطل خراب

یعنی امیر المؤمنین خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور مسعود کی یاد تازہ ہوگئی اور سید ہجویر کے روحانی نور وجمال کی بدولت ہندوستان میں اسی طرح اسلام کا بول بالا ہوا جس طرح فاروق اعظم کے دور مبارک میں عرب کے ویرانوں سے لے کر شام ومصر وسوڈان اور مشرق میں ایران وترکستان تک نور اسلام پھیل گیا۔ کمال یہ ہے کہ خلافت راشدہ کے دور میں جو کام جنگوں کے ذریعے ہوا (اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ قرون اولیٰ نے مسلمانوں نے اشاعت اسلام میں محبت، رواداری اور شفقت سے کام نہیں لیا۔ دراصل انہوں نے دونوں حربے استعمال کئے)، وہی کام سید ہجویر نے اپنے جلال سے نہیں، اپنے جمال وخوبی سے مکمل کرلیا۔ گویا انہوں نے تلوار کے زور پر نہیں، اپنی زبان وقلم کی طاقت سے اسلام پھیلایا۔ گویا ان کی تبلیغ حق سے کفرستان ہند میں دین حق وصداقت کا بول بالا ہوا۔"

"آپ سید ہجویر "ام الکتاب" یعنی قرآن مجید فرقان حمید کی عزت وحرمت کے پاسدار، پاسبان اور نگہبان تھے۔ انہوں نے قرآن کے مطالب ومفہوم کی خوب نگہبانی کی، اسے خود بھی سمجھا اور پھر اس کے مطالب ومعانی دوسروں کو سمجھائے اور پہنچائے۔ گویا انہوں نے قرآن پاک کی تعلیم کا حق ادا کردیا۔ اور آپ کی نگاہ حق پرست سے برعظیم پاکستان وہند میں کفر وباطل کی تباہی وبربادی ہوئی اور اس کا خانہ خراب ہوا۔ علامہ اقبال نے ایک اور جگہ فرمایا ہے:

کوئی اندازہ کرسکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

علامہ نے اپنے کلام میں جگہ جگہ "نگاہ اور نظر" کے کرشماتی اور طلسماتی اثرات کا ذکر کیا ہے۔ ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔

نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پر سوز
یہی ہے رخت سفر، میر کارواں کے لئے

یعنی بقول علامہ اقبال کہ ان تین صفات سے متصف سید ہجویر نے شمالی ہند میں کفر وباطل کا خانہ خراب کردیا اور توحید کے چراغ روشن کردئے جن کی روشنی سے آج بھی گلشن پاک روشن وتابندہ ہے اور جہاں کعبۃ اللہ وسبز گنبد کے بعد دنیا کا عظیم الشان روحانی مرکز ہے جہاں سے یک جہاں کسب فیض کرتا ہے۔

خاک پنجاب از دم او زندہ گشت
صبح ما از مہر او تابندہ گشت
عاشق وہم قاصد طیار عشق
از حسینش آشکار اسرار عشق

علامہ فرماتے ہیں کہ:

"سرزمین پنجاب ان کے دم قدم سے زندہ وپائندہ ہوگئی، اور ان کے آفتاب عالمتاب سے ہماری بے نور صبح روشن ہوگئی۔"

حسن اتفاق دیکھئے کہ شمال سے جس مسلمان حکمران نے، پنجاب کے حکمران جے پال کی طرف پیش قدمی کے بعد اسے جنگ میں

شکست دی وہ امیر سبکتگین کا بیٹا سلطان محمود تھا جو اس وقت باپ کے عہد میں صرف سپہ سالار تھا بعد میں جے پال نے خراج نہ دے کر بد عہدی کی تو محمود غزنوی نے اسے عبرت ناک سبق سکھایا۔ ہندوستان میں عرب نوجوان محمد بن قاسم کے بعد جس حکمران نے ہندوستان میں اسلام کو روشناس کرایا اور مسلمان اولیاء اللہ کو یہاں آنے کے اسباب مہیا کیے وہ سلطان محمود تھا جو غزنی کا حکمران تھا اس کے عہد میں درجنوں علماء وفضلاء ہندوستان آئے جن میں البیرونی بھی شامل تھا اسی سلطان کی اولاد کے عہد میں سید ہجویر علی بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ لاہور تشریف لائے، ان کا تعلق بھی غزنی ہی سے تھا گویا ظاہری حکمران اور باطنی شہنشاہ ہر دو (۲) کا تعلق افغانستان کے شہر غزنی، سے تھا جسے تاریخ میں "غزنین" بھی لکھتے اور "غزنہ" بھی کہتے ہیں۔ غزنی اس زمانے میں مختلف علوم وفنون کا بہت بڑا مرکز تھا، بے شمار علماء، فضلاء، حکماء، اطباء، شعراء اور ادباء وہاں جمع تھے جن میں سید ہجویر کے ماموں تاج الاولیاء بھی شامل تھے، اہل علم ودانش کے علاوہ سینکڑوں روحانی پیشوا اور بزرگان دین وصالحین بھی موجود تھے جنہیں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے یوں خراج عقیدت پیش کیا ہے:

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہے تو دیکھ ان کو
ید بیضا لئے پھرتے ہیں اپنی آستینوں میں

یہی وہ گدڑی نشیں تھے جو ایران وترکستان اور شام وفلسطین سے علوم وفنون کے خزانے سینوں میں سمیٹے اور محفوظ کیے ہندوستان آئے اور یہاں ہر طرف ہدایت کی روشنی پھیلائی، اپنے استاد اور پیر جناب ابوالفضل محمد بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر سید ہجویر لاہور تشریف لائے اگرچہ اس وقت پنجاب اور اس کے گرد ونواح میں مسلمانوں کی حکومت تھی لیکن کفار ومشرکین کی ہر طرف کثرت اور غلبہ تھا۔ بتوں اور برہمنوں کی پوجا پر ستش عام تھی، حکمرانوں کو زیادہ تر حکومت سے غرض تھی، اشاعت دین اور تبلیغ حق کا کام ان بے نوا خرقہ پوشوں نے سرانجام دیا جن کی آستینوں میں ید بیضا کی طاقت تھی اور اس سے وہ ہر شے کو تسخیر کر لیتے تھے۔ اسی لئے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے سید ہجویر جناب کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ "ان کی مساعی بے پایاں سے پنجاب میں نور وہدایت کی روشنی پھیلی، پنجاب کی خاک مردہ، روشن وتابندہ ہو گئی اور ہر طرف توحید ورسالت کے نغمے گائے جانے لگے اور سید ہجویر کی جدوجہد سے ہماری تاریک واندھیر صبح روشن میں بدل گئی کیونکہ سید ہجویر کی صورت میں آفتاب ہدایت چمکا اور اس نے چاروں اطراف کو جگمگا دیا۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ سید ہجویر کے دست حق پرست پر سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں، لاکھوں افراد بیعت ہوئے اور آغوش اسلام میں آئے۔ یہی وہ زمانہ تھا جب سید ہجویر علیہ الرحمۃ کے ہاتھوں اس علاقہ میں نظریہ پاکستان کی بنیاد رکھی گئی اور حق وباطل کا امتیاز قائم کیا گیا۔

اگلے شعر میں علامہ فرماتے ہیں:

"وہ (یعنی سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ) عشق وسوز کے جذبہ عالیہ سے سرشار تھے اور عشق کے تیز رفتار قاصد اور پیامبر بھی تھے گویا ان کے جذبہ عشق ومستی سے عشق ومحبت اور سوز وگداز کے سرچشمے پھوٹے اور ان کی جبین شوق سے عشق ومحبت کے اسرار مخفی آشکار ہوئے اور حقیقت کے ہزاروں بھید وا ہوئے، اہل درد نے ان سے بہت کچھ سیکھا اور پھر انہوں نے اس تعلیم کو دنیا بھر میں عام کیا یہ نغمہ توحید وعشق آج بھی مزار اقدس کے اردگرد گونج رہا ہے اور روزانہ ہزاروں تشنگان عشق وسوز یہاں آکر اپنے من کی پیاس بجھاتے ہیں اور فیض یاب ہوتے ہیں۔ یہ سلسلہ فیض وعطا اور جود وسخا صدیوں سے جاری وساری ہے اور انشاء اللہ تا ابد جاری وساری رہے گا۔ (اللہ تعالیٰ ہمیں بھی جرعہ عشق وسوز عطا کرے اور اپنے بندوں میں شامل کر لے)۔

داستانے از کمالش سر کنم
گلشنے در غنچہ مضمر کنم
نوجوانے قامتش بالا چو سرو
وارد لاہور شد از شہر مرو

حکیم الامت علامہ اقبال اپنی کتاب "اسرار ورموز" میں رقمطراز ہیں:

"میں آپ کے کمال کی ایک داستان بیان کرتا ہوں۔ میری یہ کوشش ہے کہ پورا باغ اور پورا چمن ہی ایک غنچے یا کلی میں بند کر دوں گویا دریا کوزے میں بند ہو جائے۔ یعنی کسی طرح طویل کہانی کو مختصر الفاظ میں بیان کر دوں۔ فرماتے ہیں کہ ترکستان کے شہر مرو سے ایک نوجوان لاہور میں وارد ہوا اور سید ہجویر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ نووارد قد وقامت میں خوب صورت سرو کے درخت کی طرح بلند وبالا تھا۔

رفت پیش سید والا جناب

تا رباید ظلمتش را آفتاب
گفت محصور از صف اعداء ستم
درمیان سنگہا تنہا استم

دیار مرو کا باشندہ، بلند و مرتبت، عالی جناب سید ہجویری کی خدمت عالی میں پیش ہوا تا کہ آفتاب ہجویر اس کے دل کی تاریکیاں اور اندھیرے دور کر سکے۔ اس نے دست بستہ عرض کیا "یا حضرت! میں دشمنوں کی صفوں میں گھر گیا ہوں، (گویا دشمنوں کی کثرت نے مجھے گھیر رکھا ہے) میری مثال وہی ہے جو پتھروں کے درمیان مینا کی ہوتی ہے"

یہاں شاعر کی "مینا" سے مراد کیا ہے؟ کیونکہ انہوں نے یہ لفظ اگر "مینا" باندھا ہے تو اس کا مطلب بوتل یا صراحی ہے (جس میں شراب رکھی جاتی ہے) چونکہ یہ دونوں چیزیں شیشے سے بنی ہوتی ہیں اس لئے ان کی شکست و ریخت اور ٹوٹ پھوٹ بآسانی ہو سکتی ہے اسی لئے شاعر باکمال نے کہا ہے کہ

درمیان سنگ با تنہا ستم

میں پتھروں کے درمیان تنہا ہوں، ایک ذرا سا پتھر بھی آن لگا تو میری موت یقینی ہے۔ مشہور شاعر شاد نے کہا ہے

یہ بزم مے ہے یہاں کوتاہ دستی ہے محرومی
جو بڑھ کر خود اٹھا لے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

یاد رہے یہ لفظ مذکر اور مونث دونوں طرح مستعمل ہے۔ مینا کے معنی نقش و نگار کے بھی ہوتے ہیں اسی لئے "مینا بازار" کی ترکیب اسی سے بنی ہے۔ اگر "م" بفتح یعنی زبر کے ساتھ ہو تو لفظ مینا پڑھا جائے گا جو ایک پرندہ ہے یا پہاڑی چڑیا کو کہتے ہیں جو کوے سے ملتی جلتی ہے، جس کی چونچ نارنجی، کان مرغی جیسے ہوتے ہیں۔

بامن آموز اے شہ گردوں مکاں
زندگی کردن میان دشمناں
پیر دانائے کہ درد و داغش جمال
بستہ پیمان محبت با جلال

ترجمان حقیقت علامہ اقبال فرماتے ہیں:

"اے بلندی میں آسمان کا درجہ رکھنے والے جناب سید ہجویر! میں دشمنوں میں گھرا ہوا ہوں مجھے ان دشمنوں کے درمیان زندگی بسر کرنے کا طریقہ سمجھایئے۔ (میں ان سے بہت پریشان ہوں اور ان کی وجہ سے مصائب و آلام میں مبتلا ہوں)

وہ پیر دانا (سید ہجویر) جس کی ذات میں جمال نے جلال کے ساتھ پیمان محبت باندھ رکھا تھا گویا ان کی ذات ستودہ صفات میں جمال و جلال دونوں یکجا ہو گئے تھے۔ مومن کی یہ صفت ہے کہ وہ بیک وقت نرم دل اور شفیق لیکن پختہ و مستحکم اور سخت جان بھی ہوتا ہے بقول اقبال علیہ الرحمۃ:

نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو
رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاکباز

یا پھر

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

علامہ مرید مرو کی داستان لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

گفت اے نا محرم از راہ حیات
غافل از انجام و آغاز حیات
فارغ از اندیشہ اغیار شو
قوت خوابیدہ ای بیدار شو

سید باکمال، صاحب جلال و جمال سید علی ہجویری نے مرید مرو سے فرمایا "اے راز حیات اور زندگی کے بھید سے غافل و ناآشنا نوجوان!

تو زندگی کے آغاز اور اس کے انجام سے بالکل ناواقف اور بے خبر ہے''

''تو دشمنوں کا خوف دل سے بالکل ہی نکال دے، تیری ذات کے اندر ایک قوت خوابیدہ موجود ہے، اسے بیدار اور زندہ کر''۔

یہاں ہم اس فلسفہ حیات کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو سید ہجویر نے اپنے استاد محترم سے بوقت مرگ حاصل کیا تھا۔ سید ابوالفضل حسن ختلی کا سر آپ کی گود میں تھا۔ سید علی ہجویری کے ذہن میں کوئی خیال آیا جس پر پیر ختلی نے فرمایا:

''اے فرزند! تجھے ایمان و یقین کا ایک راز بتاتا ہوں۔ اگر تو اس پر عمل کرے گا تو ہر قسم کے رنج و غم سے آزاد رہے گا۔ جو آفت یا رحمت، جس مقام یا جس حال میں پیش آئے، اس سے آگے سر تسلیم خم کر دے اور آئندہ کے لئے ملول و کبیدہ خاطر نہ ہونا کیونکہ یہ بات مشیت ایزدی کے خلاف ہے (ہر دکھ درد یا مصیبت، رحمت یا انعام اللہ کی طرف سے آتا ہے)''۔ اس لئے دشمن اور دوست اللہ ہی کی طرف سے ہیں اور اسی کے نمائندے ہیں۔ اس لئے دشمن سے ڈر اور خوف کیسا اور کیوں؟''

علامہ اقبال کا فلسفہ یہی ہے کہ ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے ان گنت خوبیوں اور اوصاف سے نوازا ہے جو اس کے سینہ دل اور ذہن و دماغ میں پوشیدہ و مخفی ہیں، اگر انسان اپنی ان خداداد اصلاحیتوں کو بیدار کر لے جو اس کے اندر محو استراحت ہیں تو وہ زمین کیا آسمانوں کو تسخیر کر سکتا ہے۔ چنانچہ ''بانگ درا'' میں فرماتے ہیں

اپنی اصلیت سے ہو آگاہ اے غافل کہ تو
قطرہ ہے لیکن مثال بحر بے پایاں بھی ہے
کیوں گرفتار طلسم ہیچ مقداری ہے تو
دیکھ تو پوشیدہ تجھ میں شوکت طوفاں بھی ہے
ہفت کشور جس سے ہوں تسخیر بے تیغ و تفنگ
تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے

سید ہجویر اپنے مریدوں سے مزید فرماتے ہیں:

سنگ چوں بر خود گمان شیشہ کرد
شیشہ گردید و شکستن پیشہ کرد
ناتواں خود را اگر رہرو شمرد
نقد جان خویش با رہزن سپرد

ترجمان حقیقت علامہ اقبال، سید ہجویر کی زبان میں مرو سے آنے والے مرید کو مثال دے کر فرماتے ہیں ''جب (اپنی ماہیت میں سخت) پتھر اپنے آپ کو شیشہ سمجھنا شروع کر دیتا ہے تو پھر اس کے ٹوٹنے، پھوٹنے کا آغاز ہونے لگتا ہے گویا جب انسان خود کو کمزور اور بے حقیقت سمجھتا ہے تو پھر اس کے قویٰ ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں اور وہ لاغری و کمزوری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

اسی طرح جب کوئی مسافر یا راہرو دوران سفر اپنے آپ کو کمزور و حقیر گمان کرتا ہے اور دشمن کے سامنے ہتھیار ڈال دیتا ہے تو وہ اپنی جان کی نقدی راہزن اور ڈاکو کے سپرد کر دیتا ہے (لیکن اگر وہ ہمت و جرأت سے کام لیتا اور مقابلہ کرتا تو ممکن تھا وہ دشمن پر غالب آ جاتا اور اپنا جان و مال بچا لیتا)۔

تا کجا خود را شماری ما و طیں
از گل خود شعلہ طور آفریں

علامہ فرماتے ہیں کہ ''اے انسان غافل! تو اپنے آپ کو کب تک پانی اور مٹی سے بنا ہوا کمزور پتلا سمجھتا رہے گا، تجھے چاہئے کہ اپنے اندر سے اور اپنے باطن سے شعلہ طور پیدا کرے، اپنی سوئی صلاحیتوں سے کام لے تو تو آتش طوفاں بھی بن سکتا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح کوہ طور پر شعلہ پیدا کر سکتا ہے۔

با عزیزاں سر گراں بودن چرا
شکوہ سنج دشمناں بودن چرا
راست میگویم عدو ہم یار تست

ہستی او رونق بازار تست

''اے مردِ دست رو! (دشمن دراصل تیرے عزیز ہیں) اپنے عزیزوں سے ناراض کیوں ہے؟ دشمنوں کی شکایت کرنے کا کیا فائدہ ہے؟'' دشمن درحقیقت تمہارا دوست ہے۔ اس کی زندگی سے تیرے بازارِ ہستی کی رونق قائم و دائم ہے۔ یعنی اگر ''وہ'' ہے تو تو بھی ہے۔ وہ نہ ہوتا تو تو بھی نہ ہوتا۔ علامہ اقبال کا فلسفہ ہے کہ دشمن کی موجودگی کی وجہ سے تو زندہ اور باقی ہے، اس سے بچنے اور محفوظ رہنے کے لئے تو سینکڑوں تدبیریں بروئے کار لاتا ہے اور ہر بار نئے سے نئے حربے اختیار کرتا ہے۔ یہی اصل زندگی ہے، زندگی مقابلہ آرائی اور محاذ آرائی کا نام ہے، جدوجہد اور سعی و کوشش کا نام ہے ایک اور جگہ شاعرِ مشرق نے فرمایا ہے:

زندگی جہد است واستحقاق نیست
جز بعلم انفس وآفاق نیست

علامہ اگلے شعر میں فرماتے ہیں:

''میں سچ کہتا ہوں کہ دشمن بھی تیرا دوست ہے بلکہ تیرا عزیز ہے، اسی کی وجہ سے تیری زندگی کے بازار میں رونق ہے ورنہ زندگی مردہ و افسردہ ہوتی۔ دشمن کی بدولت تو سستی و کاہلی اور غفلت و مروتی سے بچا ہوا ہے''۔

ہر کہ دانائے مقاماتِ خودی است
فضلِ حق داند اگر دشمن قوی است
کشت انسان را عدو باشد سحاب
ممکناتش را بر انگیزد ز خواب

سید ہجویر کی زبان خوش بیان میں علامہ فرماتے ہیں:

''اگر انسان خودی کے مقامات و درجات سے آگاہ و خبردار ہو جائے تو وہ اپنے طاقتور اور قوی دشمن کو اپنے لئے اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم سمجھتا ہے'' یعنی اللہ نے اگر تمہارا دشمن پیدا کیا ہے تو بے سبب پیدا نہیں کیا، اس میں حکمت الٰہی پوشیدہ ہے، مقصد یہ ہے کہ تو اس کی قوت سے بچنے کے لئے، اس سے آگے بڑھنے اور اس پر قابو پانے کے لئے تگ و دو اور جستجوئے لامتناہی سے کام لے گا، نت نئی تدابیر سوچے گا، ہمت اور جرأت سے دکھائے گا، مردِ میدان بننے کی سعی کرے گا اور اس طرح تو اس پر بالآخر قابو پالے گا۔ اس کی مثال شیطان سے دی جا سکتی ہے جس کے شر سے بچنے کے لئے ہمیں نبی کریم و رحیم ﷺ نے ان گنت دعائیں بھی سکھائیں اور اسے تسخیر کرنے کے طریقے بھی بتلائے

علامہ ایک بار پھر مثال دے کر بتاتے ہیں:

''دشمن انسان کی کھیتی کے لئے بادل کی مانند ہے جو بارش برساتا ہے کیونکہ وہ انسان کے اندر موجود خفیہ امکانات و ممکنات کو نیند سے بیدار کرتا ہے''

سنگ راہ آب است گر ہمت قوی است
سیل را پست و بلند جادہ چیست
سنگ راہ گردد فسان تیغ عزم
قطع منزل امتحان تیغ عزم

''انسان اگر باہمت اور جرأت مند ہو تو راستے کی ہر رکاوٹ پانی کی طرح بہہ جاتی ہے جیسے سیلاب کے سامنے پستی و بلندی، نشیب و فراز، اونچائی و نیچائی کی کوئی حیثیت نہیں۔ وہ ہر چیز کو بہا کر لے جاتا ہے'' اسی طرح باہمت اور جرأت مند انسان دشمنوں کو تسخیر کر لیتا ہے اور کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے''۔ علامہ اقبال نے اردو میں اپنے اسی مفہوم کو یوں بیان کیا ہے۔

آشنا اپنی حقیقت سے تو ہو دہقاں ذرا
دانہ تو، کھیتی بھی تو، باراں بھی تو حاصل بھی تو
کانپتا ہے دل ترا اندیشہ طوفاں سے کیا
ناخدا تو، بحر تو، کشتی بھی تو، ساحل بھی تو
وائے ناداں کہ تو محتاج ساقی ہو گیا

مے بھی تو، مینا بھی تو، ساقی بھی تو، محفل بھی تو

مفکر اسلام علامہ اقبال نے ''ارمغان حجاز'' میں ایک رباعی میں ''سنگ راہ'' کے بارے خوب مثال پیش کی ہے جس سے رازِ حیات بخوبی سمجھ میں آتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

گلہ از سختی ایام مگذار
کہ سختی ناکشیدہ کم عیار است
نمی دانی کہ آب جوبباراں
اگر برسنگ غلطد خوشگوار است

ترجمہ وتشریح: ''اے انسان! دنیا کے مصائب وآلام اور سختیوں کا گلہ وشکوہ نہ کر اور نہ ان سے رنجیدہ خاطر ہو، کیونکہ سختی اور درشتی برداشت نہ کرکرنے والا شخص کم قیمت، کم بہاء اور کم معیار Low standard ہوتا ہے کیا تو نہیں جانتا؟ کہ جوئباروں اور ندیوں کا پانی جب سنگلاخ پتھروں سے ٹکراتا ہے تو وہ خوش گوار ہو جاتا ہے۔ آبشاروں کے پانی کی مثال وضاحت کے لئے کافی ہے''۔

گویا دنیا میں مخالفین اور دشمنوں کی پیدا کردہ سختیوں کا مقابلہ کرنے والا انسان ہی کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے اور سختیوں سے کنارہ کشی کرنے والا ناکامی ونامرادی کا منہ دیکھتا ہے۔ علامہ اقبال نے یہاں تک فرمایا ہے کہ ''ساحل پر آرام کرنے والے ناکام رہتے ہیں لیکن سمندر کی موجوں سے لڑنے بھڑنے والے حیات جاوداں پاتے ہیں، کولمبس نے سمندر کا سینہ چیر کر امریکہ دریافت کرلیا''۔

میا را بزم بر ساحل کہ آنجا
نوائے زندگانی نرم خیز است
بدریا غلط و باموجش در آویز
حیات جاوداں اندر ستیز است

سید ہجویر کی زبانی میں علامہ اقبال فرماتے ہیں:

''عزم وارادہ کی تلوار کے لئے سنگ راہ ''سان'' کا کام دیتا ہے منزل تک پہنچنا تیغ عزم کا کام ہے۔ یعنی دنیا میں مشکلات ومصائب کا مقابلہ کرنے کے لئے سب سے پہلے ارادہ وعزم کی تلوار تیز کرنا پڑتی ہے اور پھر ہمت وجرأت سے کام لے کر تلوار زنی کرنا پڑتی ہے جس کے بعد ہر کام آسان ہو جاتا ہے۔ راستہ میں آنے والے سنگ راہ، رکاوٹ کی بجائے سان اور کسوٹی بن جاتے ہیں جس پر عزم کی تلوار کو تیز تر کیا جاتا ہے۔ تاریخ کے اوراق کی ورق گردانی کریں تو سینکڑوں مثالیں مل جائیں گی۔

مثل حیواں خوردن آسودن چہ سود؟
گر بخود محکم نہی بودن چہ سود؟
خویش راچوں از خودی محکم کنی
تو اگر خواہی جہاں بر ہم کنی

حیوانوں کی طرح کھانا پینا اور آرام کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ گویا یہ بے معنی اور فضول وبے سود ہے، تو اگر اپنے اندر پختہ ومستحکم نہیں، مضبوط وطاقتور نہیں تو پھر زندہ رہنے کا کیا فائدہ؟ اگر تو اپنی خودی کو بیدار کرکے اپنے آپ کو مستحکم ومضبوط کرے گا تو پھر اگر تو چاہے تو دنیا وجہان کو بھی درہم برہم کرسکے گا۔

علامہ اقبال نے ''اسرار خودی'' ہی میں ایک اور جگہ ''مرد خوددار'' کے اوصاف گنواتے ہوئے کہا ہے:

مرد خوددارے کہ باشد پختہ کار
با مزاج او بسازد روزگار
گر نسازد با مزاج او جہاں
می شود جنگ آزما با آسماں
گردش ایام را برہم زند
چرخ نیلی فام را بر ہم زند

یعنی جواں مرد، مردِ خوددار جو عمل میں پختہ و مستحکم ہو، زمانہ اس کے مزاج کے ساتھ موافقت پیدا کر لیتا ہے گویا اس کی مرضی کے مطابق چلتا ہے اور اگر دنیا و زمانہ اس کے مزاج سے موافقت نہیں کرتے اور اس کے مطابق نہیں چلتے تو وہ زمین کیا آسمان سے بھی جنگ آزما ہو جاتا ہے۔ وہ کائنات کی بنیادیں کھود ڈالتا ہے اور ذرات کو نئی ترتیب دے کر ان سے نیا جہاں پیدا کرتا ہے۔ وہ نیلے آسمان کی گردش کو الٹ پلٹ کر رکھ دیتا ہے لیکن زمانہ سازی نہیں کرتا۔

علامہ اقبال مزید فرماتے ہیں

با جہان نا مساعد ساختن
ہست در میداں سپر انداختن

ترجمان حقیقت علامہ اقبال نے رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور جگہ بال جبریل میں اسی حقیقت کو دوسرے انداز میں پیش کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

حدیث بے خبراں ست "تو با زمانہ بساز"
زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ ستیز

یعنی بے خبروں نے کہا ہے کہ تو زمانے کے ساتھ بنا کر" رکھ۔ یعنی زمانے سے موافقت اور مطابقت پیدا کر لے دراصل یہ مقولہ شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ اس دور میں وحشی تاتاریوں نے عالم اسلام کو تہس نہس کر کے رکھ دیا تھا بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی۔ اس لئے اس دور کے بزرگان مسلمانوں کو "زمانے کے ساتھ بنا کر" رکھنے کی تعلیم دے رہے تھے۔ علامہ فرماتے ہیں:

"اور زمانہ اگر تم سے موافقت نہیں کرتا تو تم زمانے سے جنگ کرو اور ڈٹ کر رہو۔ انگریزوں کے دور میں الطاف حسین حالی نے بھی کہا تھا"۔

چلو تم ادھر ، جدھر کی ہوا ہو

لیکن علامہ ان سب سے مختلف ہیں وہ مسلمانوں کو ابھرنے، آگے بڑھنے، بلکہ ستاروں پر کمندیں ڈالنے کی تعلیم دیتے ہیں کہ یہی زندگی ہے اور یہی تابندگی ہے ۔

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہے

"ناموافق دنیا کے ساتھ موافقت پیدا کر لینا میدان جنگ ہی میں ہتھیار ڈالنے کے مترادف ہے۔"

آزماید صاحب مرد سلیم
زورِ خود را از مہمات عظیم

یعنی قلب سلیم رکھنے والا شخص عظیم کارناموں سے اپنی طاقت کی آزمائش کرتا ہے مشکلات ہی سے عشق کرنا اچھا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح شعلوں سے پھول چننا اچھا لگتا ہے:

داتا صاحب علامہ کی زبان سے فرماتے ہیں:

گر خدا خواہی ز خود آزاد شو
گر بقا خواہی بخود آباد شو
چیست مردن از خودی غافل شدن
تو چہ پنداری فراق جان و تن

علامہ اقبال فلسفہ حیات اور فلسفہ خودی کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں اگر تو نے مٹنا ہے تو پھر اپنے آپ سے آزاد ہو جا یعنی اپنی خودی سے بے تعلق ہو جا اور اگر زندگی کی بقا چاہتا ہے تو پھر اپنی خودی کی تعمیر کر۔ موت کیا ہے؟ اپنی خودی کے غافل ہو جانا تو کیا جانے؟ کہ جان (روح) اور بدن کا باہمی تعلق کیا ہے؟ موت صرف فراق جان و تن کا نام نہیں۔

بدن سے روح نکل جانے کے بعد روح مرتی نہیں جاتی بلکہ اپنے اصل سے جا ملتی ہے۔

علامہ اقبال نے اردو میں فرمایا ہے:

مرنے والے مرتے ہیں لیکن فنا ہوتے نہیں
وہ حقیقت میں کبھی ہم سے جدا ہوتے نہیں

آخر میں علامہ اقبال فرماتے ہیں:

در خودی کن صورت یوسف مقام
از اسیری تا شہنشاہی خرام
از خودی اندیش و مرد کار شو
مرد حق شو حامل اسرار شو

حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح خود شناس اور خود نگر بن! اپنی خفیہ صلاحیتوں سے آگاہ ہو، تاکہ تو ان کی طرح قید و بند سے نکل سکے اور اسیری سے نجات پاکر، بادشاہی کے بلند درجہ تک پہنچ سکے۔ خودی سے آگاہ ہو کر باہمت انسان بن جاؤ، جرأت مندی سے کام لو، مرد حق بنو تاکہ اسرار و رموز جاننے کے مستحق و حقدار بن سکو۔ اے انسان! ہمت کر کے دیکھ تو سہی پھر انوار الٰہی اور تجلیات ربانی کی کس طرح پر انوار بارش ہوتی ہے اور زندگی کے حقائق کس طرح واشگاف ہوتے ہیں۔ تمہیں دوست اور دشمن کا فرق معلوم ہو جائے گا۔ ہم نے کبھی سوچا ہے کہ ہمارے دشمن کو کس نے پیدا کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اگر آدم کی تخلیق کی تو ساتھ ہی شیطان پیدا کر کے ہمیشہ کے لئے ہمارے مقابل کھڑا کر دیا اور پھر اس سے ہر دم بچنے، اس پر قابو پانے کے گر قرآن و حدیث میں ہر جگہ بتائے۔ ''جا بجا بھی کہا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اس کے شر سے بچو'' شیطان کے شر سے بچنے کا طریقہ کیا ہے؟ کہ اللہ کی دی ہوئی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اس کا مقابلہ کرو، مرد میداں بن کر اس کے سامنے ڈٹ جاؤ۔ نہ کہ بزدل بن کر اس کے سامنے لیٹ جاؤ ورنہ وہ تمہیں ہڑپ کر جائے گا''۔

☆☆☆

گمشدہ ماہ وسال کے روحانی خزانے

حافظ شیخ محمد قاسم

شاہ جی گرمیوں کی چھٹیاں گذارنے کوٹالی گئے وہاں ان کے استادِ محترم پروفیسر رحیم بخش شاہین صاحب کا ایک خط انہیں موصول ہوا۔ پروفیسر شاہین لکھتے ہیں۔

پیارے شاہ جی!

سلام و رحمت

سناؤ وقت کیسے گذار رہے ہو؟ کچھ لکھتے پڑھتے بھی ہو یا خوش گپیوں اور سیر و تفریح ہی میں وقت جلا دیتے ہو۔

شاعری میں مشق ضروری ہوتی ہے۔ مسلسل ریاضت تمہیں کام کا انسان بنا دے گی۔

زبان تمہاری شفاف ہے لیکن لفظوں کے پیچھے بے محابہ پڑے رہتے ہو۔ سادہ اور سلیس لکھنے کی کوشش کرو۔ نثر نگاری میں لفظوں کے جامہ سے زیادہ مطالب اور مفاہیم کے ابلاغ کی طرف توجہ دیا کرو۔

تمہاری ایک غزل کی اصلاح میرے استاد عارف سیالکوٹی نے فرمائی وہ تمہارے ہاں تاثیر لفظی اور برجستگی کی تعریف کر رہے تھے۔ اب کہ گاؤں سے تمہاری واپسی پر گارڈن کالج میں ہونے والے مشاعرے کا انتظام تمہارے سپرد کیا جائے گا۔

''البیان المنیر'' پڑھی ہے اسے تصنیف قرار نہیں دیا جا سکتا۔ صرف آپ کا مذہبی غصہ ہے جو موسیقی کے خلاف نوک قلم سے منتشر کر دیا گیا۔

عزیزم! میرے مشوروں کو میری محبت سمجھنا اور مطالعہ اور کتب بینی شعار بنائے رکھنا۔ اُمید ہے گاؤں کے صاف اور مطہر ماحول میں لیل و نہار بسر کرنے کا تصور روحانی آسودگی کا سبب بن رہا ہوگا۔

دعاؤں کے ساتھ اجازت

رحیم بخش شاہین

قارئین!

شاہ جی کے نام ان کے محترم اور شفیق استاد کا خط آپ نے پڑھا۔ شاہ جی نے اپنے استاد کے مشورے دل و جان سے قبول کئے لیکن خط کے حاشیہ پر شاہ جی کی ایک زندہ تحریر ملاحظہ ہو۔

میدان کوئی بھی کیوں نہ ہو اس میں ترقی کرنے کے لئے محنت، تگ و تاز، تطہیر فکر اور تجربے کی ضرورت ہوتی ہے۔ پرفتن دور میں منزل کی راہیں متعین کرنے کے لئے فکری اجتہاد کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔ شعور اور مشاہدہ اگر ساتھ دیں تو بندر و ایات توڑ کر سعی و عمل کے پیمانے خود متعین کئے جا سکتے ہیں۔ زبان مشکل ہونا یا آسان ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ ایک زمانے میں غالب پر فقرے چست کئے جاتے تھے، لوگ مذاق اڑاتے اور غالب کو مشورہ دیتے بھینس کے انڈے سے روغن گل نکالا کریں۔ زندگی کا حسن جمود نہیں حرکت، محنت اور سفر کی گرمی ہے۔ یہ ریاضت انسان کے لئے عظمتوں کی معراج خود مقدر کر دیتی ہے۔

شاہ جی کی لائبریری میں 1971 کی ڈائری ملی ہے۔ گل چینی کا انداز طالبعلموں کے لئے راہنمائی فراہم کرتا ہے۔ آپ نے مختلف صفحات پر مختلف عنوانات لکھے ہوئے ہیں، مثلاً زندگی ''شرمندگی'' ''حیا'' کامیابی، ناکامی ''خودی کا سرنہاں'' اور کتاب۔ ہر عنوان پر بڑے خوبصورت اقوال لکھے ہوئے ہیں۔ ایسے جیسے بحر علم میں نادر موتیوں کو سیپیوں میں چھپا دیا گیا ہو۔ اے کاش! شاہ جی نے حوالے لکھ دیئے ہوتے لیکن اس وقت آپ کے ذہن میں تھوڑا ہی یہ موجود تھا کہ مستقبل میں کوئی عقیدت مند اسے نذر قرطاس کر دے گا۔

آپ نے ''کتاب'' پر لکھا ہے:

نامور عرب شاعر المتنبی کہتا ہے:

دنیا بھر میں کتاب سے اچھا کوئی دوست نہیں۔

البیرونی کا ایک مقولہ ہے:

کتاب کے اوراق سونے کی ڈلیوں سے زیادہ قیمتی ہوتے ہیں۔

حکیم سعید کہتے ہیں:

کتاب وہ باوفا اور بااعتماد دوست ہے جس سے بیوفائی ممکن نہیں

غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

''کتاب'' آدمیت کا وثیقہ احترام ہے۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں:

کتاب زمانوں کا حسن دیکھنے کے لئے ایک آئینہ ہے

شوقی کا قول ہے:

اچھی کتاب لکھنے والا اور اچھا شعر کہنے والا عشق کا تجربہ ضرور کئے ہوتا ہے۔

ارسطو کا ایک حکیمانہ قول ہے:

دنیا کا سب سے بڑا دانا شخص کتاب پڑھنے والا ہوتا ہے۔

محی الدین ابن عربی کہتے ہیں:

کتاب پھولوں کا ایک ایسا باغ ہے کہ اسے ساتھ لئے پھرو، پھر جہاں چاہو اس سے خوشبو چینی کرلو۔

قرآن حکیم کہتا ہے:

کتاب نور ہے، برہان ہے اور ناقابل شکست دلیل۔

ایک نامعلوم مفکر کتاب کے بارے میں گوہر افشانی فرماتا ہے:

''کتابیں بلند خیالات اور عمل ساز جذبات کی دستاویزیں ہوتی ہیں''۔

شیکسپیئر لکھتا ہے:

سب سے اچھا عشق کتاب سے محبت ہے۔

جاحظ کہتا ہے:

سب سے پہلی کتاب اللہ نے خود لکھی۔

شیخ الجامعہ مولانا محب النبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہوتے ہیں:

''سب سے غریب اور بدبخت شخص وہ ہے جس کے گھر میں کتاب نہیں''۔

مولانا احمد دین سلطان پوری فرماتے ہیں:

''کتاب تقدس کا دوسرا نام ہے۔ کتاب کا پہلا حق اس کا ادب، درمیانہ حق اس کا پڑھنا اور آخری حق اس پر عمل کرنا ہوتا ہے''۔

پیر و مرشد حضرت لالہ جی جمشید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مسلمانوں کا اسلحہ کتاب اور استدلال ہے۔

شاہ جی نے مجھے ڈائری سے افکار چینی کرتے ہوئے دیکھا تو فرمانے لگے:

کیا ''سرقہ نویسی'' مچائی ہوئی ہے۔ آؤ گاؤں چلتے ہیں۔ اتنی تاخیر ہو چکی ہے وہاں جا کر واپس بھی آنا ہے۔ ہم اکیلے ہی گاؤں کی طرف نکل پڑے۔ گاڑی شاہ جی خود چلانے لگے۔ راستے میں اچانک ایک جگہ گاڑی روک دی۔ ایک صاحب کو پرتپاک طریقے سے ملے اور انہیں گاڑی پر بٹھایا اور واپسی گجر خان کی طرف چل دیئے۔ چکوال روڈ پر ایک گاؤں میں ان صاحب کو اتارا۔ پھر چند روز ہی گزرے تھے کہ دوبارہ مجھے شاہ جی کے ساتھ ان صاحب کا جنازہ پڑھنا نصیب ہو گیا۔ نماز جنازہ میں علما، مشائخ، سادات، پیران عظام اور دینی طلبا کا جم غفیر دیکھا۔ بات کھل گئی یہ کسی معمولی آدمی کا جنازہ نہیں تھا۔ مجھے ہوئے عالم دین، عمیق علم رکھنے والے مفتی اور کئی دارالعلوموں میں ''شیخ الحدیث'' کے منصب پر فائز ہونے والے مولانا مفتی محمد شفیع تھے۔ شاہ جی سے واپسی پر درخواست کی کہ حضرت سے آپ کی علیک سلیک کب شروع ہوئی اور تعارف کی نوعیت کیا تھی۔ شاہ جی اشک بار کیفیت میں ڈوبے تھے، ہنس پڑے اور تھوڑا مسکرائے تو لگا جیسے باران رحمت میں قوس وقزح بچ گئی ہو۔ آپ نے فرمایا: قاسم! یہ بات تقریباً تین سال پہلے کی ہے مجھے شیخ بھاہ مسجد المینار میں خطابت کی سعادت ملی۔ میری عمر تقریباً 24 سال تھی۔ مسجد المینار کی انتظامیہ کمیٹی سخت گیر دوستوں پر مشتمل تھی۔ کمیٹی کے سربراہ خاکسار تحریک کے قائد اللہ داد خان جدون کے بھائی محمد یوسف خان جدون تھے۔ میرا خیال ہے سرپرست عبدالجبار خان تھے۔ روحانی اعتبار سے کمیٹی کی سرپرستی علامہ پیر سید منور شاہ صاحب ہزاروی کرتے تھے۔ شاہ صاحب حکیم الامت مفتی احمد یار خان بدایونی کے لائق شاگردوں میں شامل تھے۔

میری طبیعت میں استغنا کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ ایک موقع پر میں نے شاہ صاحب سے ایک شرعی مسئلہ میں سخت گوئی اور شدت گیری کا ارتکاب کر دیا۔ اب میرے لئے تھی سی خطابت میں امتحان شروع ہو گئے۔ چند ہی روز گزرے ہوں گے کہ ایک سفید ریش بزرگ ہاتھ میں عصا

لئے سر پر پھٹا ہوا عمامہ باندھے میرے پاس تشریف لائے اور فرمانے لگے میں نے درس نظامی کی کتابیں پڑھنی ہیں، سنا ہے ماشاءاللہ آپ پڑھا لیتے ہیں۔ منور شاہ صاحب نے آپ کی بڑی تعریف فرمائی ہے۔ میں نے عرض کی کون سی کتب پڑھیں گے؟ آپ نے فرمایا ''میر قطبی'' سے پیچھے کتابیں میں نے پڑھی ہوئی ہیں۔ میں نے کہا میر قطبی ہی شروع کر دیتے ہیں۔ بحمدہ تعالیٰ قاسم! میں نے منطق اور فلسفہ پیر سید محمود شاہ صاحب جلوی سے پڑھا وہ بحر العلوم مولانا احمد بدھو والے استادوں کے لائق شاگرد تھے۔ آپ نے محنت شاقہ سے مجھے ایسا غوجی، صغریٰ، کبریٰ، قال قول، تہذیب، شرح تہذیب، قطبی، میر قطبی، قاضی، صدرا، امور عامہ، زوائد ثلاثہ، وغیرہ تمام کتب پڑھائی تھیں۔ الحمدللہ میرے پاس بدھو والے استادوں کے ان کتب پر پنجابی کے نوٹس بھی محفوظ ہیں۔ اللہ نے مجھے توفیق دی اور میں نے بزرگ اور معمر طالب علم کے لئے بدھوی گلستان کے دروازے کھول دیئے وہ اتنے متاثر ہوئے کہ میر قطبی سے بات ایسا غوجی پر آ پہنچی۔ اس دوران راز کھل گیا اور مجھے معلوم ہوا کہ یہ شیخ الحدیث مولانا محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جو کہ صرف میرا امتحان لینے کے لئے تشریف فرما ہوئے ہیں۔ اب بات تدریس تعلیم سے دوستی تک جا پہنچی۔ عزیزم قاسم! مولانا محمد شفیع اس کے بعد پوری زندگی ہر ماہ میرے پاس دیہاتی تحفے لے کر تشریف لاتے اور میں ہر دو ماہ بعد شہری تحائف لے کر ان کے پاس حاضر ہوتا۔ آپ نے اپنی علمی بیاض سے ان گنت مسائل پر خصوصی حوالے مجھے لکھوائے اور میں نے بھی کبھی کتمان علم نہ کیا۔ ہم دونوں اجتماعی مطالعہ کرتے اور حاصل مطالعہ ایک دوسرے کو منتقل کر دیتے۔ مولانا انتہائی عظیم، لائق اور ماہر استاد تھے۔ کمال کی بات یہ ہے کہ وہ عظیم منطقی، فلسفی اور فقیہہ ہونے کے باوجود سادہ رہتے۔ دیکھنے والا کبھی بھی آپ کو عالم نہ سمجھ سکتا، لیکن جب گفتگو ہوتی اور وہ اپنے موضوع پر حوالوں پر حوالے برسا دیتے، لگتا یا اگلے زمانے کا کوئی علامہ اور فنون کا ماہر ہے جو فیض کے دریا بہا رہا ہے۔ میرا خیال ہے مولانا محمد شفیع اپنے انتقال سے پہلے دار العلوم بھنگالی شریف میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے، اسی لئے دار العلوم کے سالانہ جلسہ کے موقع پر میری ملاقات ان سے ہوئی تھی اور آج قاسم آپ کی معیت میں مفتی صاحب کی نماز جنازہ نصیب ہوئی۔ بڑا عظیم آدمی تھا اللہ ان کی مغفرت کرے۔

شاہ جی سے میں نے پوچھا مسجد والے باقی لوگ اب کس حال میں ہیں۔ آپ فرمانے لگے: منور شاہ جی کا انتقال ہو گیا۔ میں عرض کرتا چلوں کہ ابتدائی ایام کے بعد پیر صاحب نے ہمیشہ مجھے محبت سے نوازا، ہمیشہ میری اقتدا میں جمعہ ادا کیا۔ وقتاً فوقتاً میری خدمت کے لئے میرے پاس تشریف لاتے رہے۔ شاہ جی نے بتایا یوسف جدون صاحب انتہائی متقی شخص تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑی خوبصورت زندگی کا تحفہ دے رکھا تھا۔ ہمیشہ دو جوڑے کپڑے رکھتے تھے۔ متوازن زندگی کے نفیس معلم تھے۔ سادات کی عزت و تکریم کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ مسجد المینار کی خطابت کے دوران انہوں نے اپنا ذاتی مکان رہنے کے لئے مجھے پیش کیا اور فرمایا یہ مجھ سے ممکن نہیں کہ آپ نیچے رہیں اور میں اوپر اس لئے کہ سادات سے یہ دو یہ روا رکھنا میرے بزرگوں نے مجھے سکھایا ہی نہیں۔

قارئین!

حاجی محمد یوسف خان جدون سے شاہ جی کی محبت کا اندازہ اس سے لگائیں کہ حاجی جدون صاحب ایبٹ آباد منتقل ہو گئے۔ بیس سال گزر جانے کے باوجود آپ نے وصیت فرما رکھی تھی کہ میرا جنازہ شاہ جی پڑھائیں گے۔ آپ کے بھتیجے علی افضل خان جدون وزیر بھی رہے۔ زعمائے سیاست ان کے دوست تھے۔ صوبہ سرحد کے اعلیٰ منصبوں پر فائز لوگ حاجی صاحب کی نماز جنازہ میں انتظار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ شاہ جی تشریف لے آئے اور اپنے پرانے دوست کرم فرما اور سو سالہ شفیق تحریکی ساتھی کی نماز جنازہ میں امامت فرمائی اور سوز کے عالم میں دعاؤں کی سوغات تقسیم کی اور واپسی پر حاجی صاحب کے لئے انسان دوست، غریب پرور اور جفا پیشہ ایسے لقب شاہ جی نے اپنی زبان سے ادا کئے۔ اس موقع پر شاہ جی نے یہ انکشاف بھی فرمایا کہ حاجی جدون صاحب کا چھوٹا بیٹا نعیم خان جدون ایڈووکیٹ میرا شادی کا دوست ہے اور ان کا بڑا بیٹا شبیر خان جدون میرا وہ عزیز ہے جس نے مدینۃ الرسول میں قیام کے زمانے میں حاجی صاحب کے حکم پر میری بیعت کی تھی۔ اس کا دیا ہوا مدنی تحفہ جائے نماز آج بھی میں نے سنبھال کر رکھا ہوا ہے۔ اللہ اسے صراط مستقیم پر قائم رکھے۔

میں نے ایک سوال کی جسارت کر لی کہ مدینہ شریف میں اور کون لوگ ہیں جو آپ کی بیعت ہوئے، یہ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ لاہور سے طاہر صاحب، حاجی منظور صاحب، راولپنڈی کمال آباد سے جمیل بُکل کاشمیری، علی حسین اور فرحان بھائی کے درجنوں دوست مدینہ شریف ہی میں شاہ جی کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے لیکن شاہ جی نے بات ٹال دی اور فرمایا قاسم! مدینۃ النور کی دلہیز پر میں گداگر اور سوالی بن کر جاتا ہوں، وہاں دریوزہ گری میرا منصب ہوتا ہے۔ پیری مریدی کی مجھے خبر نہیں ہوتی، مجھ سے کوئی ایسا سوال نہ کرو جس سے میرا شہر رسول ﷺ میں سائل اور طالب ہونے کا منصب مجروح ہو۔ چھوڑ دو باتوں کو، قلم توڑ دو اور اللہ کا ذکر کرو اور سانسوں میں درود و سلام کا چراغاں کرنے کی سعی دستور حیات بنا لو۔ اللہ حافظ

☆☆☆

محبت اور متعلقاتِ محبت

صاحبزادہ محمد محب اللہ نوری

''محبت'' بظاہر چار حروف سے مرکب ایک کلمہ ہے، مگر اپنے اندر جہان معنی رکھتا ہے--- یہ وہ جوہر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو ودیعت کیا ہے--- ماں کی ممتا، باپ کا پیار اور استاذ کی شفقت اسی جذبہ محبت کی ایک جھلک ہے---

محبت ایک ایسا لطیف جذبہ ہے جس کی تعبیر زبان و بیان سے ممکن نہیں، کیوں کہ اس کا تعلق قال سے نہیں حال سے ہے--- تاہم اہل علم نے اپنے اپنے انداز میں اس نازک حقیقت کو سمجھانے کی کوشش کی ہے--- حکیم الامت علامہ محمد اقبال نے محبت کی تپش، حرارت، پاکیزگی، حلاوت اور عظمت کا یوں اظہار کیا ہے:

چمک تارے سے مانگی، چاند سے داغ جگر مانگا
اڑائی تیرگی تھوڑی سی شب کی زلف برہم سے
تڑپ بجلی سے پائی، حور سے پاکیزگی پائی
حرارت لی نفس ہائے مسیح ابن مریم سے
ذرا سی پھر ربوبیت سے شان بے نیازی لی
ملک سے عاجزی، افتادگی تقدیر شبنم سے
پھر ان اجزا کو گھولا چشمہ حیواں کے پانی میں
مرکب نے محبت نام پایا عرش اعظم سے

(کلیات اقبال، اقبال اکادمی، صفحہ ۱۳)

محبت درحقیقت کیفیات کا بحر بے کراں اور جذبات کا سیل رواں ہے--- یہ تخلیق کائنات کا محرک اور حسن کائنات کا جوہر ہے--- اسلام کے پیغام کو اگر مختصر الفاظ میں بیان کرنا مقصود ہو تو محبت سے زیادہ جامع جواب نہیں ہو سکتا--- محبت کے بغیر ایمان کا کوئی تصور نہیں---

أَلَا لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَّا مَحَبَّةَ لَهُ

محبت کی اسی ناگزیریت کے پیش نظر صوفیہ کرام نے بھی اس مضمون کو خاص اہمیت دی ہے، چنانچہ واقف راز خفی و جلی حضرت سیدنا داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہ العزیز نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ''کشف المحجوب'' میں، جو بلاشبہ مرشد کامل کی حیثیت رکھتی ہے، اس پر سیر حاصل گفتگو کی ہے، جس کی تفصیل و تشریح کے لیے مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔ سردست صرف خلاصہ پیش کیا جاتا ہے:

لغوی تحقیق:

حضرت سیدنا داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لفظ محبت کی لغوی تحقیق پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

❶ محبت ماخوذ ہے حبۃ سے۔ ''حبہ'' سے مراد جنگلی بیج ہے، جو صحرا میں گر کر گرد و غبار میں چھپ جاتا ہے، اس پر بارشیں برستی ہیں، آفتاب کی حرارت اثر انداز ہوتی ہے، وہ بیج سردی، گرمی اور دیگر موسمی تغیرات کا کوئی اثر قبول نہیں کرتا، جب اس کا موسم آتا ہے تو اگتا ہے، کونپلیں نکلتی ہیں اور پھر پھل پھول ظاہر ہوتے ہیں--- اسی طرح محبت بھی دل میں اپنا گھر بنا لیتی ہے اور حضور و غیبت، مصیبت و مشقت، راحت و لذت اور فراق و وصال اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔

❷ بعض حضرات کا خیال ہے کہ محبت ''حُبّ'' سے ماخوذ ہے، جس کا معنی ہے مٹکا یا بڑا گھڑا--- جو پانی سے لبالب بھرا ہو کہ مزید پانی کی گنجائش باقی نہ رہے--- نہ اندر کا پانی باہر جائے اور نہ باہر سے مزید پانی اندر آ سکے--- یہی حال محبت کا ہے کہ جب یہ دل میں سما جاتی ہے تو دل کا مٹکا یادِ محبوب سے یوں بھر جاتا ہے کہ سوائے حدیث دوست کے کسی اور کی گنجائش باقی نہیں رہتی اور محب، خیال محبوب میں محو ہو جاتا ہے--- جیسے حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جنھیں اللہ تعالیٰ نے خلعت خلت سے نوازا تو وہ عالم سے کٹ کر یادِ الٰہی میں مستغرق ہو گئے اور گوناگوں آزمائشوں سے گزرنے کے باوجود جادۂ استقامت سے سرمو انحراف نہ کیا--- محبت کی اسی کیفیت کو حضرت شبلی علیہ الرحمہ نے یوں بیان کیا ہے:

سُمِّيَتِ الْمَحَبَّةُ مَحَبَّةً لِأَنَّهَا تَمْحُوْ مِنَ الْقَلْبِ مَا سِوَى الْمَحْبُوْبِ

''محبت کو محبت کہتے ہی اس لیے ہیں کہ وہ دل سے ماسوائے محبوب کے ہر چیز کو مٹا ڈالتی ہے''۔

❸ ''حب'' کے معنی گھڑ دنچی کے ہیں، جس پر گھڑا رکھا جاتا ہے۔ جس طرح گھڑ دنچی بوجھ اٹھاتی ہے اسی طرح محب بھی عزت و ذلت، رنج و راحت اور دوست کی طرف سے آنے والی ہر بلا و جفا کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتا ہے۔

❹ حب ماخوذ ہے "حب" سے اور اس سے مراد "حبہ دل" ہے، جس پر دل کا نظام قائم ہے، چوں کہ محبت کا تعلق حبہ دل سے ہے، اس لیے مقام و محل کی مناسبت سے اس کا نام محبت رکھ دیا گیا۔

☆ بعض کے نزدیک یہ "حُبَابُ الْمَاءِ وَ غَلَيَانُهُ عِنْدَ الْمَطَرِ الشَّدِيْدِ" سے ماخوذ ہے---سخت بارش کے وقت پانی میں جوش آ جانے سے نمودار ہونے والے بلبلے کو "حباب" کہتے ہیں---محبت میں کیوں کہ وصلِ محبوب کے لیے ایک خاص قسم کی تڑپ اور جوش ہوتا ہے، اس لیے اسے محبت کہتے ہیں---جیسے جسم روحوں کے مشتاق ہوتے ہیں، اسی طرح اہل محبت کے دل، دیدار یار کے مشتاق ہوتے ہیں اور جیسے جسم کی زندگی روح سے عبارت ہے، یوں ہی دل بھی محبت سے زندہ اور دیدار یار اور وصالِ محبوب سے نشو ونما پاتا اور تر و تازہ رہتا ہے۔

☆ بعض کا خیال ہے کہ لفظ حب ایک اسم ہے، جو محبت کی صفائی کے لیے وضع کیا گیا---اہل عرب آنکھ کی پتلی کی سفیدی کو "حبۃ الانسان" اور سویدائے قلب (دل کے سیاہ نقطے) کی صفائی کو "حبۃ القلب" کہتے ہیں---چناں چہ دل مقام محبت ہے، جب کہ آنکھ دیدار کا ذریعہ---سو دل اور آنکھ محبت کے معاملے میں برابر کے شریک ہیں۔

حضرت سیدنا داتا گنج بخش علی ہجویری محبت کی لغوی تحقیق کے بعد لکھتے ہیں کہ علماء کرام دل کی بے قراری، تمنا، خواہش، آرزو اور دلی انس کو محبت سے تعبیر کرتے ہیں، تاہم یہ معانی مخلوق کے لیے تو درست ہیں مگر ذاتِ حق ان تمام باتوں سے بے نیاز ہے۔

محبت کی اہمیت:

حضرت داتا گنج بخش نے محبت کی اہمیت کو کتاب و سنت سے واضح کیا ہے---آپ فرماتے ہیں کہ بندے کی اللہ تعالیٰ سے محبت اور اللہ تعالیٰ کی بندے کے ساتھ محبت، کتاب و سنت اور اجماع امت سے ثابت ہے، چناں چہ قرآن مجید میں ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗ (المائدہ:۵۴)

"اے ایمان والو! تم میں سے جو اپنے دین سے پھرے گا تو عنقریب اللہ ایسی قوم لائے گا کہ اللہ ان سے محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کریں گے"۔

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ. (البقرۃ:۱۶۵)

"اور لوگوں میں سے کچھ وہ ہیں جو اوروں کو اللہ کا مدمقابل بناتے ہیں، وہ ان سے، اللہ سے محبت جیسی محبت کرتے ہیں اور ایمان والوں کو اللہ کے برابر کسی کی محبت نہیں"۔

گویا مستحق محبت اللہ تعالیٰ ہے:

حدیث قدسی ہے:

مَنْ اَهَانَ لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ بَارَزَنِيْ بِالْمُحَارَبَةِ وَ مَا تَرَدَّدْتُ فِيْ شَيْءٍ كَتَرَدُّدِيْ فِيْ قَبْضِ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَ اَكْرَهُ مَسَاءَتَهٗ وَ لَا بُدَّ لَهٗ مِنْهُ وَ مَا تَقَرَّبَ اِلَيَّ عَبْدِيْ بِشَيْءٍ اَحَبَّ اِلَيَّ مِنْ اَدَاءِ مَا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ وَ لَا زَالَ عَبْدِيْ يَتَقَرَّبُ اِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى اُحِبَّهٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ كُنْتُ لَهٗ سَمْعًا وَ بَصَرًا وَ يَدًا وَ مُؤَيِّدًا.....(الحدیث)

"جس نے میرے ولی کی توہین کی، اس نے گویا میرے ساتھ اعلان جنگ کیا، مجھے کسی کام میں اتنا تردد نہیں ہوتا جتنا مومن کی روح قبض کرنے میں، کیوں کہ وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اسے رنجیدہ کرنے کو ناپسند کرتا ہوں، حالاں کہ اسے سوائے موت کے چارہ نہیں ہے، بندے کو مجھ سے قریب کرنے کے لیے فرائض ادا کرنے سے زیادہ کوئی چیز پسندیدہ نہیں اور میرا بندہ ہمیشہ نوافل کے ذریعے میرا تقرب حاصل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں اور جب میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں تو اس کے کان، آنکھ اور ہاتھ ہو جاتا ہوں اور میں ہی اس کا مؤید و مددگار ہو جاتا ہوں"۔

حضور سید عالم ﷺ کا فرمان ہے:

مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ اَحَبَّ اللّٰهُ لِقَائَهٗ وَ مَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَائَهٗ

"جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند فرماتا ہے"۔

اِذَا اَحَبَّ اللّٰہُ عَبْدًا قَالَ لِجِبْرِیْلَ یَا جِبْرِیْلُ اِنِّیْ اُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبَّہٗ فَیُحِبُّہٗ جِبْرِیْلُ ثُمَّ یَقُوْلُ جِبْرِیْلُ لِاَھْلِ السَّمَاءِ اِنَّ اللّٰہَ قَدْ اَحَبَّ فُلَانًا فَاَحِبُّوْہُ فَیُحِبُّہٗ اَھْلُ السَّمَاءِ ثُمَّ یُوْضَعُ لَہُ الْقَبُوْلُ فِی الْاَرْضِ فَیُحِبُّہٗ اَھْلُ الْاَرْضِ وَ فِی الْبُغْضِ مِثْلُ ذٰلِکَ

''اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل کو بلا کر فرماتا ہے، بلاشبہہ میں فلاں شخص سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر، سو جبریل اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر جبریل آسمان میں ندا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں کو اپنا محبوب بنالیا ہے تم بھی اسے محبوب جانو، پس آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر زمین میں اس کے لیے مقبولیت رکھ دی جاتی ہے اور اہل زمین اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، یوں ہی اللہ تعالیٰ جسے ناپسند فرماتا ہے اس کے بارے میں زمین و آسمان میں اس کے لیے ناراضی کا اعلان کر دیا جاتا ہے''۔

ان آیات واحادیث سے پتا چلتا ہے کہ یہ تعلق محبت دوطرفہ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ بندوں سے اور بندے اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں۔

حقیقت محبت:

حضرت سیدنا داتا گنج بخش علی ہجویری فرماتے ہیں کہ بندہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی محبت سے مراد ارادۂ رحمت ہے، وہ اپنے بندے سے محبت فرماتا ہے تو اسے دنیا و آخرت کے انعامات سے سرفراز فرماتا ہے، دنیا میں اسے گناہوں سے مامون اور آخرت میں عذاب سے محفوظ رکھتا ہے---اس کے قلب کو غیر کے خیال سے پاک کر کے خصوصی اور ازلی لطف و کرم اس کے لیے لازم کر دیتا ہے۔

بندے کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت مومن مطیع کے دل میں پیدا ہوتی ہے تاکہ بندہ اپنے محبوب برحق جل وعلا کی رضا جوئی میں مصروف ہو جائے---قرب الٰہی کی خواہش اسے بے چین کر دے---طلب رویت میں اس قدر محویت ہو کہ دل میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی گنجائش باقی نہ رہے---اسی کا ذکر ورد زباں رہے---ہمہ وقت اسی کے خیال میں گم رہے، تمام پسندیدہ اور پیاری چیزوں سے منہ موڑ لے اور نفسانی خواہشات کو ختم کر کے حکم الٰہی میں سر تسلیم خم کر دے۔

محبتِ الٰہی کے گرویدہ افراد دو طرح کے ہیں:

- ایک وہ جو اللہ تعالیٰ کے انعامات واحسانات کو دیکھ کر اس کے اسیر ہو جاتے ہیں۔
- دوسرے وہ ہیں، جو انعامات واحسانات کو راہِ محبت میں حجاب تصور کرتے ہیں، ان کی نظر میں رجوع الی اللہ ہی اصل انعام ہے۔

یہ گروہ اوّل الذکر گروہ پر فضیلت رکھتا ہے۔

اصطلاح صوفیہ:

ہر چند کہ محبت ایک ایسا لفظ ہے جو تمام اقوام وملل میں معروف اور ہر لغت میں مستعمل ہے اور ہر ذی فہم اس سے آگاہ ہے تاہم الفاظ و معانی میں اس کا صحیح مفہوم واضح کرنا ممکن نہیں کہ یہ حال ہے اور حال قال میں نہیں آسکتا---درحقیقت محبت ہی راہِ حق کے احوال ومقامات کی اساس اور بنیاد ہے، البتہ چوں کہ یہ ایک عام لفظ ہے، بظاہر ہر قسم کی محبت پر اس کا اطلاق ہو سکتا ہے، لہٰذا صوفیہ نے اسے پوشیدہ رکھنے کی خاطر اس کا نام تبدیل کر دیا---اگرچہ معنوی حیثیت برقرار رہی کہ محبت کی جلوہ آفرینیوں کے بغیر طالب وسالک منزل تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا---چناں چہ صوفیہ نے صفائی محبت کا نام صفوت اور محبِ حق کا نام صوفی رکھ دیا۔

کچھ لوگوں نے اپنی خواہشات ومالوفات کو کلیتاً ترک کر کے محبوب کی پسند کو اپنی پسند قرار دینے کا نام فقر رکھا اور محبت کو فقیر کا نام دیا ہے، کیوں کہ محبت کا معمولی درجہ حبیب کی موافقت ہے۔

اقوال مشائخ:

حضرت سیدنا داتا گنج بخش علی ہجویری فرماتے ہیں:

''حقیقتِ محبت سے متعلق مشائخ کرام نے اتنے نکات بیان کیے کہ ان کا احاطہ ممکن نہیں، تاہم بطور تبرک چند ارشادات نقل کیے جاتے ہیں:

استاذ ابوالقاسم قشیری (۳۷۶-۴۶۵ھ) فرماتے ہیں:

اَلْمَحَبَّۃُ محوُ الْمُحِبِّ بِصِفَاتِہٖ وَ اِثْبَاتُ الْمَحْبُوْبِ بِذَاتِہٖ---

''محبت یہ ہے کہ محب طلب محبوب میں اپنی صفات مٹادے اور محبوب کی ذات کا اثبات کرے''۔

کیوں کہ محبوب باقی ہے جب کہ محبت کرنے والا فانی۔ غیرتِ محبت کا تقاضا ہے کہ اپنی نفی اور محبوب کی بقا ثابت کی جائے تا کہ کامل ولایت (دوستی) سے بہرہ یاب ہوا جا سکے۔

حضرت بایزید بسطامی (۲۶۱ھ) فرماتے ہیں:

اَلْمَحَبَّةُ اِسْتِقْلَالُ الْكَثِيْرِ مِنْ نَفْسِكَ اِسْتِكْثَارُ الْقَلِيْلِ مِنْ حَبِيْبِكَ

''محبت یہ ہے کہ اپنے زیادہ کو تھوڑا اور محبوب کے تھوڑے کو زیادہ سمجھا جائے''۔

یہی صورت اللہ تعالیٰ جل وعلا کی بندے کے ساتھ ہے کہ ساری دنیوی نعمتوں کو عطا کر کے فرماتا ہے:

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ (النساء: ۷۷)

''تم فرما دیجیے، دنیا کا تمام مال ومتاع تھوڑا ہے''۔

لیکن اس کریم جل وعلا کا کتنا کرم ہے کہ اس نے مختصر عمر، قلیل متاع اور معمولی جگہ (دنیا) میں تھوڑے ذکر کو بھی زیادہ فرمایا۔

ارشاد فرمایا:

وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّ الذّٰكِرَاتِ (الاحزاب ۳۵)

''اور اللہ کو بہت یاد کرنے والے اور بہت یاد کرنے والیاں''۔

اس انعام خداوندی سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حقیقی دوست اللہ تعالیٰ ہے۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری ؒ فرماتے ہیں:

اَلْمَحَبَّةُ مُعَانَقَةُ الطَّاعَاتِ وَ مُبَايَنَةُ الْمُخَالَفَاتِ

''محبت یہ ہے کہ محبوب کی اطاعت کو فریضہ اور اس کی مخالفت کو حرام سمجھے''۔

اگر محبت سچی ہے تو محبوب کے فرمان پر سرِ تسلیم خم کرنا آسان ہوگا۔

حضرت سمنون محبؒ فرماتے ہیں:

ذَهَبَ الْمُحِبُّوْنَ لِلّٰهِ بِشَرَفِ الدُّنْيَا وَ الْآخِرَةِ لِاَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ

''اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے دنیا وآخرت کی عزت سے سرفراز ہیں کیوں کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے روز ہر شخص اپنے محبوب کے ساتھ ہوگا''۔

محبتِ الٰہی کا کتنا اعلیٰ ثمرہ ہے کہ اس سے محبت کرنے والوں کو دنیا وآخرت میں معیتِ الٰہی کی سعادت نصیب ہوگی۔

حضرت یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں:

حَقِيْقَةُ الْمَحَبَّةِ مَا لَا يَنْقُصُ بِالْجَفَاءِ وَ لَا يَزِيْدُ بِالْبِرِ

''محبت کی اصلیت یہ ہے کہ ظلم وجفا سے اس میں کمی واقع نہ ہو اور نیکی واحسان سے اس میں اضافہ نہ ہو''۔

کیوں کہ ستم ہو یا کرم دونوں اسبابِ محبت ہیں--- دوست کو دوست سے پہنچنے والی تکلیف بھی راحت معلوم ہوتی ہے--- راہِ محبت میں جفا ووفا برابر ہیں۔

حضرت شیخ ابوبکر شبلی علیہ الرحمۃ (۳۳۴ھ) کو ایک مرتبہ مجنون قرار دے کر شفاخانے میں داخل کرایا گیا، کچھ لوگ زیارت کے لیے حاضر ہوئے، پوچھا تم کون ہو؟--- انھوں نے کہا، آپ کے دوست، آپ نے انھیں پتھر مارنے شروع کر دیے، وہ سب بھاگ گئے--- فرمایا:

لَوْ كُنْتُمْ اَحِبَّائِيْ لَمَا فَرَرْتُمْ مِنْ بَلَائِيْ

''اگر تم میرے دوست ہوتے تو آزمائش پر راہِ فرار اختیار نہ کرتے، بلکہ صبر سے کام لیتے کہ دوست دوست کی تکلیف سے بھاگا نہیں کرتے''۔

ملحدین کا رد:

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جہاں تصوف وطریقت کے امام ہیں، وہاں شریعتِ مطہرہ کی پاس داری کرنے والے جید عالم دین بھی ہیں--- آپ نے کشف المحجوب میں جا بجا اتباعِ شریعت پر زور دیا ہے کہ بغیر اس کے تصوف وطریقت کو کوئی تصور نہیں--- اسوۂ نبوی پر عمل ہی دین کی بنیاد ہے اور اسی میں فلاحِ دارین مضمر ہے--- چنانچہ آپ نے محبت کے باب میں ان ملحدین کا رد بلیغ فرمایا ہے،

جو یہ سمجھتے ہیں کہ بندہ محبت کے ایک ایسے مقام پر جا پہنچتا ہے جب اطاعت ساقط اور عبادت معاف ہو جاتی ہے۔

حضرت داتا صاحب علیہ الرحمہ اس گمراہی کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

صحت و عقل کی حالت میں کسی سے فرائض و عبادات کا معاف ہونا محال ہے--- اس پر امت کا اجماع ہے کہ شریعت محمدیہ کبھی منسوخ نہیں ہو سکتی اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ سلیم العقل شخص سے شریعت کا حکم ساقط ہو سکتا ہے تو پھر سب پر ساقط ہونا جائز ہو سکتا ہے اور یہ امر در حقیقت شریعت کو منسوخ قرار دینے کی کوشش ہے، جو صریح گمراہی اور بے دینی ہے--- البتہ فاتر العقل اور دیوانے کی بات الگ ہے، ان کے لیے حکم شرعی ساقط ہو جاتا ہے--- محبت میں کوئی شخص کتنے ہی اعلیٰ مقام پر پہنچ جائے، عبادت کی تکلیف سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا جا سکتا، بلکہ محبت تو اطاعت کا ذریعہ ہے، جتنی زیادہ محبت ہو گی اسی قدر عبادت و اطاعت اس کے لیے آسان ہو گی اور مشقت بھی اس کے لیے راحت ہو گی--- یہ بات حضور ﷺ کے احوال سے ظاہر ہے، آپ ﷺ سے بڑھ کر اللہ کا محبوب کون ہو گا؟--- لیکن جب اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں "لعمرک" فرما کر آپ کی حیاتِ طیبہ کی قسم بیان فرمائی، تو آپ ﷺ نے شب و روز عبادت میں ایسی کثرت فرمائی کہ وقف عبادت ہو گئے--- رات بھر بارگاہِ الٰہی میں کھڑے رہتے کہ قدم مبارک متورم ہو جاتے، تب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

طٰہٰ O مَا اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰی (طٰہٰ:۱-۲)

"طٰہٰ (اے محبوب!) ہم نے یہ قرآن آپ پر اس لیے نہیں اتارا کہ آپ مشقت اٹھائیں"۔

اللہ تعالیٰ نے جب اپنے محبوب ﷺ پر بھی عبادت ساقط نہیں فرمائی تو پھر دنیا میں ایسا کون ہو سکتا ہے، جو احکامِ شریعت پر عمل سے مستثنیٰ قرار دیا جائے؟---

بادۂ محبت:

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خلاصۂ بحث کے طور پر فرماتے ہیں:

کوئی انسان ایسا نہیں، جسے جوہرِ محبت ودیعت نہ کیا گیا ہو--- کوئی دل ایسا نہیں، جو لذت و حلاوتِ محبت سے محروم ہو، ہر شخص کا دل بادۂ محبت سے سرشار اور غلبۂ محبت سے معمور ہے، کیوں کہ دل کی ساخت میں بے قراری و اضطراب ہے--- دل کے لیے محبت اتنی ہی ضروری ہے جتنا جسم کے لیے کھانا پانی--- محبت سے خالی دل ویرانہ ہے--- محبت کی قلبی کیفیات اور واردات سے دل ہی آگاہ ہے نفس کو ان لطائف کی ہوا بھی نہیں لگتی۔

حضرت عمرو بن عثمان مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب محبت میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دلوں کو اجسام سے سات ہزار سال پہلے پیدا فرمایا اور انھیں مقامِ قرب میں رکھا، روحوں کو دلوں سے سات ہزار سال پہلے پیدا کیا اور انس کے مقام پر رکھا، باطن کو روحوں سے سات ہزار سال قبل پیدا کیا اور اسے درجۂ وصال میں رکھا--- ہر روز تین سو ساٹھ بار باطن پر اپنے جمال کی تجلی ڈالی اور تین سو ساٹھ بار اس پر نظرِ کرامت فرمائی، ارواح کو کلمہ محبت سنایا اور دلوں کو تین سو ساٹھ لطائف انس سے نوازا--- انھوں نے ساری کائنات پر نگاہ کی تو اپنے آپ سے بڑھ کو کسی کو نہ پایا، ان میں فخر و غرور پیدا ہوا، چناں چہ اللہ تعالیٰ نے انھیں امتحان میں ڈال دیا، باطن کو روح میں اور روح کو دل میں اور دل کو جسم میں قید کر دیا اور عقل کو ان میں شامل کر دیا--- انبیاء علیہم السلام کے ذریعے احکام نازل فرمائے اور ہر ایک اپنے اپنے مقام کا متلاشی ہوا--- اللہ تعالیٰ نے نماز کا حکم دیا تو جسم نماز میں مشغول ہو گیا، دل محبت سے سرشار ہو گیا، جان مقامِ قرب میں پہنچی اور باطن وصالِ حق سے شاد کام ہوا۔

یہ سب محبت کی تعبیریں ہیں، عین محبت نہیں، اس لیے کہ محبت حال ہے اور حال کو قال میں نہیں لایا جا سکتا--- اگر ساری دنیا بہ تکلف محبت اختیار کرنا چاہے تو ایسا نہیں کر سکتی اسی طرح اسے بہ زور روکنا چاہے تو بھی ممکن نہیں--- کیوں کہ محبت ہو جاتی ہے کی نہیں جاتی--- یہ وہبی (عطیہ الٰہی) ہے، کسبی نہیں ہے--- اگر ساری دنیا مل کر چاہے کہ محبت کے طلب گار میں محبت آ جائے یا جسے محبت کی دولت نصیب ہے، اس سے محبت رخصت ہو جائے، تو ایسا کرنا ممکن نہیں، اس لیے کہ محبت خدائی عطیہ ہے اور انسان کھیل تماشے کا خوگر، لاہی (لہو و لعب کا عادی) الٰہی (عطیے) کا صحیح ادراک کیسے کر سکتا ہے؟"---

☆☆☆

کشف المحجوب
پس منظر اور پیش منظر

تحقیق و تحریر: میاں محمد سلیم حماد
(سجادہ نشین داتا دربار گنج بخش)

میاں محمد سلیم حماد ان شخصیات میں سے ہیں جن کا اوڑھنا بچھونا اپنے عظیم المرتبت بزرگوں کی محض مجاوری اور سجادہ نشینی نہیں بلکہ ان کا کام علم و تحقیق اور جستجو کی روشنی میں تشنگان علم و دانش کے لئے وہ موتی اور گوہر پیش کرنا ہے جو انہوں نے تحقیق و تفتیش کے بحرِ ذخار اور ناپیدا کنار میں غواصی کے بعد تلاش کئے ہوتے ہیں۔ لطف یہ ہے کہ اہل علم و دانش یہ موتی یونہی نہیں بکھیر دیتے بلکہ دلائل و براہین قاطعہ کے ساتھ ان کو معترضین کے سامنے پیش کرتے ہیں جو اپنے خبث باطن کی وجہ سے بزرگان دین کے متعلق ہمیشہ دل آزار اور قلب فگار اعتراضات کرتے رہتے ہیں یا پھر ان حضرات کو ان مسکت دلائل کے ساتھ روشنی دکھاتے ہیں جو واقعی بے خبری، بے علمی اور بے شعوری کی وجہ سے بعض اوقات اوہام میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور گمان آباد بستی میں رہنا شروع کر دیتے ہیں۔

میاں محمد سلیم حماد، محقق، اہل علم، مرنجاں مرنج علم دوست، متشرع اور دوست نواز شخصیت ہیں۔ غرور اور تکبر نام کو نہیں لیکن حضور قبلہ سید ہجویر اور تاجدار جلاب و غزنی کے خلاف کوئی ناروا یا بے بنیاد بات کر کے پھر جائے کہاں؟ اپنے علم و تحقیق اور دلائل و براہین کے ساتھ اس کا ایسا ناطقہ بند کرتے ہیں کہ یا تو وہ راہ راست پر آجاتا ہے یا پھر منہ چھپانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

ذیل میں ہم ان کی وہ تحریر پیش کر رہے ہیں جو انہوں نے محترم و مکرم سید محمد فاروق القادری کی اس کتاب میں دیباچے کے طور پر لکھی ہے جو قادری صاحب نے کشف المحجوب کے ترجمہ کی شکل میں شائع کی ہے اور اہل علم و دانش سے خراج تحسین حاصل کیا ہے۔ سید فاروق القادری گڑھی اختیار خاں ضلع رحیم یار خاں سے تعلق رکھتے ہیں اور اپنے جد امجد سید محمد جعفر شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک کے سجادہ نشین ہیں۔

ہم توقع رکھتے ہیں کہ قارئین کرام میاں سلیم حماد کی زیر نظر تحریر کو پسند کریں گے کیونکہ وہ تنقیدی نکتہ نظر کو پسند کرتے ہیں اور معترضین کے اعتراضات کے جوابات اپنی تحقیق کی روشنی میں پیش کرتے ہیں اور جذباتی انداز کی بجائے دلائل و براہین کا سہارا لیتے ہیں جس کی وجہ سے سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کی دلپذیر تصویر سامنے آجاتی ہے اور عہد حاضر کا تنقیدی نکتہ نگاہ رکھنے والا قاری بھی انہیں بنظر استحسان دیکھتا ہے۔

(مرتب: سعید بدر)

اللہ کے نام سے آغاز جو بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

حضرت ابوالحسن علی بن عثمان الجلابی الہجویری الغزنوی المعروف بہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال وافکار، تعلیم وتعلم، کلام وپیام، علم وحلم، ایمان وایقان، عرفان وفرقان، تحریک وترغیب، سیرت وبصیرت، شریعت وطریقت، عبادت وریاضت، ارادات وخلافت، فراست ونفاست، محبت ولطافت، سخاوت وکرامت، صحبت وسیاست، معرفت وحکمت، امامت وخطابت، خلوت وجلوت، مشاہدہ ومجاہدہ، مراقبہ ومحاسبہ، تقلید وتنقید، تصنیف وتالیف اوران کے مقصد حیات کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ان کے دور یعنی پانچویں صدی ہجری اوراس سے قبل کی چار صدیوں کے مذہبی، سیاسی اور معاشی ومعاشرتی حالات وواقعات پر طائرانہ نظر ڈال لی جائے۔

عملی طور پر تصوف کی ابتداء دور نبوی میں نظر آتی ہے۔ حضرت سلمان فارسی، عمار بن یاسر، عبداللہ بن مسعود، مقداد بن الاسود، زید بن الخطاب، ابوذر غفاری اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کے اسماء گرامی اولین صوفیاء میں نمایاں ہیں۔

تصوف اور صوفی:

دور حاضر کے بعض محقق تصوف کا ناطہ ہندومت، بدھ مت، رہبانیت، یونانیوں اور چینیوں سے جوڑتے ہیں۔ تصوف کو اسلامی وغیر اسلامی تصوف میں منقسم کرتے ہوئے اس پر لمبے چوڑے مقالے لکھتے نہیں تھکتے۔ حالانکہ تصوف کا خمیر خالصتاً اسلامی شریعت سے اٹھا ہے اور جو خلاف شرع ہے اسے تصوف کہنا ہی غلط ہے۔ کچھ لوگ تصوف اور صوفی کو دور ملوکیت کی پیداوار سمجھتے ہوئے کہتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صوفیاء کیوں نہ کہا گیا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت اور خصوصیت سید الرسول ﷺ کی خدمت اقدس اور صحبت مبارکہ میں بیٹھنا تھا۔ ان کو اسی صحبت کی نسبت سے بجائے صوفی کے صحابی کہا گیا۔ ہر صحابی کو صوفی تو کہا جا سکتا ہے لیکن ہر صوفی کو صحابی نہیں کہا جا سکتا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ تاریخ اسلام میں ملوکیت کا آغاز ہوا تو تصوف بھی نکھر کر سامنے آ گیا۔ جب اقتدار، حکومت اور بیت المال ملت اسلامیہ کی بجائے ذاتی ملک ووراثت بنا لیا گیا اور بلند وبالا محلات، شاہی دربار اور دربان مظلوموں کی دادرسی میں حائل ہو گئے تو جبر وتشدد، ظلم وناانصافی اور باطل قوتوں نے سر اٹھا لیا۔

اس صورت حال کے خلاف حق گو، راست باز، عدل وانصاف کے پیکر نفوس قدسیہ سراپا احتجاج بن گئے۔ اس پاکیزہ گروہ نے حق کا نعرہ بلند کیا اور جان کی بازی لگا دی۔ کچھ نے جام شہادت نوش فرمایا جو بچ گئے انہوں نے اپنی اپنی دنیا لٹا دی اور متاع دین کی حفاظت کے لیے سرگرم عمل ہو گئے۔ ایسے جامع الصفات افراد کو صوفی کہا گیا۔ انہیں پاکیزہ نفس، صابر، متوکل نیک بندوں نے خالصتاً اسلام کی سربلندی کے لیے شریعت کی بنیادوں پر تصوف کی عمارت کھڑی کی اور مخلوق خدا کو حق وباطل کی تمیز قلب وذہن کی نشوونما اور خوف خدا کا علمی اور عملی درس، طریقت کے پرکشش انداز میں دیا۔ دین کی پاسبانی صوفیاء کرام نے سنبھال لی اور سیاست واقتدار خاندانی عصبیتوں کے چنگل میں پھنس گیا۔ گویا دین اور سیاست جدا ہو گئے۔

بقول علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ:

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

اس دور کشمکش میں بے شمار عظیم ہستیوں نے چمن اسلام کی اپنے خون سے آبیاری کی۔ دور ملوکیت کے خون آشام حالات کا اگر مختصر جائزہ لیا جائے تو جنگ صفین، جنگ جمل، سانحہ کربلا اور عبدالملک کے دور میں مسلم خون کا ضیاع۔ محمد بن قاسم فاتح سندھ، موسیٰ بن نصیر فاتح اندلس، قتیبہ بن مسلم باہلی جیسے اعلیٰ خوبیوں کے مالک فاتحین کا عبرت ناک اور وحشت انگیز انجام۔ حجاج بن یوسف کی سفاکی، اموی سلطنت کے ہاتھوں مسلمانوں کے خون کی ارزانی، عباسی عہد میں حصول اقتدار کی جنگیں، مسئلہ خلق قرآن اور قرامطہ کا فتنہ۔ دین کی بالادستی کی بجائے شخصیات کی بالادستی اور خوشنودی کے لیے مسلمانوں کی باہم قتل وخون ریزی تاریخ اسلام کے ایسے بدنما داغ ہیں جن کی سیاہی آج بھی موجود ہے۔ اس کے علاوہ دولت کی فراوانی اور آسائش سے ایک ایسا معاشرہ وجود میں آ گیا جس میں رقص، موسیقی، خوشامد، چاپلوسی، متفقہ علیہ مسائل کو متنازعہ بنا کر اس پر بحث ومناظرہ عوام وخواص کا شبانہ روز مشغلہ بن گیا۔ عیش وعشرت کے تمام سامان مہیا ہونے لگے۔ ایسی حالت میں عذاب الٰہی تاتاریوں کے روپ میں نازل ہوا اور تباہی وبربادی عوام وخواص کا مقدر بن گئی۔

اس زمانہ حرص وہوس میں صوفیاء کرام خصوصاً حضرت حسن بصری، حضرت ہرم بن حیان، حضرت سعید ابن المسیب، حضرت حبیب عجمی رضی اللہ عنہم نے انتہائی ثابت قدمی سے تصفیہء نفس (نفس کو تمام صفات رذیلہ سے پاک کرنا) تجلیہء نفس (نفس کو صیقل کر کے اسے جلا دینا تاکہ صفات جمیلہ قبول کر سکے) تحلیہء نفس (نفس کو صفات حمیدہ سے آراستہ کرنا) میں منہمک رہے اور مخلوق خدا کو بھی تزکیہ نفس کی تعلیم دیتے رہے۔

مملکت اسلامیہ کے سلاطین کے جبر وتشدد اور ظاہری شان وشوکت نے مخلوق خدا میں سے اکثر کی زبان وبیان، شمشیر وسنان، قلم وجسم کو تو مسخر کر لیا لیکن قلب وروح پر گرفت نہ کر سکے۔

بندگان خدا قلبی تشنگی اور روحانی فیض کے حصول کے لیے صوفیاء کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ بوریا نشین صوفیاء عظام نے اپنے عمل وکردار اور بلندی اخلاق کے سبب لوگوں کے دل مسخر کر لیے اور لوگوں کی نظر میں خاک نشینوں کا مقام ومرتبہ اعلیٰ وارفع اور تخت نشینوں کا مقام ہیچ ہوتا چلا گیا۔

بعض دنیا پرست اور حرص وہوس کے ماروں نے اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لیے تصوف کو اپنا آلہ کار بنا لیا اور صوفیاء کا رنگ ڈھنگ اپنا کر غیر اسلامی نظریات وعقائد کی ترویج اور شریعت میں آسانیاں پیدا کرنا شروع کر دیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گمراہی، مذہبی تعصب اور فرقہ واریت کا فتنہ جاگ اٹھا۔ سرخیل اصفیاء حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف کشف المحجوب میں پانچویں صدی ہجری کے باطل فرقوں کے گمراہ صوفیوں کے عقائد ونظریات کو بے نقاب کیا ہے۔

صوفیاء اور خانقاہیں:

جب تخت وتاج کی حفاظت کے لیے باقاعدہ فوج اور شاہی محلات ودربار تعمیر ہوئے تو صوفیاء کا نظام خانقاہی اور خانقاہیں معرض وجود میں آئیں۔

ڈاکٹر ڈونالڈسن لڈا اپنی تصنیف ''مسلمانوں کا فلسفہ اخلاق'' کے صفحہ 194 پر لکھتا ہے کہ

''بقول ابن خلدون صوفیاء نے جو طریقہ اختیار کیا وہ آغاز اسلام سے مسلمانوں میں متداول تھا اور اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسے سچائی اور ہدایت کا طریقہ یقین کرتے تھے۔ یہ طریقہ عبادت اور تبتل پر مبنی تھا اور جب دوسری صدی ہجری میں مسلمانوں کے دلوں میں دنیا کی محبت راہ پانے لگی تو جن لوگوں نے زہد وتقویٰ کو اپنا شعار بنایا وہ صوفیاء کے لقب سے یاد کیے جانے لگے''۔

جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام پر سلاطین کے احکام کو فوقیت دی جانے لگی اور مساجد میں امام رسمی خلفاء کا خطبہ پڑھنے اور خوشامد کے مرتکب ہونے لگے تو صوفیاء ان کی اقتداء میں نماز پڑھنے کی بجائے ویرانوں میں نمازیں پڑھنے لگے اور وہیں خانقاہیں قائم ہو گئیں۔

375ھ میں ایک معروف سیاح ابوعبداللہ محمد المقدسی نے اپنے سفرنامے ''احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم'' میں چوتھی صدی ہجری کے جغرافیائی، معاشرتی حالات اور عقائد ونظریات پر روشنی ڈالی ہے۔ ذیل میں ہم مقدسی کی زبانی ان علاقوں کے حالات اور وہاں کے لوگوں کے عقائد ونظریات کا جائزہ لیتے ہیں جن سے حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا کسی نہ کسی طرح واسطہ رہا ہے۔

2۔ طوس: طوس کے سارے باشندے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں اور وہاں ان کی فقہ پر عمل ہوتا ہے۔

3۔ سرخس: سرخس میں حنفیوں کے فرقہ غروسیہ اور شافعیوں کے فرقہ اہلیہ کے درمیان سخت عداوت ہے۔

4۔ مرو: شہر کے وسط میں جامع مسجد ہے۔ شہر میں بیدار مغز اور باشعور لوگ موجود، ہر رات وعظ اور مباحثے ہوتے ہیں۔ واعظ فقہ کا علم رکھتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں۔ مدارس میں طلبا کو وظائف دیے جاتے ہیں۔ لوگوں میں فیاضی اور مروت کی کمی ہے۔ وسائل رزق تنگ ہیں۔ باشندے فتنہ پرور اور شاطر ہیں۔ فسادات کی وجہ سے شہر کی آبادی کم ہو گئی ہے اور اکثر مکان اجڑ گئے ہیں۔ شہر میں تباہ کاریاں پھیلی ہیں اور برابر جھگڑے اور فتنے اٹھتے رہتے ہیں۔ باشندے طعن وطنز اور احمقانہ حرکات کے خوگر ہیں۔

5۔ نساء: درختوں میں چھپا ہوا صاف ستھرا خوبصورت شہر ہے۔ جامع مسجد خوش نما ہے۔ شہر مذہبی عیاروں کا اکھاڑہ ہے۔ مذہبی تعصب نے اجتماعی عافیت برپا کر دی ہے۔ حد تو یہ کہ نساء کے عالموں نے قرآن تک میں اضافہ کر دیا ہے۔ اذان ترجیع سے دی جاتی ہے یعنی شہادت کے دونوں کلموں کو پہلے دو دو بار ہلکی آواز سے اور پھر دو بار بلند آواز سے ادا کیا جاتا ہے بہت سے معاملات میں اسلامی تعلیمات پر عمل نہیں ہوتا۔

6۔ نیشاپور: نیشاپور عالم اسلام کا لاثانی شہر ہے مگر افسوس کہ یہاں بلوؤں اور جھگڑوں کو دیکھ کر عقل چکرانے لگتی ہے اور مذہبی تعصبات کا مشاہدہ کر کے دل ٹکڑے ہوتا ہے۔۔۔ فقہاء کی مٹی پلید ہے۔ عوام کا حال یہ ہے کہ جہاں کسی سرپھرے نے نعرہ لگایا اس کے پیچھے ہو لیے۔ مذہبی تعصب کا زہر بری طرح پھیلا ہوا ہے۔

7۔ سمرقند: سمرقند میں علم کا بڑا چرچا ہے اور جید عالم فاضل موجود ہیں۔

8۔ بخارا: بخارا کی ساری مساجد خوشنما ہیں اور نمازیوں سے بھری رہتی ہیں۔ جہلا اور ان پڑھوں کی تعداد کم ہے۔ واعظ فقہ اور تفسیر کا علم رکھتے ہیں۔ یہاں باہر کے بہت سے لوگ آ گئے ہیں جنہوں نے بیرائیاں پھیلانا شروع کر دی ہیں۔ یہ لوگ بدمعاملہ ہیں اور نماز باجماعت کو غیر ضروری

جانتے ہیں۔ درباری مقربین کا ایک گروہ ریشم اور دیباج پہنتا ہے۔ سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا کھاتا ہے اور مذہبی معاملات سے بے اعتنائی برتتا ہے۔

9۔ ماوراء النہر: ماوراء النہر ہمہ صفت صوبہ ہے۔ ہر ملک سے زیادہ شاداب ہے۔ کسی ملک میں نہ تو اتنے فقہاء ہیں اور نہ علم کا ایسا چرچا ہے، نہ مذہبی زندگی ایسی صراط مستقیم پر ہے۔ ادب اور حدیث سے لوگوں کو خاص شغف ہے۔ درس و تدریس کا سلسلہ دن رات جاری ہے۔

10۔ خراسان: خراسان کی مجموعی زندگی راہ راست پر ہے مگر بعض شہروں بجستان، ہرات کے مضافات استریاں اور کروخ میں خارجیوں کی بڑی تعداد آباد ہے۔

11۔ سامانی سلاطین: اپنے دربار میں علماء کو زمین بوسی پر مجبور نہیں کرتے۔ جمعہ کی رات کو ان کے دربار میں مناظرہ اور مباحثہ کی مجالس ہوتی ہیں جس میں بڑے بڑے فاضل شریک ہوتے ہیں۔ سلاطین کا رجحان فقہ حنفی کی طرف ہے۔ ان کا وزیر بخارا کا سب سے ممتاز اور راست باز شخص ہوتا ہے۔

12۔ آذربائیجان: اس کا صدر مقام اردبیل ہے۔ شہر میں ہر وقت فوج رہتی ہے۔ باشندے بخیل اور بارخاطر ہیں۔ علماء کا فقدان ہے۔ واعظ فقہ سے نا آشنا ہیں اور لوگ مذہبی تعصب میں گرفتار ہیں۔ شیعہ نہیں پائے جاتے۔ علم الکلام سے بھی کوئی دلچسپی نہیں۔ تصوف کی طرف میلان زیادہ ہے۔ اردبیل میں ایک خانقاہ بھی ہے۔

13۔ طبرستان: آمل اس کا صدر مقام ہے کچھ باشندے حنفی ہیں باقی حنبلی یا شافعی۔ پہاڑی علاقہ میں کرامیہ فرقہ کی خانقاہیں ہیں۔ بعض حصوں میں شیعوں کا زور ہے۔

14۔ خوزستان: خوزستان عقائد کا اکھاڑہ ہے۔ واعظ قصہ گو ہیں اور مساجد میں اودھم مچائے رکھتے ہیں۔ خوزستان اعتزال کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ کسی ملک میں یہاں سے زیادہ معتزلی نہیں پائے جاتے۔ عسکر مکرم والے تو سو فیصد معتزلی ہیں۔ عسکر مکرم اور تستر والوں کے درمیان تعصب کے سبب لڑائیاں ہوتی ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ تستر والوں نے ایک مرتبہ سوس سے حضرت دانیال کا تابوت منگوایا اور پھر واپس نہ کیا اس سے دونوں شہروں کے درمیان تعلقات خراب ہو گئے۔ عسکر مکرم کے علماء کو علم الکلام اور اعتزال سے شغف ہے اس لیے عوام ان سے نفرت کرتے ہیں۔

اہواز: اہواز کے شہریوں میں نہ شرافت نسبی ہے نہ دین و ایمان۔ جامع مسجد عیاروں اور قلندروں کا ڈیرہ ہے۔

سوس: سوس کے لوگ اہل سنت والجماعت ہیں۔ جامع مسجد عمدہ ہے مگر اس کے دروازہ کے پاس چکلے کھلے ہیں۔

15۔ فارس: فارس کی حکومت کا صدر مقام شیراز ہے جو نو وجود شہر ہے۔ عالم ادب ظرافت سے خالی ہیں۔ ثقہ اور عادل لوگ قوم لوط سے ہیں۔ تاجر زانی ہیں۔ میں نے (مقدسی) علماء کا لباس پہننے والوں کو شراب کے نشہ میں دھت دیکھا ہے۔ قبرستان اور مقبرے بدمعاشوں کے اڈے ہیں۔ یہاں کی جامع مسجد بے نظیر ہے جس میں حلقہ درس کے علاوہ صوفیاء کی محافل گرم رہتی ہیں۔ مجموعی طور پر فارس میں متعدد مسلک و مذہب موجود ہیں مثلاً حنفی، شافعی، معتزلی، حنبلی، شیعی اور یہاں داؤدی ہر جگہ سے زیادہ ہیں اور بڑے بارسوخ اور مقتدر ہیں۔۔۔۔ احناف کی تعداد کافی ہے۔۔۔۔ ارجان اور ساحلی علاقوں میں شیعوں کی تعداد زیادہ ہے معاشرہ واعظوں کی عزت نہیں کرتا۔

16۔ کرمان: کرمان کی کھجور اتنی میٹھی ہے کہ سادہ کھائی نہیں جاتی۔ کرمان کا صدر مقام سیرجان ہے۔ علماء معتزلی خیالات کے ہیں۔ نرما سیر کھجور کی تجارت کا مرکز ہے۔ یہاں کی عورتیں بدچلن ہیں۔ ہر سال تقریباً ایک لاکھ اونٹ کھجور اٹھانے کرمان آتے ہیں تو زنا و فساد کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔ جیرفت ضلع کے باشندے حنفی ہیں۔ باقی مملکت میں بحیثیت مجموعی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک غالب ہے۔

17۔ شام: شام کے صدر مقام دمشق کے باشندے مفسد اور شوریدہ سر ہیں اس شہر کی واحد خوبی اور اس کا قیمتی سرمایہ ولید بن عبدالملک کی تعمیر کردہ جامع مسجد ہے۔ شام پر مصر کے فاطمی خلفاء حکمران ہیں۔

18۔ رملہ: رملہ ضلع فلسطین کا صدر مقام ہے۔ کنوؤں کا پانی کھاری ہے لہذا بارش کا پانی حوضوں میں جمع کر لیا جاتا ہے جن پر قفل ڈال دیے جاتے ہیں۔ نادار پیاسا رہتا ہے اور پردیسی حیران و پریشان۔

19۔ بیت المقدس: مقدسی اپنے آبائی شہر بیت المقدس کے بارے میں رقمطراز ہے کہ

"مظلوموں کی کوئی فریاد نہیں سنتا۔ نادار و پریشان حال پھرتے ہیں۔ فقہاء کے پاس کوئی پھٹکتا نہیں۔ ادباء کی بھی ناقدری ہے۔ انصاف کے لیے عدالتیں ہیں نہ درس کے حلقے۔ مسجدوں میں بھی زیادہ مجمع نہیں ہوتا۔ بیت المقدس حنفیوں کا ایک حلقہ ہے جہاں

وعظ ہوتا ہے۔طبریہ کے سارے نابلس اور قدس کے آدھے باشندے شیعہ ہیں۔معتزلہ کے لیے ماحول سازگار نہیں،اس لیے دبے ہوئے ہیں۔مالکی اور داؤدی فقہ کے پیرو بھی یہاں نہیں ہیں۔جامع مسجد میں محدث اوزاعی (متوفی 157ھ) کی فقہ کا ایک درسی حلقہ ہے کوئی قصبہ یا شہر ایسا نہ تھا جہاں حنفی نہ پائے جاتے ہوں لیکن آج فاطمی شریعت وقانون پر عمل ہوتا ہے۔''

20:عراق: عراق کا دارالخلافہ بغداد کسی زمانہ میں بہت پر رونق شہر تھا لیکن جب سے عباسی خلفاء کمزور ہوئے ہیں اس کا زوال شروع ہوا۔آبادی کم ہوگئی اور شہر تقریباً اجڑ چکا ہے۔جامع مسجد میں صرف جمعہ کے روز آبادی ہوتی ہے۔شہر کی حالت روز بروز بگڑتی جارہی ہے۔مجھے (مقدسی) اندیشہ ہے کہ وہ سامرا کی طرح برباد ہوجائے گا۔فتنے فساد،جہالت اور فسق وفجور کا بازار گرم ہے۔مقامی حکومت ظالم ہے۔عراق پر عباسی خلفاء کی حکومت ہے جو سلاطین بویہ کے ماتحت ہیں۔بغداد میں عراق کے بلند پایہ فقہا حنابلہ اور شیعہ عوام پر حاوی ہیں ان کے علاوہ یہاں مالکیہ،اشعریہ،معتزلہ اور نجاریہ فرقوں کے پیرو بھی موجود ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔بغداد کے حنبلی بڑے غالی ہیں اور تشبیہ کے قائل ہیں۔حنابلہ کی بربہاری شاخ کو خاص طور پر حضرت امیر معاویہ ؓ سے بے پناہ محبت ہے۔عراق کے اکثر فقیہ اور جج حنفی مسلک کے ہیں۔

21:کوفہ: ایک زمانہ میں یہ شہر عظمت اور مدنیت میں بغداد کا ہم پلہ تھا مگر اب حالت خراب ہے۔بیرونی حصے اجڑ گئے ہیں۔کناسہ محلّہ کو چھوڑ کر جو سنی ہے،کوفہ کے باقی سب لوگ شیعہ ہیں۔

22:بصرہ: بصرہ کی مسجد شاندار اور آباد ہیں۔بہت سے صالح لوگ رہتے ہیں مگر عجیب عجیب فتنے اٹھتے رہتے ہیں۔۔۔۔بصرہ کے بیشتر لوگ قدریہ ہیں لیکن یہاں حنبلی بھی پائے جاتے ہیں۔بصرہ میں قبیلہ ربیعہ کے شیعہ عرب اور قبیلہ سعد کے سنی عرب بڑے متعصب ہیں بصرہ کے دیہات میں بھی شیعہ سنی تعصب کا اثر پہنچ گیا ہے۔

23:ترکستان: ترکستان کی سرحد آخری شہر اسبی جاب ہے جو سمرقند سے چھ مرحلے اور دو برید کے فاصلے پر شمال مشرق میں آباد ہے۔یہاں دو ہزار سات سو سرحدی چوکیاں ہیں۔شہر میں قرانگین کی قبر ہے۔یہ ایک اہم سرحدی شہر اور مستقر جہاد ہے۔جہاں لوگ ہر وقت ترکستانی چھاپہ ماروں سے مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔اسی وجہ سے لوگوں سے کوئی ٹیکس نہیں لیا جاتا۔

بچشم مقدسی مسلم امہ کی جو حالت ہم تک پہنچی اس سے اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں کہ مسلمانوں کا شیرازہ کس قدر بکھر چکا تھا اور ملت وحدہ کی بجائے مسلم امہ معاشی،معاشرتی اور مذہبی طبقات میں بٹی ہوئی تھی۔

دیگر ان شہروں کا نام جن کا ذکر سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب میں مختلف جگہوں پر رقم فرمایا ہے۔مکہ مکرمہ،مدینہ منورہ،جدہ،مجد،کربال،اصفہان،رے،سامرہ کرخ،کمش،کمند خرقان،پارس،ترمذ،بیضاورد،بیت الجن،بلخ،بطام،شلاتک،مروالرود،باورد،مصر،جبل اللکام،جیجول،عیادان،عسقلان،حلوان،فرغانہ،قہستان،تیرہ،دویرہ،فید،آمل اوزکند،بایزار،روم،حبشہ،چین،تبت۔

24:غزنی: پانچویں صدی ہجری میں دنیائے اسلام کا ایک رئیس البلاد غزنی تھا۔یہ کابل سے قندھار جاتے ہوئے 135 کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔پہاڑوں سے گھری ہوئی سرسبز وادی میں دریائے غزنی کے دونوں کناروں پر آباد تھا۔اب اس شہر کی صورت شہر کی ہے نہ ویرانے کی بس ایک قبرستان ہے جو بچا ہوا ہے۔جس میں چند ہستیاں آسودۂ خاک ہیں،جن میں سلطان سبکتگین،سلطان محمود،سلطان مسعود،سلطان مودود،سلطان حلقوم،سلطان عبدالرزاق،حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ،بہلول،حضرت سید علی ہجویری کے والدین اور ماموں تاج الاولیاء وغیرہ ہم کے نام نامی قابل ذکر ہیں۔

غزنی علم وادب کا گہوارہ:

سلطان محمود غزنوی 386ھ میں تخت نشین ہوا تو شہر غزنی بلاد اسلامیہ میں ایک نمایاں حیثیت سے ممتاز ہوا۔علم وادب اور تہذیب وتمدن کا مرکز بن گیا۔تلوار سے حکمرانی محمود نے کی اور علم وفن سے حکمرانی ان لوگوں نے کی جن میں ابوریحان البیرونی،ابونصر عینی،ابومنصور ثعالبی،ابوبکر کان،ابوالطیب سہل بن سلیمان صعلوکی،ابومحمد عبداللہ بن حسین الناصحی،ابوالقاسم خواد احمد بن حسن مہندی،ابوالعباس فضل بن احمد السفرائنی،ابوالخیر جماد،فردوسی،عسجدی،اسدی،فرخی،ابوالفتح بستی،عنصری وغیرہ کا نام ممتاز ہے۔یہ ذہین وفطین افراد دربار غزنویہ کے ایسے روشن چراغ تھے جن کو زمانہ آج بھی تفسیر،فقہ،حدیث،کلام،منطق،فلسفہ،طب،تاریخ،شعروادب اور قصیدہ گوئی میں اپنے اپنے فن کا استاد مانتا ہے۔اس کے علاوہ خود حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب میں غزنی میں موجود مشائخ وصوفیا میں سے چند نادر باب معانی کا ذکر فرمایا ہے۔حضرت ابوالفضل بن اسدی،حضرت اسماعیل شاشی،حضرت شیخ سالار طبری،حضرت ابوعبداللہ محمد بن حکیم معروف بہ مرید،حضرت سعید بن ابی سعید،حضرت ابوالعلیٰ عبدالرحیم بن محمد سعدی،حضرت شیخ احمد قسورہ بن محمد جرد یزی رحمۃ اللہ علیہم۔

غزنی کی تعمیر و توسیع:

محمود غزنوی نے غزنی کی تعمیر و توسیع میں خصوصی دلچسپی لی۔ دریائے غزنی پر شہر سے اٹھارہ میل شمالاً ایک بند باندھا تاکہ بوقت خشک سالی پانی آبپاشی کے کام آئے۔ ایک یادگار مینار بنوایا جو ایک سو چوالیس فٹ بلند تھا اور پر جانے کے لئے اندر سیڑھیاں بنوائیں۔ مینار کے مختلف حصوں میں خط کوفی میں قرآنی آیات اور اشعار کندہ کروائے۔ قنوج کی فتح کے بعد محمود غزنوی نے ایک مسجد تعمیر کرائی جس میں سنگ مرمر سنگ رخام اور سنگ موس بڑی خوبصورتی سے استعمال کیا جسے "عروس فلک" مسجد کہا جانے لگا۔ مسجد سے ملحق ایک مدرسہ اور کتب خانہ قائم کیا جس کے اخراجات کے لیے کئی دیہات وقف کر دیئے۔

غزنی میں علم و ادب، شان و شوکت اور آرام و آسائش کے ماحول میں حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے ہوش سنبھالا اور تعلیم و تربیت کے مراحل طے کیے۔ یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ غزنی کے علمی ماحول نے حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی خداداد صلاحیتوں کو چار چاند لگا دیئے۔ بظاہر کوئی رکاوٹ نہ تھی کہ وہ اپنی ذاتی صلاحیتوں، علم و فضل، فہم و ادراک اور اپنے معروف علمی خانوادے کی بنیاد پر دربار غزنی سے منسلک ہو جاتے۔ لیکن اس مرد درویش نے آرام و آسائش، جاہ طلبی اور جلب منفعت کی بجائے مزید حصول علم و عرفان اور سلوک کی منزلیں طے کرنے کے لیے عالم اسلام کی درویشانہ سیاحت اختیار کی۔ بے شمار معروف و غیر معروف صوفیاء کی صحبت سے مستفید ہوئے اور اکتساب فیض کیا۔ تصوف کی راہ میں آپ نے جو زہد و جہد کیا اور مصائب اٹھائے آج اس کا تصور بھی محال ہے۔

ہندوستان کی حالت:

26: ہندوستان: عربوں اور ہندوستانیوں کے انفرادی تاجرانہ تعلقات بہت قدیم ہیں۔ لیکن حکومتی سطح یا اجتماعی طور پر عرب اور ہند کی اقوام میں کوئی مراسم یا تعلقات نہ تھے۔ عرب اور ہند کی تہذیب و تمدن میں کوئی قدر مشترک نہ تھی۔ ظہور اسلام کے بعد سندھ پر سب سے پہلے با قاعدہ عسکری، تہذیبی حملہ جواں سال جرنیل محمد بن قاسم نے 93ھ بمطابق 711ء میں کیا۔ اس وقت سندھ جن علاقہ جات پر مشتمل تھا وہ مکران کے مشرقی علاقے، مغربی پنجاب کا بڑا حصہ اور بلوچستان تھے۔ سندھ چار انتظامی حصوں میں منقسم تھا (۱) سہوان (۲) بہمن آباد (۳) اچ (۴) ملتان صدر مقام الور تھا۔ عرصہ دو سال میں سندھ اور ملتان کا سارا علاقہ محمد بن قاسم نے فتح کر کے باقاعدہ مملکت اسلامیہ میں شامل کر دیا۔ 97ھ بمطابق 715 عیسوی میں محمد بن قاسم کو واپس بلا لیا گیا اور خاندانی رنجش کی بنا پر اس کا افسوس ناک انجام ہوا۔ چار سال کے مختصر عرصہ میں محمد بن قاسم اور مسلم افواج کے کردار حسن سلوک، رواداری اور بہترین نظم و نسق نے وہاں کے عوام و خواص سے اپنا لوہا منوا لیا۔

سندھ جب خلفاء عباسیہ کے زیر نگین آیا تو عرب و ہند میں علمی، سیاسی اور مذہبی تعلقات گہرے ہو گئے۔ اس کے بعد عربوں کی رسائی ہندوستان کے دوسرے حصوں تک ہوئی۔ اکثر عرب بحیثیت تاجر سلاطین کے عتاب کے خوف یا مختلف وجوہات کی بنا پر ہند میں آباد ہونے لگے۔ تبلیغ دین کے لیے صوفیاء نے بھی ادھر کا رخ کیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ ساحل گجرات کی بندرگاہوں پر مسلمانوں کی نو آبادیاں قائم ہو گئیں۔ ہند میں مالابار اسلامی اثرات کا دوسرا اہم مرکز تھا۔ راس کماری کے شمال مشرق میں کارومنڈل کا علاقہ ہے جسے عرب معرب کہتے تھے۔ اس علاقہ میں بھی عربوں کی قدیم بستیاں تھیں جن میں سے ایک ٹینولی ہے جو صوبہ مدراس کے شہر کیلا لاپٹم کے قریب ہے۔ یہاں سے بعد میں ایک انگریز افسر کو 71ء سے 571ء تک کے کئی سکے دستیاب ہوئے۔ اس کے علاوہ موجودہ بنگلہ دیش میں چٹاگانگ کے پاس مسلمانوں کی بستیاں تھیں۔

چوتھی صدی ہجری میں ملتان میں اسماعیلی مذہب کے اثرات غالب تھے۔ عرب سیاح مقدسی نے 375ھ میں اپنے سفر نامہ "احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم" میں تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ "ملتان میں مصر کے اسماعیلی فاطمیوں کا خطبہ جاری ہے۔ اہل ملتان شیعہ ہیں۔ اذان میں حی علی خیر العمل کہتے ہیں اور تکبیر دو بار کہتے ہیں۔ یہاں کا سکہ مصر کے اسماعیلی فاطمیوں کے مثل ہے۔ ملتان میں کوئی شخص مصر کے اسماعیلی فاطمی خلیفہ کے حکم کے بغیر ملتان کا حاکم نہیں بن سکتا۔"

محمد بن قاسم کی فتوحات سندھ و ملتان 95ھ بمطابق 713ء کے باوجود مشرقی پنجاب اور شمالی ہند پشاور سے کابل تک کے علاقے پر ہندو راجپوت بلا خوف و خطر ٹھاٹھ سے حکومت کرتے رہے۔

محمود غزنوی کی فتوحات:

369ھ بمطابق 980ء میں جے پال جو پنجاب کا راجہ تھا اور پشاور سے کابل تک علاقہ اس کے زیر نگیں تھا۔ بعض وجوہات کی بناء پر غزنی پر چڑھ دوڑا۔ امیر غزنی سلطان نصیر الدین سبکتگین سے غزنی اور لمغان کے درمیان جنگ ہوئی جس میں جے پال کو شکست ہوئی اور وہ خود ہی ذلت آمیز شرائط اور بھاری تاوان جنگ ادا کرنے کے عہد کے ساتھ واپس لاہور چلا گیا۔ جے پال کی عہد شکنی اور مکاری پر سبکتگین نے بطور

سزا اس پر حملہ کر دیا۔ جے پال نے مذہب خطرے میں ہے کا نعرہ لگا کر دہلی، اجمیر کالنجر اور قنوج کے راجاؤں سے افواج و اسباب لے کر پشاور کے مقام پر افغانوں سے جا ٹکرایا۔ سبکتگین اور اس کے بہادر بیٹے محمود نے عسکری چالوں اور حکمت عملی سے راجپوتوں کی ٹڈی دل افواج کو شکست دی اور پشاور سے کابل تک کا علاقہ غزنی سلطنت میں شامل کر لیا۔

386ھ بمطابق 997ء سے 415ھ بمطابق 1024ء کے عرصہ میں ہندوستان پر سترہ حملوں میں اپنی شجاعت، عسکری جوہر اور تلوار کی کاٹ دکھائی۔ ان حملوں میں ہندوؤں کے دیوی دیوتاؤں کا جو حشر ہوا اور مذہبی و سماجی طور پر جس طرح ذلت اٹھائی اس سے عوام و خواص کے دل میں مسلمانوں کی بہادری و شجاعت کی دھاک تو بیٹھ گئی لیکن اس سے کہیں زیادہ نفرت و کدورت نے گھر کر لیا۔ البیرونی ہندوؤں کی نفرت کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''ہندو مسلمانوں سے نفرت کرتے ہیں۔ مائیں اپنے بچوں کو مسلمانوں کے نام سے ڈراتی ہیں''۔

محمود نے اس ملک (ہندوستانی) کی خوشحالی کو مکمل طور پر برباد کر دیا ہے۔ محمود کی حیرت انگیز مہمات کے نتیجہ میں ہندو مٹی کے ذرات کی طرح بکھر گئے ہیں اور ان کا ذکر لوگوں کی زبان پر قصہ پارینہ بن گیا ہے۔ ان خاک بسر ہندوؤں کے دل تمام مسلمانوں کے خلاف نفرت سے لبریز ہیں۔

ابوالقاسم فرشتہ رقم طراز ہے کہ ''غزنویوں اور ہندوستانی راجاؤں کے درمیان یہ دوسرا بڑا معرکہ اور انند پال (جے پال کا بیٹا) کے لشکر کے ساتھ نہ صرف اجمیر، قنوج کالنجر، اجین اور گوالیار کی افواج تھیں بلکہ عوام میں بڑا مخالفانہ جذبہ تھا بالخصوص کھوکھروں میں جن عورتوں نے اپنے اپنے زیورات بیچ کر لشکروں کی مدد کی اور جو ناداریں چرخہ کات کر مزدوری کی اور اس رقم سے اشیا خرید کر لشکریوں کو بھیجیں۔

سلطان محمود غزنوی کی وفات 421ء بمطابق 1030ء کے بعد اس کے جانشین بھی حصول اقتدار کے لیے یا انتقال اقتدار کے مرحلہ پر باہم دست و گریباں ہوئے۔

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ سلطان ظہیر الدولہ ابراہیم غزنوی 451ھ تا 492ھ کے دور اقتدار میں فوت ہوئے۔

درباری معاشرت:

مورخ ابوالفضل بیہقی متوفی 470ھ بمطابق 1077ء نے مسعود غزنوی کی ذاتی درباری زندگی عیش و نشاط کے حوالے سے جشن دربار کا آنکھوں دیکھا حال قلمبند کیا ہے۔ ''امیر مسعود لباس تبدیل کر کے آیا اور مرصع ایوان میں دسترخوان پر رونق افروز ہوا، اُمرا اور معززین بھی دسترخوان پر بیٹھے۔ ایوان کے باہر بھی دسترخوان بچھا دیئے گئے ہیں جن پر فوجی افسر بیٹھ گئے۔ سازندوں نے ساز چھیڑے تو شراب پانی کی طرح پینے لگی۔ جو لوگ مدہوش ہو گئے وہ دسترخوانوں سے اٹھ گئے۔ امیر مسعود بھی مسرت سے سرشار اٹھے اور گھوڑے پر سوار ہو کر باغ میں پہنچے جہاں پھر پہلے جیسی شاندار محفل آراستہ ہوئی۔ ندیموں کے آنے پر پھر شراب کا دور چلا۔ نماز مغرب تک سبھی شراب پیتے رہے''۔

اکثر حکمرانوں کی ذاتی زندگی اور درباری معاشرت کا جو حال تھا، وہی حال بیشتر غزنوی سلاطین کا بھی تھا۔ اس لیے امراء خوش حال تھے اور غربا جان سے بے زار تھے۔

سیاحت:

عرب و عجم، ہندوستان و افغانستان کی سیاحت کے دوران حضرت سید علی ہجویری کو ذاتی طور پر مختلف اقوام کا انفرادی و اجتماعی مطالعہ کرنے کا بہت قریب سے موقع ملا۔ مختلف اقوام و مختلف خطوں کی تہذیب و تمدن علم و فن، سیاست و معاشرت، رنگ و نسل، نظام ہائے خانقاہی و شہنشاہی اور دین و مذہب کے تفصیلی جائزے اور گہرے مشاہدے کے بعد انہوں نے اپنی آخری تصنیف کشف المحجوب میں اپنے زمانے کی بے راہ روی اور چلن کے بارے میں اپنے تجربے کا نچوڑ ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

''اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسے زمانہ میں پیدا فرمایا ہے کہ لوگوں نے خواہشات نفسانی کا نام شریعت، حب جاہ کا نام عزت، تکبر کا نام علم اور ریاکاری کا نام تقویٰ رکھ لیا ہے۔ دل میں کینہ رکھنے کا نام حلم، فضول لڑنے جھگڑنے کا نام مناظرہ، نادانی کا نام بزرگی، نفاق کا نام وفاق، آرزو تمنا کا نام زہد، بدیان طبع کا نام معرفت، نفسانیت کا نام محبت، الحاد کا نام فقر، انکار حق کا نام برگزیدگی، بے دینی و زندقہ فنا اور رسول خدا ﷺ کی شریعت کے ترک کرنے کا نام طریقت رکھ لیا ہے اور اہل دنیا کے مکر و فریب کا معاملہ کہنے لگے ہیں''۔

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے بعض دنیا دار اہل زمانہ تصوف اور صوفیاء کے بارے میں بدگمانی دیکھی تو فرمایا:

''جب اہل زمانہ کے دنیا دار لوگوں نے رسم و رواج کے غلام صوفیاء کو دیکھا، ان کے رقص و سرود اور محفل سماع کو دیکھا اور یہ مشاہدہ کیا

کہ یہ لوگ سلاطین کے دربار میں خوراک و پوشاک، مال و منال اور دنیوی مفادات کے لیے ان کی قصیدہ خوانی اور چاپلوسی کرتے ہیں تو وہ تصوف اور صوفیاء کے متعلق بدگمان ہو گئے اور تمام صوفیاء کو ایسا ہی سمجھ کر برا کہنے لگے۔ ان کی یہ کیفیت دیکھ کر ان سے پہلے کے تمام صوفیاء کا بھی یہی حال سمجھنے لگے حالانکہ وہ صوفیاء لغویات سے پاک و صاف تھے۔ وہ اس پر غور و جستجو نہیں کرتے۔ یہ دور دین و شریعت سے غفلت اور بے اعتنائی کا دور ہے۔ بلاشبہ جب بادشاہ و حکام پر حرص و ہوس کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ اسے ظلم و ستم پر آمادہ کر دیتا ہے اور اہل زمانہ طمع و نافرمانی اور زنا و فسق میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ریاکار عابد و زاہد کو نفاق میں جھونک دیتی ہے اور ہوائے نفس صوفیاء کو رقص و سرود اور لہو و لعب میں مشغول کرتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اہل طریقت جو محض رسم و رواج کے پابند ہوں بالآخر تباہ ہو جاتے ہیں مگر سچے اہل طریقت کبھی تباہ نہیں ہوتے اور یہ بات بھی ذہن نشین کر لو کہ گمراہ و بے ہودہ لوگ (جعلی علماء و صوفیاء) خواہ وہ اپنے لہو و لعب کو پوشیدہ رکھنے کی کتنی ہی کوشش کیوں نہ کریں وہ کسی صورت پوشیدہ نہیں رہ سکتے"۔

خلوت و جلوت:

زمانے کے ان حالات اور خرافات کی بنا پر ارباب معانی اور عارفان حقیقت نے لوگوں سے کنارہ کشی اور گوشہ خلوت اختیار کر لی۔ گوشہ نشینی کے بارے میں حضرت سید علی ہجویری فرماتے ہیں کہ "گوشہ نشینی دو طریقے سے ہوتی ہے (۱) خلقت سے کنارہ کشی اختیار کر کے ان سے منہ موڑ کر خلوت میں بیٹھ جائے اور ہم جنسوں کی صحبت سے ظاہری طور پر بیزار ہو جائے اور اپنے اعمال کے عیوب پر نگاہ رکھنے سے راحت پائے۔ خود کو لوگوں کے ملنے جلنے سے بچائے اور اپنی برائیوں سے ان کو محفوظ رکھے۔ (۲) خلقت سے تعلق منقطع کرے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس کے دل کی کیفیت یہ ہو جائے کہ وہ ظاہر سے کوئی واسطہ نہ رکھے۔ جب کسی کا دل خلق سے منقطع ہو جاتا ہے تو اس کو کسی مخلوق کا اندیشہ اور خطرہ نہیں رہتا کہ اس کے دل پر غلبہ پا سکے گا۔ ایسی حالت میں شخص اگرچہ خلقت کے درمیان ہوتا ہے۔ لیکن دراصل وہ خلقت سے جدا ہوتا ہے اور اس کے ارادے ان سے منفرد ہوتے ہیں۔ یہ درجہ اگرچہ بہت بلند ہے لیکن بعید از قیاس نہیں اور یہی وہ راستہ ہے جسے صراط مستقیم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

"اگر کسی شخص کا خیال یہ ہے کہ تنہائی کا معنی اکیلا رہنا ہے تو وہ غلطی پر ہے کیونکہ جب تک کسی دل کا شیطان کے ساتھ رابطہ و تعلق ہے تو اسے وحدت (تنہائی) کہاں حاصل ہے؟ درحقیقت جو شخص تنہا اور اکیلا ہے اگر وہ لوگوں سے میل جول اور صحبت اختیار کرے گا تو بھی وہ تنہا ہی ہے۔ اگر ایسا آدمی مخلوق میں گھل مل کر رہے تو اس کا یہ شغل اس کی عزلت اور گوشہ نشینی سے مانع نہیں ہے۔ لہٰذا انسانوں سے لاتعلق اس کے بغیر نہیں ہو سکتا جس شخص کو بھی اللہ تعالیٰ سے حقیقی انس ہوگا لوگوں سے میل میلاپ میں اس کے انس حقیقی کی راہ میں رکاوٹ نہ بنے گا"۔

ان اقتباسات سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ تصوف محض خلوت و گوشہ نشینی، ترک دنیا یا محض جلوت۔ صحبت، میل جول اور مخلوق کے درمیان رہنے کا نام نہیں بلکہ فرمان الٰہی "کیا اللہ اپنے بندوں کے لیے کافی نہیں" کے مطابق صدق دل اور کامل ایمان کے ساتھ صرف اور صرف اللہ ہی کی طلب و محبت رکھے۔ اس لیے صوفیاء جلوت میں ہوں یا خلوت میں ان کا دھیان اللہ کی ہی طرف ہوتا ہے۔

پندرھویں صدی میں مسلم امہ کی حالت:

آج پندرہویں صدی ہجری کے آغاز میں مسلم امہ کی یہ حالت ہے کہ حقیقت کے متلاشی اول تو باقی نہ رہے اگر کوئی اس راہ پر چل نکلتا ہے تو اسے رہنمائی کے لیے آفتاب صفت مرد دیدہ اور کہاں سے نصیب ہو۔ منبر و محراب جہاں سے منزل حقیقی کے نشان لوگوں کو دکھائے اور سمجھائے جاتے تھے، اب وہاں سے اکثر بندگان زر و شہرت کی بے سری بولیاں سننے کو ملتی ہیں۔ بیشتر خانقاہوں سے رشد و ہدایت کی روایات اٹھ گئیں۔ اب یہاں بھی سلاطین کے سے دربار لگتے ہیں۔ جاہ و حشم کی مسندیں سجتی ہیں جن میں آزاد لوگوں کو عقیدت بے مراد کی غیر محسوس بیڑیوں میں جکڑا جا رہا ہے۔

اگرچہ اس وقت عوام علم و شعور سے عاری ہیں۔ لیکن جب کوئی مسلم حاکم، عالم، معلم، مقرر، مبلغ، محقق، خطیب، طبیب، ادیب، حسیب، پیر، فقیر، تاجر، ناظر، وکیل، قاضی، صحافی، سیاست دان، رہبر قوم اور دانشور قول و فعل میں تضاد کا مظاہرہ کرتا ہے تو یوں لگتا ہے کہ دنیا کی تمام سچائیاں، دانائیاں جھوٹ و فریب کی صورت میں ڈھل گئی ہیں اور خلوص و ایثار ناپید ہو گیا ہے۔

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جو شخص علم کو دنیاوی عزت و جاہ کی غرض سے حاصل کرتا ہے درحقیقت وہ عالم کہلانے کا مستحق نہیں ہے کیونکہ دنیاوی عز و جاہ کی

خواہش کرنا بجائے خود از قبیل جہالت ہے۔ اس لیے کہ علم بذاتِ خود بلند تر مرتبہ ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کوئی مرتبہ ہے ہی نہیں۔ جب وہ اس ظاہری علم کے مرتبہ سے ہی نادان ہے تو بھلا وہ ربانی لطائف و اسرار کیسے جان سکے گا"؟

شانِ اولیاء:

ان سب خرافات کے باوجود اللہ تعالیٰ کے نیک و مقرب بندوں سے یہ کرہ خاکی نہ کبھی خالی رہا ہے اور نہ رہے گا۔ بندگانِ خدا کو صراط مستقیم دکھانے کے لیے توحید و رسالت کی شمع فروزاں کیے خصوصاً صوفیاء کرام و مشائخ عظام سرگرم عمل ہیں اور رہیں گے۔

حضرت سید علی ہجویری رقمطراز ہیں کہ "شانِ اولیاء یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی دوستی و ولایت سے مخصوص فرما کر اپنے ملک کا والی بنایا اور ان کو اپنے افعال، قوت کا مظہر بنایا۔ متعدد کرامات سے سرفراز کیا اور انہیں آفاتِ طبع اور نفس و ہوا کی پیروی سے پاک کر دیا تاکہ ان کے تمام ارادے اللہ کے لیے ہوں اور ان کی محبت و انس سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی سے نہ ہو۔ اولیاء اللہ ہم سے قبل بھی موجود تھے آج بھی ہیں اور قیامت تک رہیں گے۔

صاحبِ تصنیف صوفیاء و مشائخ:

مناسب ہوتا اگر میں یہاں پہلی صدی تا پانچویں صدی ہجری کے تمام اکابر صوفیاء کرام کا ذکر کرتا لیکن بوجہ طوالت مقدمہ میں صرف ان صوفیاء کرام و مشائخ عظام کا ذکر کرنا ضروری خیال کرتا ہوں جنہوں نے تصوف کے مقامات، معاملات اور اشارات پر اپنے علم و فن اور عملی کاوشوں سے مخلوقِ خدا کی اصلاح فرمائی اور حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے ان میں سے اکثر صوفیاء کی تصانیف سے استفادہ کیا۔

حضرت عبداللہ بن مبارک مروزی م181ھ مصنف کتاب الزہد۔

حضرت احمد بن خضرویہ بلخی م220ھ الرعایۃ بحقوق اللہ۔

حضرت حارث بن اسد المحاسبی م243ھ "کتاب التفکر والاعتبار کتاب رعایۃ الحقوق اللہ، کتاب التواہم، رغائب۔ حضرت یحییٰ بن معاذ رازی م285ھ کتاب المریدین۔ حضرت عمر بن محمد بن عبدالحکیم معروف ابو حفص قیام اللیل والتہجد۔ حضرت ابوالسری منصور بن عماد مجالس۔ حضرت شاہ شجاع کرمانی م270ھ مرآۃ الحکما۔ حضرت ابوسعید احمد بن عیسیٰ خراز م277ھ۔۔۔۔ ابو جعفر محمد بن حسین برجلانی کتاب الصحبت، کتاب المتیمین، کتاب وجود الکرم، کتاب البصر، کتاب الطاعۃ۔ حضرت عبیداللہ بن محمد معروف بہ ابن الدنیا م280ھ مکائد الشیطان، کتاب الاخلاق، کتاب التقویٰ کتاب المکارم الاخلاق۔ حضرت ابوحمزہ صوفی م289ھ کتاب المتیمین من السیاح والعباد المصوفین، حضرت ابوعبداللہ عمرو بن عثمان مکی م291ھ کتاب المحبت حضرت ابواسحاق ابراہیم بھن احمد خواص م291ھ حضرت محمد بن یحییٰ المعروف ہشام القادری م292ھ کتاب التوکل۔ حضرت ابوالحسین احمد بن محمد بن عبدالصمد نوری م295ھ۔

حضرت ابوالقاسم جنید بن محمد بن جنید م297ھ کتاب امثال القرآن، کتاب الرسائل، تصحیح الارادہ۔ حضرت ابوعثمان سعید بن اسماعیل رازی م298ھ حضرت شیخ ابن جنید بغدادی۔ کتاب الخوف، کتاب الورع، کتاب الرہبان، کتاب المحبت۔ حضرت ابو محمد رویم بن محمد م303ھ غلط الواجدین حضرت ابویعقوب یوسف بن حمدان سوسی۔۔۔۔ حضرت ابویعقوب اسحاق بن محمد بن ایوب نہر جوری م303ھ ۔۔۔۔ حضرت ابوعبداللہ ہیکل القرشی م305ھ۔۔۔۔ حضرت ابوالعباس احمد بن عطام 309ھ۔ حضرت حسین بن منصور حلاج م309ھ طواسین الازل، علم البقاد والفنا، کتاب الیقین، کتاب التوحید (پچاس سے زیادہ کتابیں لکھیں) حضرت ابو محمد الحسن بن محمد جریری م311ھ۔۔۔۔ حضرت ابوعبداللہ محمد بن الفضل بلخی م319ھ۔ حضرت ابوعبداللہ محمد بن علی ترمذی م318ھ ختم ولایت، کتاب النہج نوادر الاصول، حکایات عراقیاں، تاریخ المشائخ۔ حضرت ابوعلی جوزجانی۔ حضرت ابوبکر محمد بن موسیٰ واسطی م320ھ۔ حضرت ابوالعباس قاسم بن مہدی سیاری۔ حضرت ابوعلی رودباری م322ھ۔ حضرت ابوعبداللہ محمد بن علی الکتانی 322ھ۔ حضرت ابوالحسن علی بن احمد مصری م328ھ کتاب الکبیر۔ حضرت ابوبکر شبلی ولف بن جحدر م334ھ۔ حضرت ابوعمر عبداللہ بن محمد اطا کی حضرت ابوعبداللہ احمد بن عاصم انطاکی۔ حضرت ابوحاتم البستی روضۃ العقلا۔ حضرت محمد بن عبدالجبار النفری م354ھ کتاب المواقفت، کتاب المخاطبات۔ حضرت ابوالقاسم بن اسحاق بن محمد حکیم سمرقندی۔ حضرت عبداللہ بن محمد بن یحییٰ ابونصر سراج م378ھ کتاب اللمع فی تصوف۔ حضرت سہل بن عبداللہ تستری م383ھ دقائق المحبین، مواعظ العارفین۔ حضرت ابوبکر محمد بن ابراہیم بخاری کلاباذی م385ھ و کتاب التصرف۔ حضرت ابوطالب المکی م386ھ قوت القلوب حضرت ابواللیث نصر بن محمد سمرقندی م393ھ بستان العارفین۔ حضرت عبدالرحمٰن محمد بن الحسین السلمی م416ھ طبقات الصوفیہ، کتاب السماع، تاریخ اہل صفہ۔ حضرت ابونعیم الاصفہانی م430ھ حلیۃ الاولیاء حضرت ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری 465ھ

رسالہ قشیریہ۔ حضرت ابوجعفر محمد بن المصباح صیدلانی۔

گزشتہ اوراق میں پہلی تا پانچویں صدی ہجری تک کے سیاسی، معاشرتی اور مذہبی حالات کا مختصر جائزہ اس لیے پیش کیا ہے کہ حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات اور آپ کی کوہ گراں شخصیت کو سمجھنے میں آسانی ہو اور اندازہ لگایا جاسکے کہ کن کٹھن حالات میں اس مرد درویش نے تبلیغ دین کا فریضہ سرانجام دیا۔

ماخذ:

حضرت سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی کے بارے میں دو بنیادی اہم ماخذ ہیں۔ ایک ان کی اپنی تصنیف ''کشف المحجوب'' دوسرے ان کے جانشین وخلیفہ حضرت عبداللہ المعروف شیخ ہندی قدس سرہ کا خانوادہ جو حضرت کی زندگی سے اب تک تقریباً ساڑھے نو سو برس سے حضرت کی زندگی اور آپ کی دینی وملی خدمات کا سینہ بسینہ امین چلا آ رہا ہے۔ ماضی کے اکثر تذکرہ نگاروں اور محققین نے حضرت شیخ ہندی رحمۃ اللہ علیہ کے مستقیم اخلاف کی معلومات سے استفادہ کیا ہے۔

حضرت شیخ ہندی رحمۃ اللہ علیہ:

رائے راجو کا سورج بنسی کشتری راجپوت خاندان سے تعلق تھا۔ خاندانی حرب وضرب کے خصائل کے علاوہ علم نجوم، ریاضی اور مذہبی علوم میں ایک ممتاز مقام رکھتا تھا اور عبادت وریاضت کے سبب استدراجی قوت کا مالک تھا۔ ان تمام اوصاف کے باوجود توحید سے ناآشنا تھا۔ حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں حلقہ بگوش اسلام ہونے والا یہ پہلا ہندو راجپوت تھا۔ قبول اسلام کے بعد حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کا نام رائے راجو کی بجائے عبداللہ رکھا اور آپ کی ظاہری، باطنی تربیت فرمائی۔ حضرت عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کی اپنے مرشد کی ہمہ وقت خدمت گزاری اور عبادت وریاضت کے باعث داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو شیخ ہندی کے لقب سے سرفراز فرمایا اور آپ ہی حضرت کے جانشین وخلیفہ مجاز ہوئے اور آپ کی اولاد آج تک سجادہ نشین چلی آ رہی ہے۔

تبرکات گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ:

تبرکات میں حضرت کی تعمیر کردہ مسجد کا چوبی دروازہ، اس درخت کے ٹکڑے جس سے آپ اکثر ٹیک لگا کر تشریف فرما ہوتے، جبہ دستار مبارک، آپ کے استعمال کردہ چند برتن اور دیگر کئی تبرکات کے علاوہ قدیم نادر ونایاب قرآن حکیم، تصوف، احادیث اور دیگر دینی کتب کے قلمی نسخے موجود تھے۔ اس کے علاوہ حضرت کے جانشین وخلیفہ حضرت عبداللہ المعروف شیخ ہندی اور ان کے خانوادہ کے بزرگوں کے تبرکات بھی محفوظ تھے۔

1960ء میں محکمہ اوقاف نے درگاہ عالیہ کو اپنی تحویل میں لینے کے بعد ان تبرکات اور قلمی نسخوں کا ذخیرہ دریائے راوی میں غرق کر دیا۔ بعد ازاں درخت کی لکڑی کا بطور ایندھن استعمال شروع کر دیا۔ اطلاع ملنے پر یکے از سجادہ نشینان نے یہ لکڑی اوقاف کے ملازمین سے خرید کر اپنے پاس محفوظ کر لی جو آج بھی موجود ہے۔

''گنج بخش اور ان کا عہد'' صفحہ نمبر 38 میں خالد محمود لکھتے ہیں کہ

> ''افسوس کہ یہ بیش بہا تاریخی ذخیرہ بعض نااہل سرکاری (اوقاف) ملازموں کی نالائقی سے ضائع ہو چکا ہے۔ جب محکمہ اوقاف نے داتا صاحب کے مزار کو اپنی تحویل میں لیا تو کسی نالائق افسر نے یہ سارے قلمی نسخے بوریوں میں باندھ کر راوی میں بہا دینے کے لیے بھیج دیے تاہم بعض اجزا دریا برد ہونے سے بچ گئے اور نوادر کے شیدائی فقیر مغیث الدین مرحوم کے ہاتھ لگ گئے اور یوں محفوظ ہو گئے۔ مرحوم نے اس تاریخی خزانے کے اتلاف کی کہانی چشم نم سنائی اور بچے ہوئے اجزاء دکھائے جس میں ایک تو یقیناً اکبری عہد کی خطاطی کا نمونہ ہے۔ اگر یہ خزانہ نالائق اہلکاروں (ملازمین اوقاف) کے ہاتھ نہ لگتا تو آج دارالقرآن میں سجا ہوتا''۔

احوال وآثار، نام ونسب:

نام نامی اسم گرامی علی بن عثمان بن علی ہے۔ آپ نے کشف المحجوب کے آغاز میں اپنا نام ابوالحسن علی بن عثمان بن علی الجلابی الہجویری الغزنوی تحریر فرمایا ہے۔ آپ حسنی سید تھے۔ ولادت شہر غزنی میں ہوئی بچپن اس شہر کے دو محلوں میں گزرا ایک ہجویر جہاں آپ کا ننھیال تھا دوسرا جلاب جہاں آپ کا ددھیال تھا۔

دارا شکوہ سفینۃ الاولیاء میں لکھتا ہے ''حضرت غزنی کے رہنے والے تھے، جلاب اور ہجویر غزنی کے دو محلے تھے۔ پہلے جلاب میں قیام پذیر تھے پھر ہجویر میں منتقل ہو گئے۔ ان کے والد گرامی کی قبر غزنی میں ہے۔۔۔۔۔ والدہ ماجدہ کی قبر بھی پیر علی ہجویری کے ماموں تاج الاولیاء

کے مزار سے متصل ہے آپ کا خانوادہ زہد وتقویٰ کے لیے مشہور تھا۔ یہ عاجز (داراشکوہ) بھی آپ کے روضہ (لاہور) اور آپ کے والدین اور ماموں کے مزارات پر حاضری دے چکا ہے۔

راقم الحروف کے والدہ ستودہ صفات حضرت شیخ احمد دین رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے دنیا اسلام کے بیشتر ممالک کی سیاحت فرمائی تھی۔ حجاز مقدس، بغداد اور افغانستان تو ان کا اکثر آنا جانا رہتا تھا۔ انہوں نے بار ہا فرمایا کہ "غزنی میں حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے والدین اور ان کے خانوادہ کی قبور موجود ہیں اور مجھے کئی بار زیارت کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ بر بار تلاش بسیار کے باوجود آپ کے خانوادہ کے کسی فرد کی اب غزنی یا گردونواح میں موجودگی نہیں پائی گئی۔"

کنیت:

آپ کی کنیت ابوالحسن یقیناً صفاتی ہے۔ اس لیے کہ آپ کی کوئی صلبی اولاد نہ تھی۔ پشت ہا پشت سے اس بات کی تصدیق ہمارے بزرگ کرتے چلے آرہے ہیں۔ حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ خود بھی اکلوتی اولاد تھے اور ان کی کوئی حقیقی اولاد نہ تھی۔

شجرہ و نسب:

"حضرت سید علی ہجویری بن حضرت سید عثمان بن حضرت سید علی بن حضرت سید عبدالرحمٰن بن حضرت سید عبداللہ (شاہ شجاع) بن حضرت سید ابوالحسن بن حضرت سید حسن (اصغر) بن حضرت سید زید رحمۃ اللہ علیہم بن حضرت امام حسن ؓ بن حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ۔"

مسلک شریعت و طریقت:

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ شریعت میں سنی حنفی المذہب تھے اور طریقت میں مسلک جنیدیہ کے متبع تھے۔ آپ کا شجرہ طریقت بس واسطوں سے سید المرسلین ﷺ تک پہنچتا ہے حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی بیعت و خلافت شیخ ابوالفضل محمد بن الحسن ختلی سے، آپ کی حضرت شیخ حصری سے، آپ کی شیخ ابوبکر شبلی سے، آپ کی شیخ جنید بغدادی سے، آپ کی شیخ سری سقطی سے، آپ کی شیخ حبیب عجمی سے، آپ کی شیخ حسن بصری سے، آپ کی حضرت شیخ علی المرتضیٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے اور آپ کی بیعت و خلافت خواجہ کون ومکان، خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ سے تھی۔

حلیہ مبارک:

آپ کا قد میانہ جسم سڈول اور گٹھا ہوا تھا۔ جسم کی ہڈیاں مضبوط اور بڑی تھیں۔ فراخ سینہ اور ہاتھ پاؤں مناسب تھے۔ چہرہ زیادہ گول تھا نہ لمبا۔ سرخ وسفید چمکدار رنگت تھی۔ کشادہ جبیں اور بال سیاہ گھنے تھے۔ بڑی اور غلافی آنکھوں پر خمدار گھنی ابروتھیں۔ ستواں ناک، درمیانے ہونٹ اور رخسار بھرے ہوئے تھے چوڑے اور مضبوط شانوں پر اٹھتی ہوئی گردن تھی۔ ریش مبارک گھنی تھی۔ آپ بڑے جاذب نظر اور پرکشش تھے۔

لباس:

حضرت تن ڈھانپنے کے لیے کسی خاص وضع قطع کے لباس کا تکلف نہ فرماتے تھے بلکہ جو میسر آتا پہن لیتے تھے۔ لباس کے بارے میں اپنی پسند کے متعلق خود فرماتے ہیں۔

"ایک طبقہ ایسا بھی ہے جس نے لباس کے بارے میں تکلف نہیں کیا۔ اگر رب تعالیٰ نے انہیں گدڑی دی، زیب تن کر لی اگر قبا دی تو پہن لی اور اگر برہنہ رکھا تو برہنگی میں بھی صبر و شکر کیا۔ میں نے اسی مسلک اعتدال کو اختیار کر رکھا ہے اور لباس کے سلسلہ میں مجھے یہی طریقہ پسند ہے"۔

ارادت و خلافت:

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی ارادت و خلافت حضرت ابوالفضل محمد بن الحسن ختلی رحمۃ اللہ علی سے تھی۔ اپنے مرشد کے بارے میں رقمطراز ہیں:

"وہ صوفیاء متاخرین میں سے تھے۔ اولیاء کی زینت اور عابدوں کے شیخ ابوالفضل محمد بن الحسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ طریقت میں میری بیعت ان سے ہے۔ علم تفسیر اور حدیث کے عالم تھے اور تصوف میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک پر تھے۔ حضرت حصری رحمۃ اللہ علیہ ہمراز و مرید تھے۔ ابوعمر قزوینی اور ابوالحسن سالبہ کے ہمعصر تھے۔ ساٹھ سال تک پہاڑوں میں گوشہ نشین رہے تاکہ خلقت سے دور رہیں۔ ان کا زیادہ تر قیام کو لکام میں رہا۔ طویل عمر پائی۔ ان کی ولایت کی علامتیں واضح اور روشن تھیں لیکن صوفیاء کی رسوم اور لباس کے پابند نہ تھے اور رسوم ورواج کے اسیر صوفیاء سے درشتی سے پیش آتے تھے۔ میں نے ان سے زیادہ

بارعب اور پروقار اللہ والا بزرگ نہیں دیکھا۔

ولادت:

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی سال ولادت کے بارے میں متعدد روایات ہیں۔ البتہ راقم الحروف کے بزرگوں کی روایت کے مطابق آپ 400ھ میں پیدا ہوئے۔ محققین اور تذکرہ نگاروں کی آراء مندرجہ ذیل ہیں:

''آپ کی پیدائش دسویں صدی عیسوی کے آخر یا گیارہویں صدی عیسوی کے ابتدائی عشرے میں ہوئی''۔

(آر۔اے۔نکلسن، انگریزی ترجمہ کشف المحجوب، ص ۱ دیباچہ)

''آپ کی ولادت ماہ ربیع الاول 373ھ میں ہوئی۔ (حافظ عبداللہ فاروقی، مصباح الحق صدیقی، حیات وتعلیمات حضرت داتا گنج بخش انگریزی، ص ۱ تا 138)

''شیخ علی ہجویری داتا گنج بخش کے نام سے زیادہ مشہور ہیں وہ 1009ء کے قریب پیدا ہوئے''۔

(شیخ محمد اکرم، آب کوثر، ص 76)

''آپ 400ھ کے نواح یعنی پانچویں صدی کے عین آغاز میں پیدا ہوئے''۔ (سید ہاشمی فرید آبادی، ماثر لاہور، ص 191)

''آپ کی ولادت صدی کے شروع میں ہوئی ہوگی''۔ (ڈاکٹر محمد شفیع مولوی، مقالات دینی وعلمی، جلد 1، ص 223)

''بعض لوگوں نے ان کی پیدائش کا سال 400ھ لکھا ہے لیکن اس کو یقینی نہیں کہا جا سکتا''۔

(معین الحق ڈاکٹر، معاشرتی وعلمی تاریخ، ص 21)

''آپ کی ولادت 400ھ/1010ء میں ہوئی'' (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد 9 ص 91، جامعہ پنجاب لاہور)

جن تذکرہ نگاروں نے سال ولادت 400ھ سے اتفاق کیا یا قرار دیا مندرجہ ذیل ہیں:

محمد دین فوق (داتا گنج بخش)، صباح الدین عبدالرحمٰن (بزم صوفیہ)، غلام جیلانی مخدوم (سیرت گنج بخش)، سید محمود احمد رضوی (ہفت روزہ رضوان داتا گنج بخش نمبر اکتوبر 1952ء)

مؤرخ لاہور میں محمد دین کلیم قادری (مدینۃ الاولیاء) محمد مسعود کھدر پوش (گنج بخش)، علامہ عالم فقری (گلزار صوفیاء)، محمد نصیب (صاحب وقت)، محمد منیر قریشی (پیر کامل) سلیم حسن مرزا (حضرت داتا گنج بخش)، اے جی سکندر شیخ (مقام فقر حضرت داتا گنج بخش)، پروفیسر طفیل سالک (داتا گنج بخش)، پروفیسر غلام سرور رانا (حضرت داتا گنج بخش)، بشیر احمد سعدی (داتا گنج بخش، دس ولی)، خالد محمود (داتا گنج بخش اور ان کا عہد)

تعلیم وتربیت:

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں عصر حاضر کی طرح علم وہنر کی تعلیم وتربیت کے لیے باقاعدہ مکاتب اور ادارے عام نہ تھے اور نہ ہی تدریس کا کوئی نصاب رائج تھا۔ محض مساجد میں قرآن ناظرہ پڑھایا جاتا تھا۔ وسایل ومسائل کے اعتبار سے دور حاضر کی طرح ہر کہ ومہ کے لیے علم حاصل کرنا ممکن نہ تھا۔ طالب علم خود سعی وکوشش کرتا اور دور ونزدیک کے فاضل اہل علم وفن کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی پیاس بجھاتا۔ آپ کی ابتدائی تعلیم وتربیت آپ کے نامور علمی گھرانے میں ہوئی۔

صحبت وسیاحت اور اساتذہ:

جب آپ لائق سفر ہوئے تو دنیائے اسلام کے بیشتر ممالک کی سیاحت فرمائی۔ اپنے دور کے اساتذہ، علماء اور مشائخ کبار کی صحبت سے کسب فیض کیا اور علم وعرفان کے موتی اکٹھے کیے۔

اساتذہ:

حضرت ابوالعباس بن محمد شقانی (اشقانی 479ء) (کشف تہران 537,513,259,210,189)

حضرت ابوالقاسم بن علی بن عبداللہ گرگانی 464ھ (کشف تہران 141,28,189,,205,287,401439)، حضرت ابوجعفر محمد بن مصباح صید لانی (کشف تہران 214, 334)، حضرت ابو سعید ابو الخیر فضل اللہ بن محمد المیہنی 440ھ (کشف تہران، 2122,204,189,128,26,24,450,323,301)، حضرت ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی 460ھ (کشف تہران 208,357) حضرت ابوعبداللہ محمد بن علی الداخستانی (کشف تہران 205)

ہم عصر مشائخ وصوفیاء:

سید ہجویر فرماتے ہیں:

''اہل رسم کو چھوڑ کر اپنے عہد کے فقط ان صوفیاء ومشائخ کے حالات لکھتا ہوں جو ارباب معانی اور محرم اسرار ربانی ہیں''۔

صوفیاء غزنی:

حضرت ابوالفضل بن اسد، حضرت اسماعیل الشاستی، حضرت شیخ سالار طبری، حضرت ابوعبداللہ محمد بن الحکیم المعروف بہ مرید، حضرت سعید بن ابی سعید العیار، حضرت ابوالعلا عبدالرحیم ابن احمد سعدی، حضرت اوحد قسورہ بن محمد گردیزی رحمۃ اللہ علیہم (کشف تہران 217)

صوفیاء قہستان، آذربائیجان، طبرستان اور کمش:

حضرت ابوظاہر مکشوف، حضرت خواجہ حسین سمنانی، حضرت شیخ سہلکی، احمد بن شیخ خرقانی، حضرت ادیب کمندی، حضرت شیخ ابوعبداللہ جنید، حضرت یاوشاہ تانب، حضرت شیخ شفیق فرج (فرخ) معروف بہ اقی زنجانی رحمۃ اللہ علیہم (کشف تہران 215)

صوفیاء فارس:

حضرت ابوالحسن سالبہ، حضرت ابوطالب، حضرت ابواسحاق رحمۃ اللہ علیہم (کشف تہران 215)

صوفیاء خراسان:

حضرت ابوالعباس سرمغانی، حضرت ابوجعفر محمد بن علی الجوبی (الجواری)، حضرت ابوجعفر ترشیزی، خواجہ محمود نیشاپوری، حضرت محمد معشوق، حضرت سید مظفر ابن شیخ ابوسعید، حضرت احمد حماد سرخسی، حضرت احمد بخار سمرقندی، حضرت ابوالحسن علی ابن ابی علی الاسود رحمۃ اللہ علیہم (کشف تہران 216) سید ہجویر نے خراسان میں تین صد مشائخ وصوفیاء سے ملاقات فرمائی۔

صوفیاء ماوراالنہر:

حضرت ابوجعفر محمد بن الحسین الحرمی، حضرت ابومحمد باشغری، حضرت محمد ایلاقی، خواجہ عارف، حضرت علی ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہم (کشف تہران 216,215)

صوفیاء شام وعراق:

حضرت زکی بن علاء، حضرت ابوجعفر محمد بن المصباح الصیدلانی، حضرت ابوالقاسم سدی رحمۃ اللہ علیہم (کشف تہران 215,214)

کشف المحجوب میں دوران سیاحت مختلف جگہوں پر متذکرہ بالا بزرگوں سے ملاقاتیں اور زیارت قبور کا ذکر موجود ہے۔

ازدواجی زندگی:

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی ازدواجی زندگی کے بارے میں محققین اور تذکرہ نگاروں کی رائے مختلف ہے۔ حالانکہ تقریباً سب نے کشف المحجوب میں رقم مندرجہ ذیل عبارت کو بطور سند پیش کیا ہے اور اسی ایک عبارت سے آپ کی ازدواجی زندگی کے متعلق مختلف نتائج اخذ کئے ہیں۔

''حق تعالیٰ نے مجھے گیارہ سال تک نکاح کی آفت سے محفوظ رکھا لیکن اس فتنے میں مبتلا ہونا مقدر میں تھا۔ میں بن دیکھے اس کی صفات جو مجھ سے بیان کی گئیں انہیں سن کر میرا ظاہر اور باطن اس کا اسیر ہو گیا اور میں ایک سال تک اس کے خیال میں مستغرق رہا۔ نزدیک تھا کہ میرا دین تباہ ہو جاتا اللہ تعالیٰ نے کمال لطف اور فضل تمام سے میرے دل بیچارہ کو عصمت عطا کی اور اپنی رحمت سے خلاصی عنایت فرمائی''۔

محققین اور تذکرہ نگاروں کی رائے:

'ازدواجی زندگی کے متعلق ان کا تجربہ بہت مختصر اور ناخوشگوار تھا''۔ (دیباچہ کشف المحجوب، انگریزی ترجمہ: 10، پروفیسر نکلسن)

''تعلقات زناشوئی سے پاک رہے'' (بزم صوفیہ: 7، سید صباح الدین عبدالرحمٰن)

''قید ازدواج سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ آزادی رہی'' (تصوف اسلام: 47، عبدالماجد دریا آبادی)

''آپ کی پہلی شادی بھی والدین کی موجودگی میں ہوئی تھی اور دوسری شادی بھی ان کی موجودگی بلکہ یقیناً ان ہی کے اصرار سے ہوئی ہوگی''۔ (داتا گنج بخش: 130، محمد دین فوق)

''شادی کے متعلق ان کو جو معاملہ پیش آیا وہ خوش آئند ثابت نہ ہوا'' (مقدمہ کشف المحجوب: 3، مولوی محمد شفیع)

''حضرت نے ایک شادی کی تھی۔۔۔دوسری شادی کا افسانہ محض اختراع طبع ہے۔''

(پیش لفظ کشف المحجوب اردو ترجمہ حکیم محمد موسیٰ)

''آپ نے ایک شادی کی اور جب کچھ مدت کے بعد ان سے مفارقت ہوگئی تو پھر آپ نے تازیست دوسری شادی نہیں کی۔''

(دیباچہ کشف المحجوب اردو ترجمہ:11، شمس بریلوی)

''قید ازدواج سے ہمیشہ آزادی رہی'' (سیر ت گنج بخش:11، غلام جیلانی مخدوم)

''جناب سید ہجویری نے شادی نہیں کی اور ساری زندگی تجرد میں گزاری۔'' (پاکستان میں فارسی ادب:123:1، ڈاکٹر ظہور دین احمد)

''داتا صاحب نے جہاں تک معلوم ہے شادی نہیں کی، تجرد میں عمر گزاری۔'' (مآثر لاہور:204، سید ہاشمی فرید آبادی)

''آپ چونکہ اپنی عمر کا بیشتر حصہ سفر اور مسافرت میں رہے اس لیے آپ نے شادی نہیں کی بلکہ تجرد کی زندگی گزاری۔''

(اردو ترجمہ کشف المحجوب:42، میاں طفیل محمد)

''داتا صاحب نے شادی کی تھی مگر نامعلوم وجوہ کی بناء پر متاہلی زندگی سے آزاد ہوگئے۔''

(داتا گنج بخش اور ان کا عہد:22، خالد محمود)

''حضرت علی ہجویری نے دو نکاح کیے''۔ (گلزار صوفیاء:62، عالم فقری)

''آپ نے صرف ایک ہی شادی کی تھی اور اس کی وفات کے بعد آپ نے تادم وصال دوسری شادی نہیں فرمائی''۔ داتا گنج بخش:28، محمد دین کلیم)

''نکلسن کا یہ خیال کہ حضرت علی ہجویری نے شادی کی ہوگی دور از قیاس ہے''۔

(حیات وتعلیمات حضرت داتا گنج بخش:25، پروفیسر عبدالرشید)

''وہ غیر شادی شدہ رہے'' (حیات وتعلیمات حضرت داتا گنج بخش انگریزی:26، پروفیسر مقبول بیگ بدخشانی)۔

''حضرت ہجویری نے اپنے لیے راہِ تجرید ہی منتخب فرمائی اور ساری زندگی اس پر کاربند رہے''۔ (سید ہجویر:205، متین ہاشمی)

تزویج وتجرید کے بارے میں مدلل بحث کرنے کے بعد حضرت علی ہجویری کا اپنا قول یہ ہے کہ:

''بندہ کی ہلاکت نکاح کرنے یا مجرد رہنے میں نہیں بلکہ ہلاکت خواہش نفسانی کی پیروی اور اپنے اختیار کا ناجائز استعمال کرنے میں ہے۔''

ہماری خاندانی روایت کے مطابق حضرت سید علی ہجویری کا نکاح اوائل عمر میں اپنے والدین کی منشا کے مطابق ہوا۔ قضاء الٰہی سے تھوڑے عرصہ بعد اہلیہ محترمہ کا وصال ہوگیا۔ اس کے بعد آپ نے ساری زندگی مجردانہ گزاری۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے راقم کے جد اعلیٰ حضرت عبداللہ المعروف شیخ (رائے راجو) کو حلقہ بگوش اسلام کرنے کے بعد کبر سنی کے باوجود ان کا نکاح ایک پاکیزہ صفات خاتون سے کروایا۔ اس نکاح کے بعد حضرت شیخ ہندی رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ نسب قائم ہوا۔ اگر حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نکاح کو محض آفت سمجھتے تو اپنے خلیفہ وجانشین کو نکاح کرنے کی بجائے مجرد رہنے کی تلقین فرماتے جبکہ حضرت شیخ ہندی رحمۃ اللہ علیہ عمر کے اس حصہ میں تھے جس میں نکاح کی حاجت نہ تھی۔ حضرت سید علی ہجویری کی دعا سے اولاد نرینہ عطا ہوئی۔

وارد لاہور:

جب کوئی سالک طریقت سلوک کی منازل طے کرتا ہوا جلوت وخلوت میں تزکیہ نفس سے اپنی ذات کو فراموش کر دیتا ہے تو اسے معرفت الٰہی کا مقام حاصل ہو جاتا ہے اور قلب ونظر میں انقلاب برپا ہو جاتا ہے ایسے مقام پر متمکن ہونے پر بندے کا تعلق اپنے خالق حقیقی سے کسی حالت میں نہیں ٹوٹتا۔ اس کو مقام ولایت بھی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے مقرب بندوں کو ایک ظاہری مسکن عطا کرتا ہے جہاں وہ ہدایت و وحدت کی روشنی سے لوگوں کے قلب منور کرتے ہیں۔

سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ جب اس درجہ ولایت کو پہنچے تو رب تعالیٰ نے ان کو اہل ہند کے درمیان لاہور کے مقام پر متمکن فرمایا۔ یہ ہماری خوش بختی ہے کہ آج ہم اور اس خطہ ارض کی غالب اکثریت سرخیل اصفیاء حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی فروزاں کی ہوئی شمع وحدت کے پروانوں میں شامل ہیں۔ بحمداللہ مسلمان ہیں۔

آپ سلطان مسعود غزنوی کے دور میں وارد لاہور ہوئے۔ ان کے ہم اہ حضرت ابوسعید ہجویری اور حضرت حماد سرخسی رحمۃ اللہ علیہم تھے۔ اس وقت لاہور میں شہزادہ مجدود بن مسعود نائب السلطنت غزنویہ تھا اور لاہور ایاز کی سرپرستی میں پنجاب کے ایک مرکزی شہر کی حیثیت سے تعمیر

وتوسیع کے مراحل طے کر رہا تھا۔ سال ورود کا ٹھیک تعین مشکل ہے البتہ غالب قیاس یہی ہے کہ آپ 431ھ میں وارد لاہور ہوئے۔

''فوائد الفواد'' حضرت نظام الدین اولیاء متوفی 725ھ 1325ء کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ اسے آپ کے خلیفہ میر حسن علاء سنجری نے مرتب کیا۔

سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے وارد لاہور کے بارے ''فوائد الفواد'' میں 29 ذیقعدہ 708ھ/10 مئی 1309ء کی ایک مجلس کے حوالے سے یوں لکھا ہے کہ:

''شیخ علی ہجویری اور شیخ حسین زنجانی ایک مرشد سے بیعت تھے۔ شیخ حسین زنجانی مدت سے لاہور میں فروکش تھے۔ ایک روز مرشد نے شیخ علی کو لاہور جانے کا حکم دیا۔ انہوں نے ''شیخ علی'' سے کہا وہاں تو زنجانی موجود ہیں۔ پھر ارشاد ہوا کہ تم جاؤ، چنانچہ وہ روانہ ہو گئے رات کے وقت لاہور پہنچے۔ اسی رات حسین زنجانی کا انتقال ہوا اور صبح ان کا جنازہ اٹھایا گیا''۔

(۱) مرشد کا حکم اور پھر اصرار کے ساتھ سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کو لاہور بھیجنا۔

(۲) سید علی ہجویری کا رات کے وقت لاہور پہنچنا اور اسی رات حسین زنجانی کا انتقال فرما جانا۔

یہ دونوں نقطے مرشد کی نظر رساں کو ظاہر کرتے ہیں اور اس واقعہ کو معمولی نہیں سمجھا جا سکتا۔ اس سے مرشد کے حکم اور اصرار کی اہمیت واضح ہوتی ہے کہ لاہور کی مسند رشد و ہدایت کو خالی نہ چھوڑا جائے اور فوری دوسرے خلیفہ سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کو بھیجا جائے۔ سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ جیسے دانا و بینا صوفی اس واقعہ کو محض اتفاق سمجھ کر نظر انداز نہ کر سکتے تھے۔ کشف المحجوب کا ورق ورق گواہ ہے کہ اس میں مشائخ صوفیاء کے اقوال، کشف و کرامات کا ذکر موجود ہے پھر کیوں اپنے مرشد کی اس کرامت کا ذکر نہ کرتے جس کے شاہد آپ خود تھے۔ اس کے علاوہ حضرت حسین زنجانی کا ذکر کشف المحجوب میں کہیں موجود نہیں۔ حالانکہ تین صد اٹھاسی نفوس قدسیہ جن میں صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، متاخرین اور ہم عصر صوفیاء کرام کا خصوصی ذکر موجود ہے۔

حضرت شیخ حسین زنجانی بڑے جلیل القدر صوفی جو گزرے ہیں۔ ان کی بزرگی پر کوئی کلام نہیں۔ لیکن ان کے سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے پیر بھائی اور ہمعصر ہونے پر اکثر محققین و تذکرہ نگار حضرات کو شدید اختلاف ہے۔ اختلاف کا سبب مندرجہ ذیل اسباب ہیں۔

مستند و معتبر تاریخی کتب اور قدیم و جدید تذکرے اس بات کے گواہ ہیں کہ:

1۔ حضرت حسین زنجانی کا سال وفات 600ھ ہے۔ (ابوالفضل: آئین اکبری 207/3)

2۔ خواجہ معین الدین چشتی اور حضرت حسین زنجانی کی ملاقاتوں (588ھ) کا ذکر موجود ہے۔
(دارا شکوہ: سفینۃ الاولیاء، ص 93)

3۔ خواجہ اجمیر کی لاہور میں سید یعقوب زنجانی المعروف صدر دیوان میں بڑی محبت و الفت ہوگئی، سید یعقوب زنجانی کے مزار سے متصل خواجہ اجمیر کی نشست گاہ موجود ہے۔ (''خزینۃ الاصفیاء'' مفتی غلام سرور لاہوری)۔

''جن بزرگ کی قبر پر چلہ بیٹھتے ہیں اس بزرگ کی روح سے استمداد کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت (داتا گنج بخش) کی مزار کے جنوب رویہ اندرون چار دیواری مکان چلہ (حجرہ اعتکاف) حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا اب تک موجود ہے۔''
(ص 139 تحقیقات چشتی)

''حضرت حسین زنجانی، حضرت یعقوب زنجانی اور حضرت اسحاق زنجانی 557ھ میں وارد لاہور ہوئے'' (ص 238 تحقیقات چشتی)

وصیت مرشد:

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مرشد کی وصیت کا ذکر کشف المحجوب میں یوں کیا ہے:

''جس دن میرے مرشد کی وفات ہوئی اس وقت وہ بیت الجن میں تھے۔ یہ قصبہ بانیار اور دمشق کی درمیانی گھاٹی میں واقع ہے۔ وصال کے وقت آپ کا سر میری آغوش میں تھا اور اس وقت میرا دل انسانی فطرت کے مطابق ایک سچے دوست کی جدائی پر نہایت غمگین تھا۔ آپ نے مجھے وصیت فرمائی اے فرزند! میں تجھے اعتقادی مسئلہ بتاتا ہوں اگر تو اس پر عمل کرے گا تو سب تکالیف سے چھوٹ جائے گا۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لے کہ سب مقامات و حالات میں خدا تعالیٰ ہی نیک و بد پیدا کرتا ہے اس لیے اس کے کسی فعل پر معترض نہیں ہونا چاہیے اور نہ دل رنجیدہ کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ آپ نے کوئی نصیحت نہ فرمائی اور اپنی جان مالک حقیقی کے سپرد کر دی۔''

وصیت شیخ کے حوالے سے بھی لاہور کا کوئی ذکر موجود نہیں۔ ان شواہد سے اس بات کو تقویت پہنچتی ہے کہ فوائد الفواد کی روایت الحاقی ہے اور حضرت حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے پیر بھائی اور ہمعصر بزرگ نہ تھے۔

حضرت حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ (مدفون چاہ میراں) کو حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ سے والہانہ عقیدت تھی اس لیے وہ اکثر آپ کے مزار اقدس پر حاضری دیتے اور ہمارے اسلاف سے ملاقاتیں رہیں۔ حضرت حسین زنجانی کے وصال کے بعد بھی ہمارے بزرگ مزار حضرت زنجانی پر تواتر سے حاضری دیتے آرہے ہیں اور ہمارے ایک بزرگ شیخ محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ نے مزار حضرت زنجانی کے احاطہ میں ایک مسجد بھی تعمیر کرائی جو اب تک موجود ہے۔

خلفاء:

حضرت عبداللہ المعروف شیخ ہندی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے اصحاب ابوسعید ہجویری اور حماد سرخسی آپ کے خلفاء تھے۔ تقریباً ہزار سال سے شیخ ہندی قدس سرہ العزیز کی اولاد ہی آج تک درگاہ شریف کی متولی و سجادہ نشین چلی آرہی ہے۔

وصال:

جن محققین اور تذکرہ نگار حضرات نے سن وفات 465ھ سے اتفاق کیا ہے مندرجہ ذیل ہیں:

''مولانا جامی لاہوری قطعہ تاریخ 465ھ نظم کیا ہے۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی نے مآثر الکرام میں، گنیش داس وڈیرا نے چار باغ پنجاب میں۔ سامی بیگ نے قاموس الاعلام میں۔ صباح الدین عبدالرحمٰن نے بزم صوفیہ میں۔ امام بخش نے حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار میں۔ مفتی غلام سرور لاہوری نے تاریخ مخزن پنجاب اور خزینۃ الاصفیاء میں۔ رائے بہادر کنہیا لال نے تاریخ لاہور میں۔ شمس العلماء مولوی سید احمد دہلوی نے فرہنگ آصفیہ میں، مولانا عبدالماجد دریابادی نے تصوف اسلام میں۔ شمس العلماء سید عبداللطیف نے تاریخ لاہور (انگریزی) میں۔ اسماعیل پاشا بغدادی نے اسماء المصنفین میں۔ ملک الشعراء بہار نے سبک شناسی میں۔ رحمان علی نے تذکرہ علماء ہند میں۔ ہدایت حسین نے دائرۃ المعارف میں۔ محمد دین فوق نے سوانح عمری حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ میں۔ نور احمد چشتی نے تحقیقات چشتی میں۔ فقیر محمد جہلمی نے حدائق الحنفیہ میں۔ سید عبدالحئی حسنی نے نزہۃ الخواطر میں اور شیخ محمد اکرم نے آب کوثر میں۔ آپ کا سن وصال 465ھ درج کیا ہے''۔

دارا شکوہ نے سفینۃ الاولیاء میں 456ھ اور 464ھ۔ لعل بیگ لعلی نے ثمرات القدس میں 456ھ۔ ڈاکٹر قاسم غنی نے تاریخ تصوف در اسلام جلد دو میں 470ھ اور نکلسن نے 465ھ یا 469ھ کو سال وفات قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع نے مقالات دینی و علمی میں کشف المحجوب میں مذکور شیوخ کے اسماء سے استناد کرتے ہوئے جو کشف المحجوب کی تحریر کے وقت فوت ہو چکے تھے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ داتا صاحب 479ھ تک بقید حیات تھے۔ عبدالحئی حبیبی نے اورنٹیل کالج میگزین 1960ء میں اس استناد کو مزید آگے بڑھایا اور داخلی شہادتوں کے بنیاد پر لکھا ہے کہ حضرت داتا گنج بخش 481ھ سے 500ھ کے درمیان فوت ہوئے۔

ہماری خاندانی روایت کے مطابق آپ کا وصال 9 محرم الحرام 465ھ کو ہوا اور اسی دن ہر سال غسل کی تقریب ہوتی ہے۔ آپ کی وفات کے چالیسویں دن 19 صفر المظفر کو ہر سال عرس منعقد ہوتا ہے اور 20 صفر کو امام حسین کا عرس منایا جاتا ہے۔

سال ولادت و وصال میں اختلاف کے باوجود یہ بات یقینی ہے کہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا دور پانچویں صدی ہجری پر محیط ہے۔

مزار مبارک:

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے زندگی کے آخری ماہ و سال لاہور ہی میں گزارے اور چند روز کی علالت کے بعد خانقاہ میں اپنے حجرے میں وفات پائی۔ جہاں آپ کے خلیفہ حضرت شیخ ہندی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کو یہیں دفن کیا گیا۔ جہاں آج بھی آپ کا مزار مرجع خلائق ہے۔

کشف المحجوب:

کشف المحجوب کا تصوف کی کتابوں میں کیا مقام ہے یا ایک ہزار سال کے اہل علم نے انسانی عقائد و اخلاق کے ضمن میں اسے کیا اہمیت دی ہے؟ اس کا جائزہ لینے کے لئے کشف المحجوب کا دوسری کتب ہائے تصوف کے ساتھ تقابلی موازنہ کرنا پڑے گا نیز تصوف کی ہزار سالہ تاریخ پر سرسری نگاہ ڈالنا پڑے گی جس کی یہاں گنجائش نہیں خلاصہ کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ:

''سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اس کتاب میں عقلی اور فلسفیانہ پیچیدہ مباحث کے برعکس انتہائی سادہ اور قرآنی انداز میں

خالصتاً اسلام کی دعوت دی ہے۔ بڑے زور وشور اور جوش وخروش کے ساتھ شریعت وسنت کی حاکمیت کا غلغلہ برپا کیا ہے۔ وہ شریعت وسنت سے باہر عمل کے ایک معمولی قدم یا سوچ کی ایک ادنیٰ لکیر کا تصور تک نہیں کرتے''۔

کشف المحجوب خاص طور پر حقیقت کے متلاشی اور باہمت لوگوں کی راہنمائی کے لئے لکھی گئی ہے اور اس میں شریعت وطریقت میں توازن وہم آہنگی برقرار رکھنے کے لیے صوفیانہ عمل کی راہیں متعین کی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ کشف المحجوب کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو ذات باری تعالیٰ میں اس قدر فنا کردے کہ اس کا ہر فعل فعل خداوندی سے ظہور پذیر ہو اور اس کی اپنی حیثیت اس پتلی کی رہ جائے جیسے اس کا مالک ڈور کے ذریعے ہلا اور نچا رہا ہوتا ہے۔''

کشف المحجوب کا علمی مرتبہ:

کشف المحجوب علوم تصوف پر فارسی زبان کی وہ عظیم تصنیف ہے جسے تصوف کے آئین کا درجہ دیا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ یہ تصوف کے ارتقائی منازل کی ایسی پرتاثیر اور نادر کتاب ہے جو شریعت وطریقت کے قواعد وضوابط عارفانہ اسرار ورموز اور صوفیانہ فکر ونظر کے متعلق ہر دور میں عظیم تخلیق قرار دی گئی ہے۔ اس گنجینہ رشد وہدایت کے بارے میں حضرت نظام الدین محبوب الٰہی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ:

48: ''اگر کسی کا پیر نہ ہو تو وہ اس کتاب کا مطالعہ کرے تو اسے پیر مل جائے گا''۔

49: ''یہ مرشد کامل ہے اور تصوف کی کتابوں میں فارسی زبان میں اس خوبی کی کتاب تصنیف نہیں ہوئی''۔

50: ''یہ کتاب اس فن کی مشہور ومعتبر کتابوں میں سے ہے''۔

51: ''کشف المحجوب میں تصوف کی جو تعلیمات بتائی گئی ہیں وہ ہندوستان کے تمام صوفیاء کرام کے لیے مشعل ہدایت بنی رہیں۔ اسی لیے یہ کتاب تصوف کی انجیل اور زبور سمجھی جاتی ہے''۔

52: ''مولانا مودودی صاحب ہی سے سن رکھا تھا کہ اہل طریقت میں حضرت علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ایک صحیح الخیال اور بہت بلند مرتبہ بزرگ تھے جنہیں اس کوچہ کے سبھی لوگ مقتداء مانتے ہیں اور ان کی تصنیف کشف المحجوب اس فن میں سند کا درجہ رکھتی ہے''۔

53: ''کتاب کی حیثیت محض ایک مجموعہ روایات وحکایات کی نہیں بلکہ ایک مستند محققانہ تصنیف ہے''۔

54: ''ان کے ارشادات گرامی وافاضات عالی (کشف المحجوب) بجائے خود مرشد کامل کی حیثیت رکھتے ہیں''۔

55: ''اہل علم اور اہل باطن نے اس کتاب کی اہمیت وفضیلت کو تسلیم کیا ہے''۔

56: ''کشف المحجوب ایک ایسی صراط مستقیم دکھانے والی شمع جہالت شکن، ایمان افروز اور روح پرور کتاب ہے جس کے پڑھنے سے تشنہ طلب طالب حق علوم شریعت وطریقت سے سیراب اور شاد کام ہوتا ہے۔ اپنے تن من کو پاکیزہ وجلی اور منور محسوس کرتا ہے اور شکوک وشبہات کے پردے اٹھ جاتے ہیں۔ الغرض کشف المحجوب اولیاء متقدمین کے حالات بابرکات پر ایک مستند اور قابل قدر تذکرہ اور رشد وہدایت کا ایسا مرقع ہے جس کی افادیت ہر دور میں رہے گی''۔

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف کشف المحجوب میں خود رقمطراز ہیں کہ:

57: ''اے طالب راہ حقیقت! اللہ تعالیٰ دونوں جہانوں کی سعادت مندی نصیب فرمائے۔ جب تم (ابوسعید ہجویری) نے مجھے اپنے سوال کے ذریعے اس کتاب کی درخواست کی تو میں نے استخارہ کیا اور خود کو قلبی واردات اور باطنی القاء کے حوالے کر دیا جب استخارہ میں اذن الٰہی حاصل ہو گیا تو میں نے تمہاری مقصد برآری کی خاطر اس کتاب کے لکھنے کا مصمم ارادہ کر لیا اور اس نوشتہ کا نام ''کشف المحجوب'' رکھا۔ امید ہے ارباب فہم وبصیرت اس کتاب میں اپنے سوالات کا جواب علیٰ وجہ الکمال پائیں گے۔''

آداب صحبت کے باب میں فرماتے ہیں کہ:

''مشائخ صوفیاء رحم اللہ اسی وجہ سے پہلے صحبت ومصاحبت کرتے ہیں۔ پھر مرید کو تعلیم دیتے ہیں۔ اس پر مشائخ صوفیاء نے بحث صحبت میں بہت کتابیں تصنیف کی ہیں اور صحبت کی بحث کو واضح فرمایا ہے۔ حضرت جنید ؒ نے تصحیح الارادت کے نام سے، احمد بن خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ نے الرعایت حقوق اللہ کے نام سے اور محمد بن علی ترمذی نے آداب المریدین کے نام سے کتابیں تصنیف کی ہیں''۔

ابوالقاسم الحکیم اور ابوبکر وراق اور سہل بن عبداللہ اور ابوعبدالرحمٰن سلمی اور استاد ابوالقاسم قشیری رحم اللہ سب نے اس بحث میں کتابیں تصنیف کی ہیں اور یہ لوگ اس فن کے امام ہیں۔

''اس کتاب (کشف المحجوب) سے میرا مقصد یہ ہے کہ جس کے پاس یہ کتاب ہو اسے دوسری کتابوں میں حاجت نہ رہے۔ جیسا کہ میں اس کتاب کے مقدمہ میں اور تیسرے سوال کے جواب میں کہہ چکا ہوں۔ بہر حال یہ کتاب طالب طریقت کو کافی ہے''۔58

کشف المحجوب کے قلمی و مطبوعہ نسخے:

کشف المحجوب کا قدیم ترین مطبوعہ ایڈیشن وہ ہے جس کا ذکر اے جے آربری نے انڈیا آفس لائبریری کی کتابوں کی فہرست میں کیا ہے۔ ایل ایس ڈگن کی فہرست کے مطابق کشف المحجوب کے قلمی نسخے وی آنا، پیرس، برٹش میوزیم، لینن گراڈ یونیورسٹی، انڈیا آفس لائبریری لندن، تاشقند پبلک لائبریریز اکل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال برلن اور لاہور کے کتب خانوں میں موجود ہیں ان میں نو سو سال پرانا نسخہ بھی شامل ہے۔

کشف المحجوب کے قدیم ترین قلمی نسخوں کے سلسلے میں لاہور میں بھی بعض نادر نسخے موجود ہیں۔ وہ منقش قلمی نسخے پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں ہیں جن میں سے ایک پر 1265ھ درج ہے۔ اورنگزیب عالمگیر کے عہد کا ایک قلمی نسخہ بھی پبلک لائبریری لاہور میں ہے۔ ایک صحیح قلمی نسخہ میرے ماموں الحاج حضرت میاں محمد صدیق (مرحوم) کے از سجادہ نشین درگاہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے ذاتی کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ یہ وہ قدیم ترین فارسی نسخہ ہے جس کی سب سے پہلے نول کشور لکھنوی نے نقل کرائی اور طباعت کے بعد شائع کیا۔ ایک قدیم قلمی نسخہ شیخ نبی بخش (مرحوم) کے از سجادہ نشین حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے پاس موجود تھا جو رضا پبلی کیشنز لاہور نے طبع کروا کر شائع کیا ہے۔

کشف المحجوب کا انگریزی ترجمہ برطانوی عالم آر۔ اے نکلسن نے کیا تھا جسے 1911ء میں سٹیفن آسٹن اینڈ سنز لندن نے شائع کیا تھا۔ تیسری بار کشف المحجوب سمرقند میں شائع ہوئی۔ اس کو سید عبدالمجید مفتی نے 1330ء میں شائع کیا تھا۔ پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں سمرقندی نسخہ اہل ایس ڈگن کو افغانستان سے ملا تھا۔

کشف المحجوب کا مستند نسخہ روس میں شائع ہوا جسے روسی پروفیسر ژوکوفسکی نے مفصل دیباچہ شامل کیا۔ اس نسخے کی بنیاد وی آنا کی قومی لائبریری میں موجود ایک نسخہ پر ہے۔ پروفیسر ژوکوفسکی کے مطابق انہوں نے ایک ایسے نسخے کا بھی مطالعہ کیا جو گیارھویں صدی عیسوی کے شروع میں لکھا گیا اور اس کے علاوہ روسی پروفیسر نے تاشقند کی لائبریری میں گیارھویں صدی عیسوی میں شائع ہونے والے ایک اور نسخے سے بھی استفادہ کیا اور اسی نسخہ کی بنیاد پر ایران کے محمدی عباسی نے اور 1979ء کو کتاب خانہ طہوری تہران نے بھی قاسم انصاری کے مقدمہ کے ساتھ کشف المحجوب کا ایک انتہائی خوبصورت ایڈیشن شائع کیا۔

اردو ترجمے:

کشف المحجوب کے اس وقت تک تقریباً پچیس اردو ترجمے چھپ چکے ہیں اور بعض تراجم کے کئی کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ ان تراجم کی تفصیلات دینے کی یہاں گنجائش نہیں۔

عربی ترجمے:

کشف المحجوب کا عربی زبان میں پہلا ترجمہ شیخ تاج الدین سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ شہنشاہ جہانگیر کے دور میں کیا اور دوسرا جدید عربی ترجمہ ڈاکٹر اسماء عبدالہادی قندیل نے کیا ہے جو مکتبۃ الابرام التجاریہ کی طرف سے 1974ء میں طبع ہوا ہے۔ کشف المحجوب پر مقالہ تحریر کر کے ایک ایرانی دوست محمد حسین تسبیحی نے پنجاب یونیورسٹی شعبہ فارسی سے 1985ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ہے۔

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں ضروری سمجھا کشف المحجوب میں بطور سند قرآن مجید کی آیات کریمہ، احادیث مبارکہ اور صوفیاء مشائخ کے اقوال پیش کیے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

سورۃ البقرہ کی 36 آیات، سورۃ آل عمران کی 9 آیات، سورۃ النساء 3 آیات، سورۃ المائدہ کی 4 آیات، سورۃ الانعام کی 17 آیات، سورۃ الاعراف کی 11 آیات، سورۃ الانفال کی 7 آیات، سورۃ التوبہ کی 3 آیات، سورۃ یونس کی 3 آیات، سورۃ ہود کی 2 آیات، سورۃ یونس کی 3 آیات، سورۃ یوسف کی 5 آیات، سورۃ الرعد کی 2 آیات، سورۃ ابراہیم کی 2 آیات، سورۃ الحجر کی 3 آیات، سورۃ النحل کی 7 آیات، سورۃ الاسرار کی 7 آیات، سورۃ الکہف کی 4 آیات، سورۃ مریم کی 3 آیات، سورۃ طٰہٰ کی 6 آیات، سورۃ الانبیاء کی 2 آیات، سورۃ الحج کی 2 آیات، سورۃ المومنون کی 4 آیات، سورۃ النمل کی 5 آیات، سورۃ القصص کی 1 آیت، سورۃ العنکبوت کی 2 آیات، سورۃ لقمان کی 1 آیت، سورۃ السجدۃ کی 1 آیت، سورۃ الاحزاب کی 2 آیات، سورۃ الملائکہ کی 4 آیات، سورۃ یٰسین کی 1 آیت، سورۃ الصافات کی 1 آیت، سورۃ ص کی 4 آیات، سورۃ فصلت کی 3 آیات، سورۃ الشوریٰ کی 2 آیات، سورۃ الزخرف کی 2 آیات، سورۃ الدخان کی 1 آیت، سورۃ الجاثیہ کی 1 آیت، سورۃ محمد کی 4 آیات، سورۃ الفتح کی 2 آیات، سورۃ الحجرات کی 3 آیات، سورۃ ق کی 1 آیت، سورۃ

لذاریات کی 2 آیات، سورۃ الطور کی 2 آیات، سورۃ النجم کی 4 آیات، سورۃ القمر کی 1 آیت، سورۃ الرحمٰن کی 2 آیات، سورۃ الحدید کی 1 آیت، سورۃ المجادلہ کی 1 آیت، سورۃ الحشر کی 3 آیات، سورۃ الصف کی 1 آیت، سورۃ التحریم کی 1 آیت، سورۃ الملک کی 3 آیات، سورۃ الجن کی 3 آیات، سورۃ المزمل کی 3 آیات، سورۃ المدثر کی 1 آیت، سورۃ النازعات کی آیات، سورۃ المطففین کی 1 آیت، سورۃ الاعلیٰ کی 1 آیت، سورۃ الفجر کی 1 آیت، سورۃ الضحیٰ کی 1 آیت، سورۃ الانشرح کی 1 آیت، سورۃ العصر کی 1 آیت، سورۃ الاخلاص کی 1 آیت۔

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کریم کی ۷۲ بہتر سورتوں میں سے دو صد اکتیس آیات کریمہ کے حوالہ جات دیئے ہیں۔ آیاتِ کریمہ کا نمبر اس لیے نہیں دیا کہ ترجمہ میں یہ سہولت معہ ترجمہ موجود ہے۔

کشف المحجوب میں ایک سو اڑتیس احادیث مبارکہ اور مختلف صوفیاء و مشائخ کے تین سو باون اقوال زریں اور بیالیس عربی اشعار درج فرمائیں ہیں۔ اس کے علاوہ مشائخ و صوفیاء کی اکیس تصانیف کے حوالے بھی دیئے ہیں جن کی تفصیل گزشتہ اوراق میں لکھ چکا ہوں۔

نفوس قدسیہ صوفیاء و مشائخ کے اسماء مبارک جن کا ذکر آپ نے کشف المحجوب میں مختلف جگہوں پر رقم فرمایا ان کی تعداد تقریباً تین سو اٹھاسی ہے اور اکیس شہروں کا ذکر نام لے کر کیا ہے۔

پانچویں صدی ہجری تک مسلمانوں میں جتنے فرقے تھے یا گزر چکے تھے ان کا ذکر بھی تفصیل سے کیا ہے ان کی تعداد تقریباً پچاس کے لگ بھگ بتائی ہے۔

تقریباً دس صدیوں سے کشف المحجوب کو مستند تذکروں اور تصوف کی معتبر تصانیف کا ماخذ ہونے کا اور علماء، صوفیاء اور مشائخ کے لیے آئینی حیثیت کا شرف حاصل ہے۔ تقریباً کوئی بھی قابل ذکر کتاب تصوف کشف المحجوب کے ذکر سے خالی نہیں۔ جن بزرگوں نے کشف المحجوب سے استفادہ کیا ان کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ (م 627ھ) تذکرہ الاولیاء، (۲) مولانا جامی نفحات الانس، (۳) حضرت جہانگیر اشرف سمنانی (م 825ھ)، (۴) خواجہ نظام الدین اولیاء، (۵) حضرت یحییٰ منیری (م 182)، (۶) حضرت خواجہ محمد پارسا (822ھ) فصل الخطاب، (7) حضرت خواجہ بندہ گیسو دراز (م 825ھ)

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی دیگر تصانیف:

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی آخری تصنیف کشف المحجوب کے مطالعہ سے ان کی نو دیگر مندرجہ ذیل تصانیف کے نام معلوم ہوئے ہیں۔ مگر ان میں سے ایک بھی دستیاب نہیں۔

(۱) دیوان (۲) کتاب فنا و بقا (۳) اسرار الخرق والمؤنات (۴) الرعایت بحقوق اللہ تعالیٰ (۵) کتاب البیان لاہل العیان (۶) نحو القلوب (۷) منہاج الدین (۸) ایمان (۹) شرح کلام منصور۔

کشف الاسرار:

یہ بات کسی اہل علم سے مخفی نہیں کہ ہر دور میں لوگ مخصوص مفادات کی خاطر نامور لوگوں کے کلام میں حک و اضافہ یا کتابیں خود لکھ کر غلط طور پر ان سے منسوب کرتے رہے ہیں۔ اس قسم کے واقعات تاریخ میں بکثرت مل جاتے ہیں، خود حضرت سید علی ہجویری فرماتے ہیں کہ:

"میں نے علم تصوف میں اس سے قبل بکثرت کتابیں لکھی ہیں لیکن وہ سب کی سب ضائع ہو چکی ہیں اور جھوٹے دعویداروں نے ان کی بعض باتوں کو مخلوق خدا کا شکار کرنے کی خاطر چن لیا ہے اور باقی سب کو گم کر کے ان کا نام و نشاں مٹا دیا ہے چونکہ حاسدوں کا ہمیشہ یہی شیوہ رہا ہے۔"

ہماری تحقیق کے مطابق اس وقت دنیا میں کشف المحجوب کے سوا حضرت سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش کی گراں مایہ تصنیفات سے کوئی کتاب بھی موجود نہیں۔ زمانہ کی دستبرد نے آپ کی باقی تمام کتب ناپید کر دی ہیں البتہ کشف المحجوب اپنے مصنف کی عظمت اور مقام کی شہادت کے لئے ہر دور میں مشعل راہ کا کام دیتی رہی ہے۔

کشف الاسرار نام کی ایک کتاب کا تذکرہ آپ کی تصانیف کے مضامین میں ملتا ہے۔ اگرچہ کشف المحجوب میں اس کا ذکر نہیں، کشف الاسرار کا جب کشف المحجوب کے مضامین سے موازنہ کیا جاتا ہے تو پہلی نگاہ میں ہی کتاب فرضی معلوم ہوتی ہے۔ کشف المحجوب میں زبان و بیان کے علاوہ قاری کو جس سلاست، تبحر، آمد اور علمی و روحانی واردات سے سابقہ پڑتا ہے۔ کشف الاسرار میں کسی طور پر اس کی کوئی جھلک تک نہیں پائی جاتی۔ کشف الاسرار کی زبان عامیانہ لاہوری فارسی، غیر مرتب اور انتہائی نو آموز مصنف کی تحریر لگتی ہے۔ اس میں بعض باتیں

قابل اعتراض بھی ہیں۔ نیز کشف الاسرار میں کشف المحجوب کے تشنہ طلب موضوعات کی تشریح کا دعویٰ کیا گیا ہے جبکہ کشف الاسرار پڑھنے سے ایسی کوئی بات سامنے نہیں آتی بلکہ اس میں کشف المحجوب کے خالص علمی اور سنجیدہ مباحث کو چھیڑا تک نہیں گیا۔ ہمارے نزدیک اس کتاب کا انتساب حضرت سید علی ہجویری سے بالکل جعلی ہے۔ اگر اس نام کی کوئی تصنیف تھی تو دیگر کتب کی طرح ضائع ہو چکی ہے۔

☆☆☆

رحمۃ اللہ علیہ

سلطان العارفین سید علی ہجویری

پروفیسر غلام سرور رانا

حضرت مخدوم علی بن عثمان ہجویری المعروف بہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف کو غیر اسلامی اثرات و رسومات سے پاک کر کے ملت اسلامیہ کے فکر کو ایک نئی جہت اور تازہ جلا بخشی اور کمال وابستگی اور جانکاہی سے گمراہوں کو راہ ہدایت دکھائی اور ان کی دنیا و عاقبت کو سنوارنے میں مردانہ وار سعی و کاوش فرمائی جس سے امت مسلمہ کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق حاصل ہوئی جن کی مساعی جمیلہ سے برعظیم پاکستان و ہند اور بنگلہ دیش میں شمع اسلام منور ہوئی جن کی نورانیت سے لاکھوں نفوس قدسیہ فیضیاب ہوئے۔ آج بھی روحانی تسکین کے لئے اور اپنے دلوں کی ویران بستیوں کو آباد اور شاداب کرنے کے لئے شہر لاہور کا رخ کرتے ہیں۔

بادشاہوں نے تلواروں کے ساتھ لوگوں کے جسم فتح کئے، لیکن اس مرد حق نے کفر و ظلمت کے اس تاریک دور میں اپنے سوز باطنی سے ایمان و عرفان شمعیں جلا کر تاریک دلوں میں نور عرفان کے فانوس روشن کر دیئے اور اخلاق و کردار کی شمشیر سے ارواح پر سکہ جمایا اور وہ عظیم الشان کارہائے نمایاں سرانجام دیئے جن کی مثال نہیں ملتی۔ آپ نے اپنے قول و فعل سے حضور اکرم ﷺ کے اسوہ حسنہ کو عوام الناس کے سامنے پیش کیا۔

آپ کی خانقاہ نہ صرف علوم ظاہری کی یونیورسٹی بلکہ تہذیب الاخلاق اور تزکیہ نفس کی تربیت گاہ بھی تھی، جہاں ہر قسم کے جرائم میں ملوث اور اخلاقی کوتاہیوں کے مرتکب جب بھی آپ کی ذات اقدس کی خدمت میں آجاتے تو نگاہ فیض اثر سے ان کی کیفیت بدل جاتی، دل بدل جاتے اور ان کی کایا پلٹ جاتی۔ ان کے دکھوں کا مداوا ہو جاتا اور ان کے دلوں سے خلش دور ہو جاتی اور ظاہری و باطنی سکون سے مالا مال ہو جاتے۔

سید مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اگر ایک طرف روحانی بلندیوں اور عظمتوں پر فائز المرام ہیں تو دوسری طرف علم و عرفان کے اوج ثریا پر مقیم ہیں۔ آپ کو علم تفسیر، علم حدیث، علم فقہ، تاریخ، علم ادیان، فلسفہ، تصوف، منطق، کلام، عربی، فارسی زبان و ادب اور مختلف علوم و فنون پر اس حد تک مہارت و دسترس ہے کہ آپ کی معرکۃ الآرا تصنیف کشف المحجوب (جسے تصوف میں سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے) کا مطالعہ کرنے والا آپ کی علمی عظمتوں کا معترف ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آپ کی زندہ جاوید کتاب کے علمی مباحث میں ایک نظریہ تصوف ہے جس پر اس زیر نظر مضمون میں بحث کی جائے گی۔

اسلامی تصوف کے دو پہلو ہیں: ایک نظری اور ایک عملی، تصوف عملی درحقیقت سنت رسول مقبول ﷺ کی انتہائی خلوص کے ساتھ پیروی کا نام ہے۔ تصوف نظری، دراصل نہ صرف توحید پر صدق دل سے ایمان لانے، بلکہ علم الیقین کے ساتھ ساتھ عین الیقین اور حق الیقین بھی حاصل کرنے کی صورت ہے۔ حضرت ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف کی تعریف میں کہا تھا: ''تصوف یکسونگریستن و یکساں زیستن است'' دراصل انہوں نے انہی دو پہلوؤں کی طرف اشارہ کیا تھا۔

عملی تصوف ایک لحاظ سے حضور پرنور مجسم ﷺ کی حیات مبارکہ کے ظاہری پہلو یعنی نبوت سے متعلق ہے اور نظری تصوف آپ کی نبوت اقدس کے معنوی پہلو یعنی ولایت سے وابستہ ہے۔ دونوں ہی حضور ﷺ کی ذات اور صفات کے نور اقدس سے مقتبس تصوف کا ایک رخ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے اس رحمۃ للعلمین ختم المرسلین ﷺ کے نقش قدم سے وابستہ ہے جسے دشمن بھی صادق و امین مانتے تھے اور قرآن مجید فرقان حمید جس کے اسوہ حسنہ کی یوں گواہی دیتا ہے: ''انک لعلی خلق عظیم'' تصوف کا دوسرا رخ غار حرا الی مع اللہ اور قاب قوسین کا عکس ہے، جس کی حقیقت کا آئینہ حقیقت محمدیہ کنت کنزاً مخفیا اور لولاک لما خلقت الافلاک سے ضیاء حاصل کرتا ہے۔ تصوف عملی نے اخلاص فی العمل سے حقیقی پاکیزگی یعنی نفس، قلب اور روح کا سامان پیدا کیا اور تصوف نظری نے اہل حق کے قلوب میں عشق حق اور عشق رسول مقبول ﷺ کے چراغ روشن کئے۔ یہ چراغ یحبھم ویحبونہ اور قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ کی کرنوں سے منور ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''خاص بندگان الٰہی وہ ہیں جو زمین پر جھک کر چلتے ہیں اور جب جاہل انہیں چھیڑیں تو وہ بجائے جواب کے ان کو کہہ دیتے ہیں کہ اچھا خوش رہو۔''

اور حضور سرور ﷺ کا فرمان اقدس ہے۔ ''جس نے اہل تصوف کی آواز سن کر ان کی دعوت کو قبول نہ کیا، وہ اللہ کے نزدیک غافلوں میں لکھا گیا''۔

اس ضمن میں کشف المحجوب میں حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تین قسم کے علما سے دور رہنا چاہئے، جو درج ذیل ہیں ان کا یہ فرمان حیرت انگیز حقائق کی نشاندہی کے مترادف ہے۔

الف: غافل علماء جنہوں نے دنیا کو اپنے دل کا کعبہ، شریعت کو اپنے گھر کی لونڈی اور ظالم امرا کی بارگاہ کو محض جاہ و ثروت کی خاطر سجدہ گاہ بنا لیا ہے۔

ب: ریاکار فقرا سے جو فقط اغراض نفسانی سے جاہ وعزت کا طمع رکھتے ہیں اور بے بنیاد باتوں کی تعلیم دیتے ہیں۔ اصلی وہ فقیر ہے جسے کسی چیز کے نہ کھو جانے کا غم اور نہ کسی شے کے حاصل ہونے پر معمولی خوشی حاصل ہو۔ اس کی نگاہ فقر میں متاع دنیا کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔

ج: جاہل متصوف سے جس نے نہ تو کسی مرشد کی صحبت پائی اور نہ کسی استاد سے ادب سیکھا ہو اور یوں ہی نیلکوں لباس پہن کر اپنے آپ کو صوفی مشہور کر دیا ہو۔

د: امراء اور بادشاہوں کے ظلم وستم کا سبب بے علمی پر منحصر ہوتا ہے۔ علما، ہوس وطمع کا شکار اس وقت ہوتے ہیں، جب وہ بددیانتی شروع کر دیں اور فقرا کی ریاکاری کی وجہ اللہ جل مجدہ پر توکل نہ ہونا ہے، اسی لئے بے علم بادشاہ یا امیر، غیر محتاط عالم اور بے توکل فقیر شیطان کا دوست ہوتا ہے۔ مخلوق خدا کی تباہی وبربادی ان تینوں گروہوں کی خرابی کی وجہ سے منظر عام پر آتی ہے۔

معاملات تصوف کے سلسلے میں یوں فرمایا: ''صوفی وہ ہے جس کا دل بشری کدورتوں اور مادی آلائشوں سے پاک ہو۔ جب کلام کرے تو حقائق ومعارف کے موتی اس کے منہ سے جھڑیں اور خاموش رہے تو سچی درویشی اس کی خاموشی سے ظاہر ہو۔''

بعض صوفی کو صوفی اس لئے کہتے ہیں کہ وہ کملی اوڑھتا ہے۔ دوسروں کے مطابق وہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں صف اول میں ہوتا ہے۔ تیسری جماعت کے قول کے مطابق وہ اصحاب صفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے محبت کرتا ہے۔ اربعا صوفی صفا سے مشتق ہے۔ ہر ایک نے تصوف کے معانی ومطالب بیان کرنے اور طریقت کے سلسلے میں لطائف وتوضیحات اور باریکیاں بیان کی ہیں۔ اگرچہ صفا بمعنی صفائی ہے اور صفائی ہر پہلو سے مناسب ہے اور صفائی کی ضد کدورت ہے۔

حضور سرور دو عالم ﷺ نے فرمایا: ''دنیا کی صفائی جاتی رہی اور اس کی کدورت باقی رہ گئی''۔ اسی لئے صوفیائے کرام وعظام اپنے اخلاق حمیدہ اور دنیاوی معاملات صحیح رکھتے ہیں اور اپنے باطن کو ہر قسم کی آلائشوں اور آفات وبلیات سے پاک کر لیتے ہیں۔ اسی لئے وہ صوفی کے لفظ سے ملقب ہوتے ہیں۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''تصوف کے حصول کے لئے علم کا چشمہ ضروری ہے تاکہ اس کے پانی سے تصوف کی جڑ مضبوط اور شاخ میوہ دار ہو'' استعانت اور استخارت۔ استعانت کے معنی طلب کرنے کے ہیں۔ اسی لئے کاملین حقہ، اپنے تمام امور اللہ جل مجدہ کی تحویل میں کر کے ہر قسم کی آزمائش وابتلا سے نجات حاصل کر لیتے ہیں۔ صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ رسالت مآب ﷺ ہمیں ہمیشہ قرآن مجید کے مطابق استخارہ کی تلقین فرماتے۔ جس وقت انسان کو یہ علم ہو جاتا ہے کہ ہر کام کی بھلائی اور بہتری سے آگاہ ہے۔ جو نیکی اور بدی انسان کو پہنچ رہی ہے وہ ابتدا سے ہی اس کا مقدر بن چکی ہے۔ لہذا اسے رضائے الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کر لینا چاہئے تاکہ تائید یزدی نفس کے آوارہ پن اور شر پسندی کا خاتمہ کر دے اور ہر کام میں اچھائی اور بہتری شامل ہو جائے۔ ہر کام کے آغاز میں استخارہ لازم وملزوم ہے تاکہ خداوند قدوس ہر قسم کی آفات وبلیات سے اپنی امان میں رکھے۔ اسی لئے حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''جس کام میں نفسانی غرض آجائے اس سے برکت اٹھ جاتی ہے۔ نفس کو خواہشوں سے دور رکھنا جنت کے دروازے کی چابی ہے''۔ کسی نے خوب کہا ہے:

ان الصفا صفة الصديق ان اردت صوفيا على التحقيق

بے شک صفا حضرت صدیق اکبر ﷺ کی صفت ہے اگر تو کامل واکمل صوفی بننے کا ارادہ رکھتا ہے تو جس راستے کو انہوں نے اپنایا تو بھی سے اپنا کر کاملین واکملین کے گروہ میں شمولیت اختیار کر لے۔

اسلامی تصوف کی تعلیمات کی تشریح وتوضیح کے کام کو اپنے ذمہ لیتے ہوئے آپ نے ایک معلم کی حیثیت سے اپنا کردار ادا کیا۔ کسی خاص مسئلہ پر رائے زنی سے پہلے آپ نے رائج الوقت خیالات کا جائزہ لیا اور بشرط ضرورت ان کی تردید کا حق ادا کیا۔ ایک رواں اور غیر رسمی انداز بیاں اختیار کرتے ہوئے آپ نے ذاتی تجربات سے اخذ کردہ دلچسپ حکایات اور تمثیلات سے کام لیا جس سے ایک دقیق اور اختلافی موضوع نے ایک دلآویز ادب پارہ کی صورت اختیار کر لی۔ آپ فرماتے ہیں: ''میری کتاب کشف المحجوب جسے تصوف کے آئین کی حیثیت حاصل ہے، سے وہی لوگ فائدہ اٹھائیں گے، جو توفیق اور عارضی غفلت وحجابات میں مبتلا ہیں۔ حق وصداقت کا انکار جن لوگوں کے مزاج کا حصہ بن چکا ہے۔ انہیں اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا، کیونکہ نفسانی خواہشات کی تکمیل دروازہ دوزخ کی چابی ہے، جسے یہ یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ اس کے ہر عمل سے واقف ہے، وہی نافرمانی سے بچتا ہے تاکہ قیامت کے روز شرمندہ نہ ہو''۔

جو شخص کسی فانی چیز کے ساتھ دل لگاتا ہے تو فانی کے فنا ہونے کے ساتھ اس کی ساری محنت بھی ضائع ہو جاتی ہے اور جو شخص اپنی جان باقی کے حوالے کرتا ہے تو اگرچہ اس کا فانی نفس فنا ہو جاتا ہے، مگر وہ خود ذات باقی کے ساتھ قائم رہتا ہے، اس لئے دل کے اندر اللہ تعالیٰ کی

ذات کے سوا کچھ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ مخلوق کی طرف توجہ کرنا ہلاکت کا نشان ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا مالک ہونے کی نشانی ہے۔

اہل تصوف کی تین اقسام ہیں:

(۱) صوفی (۲) متصوف (۳) مستصوف

1۔ صوفی وہ ہے جو اپنے وجود سے فانی ہو کر حق کے ساتھ باقی ہو گیا ہو۔ طبعی خواہشات اور ان کے تصرف سے آزاد ہو کر حقیقت الحقائق کے ساتھ منسلک ہو گیا ہو۔

2۔ متصوف وہ ہے جو مجاہدے کے ساتھ اس مقام کے لئے کوشاں ہے اور راہ حقیقت کی تلاش میں اپنے آپ کو صوفیاء کے طریقے پر کاربند رکھتا ہو۔

3۔ مستصوف وہ ہے جو دنیوی مال و متاع کے حصول اور جاہ و مرتبے کی لالچ میں صوفیا کی نقالی کر رہا ہو۔ اسے نہ تو اوپر والے دونوں گروہوں سے کوئی تعلق ہوتا ہے اور نہ اسے طریقت کے بارے میں کوئی ادنیٰ سی آگہی حاصل ہوتی ہے۔ مشائخ کرام ایسے حضرات کے بارے میں فرماتے ہیں "مستصوف صوفیاء کے نزدیک مکھی کی مانند ہے اور غیر صوفیاء عوام کے لئے بھیڑیا ہے"۔

حضور داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ ہے کہ:

"صوفی کا مقام اتنا اونچا ہے کہ جو نام بھی رکھا جائے وہ اس سے بلند ہے، کیونکہ صوفی صفا سے اخذ کیا گیا ہے۔ جو انسان صفائے قلب کا عادی ہو صوفی کہلا سکتا ہے۔ حقیقتاً صوفی وہ ہے جس کے ایک ہاتھ میں قرآن مجید اور دوسرے ہاتھ میں سنت رسول مقبول ﷺ ہو۔ مزید براں وہ شخص بھی صوفی ہے جس کی گفتار و کردار میں فرق نہ ہو اور جو اخلاق کی تہذیب کا کام کرے۔

صوفیائے کرام نے درج ذیل دس مقامات کو جن لیا وہ فقر کے لازم و ملزوم ہیں۔

(1)	توبہ	(6)	خوف
(2)	زہد	(7)	رجا
(3)	توکل	(8)	رضا
(4)	صبر	(9)	قناعت
(5)	شکر	(10)	فقر

کسی نے ریاضت و مجاہدہ اور فقر کا، کسی نے انابت اور فقر کا، کسی نے نیت اور انابت کا، کسی نے ورع اور تقویٰ کو فقر کی کسوٹی قرار دیا ہے۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے ان مقامات عشرہ ہی کو روحانی تربیت کا مدار علیہ قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"تصوف نہ رسوم کا نام ہے نہ علوم کا، بلکہ وہ اخلاق فاضلہ سے عبارت ہے"۔

اور مزید فرمایا:

"تصوف اخلاق عالیہ سے عبارت ہے لہٰذا جس نے آپ کے سامنے حسن اخلاق میں اضافہ کیا اس نے تصوف میں ترقی کی"۔

پروفیسر نکلسن تصوف کی راہ کی تمام منازل (مقامات) کے بارے میں اس طرح رقم طراز ہیں۔"

Mystics of every race and creed have described the progress of the spiritual life as journey or a pilgrimage.other symbols have been used for the same purpose but this one appears to be almost universal in its range.The sufi who sets out to seek God calls himself a traveller (salik).he advances by slow stages (Maqamat) along a path (Tariqat) to the goal of union with reality Fana Fil Haqq.

ترجمہ: "ہر نسل اور عقیدے کے صوفیائے کرام نے روحانی زندگی کی ترقی کو ایک عام سفر یا ایک متبرک سفر کی حیثیت سے بیان کیا ہے" اس غرض کے لئے دیگر علامات بھی استعمال کی گئی ہیں لیکن اپنی حدود میں یہ علامات تقریباً آفاقی صورت میں ظاہر ہوتی ہیں۔ جو صوفی خدا کی تلاش میں نکل کھڑا ہوتا ہے وہ اپنے آپ کو "مسافر" کہتا ہے۔ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھتا ہے اور راستہ (طریقت) پر آنے والی منزلوں (مقامات) کو طے کرتے ہوئے آخری منزل پر پہنچتا ہے جو حقیقت کبریٰ سے ملاپ ہے یعنی فنا فی الحق"۔

مشائخ طریقت کے پاس طریقت کے بارے میں رموز و ارشادات بہت زیادہ ہیں ان میں سے چند رموز درج ذیل ہیں۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "صوفی وہ ہوتا ہے کہ جب بولتا ہے تو حقائق بیان کرتا ہے اور جب خاموش ہوتا ہے تو اس کی طرف سے اعضا بولتے ہیں کہ ہم نے تمام خلاف شریعت تعلقات کو کاٹ کر رکھ دیا ہے"۔ اسی طرح حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ حقیقت

تصوف کے سلسلے میں فرماتے ہیں: ''تصوف ایک ایسی صفت ہے جس میں بندے کا قیام ہے۔ دریافت کیا گیا کہ یہ صفت اللہ کی ہے یا بندے کی؟ فرمایا کہ بندے میں اس صفت کا وجود ظاہراً اور اللہ تعالیٰ میں حقیقتاً ہے''۔ چنانچہ حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ نفسانی لذتوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

''تمام نفسانی لذتوں سے ہاتھ ہٹا لینے کو تصوف کہتے ہیں''۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب میں حضرت ابو الحسن بوسنجہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ معنی خیز قول نقل کیا ہے یعنی ''یہ تصوف آج محض ایک نام ہے۔ بغیر حقیقت کے جبکہ کسی زمانے میں یہ ایک حقیقت تھی بغیر نام کے''۔

آج تصوف کے ساتھ ایک المیہ یہ ہے کہ ہم تصوف کو محض ترک دنیا، گوشہ نشینی اور مافوق العادات، کمالات یا کرامات کے حوالے سے ہی جانتے ہیں، حالانکہ کاملین واکملین نے ان امور کو کبھی قابل التفات نہیں سمجھا اور بقول شاعر مشرق:

خدا کے پاک بندوں کو حکومت میں غلامی میں
زرہ کوئی اگر محفوظ رکھتی ہے تو استغنا!

کشف المحجوب کا مطالعہ ہمیں تصوف کے روشن پہلوؤں سے روشناس کراتا ہے۔ حضرت زین العابدین کا فرمان اقدس ہے:

''تصوف خلق کو کہا جاتا ہے جو اخلاقیات میں سبقت لے گیا وہ تصوف میں بھی دوسروں سے بڑھ گیا۔''

''خلق نفس کی اس راسخ کیفیت کا نام ہے جس کے باعث اعمال بڑی سہولت اور آسانی سے صادر ہوتے ہیں۔ ان کے ظاہر کرنے کے لئے کسی سوچ بچار کے تکلف کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔''

تصوف کے سلسلے میں ڈاکٹر نکلسن نے اپنی کتاب ''آئیڈیا آف پرسنیلٹی آف کا ڈان اسلام'' میں اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ صاف تصوف وہی ہو سکتا ہے جو قرآن مجید اور سنت نبی اکرم ﷺ پر عمل پیرا ہو۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تصوف عین دین ہے۔ آپ نے منطق و فلسفہ کی وجہ سے جو الجھنیں انسانی ذہن میں کتاب و سنت کی عملی صورت میں پیدا ہو سکتی تھیں، انہیں دور کرنے کی سعی فرمائی، یہ الجھنیں تمدنی ترقی کے ظہور اور مختلف مذاہب فکر کے میل جول کا نتیجہ تھیں۔ آپ نے اس گرد و غبار میں اٹکی ہوئی توحید خالص کو نکھار کر پیش کیا ور متذبذب لوگوں کو اسلام کی حقانیت سے روشناس کرایا۔ حضرت شاد علی دینوری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا جامع بات کہی ہے: ''بیکار چیزوں کو ترک کرنا تصوف ہے''۔

ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق تصوف اس کو کہتے ہیں کہ ''بندہ تمام تکالیف کو منجانب اللہ سمجھ کر صبر کرے اور ماسوا اللہ کو ترک کر دے''۔ بعض لوگ اب بھی اس مغالطہ میں مبتلا ہیں کہ تصوف ایک علیحدہ چیز ہے جس کا دین متین سے کوئی تعلق نہیں، لیکن یہ مغالطہ کج فہمی، قلت معلومات اور لاعلمی کا نتیجہ ہے۔ تصوف کلیۃً اسلام ہے، اسلام کی روح ہے، اسلام کا کمال ہے، اسلام اور دین متین کا حسن و جمال ہے۔ سلام کے اندر اخلاق حسنہ کو عبادت کا درجہ حاصل ہے۔ حضور سید عالم ﷺ اپنی دعاؤں میں فرمایا کرتے ''اے رب قدوس! مجھے بہتر سے بہتر خلاق کی رہنمائی فرما تیرے بغیر کوئی بہتر سے بہتر راہنمائی نہیں کر سکتا''۔

ایمان بڑی دولت ہے مگر اس کا ذکر کرتے ہوئے بھی فرمایا: ''مسلمانوں میں کامل ایمان والا وہ ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے''۔

آیئے اچھے اخلاق، مالک اور بے نیاز اللہ کے حضور اپنے آپ کو بیچ دیں کہ اس کے علاوہ ہمارا کوئی خریدار نہیں ہو سکتا۔ وہ قیمت بھی اچھی دیتا ہے۔ اپنی رضا اور قرب، اپنے حبیب ﷺ کا قرب اور پھر اپنا محبوب بھی بنا لیتا ہے۔ بھلا اس کا محبوب، کائنات کا مالک نہیں تو اور کیا ہوگا؟ آئیں اس کے ہو کے اپنی جبین اس کے حضور جھکا دیں ''سلام علی من اتبع الھدیٰ'' یہی حقیقت تصوف ہے اور یہی کاملین واکملین سے تعلق ہے۔ جس سے تعلق ہو اس سے محبت ہوتی ہے اور جس سے محبت ہو اس کا ذکر ہوتا ہے۔ جیسا تعلق ویسی محبت اور اتنا ہی ذکر۔ ایمان والوں اور اہل اللہ کی یہ پہچان ہے کہ ان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے مستقیم اور مضبوط ہوتا ہے۔ محبت شدید ہوتی ہے اور کثیر ہوتا ہے۔ اٹھتے بیٹھے، سوتے جاگتے، چلتے پھرتے اور ہر لحہ ذکر الٰہی میں مشغول و سرور رہتے ہیں۔ یہی عین اسلام ہے۔ ذکر محبوب ہے۔ ذکر محبوب خدا ہے اور کوئی بھی شخص اس سے بے نیاز ہو کر وادی عرفان و سلوک کا داعی نہیں کہلا سکتا۔ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف کے بارے میں معنی خیز افکار پیش کئے ہیں۔

وریں رہ بجز مرد راعی نرفت
گماں شد کہ دنبال داعی نرفت

ترجمہ: اس راستہ میں بغیر کامل کوئی نہیں جا سکا۔ یقیناً پیر کامل کے بغیر کوئی نہیں جا سکتا۔ تصوف کے راستہ میں اے سعدی! ناممکن ہے کہ فخر دو عالم ﷺ کی راہبری کے بغیر راستہ طے کر سکے۔

پروفیسر فلپ ہٹی نے ''عربوں کی تاریخ'' میں کیا ارفع و اعلیٰ بات کہی ہے۔

Like other islamic movements sufism traces its origion to the koran and Hadith.

اسی طرح ولیم سٹوارٹ نے ''صوفی ازم'' میں تصوف کے بارے میں لکھا ہے:

There is no sufism without islam.sufism is the spirituality of islam.The shariat is the vehicle or expression of Haqiqat, and this is why the sufis are always among the most ardent defenders of outward law (shariat)....In summary sufism cannot be other than orthodoThis is because the doctrine of sufism are derived entirely from the Quran , which is the basis of islamic othodoxy. This refutes the allegations that sufism developed chiefly as a result of such influences from extraneous sources, as Neoplatonism, Christianity or the Indian religions.

اسی طرح جرمن مستشرق ڈاکٹر اینی میری شمل کی معنی خیز رائے کے مطابق:

Sufism traces its origion back to the prophet of islam and takes inspiration from the Divine word as revealed through him in the Quran.

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تصوف آٹھ خصلتوں پر مبنی ہے، یعنی آٹھ پیغمبران اولوالعزم کی اقتداء سے صوفی، صوفی بنتا ہے۔

1۔ سخاوت حضرت ابراہیم علیہ السلام سے حاصل کرلے۔ وہ یہ تھی کہ رضا محبوب میں اپنے لختِ جگر کو فدا کر دیا۔

2۔ رضا حضرت اسحاق علیہ السلام کی اقتداء میں کہ مولا پر اس درجہ راضی ہو کہ جان کی پروا نہ کرے۔

3۔ صبر حضرت ایوب علیہ السلام کی اقتداء میں کہ کیڑوں کے ساتھ بھی اگر امتحان ہو تو بخوشی برداشت کرے۔

4۔ اشارہ حضرت زکریا علیہ السلام کی اقتداء میں جب کہ اس نے اپنے رب کو پکارا (خفیہ طور سے) تو صوفی کو بھی اس اشارہ اقتدا کرنی ہوتی ہے۔

5۔ غربت حضرت یحییٰ علیہ السلام کی اقتداء میں کہ وہ اپنے وطن میں اپنے آپ کو مسافر تصور کرتے تھے۔

6۔ سیاحت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اقتداء میں کہ اپنے سفر میں اس قدر تجرد تھے کہ سوائے ایک پیالہ اور کنگھی کے ہمراہ کچھ نہ تھا۔

7۔ تصوف میں اتباع سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا کہ آپ کا لباس ہمیشہ پشمینہ کا رہتا تھا۔

8۔ فقر میں سید الانبیاء حبیب کبریا محمد رسول اللہ ﷺ کی اقتداء کی جائے کہ حق تعالیٰ سبحانہ نے تمام روئے زمین کے خزانوں کی کلید آپ کو بھیجی اور فرمایا ''اے میرے محبوب اپنی جان پاک پر محنت مشقت نہ ڈالئے۔ ان خزانوں سے جس قدر چاہئے خرچ فرما کر اپنی شان تجمل دوبالا کیجئے۔ حضور سید یوم النشور ﷺ نے بارگاہ رب العزت میں عرض کی یا الٰہی! میں یہ نہیں چاہتا بلکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ ایک روز کھاؤں اور ایک روز بھوکا ہوں۔ یہ اصول معاملہ تصوف میں بہترین خصلت ہے۔

بموجب ارشاد حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ آپ فرماتے ہیں:

تصوف رسوم و علم نہیں لیکن یہ ایک خاص خصلت ہے۔ یعنی اگر تصوف رسمی چیز ہوتی تو مجاہدہ ریاضت سے حاصل ہو جاتا اور اگر یہ علم ہوتا تو محض تعلیم و تعلم سے حاصل ہو جاتا۔ اس سے بات اظہر من الشمس ہے کہ تصوف ایک خصلت خاص کا نام ہے اور جب تک یہ خصلت خود اپنے اندر نہ پیدا کرے اس وقت تک وہ حاصل نہیں ہوتا۔

رسم وہ ہوتی ہے جو تکلفاً صادر ہو اور خلق وہ ہے جو بلا تکلف صادر ہو۔ حضرت ابن الجلار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''تصوف ایسی حقیقت کا نام ہے جس کی تعریف رسمی نہیں کی جا سکتی''۔ اس لئے کہ عام مخلوقات کا وہ حصہ ہے جو معاملات میں مستعمل ہے اور تصوف حقیقتاً خاصہ الٰہی ہے۔

حضرت حصری رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف کے سلسلے میں کیا جامع نکتہ بیان فرمایا ہے: یعنی ''تصوف نام ہے اپنے ضمیر کو مخالف حق سے محفوظ رکھنے اور اس کے جلا و نورانیت کو کدورت اوہام سے بچانے کا''۔

تصوف ایک ایسی آزادی ہے کہ بندہ قید حرص سے آزاد ہو جاتا ہے اور تصوف ایک ایسی جوانمردی ہے کہ بندہ خواہشات شہوانیہ سے مجرد ہوتا ہے اور تصوف تکلفات کو ایسا ترک کر دیتا ہے کہ بندہ ہر متعلق اور متسوم کے اندر خوش رہتا ہے۔

حقیقت حال یہ ہے کہ آج تصوف بے حقیقت نام ہو کر رہ گیا ہے، حالانکہ اس سے قبل یہ حقیقت ہی حقیقت تھی۔ جس کا نام کوئی نہ تھا، یعنی عہد صحابہ کرام اور سلف صالحین میں تصوف نام کا نہ تھا بلکہ اس کا معنی و مفہوم ہر شخص میں پایا جاتا تھا۔ اس دور میں نام موجود ہے مگر معنی عنقا ہے۔ اس وقت افعال و اعمال انتہائی پسندیدہ تھے، مگر کسی قسم کا دعویٰ یا نام موجود نہ تھا۔ اس زمانے میں دعویٰ اور نام کی بڑی شہرت ہے، مگر عمال و افعال کا کچھ علم نہیں۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''اصولی بات ہے کہ جو بھی توحید اور تحقیق کے خلاف کسی بات کا قائل ہے۔ اس کا دین متین سے کوئی تعلق نہیں اور جب دین متین جو اصل اور بنیاد ہے، مستحکم اور مضبوط نہ ہوگا اور تصوف جو اس کی فرع اور ثمرہ ہے کس طرح مضبوط اور محفوظ ہوگا۔ کشف المحجوب تصوف پر فارسی زبان کی وہ عظیم تصنیف ہے جسے تصوف کے آئین کا درجہ حاصل ہے اور یہ بذات خود مرشد کامل کی حیثیت رکھتی ہے جس سے ہماری روح کے ویرانے معطر ہو سکتے ہیں کیونکہ نفس کی مخالفت تمام عبادات کا سرچشمہ ہے اور نفس کی نجات کا واحد ذریعہ خوف الٰہی ہے۔ مزید فرماتے ہیں: عارف کے لئے عالم ہونا ضروری ہے لیکن ہر عالم عارف نہیں ہو سکتا۔ یہی تصوف عین اسلام بلکہ حقیقت اسلام ہے۔ اللہ تعالیٰ مملکت خداداد پاکستان کو اولیائے کبار کی تعلیمات کا مرکز و محور بنائے اور ہم سب کو حضور داتا گنج بخش کے ارشادات و فرمودات پر عمل کرنے اور ان کی سیرت و صورت کے مطابق زندگیوں کو ڈھلنے کی توفیق عطا فرمائے کیونکہ ان کی زبان مبارک کا ایک ایک لفظ گنجینہ حکمت و معرفت ہے اور تصوف کی تعلیمات کا نچوڑ ہے۔

☆☆☆

تربیت میں خلوص اور اخلاص کی جلوہ نمائیاں

عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ ﷺ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَءًا سَمِعَ مَقَالَتِيْ فَبَلَّغَهَا فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرِ فَقِيْهٍ وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلٰى مَنْ هُوَ اَفْقَهُ مِنْهُ، زَادَ فِيْهِ عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ" ثَلَاثٌ لَا يُغِلُّ عَلَيْهِنَّ قَلْبُ امْرِىءٍ مُسْلِمٍ اَلْاِخْلَاصُ عَمَلٍ لِلّٰهِ، وَالنُّصْحُ لِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَ لُزُوْمُ جَمَاعَتِهِمْ (ابن ماجہ ۲۳۶)

سید ریاض حسین شاہ

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ اُس شخص کو خوش اور مسرور رکھے جس نے میری کوئی بات سنی اور اُسے دوسروں تک پہنچا دیا کیوں کہ بہت سے لوگ سمجھ والی باتیں جانتے ہیں لیکن خود فقیہ نہیں ہوتے اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے بیان کرنے والا خود سمجھدار نہیں ہوتا جتنا وہ شخص سمجھدار ہوتا ہے جسے بات پہنچائی گئی ہوتی ہے۔ ملّی بن محمد نے اس میں اضافہ کیا۔ تین چیزوں کے بارے میں مسلمان کا دل خیانت نہیں کر سکتا۔ (۱) اللہ کے لئے اخلاص عمل (۲) مسلمان حکمرانوں کو نصیحت (۳) اور مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑ لینے میں۔''

آج میں آپ کے سامنے اللہ کے فضل، مدد اور رحمت سے اور حضور ﷺ کی نظر عنایت کے تصدق ایک محکم یقین اور من ساز اعتقاد کی روشنی میں اپنی گفتگو شروع کر رہا ہوں۔ میرا پختہ عقیدہ ہے کہ ''محراب'' ایک قوت اور طاقت کا نام ہے محراب نشین بادشاہ نہیں ہوتے لیکن بادشاہوں کے قبلہ نما ہوتے ہیں۔ مصلّی اور سجادہ عزت اور توقیر کے نشان ہیں۔ میں اس احساس کو اپنی فکری قوتوں کا ہم نوا پا رہا ہوں کہ مسلمانوں کو پسپا کرنے کے لئے ابلیسی اور شیطانی قوتیں سریع الحرکت ہیں اور ان کی تیشہ زنی کا شکار منبر اور محراب کی دنیا میں بسنے والے دینی کارکن ہیں۔ میرے سامنے اسلاف کی درخشندہ تاریخ کے روشن صفحات نور پاشیاں کرتے ہوئے قاسم فیضان بنے ہوئے ہیں۔ مجھے کوشش کرنی ہے کہ محراب کی قوت کا سراغ لگاؤں اور ان لوگوں کو بے دست و پا کر دوں جو محراب کے جلوؤں کو مغربی تہذیب کی ابلیس کاریوں میں گم کر دینا چاہتے ہیں۔

علم کی راہ میں محنت کرنے والو!

خدا شناسی کا راز خود شناسی میں ہے۔ اپنی عزت کے دامن کو خود داغ دار نہ کرو تم جو کچھ ہو کسی سے کم نہیں ہو۔ ہفت اقلیم کے تاجور اس محراب نشین کا مقابلہ نہیں کر سکتے جو صبح و شام اس مصلّی اور سجادہ پر کھڑا ہوتا ہے، جس کی نسبت اقلیم وجود کے سلطان حقیقی کے مبارک قدموں سے ہے۔

حضرت ابوبکر واسطی قدس سرہ العزیز فرمایا کرتے تھے:

ابتلینا بزمان لیس فیه آداب الاسلام ولا اخلاق الجاهلیه ولا احکام ذی المروة

(کشف المحجوب ساتویں فصل)

''ہمیں ایسے دور اور زمانے کے ساتھ آزمایا گیا ہے جس میں نہ اسلام کے آداب ہیں، نہ جاہلیت کا اخلاق ہے اور نہ اس میں اصحاب مروّت لوگوں کے احکام ہیں''۔

ہر وہ طالب علم جو معدن کتاب سے زرکیشی اور قلزم سنت میں غوطہ زنی سے کامیابیوں، عزتوں اور طاقتوں کا سراغ لگانے کی فکر کرے گا۔ کتاب و سنت معراج حیات پانے کے لیے اس کے دامن میں جو نگینہ اور یاقوت ڈالے گا وہ اخلاص ہے اور ''خلوص'' ہی وہ دولت ہے جو ارباب محبت کو میسّر آ جائے تو زمین اُن کے لیے آسمان بن جاتی ہے۔

خلوص اور اخلاص اسلام اور مسلمان دونوں کی صفت ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ اسلام کی روح اخلاص ہے اور مؤمن کی جان خلوص ہے۔ طالبان حقیقت کے اس راز تک رسائی حاصل کرنے کے لئے ہم ''خلوص'' کے مادے میں غور و فکر کرتے ہیں اور جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

اخلاص کیا ہے؟

اخلاص کا مادہ ''خلص'' ہے جو کسی شے کی تہذیب اور صاف ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ راغب اصفہانی نے المفردات میں لکھا ہے کہ خالص اور صافی دونوں کا معنی کھوٹ سے الگ کرنا ہی ہوتا ہے البتہ تھوڑا سا ان کے معنوں میں فرق بھی ہوتا ہے۔ صافی وہ چیز ہوتی ہے جو پہلے ہی سے صاف ہو جبکہ خالص وہ ہوتا ہے جس سے کھوٹ دور کر کے اسے صاف بنایا گیا ہو۔ مخلص وہ شخص ہوگا جس میں کھوٹ نہ ہو۔ اُس کا نفس مہذب بنا دیا گیا ہو اُسے دوسرے لوگوں سے الگ کر کے ممتاز کر دیا گیا ہو۔

قرآن حکیم نے حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے کہا:

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ (سورہ یوسف: ۲۴)

ثعلب نے کہا ''مخلصین'' وہ ہیں جنہوں نے عبادت کو اللہ کے لیے خالص کر دیا ہو۔

قرآن حکیم نے ''خلوص'' کا مادہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے لیے بھی استعمال کیا ہے۔

فرمایا:

خَلَصُوْا نَجِيًّا (سورہ یوسف:۸۰)

وہ لوگ ایک طرف ہو گئے۔

علامہ زبیدی حنفی لکھتے ہیں کہ "اخلاص" دودھ سے نکالے ہوئے مکھن اور تپا کر صاف کیے ہوئے سونے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

سورہ بقرہ میں اللہ ہی کی طرف یکسو ہونے کے معنوں میں مخلص لفظ استعمال ہوا۔

ونحن له مخلصون (البقرہ:۱۳۹)

علامہ کفوی نے الکلیات میں اخلاص کی تعریف لکھی:

هو القصد با لعبادة الى ان يعيد المعبود بها وحده

"وہ عبادت کا ایسا قصد ہے جس میں اکیلے معبود ہی کی عبادت ہو"۔

اخلاص کی تعریف میں یہ بھی کہا گیا کہ سر محبت اور قول اور فعل میں صاف اور یکسو ہو جانا خلوص ہے۔

علامہ مناوی نے کہا کہ اخلاص دل کو ہر قسم کے مکدرات سے پاکیزہ بنا دیتا ہے۔ اس میں اللہ کے سوا غیر کا تصور بھی دل سے مٹ جاتا ہے۔

کشاف کے مؤلف نے لکھا کہ اعمال کو تہمت، ریا اور خلل سے بچانا اخلاص ہے۔

جرجانی لکھتے ہیں:

اخلاص یہ ہے کہ تو اپنے عمل پر اللہ کے سوا کسی اور کو شاہد نہ بنائے دل کو خاص اسی کے لئے کر دے۔ (کتاب التعریفات)

خالص ہونے کے لئے قرآن حکیم نے کتنی خوبصورت مثال دی ہے۔

نسقيكم مما في بطونه من بين فرث ودم لبنا خالصا سائغا للشا ربين (النحل:۶۶)

گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ کا نکلنا اخلاص کی حقیقت سے حجاب ہٹا دیتا ہے یعنی ہر قسم کا تکدر ختم کر کے دین میں بے ریا ہو جانا اخلاص ہے۔

علامہ جرجانی نے یہ بھی لکھا کہ طاعات میں ریا کاری کو ترک کرنا اخلاص ہے۔

حضرت فضیل ابن عیاض کا قول ہے:

"لوگوں کے لئے عمل کرنا شرک ہے اور لوگوں کے لئے عمل چھوڑنا ریا ہے اور اخلاص یہ ہے کہ اللہ ان دونوں مذموم باتوں سے بچالے" ۔(مدارج السالکین)

اخلاص کی حقیقت پر ایک وجد آفرین حدیث

حضرت شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی فرماتے ہیں میں نے حضرت علی بن سعید اور احمد بن محمد بن ذکریا رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ اخلاص کیا ہوتا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ میں نے علی بن ابراہیم شقیقی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ اخلاص کیا ہوتا ہے؟ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے محمد بن جعفر حصاف سے پوچھا اخلاص کیا چیز ہے؟ انہوں نے فرمایا میں نے یہی سوال احمد بن بشار سے پوچھا تو انہوں نے بتایا تھا کہ میں نے حضرت ابو یعقوب شریطی سے پوچھا تھا کہ اخلاص کیا ہوتا ہے؟ انہوں نے فرمایا تھا کہ میں نے حضرت احمد بن غسان رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ اخلاص کیا ہوتا ہے آپ نے فرمایا کہ میں نے یہی سوال حضرت عبدالواحد بن زید ﷺ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا تھا: کہ میں نے حضرت حذیفہ ﷺ سے پوچھا تھا کہ اخلاص کیا ہوتا ہے؟

انہوں نے فرمایا: میں نے حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کی تھی کہ اخلاص کیا ہوتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا تھا کہ میں نے حضرت جبرائیل سے پوچھا تھا کہ اخلاص کیا ہوتا ہے؟ انہوں نے فرمایا میں نے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں عرض کی تھی اخلاص کیا ہوتا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اخلاص میرا ایک راز ہے میں اسی بندے کے دل میں اسے رکھتا ہوں جس سے میں محبت کرتا ہوں۔ (رسالہ قشیریہ)

اخلاص اور حضور انور ﷺ کا مبارک ارشاد:

يا يها الناس !

اخلصوا اعمالكم

فا ن الله لا يقبل من الاعمال الا ما خلص له (رواہ البزار)

اے لوگو!

''اپنے اعمال کو اللہ کے لئے خالص کرلو بے شک اللہ تعالیٰ اعمال قبول نہیں کرتا مگر وہی جو اس کے لئے ہوتے ہیں۔''

اخلاص اور حضور ﷺ کی شفاعت:

حضرت ابوہریرہ ؓ فرماتے ہیں رسول کریم ﷺ سے درخواست کی گئی۔

یارسول اللہ ﷺ!

قیامت کے دن آپ کی شفاعت کے اعتبار سے سب سے بڑھ کر سعادت مند شخص کون ہوگا؟

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

میرا خیال یہی تھا کہ اس بارے میں سب سے پہلے تم ہی مجھ سے استفسار کرو گے اس لئے کہ احادیث حاصل کرنے کے لئے تمہارا شوق مسلمہ ہے۔

قیامت کے دن میری شفاعت کے معاملہ میں خوش بخت شخص وہ ہوگا،

جو خلوص دل سے ''لا الہ الا اللہ'' کہے گا۔ ''خلوص دل سے یا خلوص نفس سے''۔ (الجامع الصحیح للبخاری ص:۹۹)

نماز کے بعد معمول:

حضور ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ آپ جب نماز سے فارغ ہوتے فرماتے:

لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شئی قدیر لا الہ الا اللہ ''مخلصین لہ الدین ''ولو کرہ الکٰفرون

اھل النعمۃ والفضل والثناء الحسن لا الہ الا اللہ مخلصین لہ الدین ولو کرہ الکٰفرون

(مسلم وابوداؤد)

رسول اکرم ﷺ کا یہ حزب اور ورد بتاتا ہے کہ آپ دین میں اخلاص کے ساتھ ساتھ دین کو اللہ کے لئے کردینے میں اخلاص کو کتنا اہم جانتے تھے۔

کلمہ اخلاص کی عرش تک رسائی:

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کوئی شخص اخلاص سے لا الہ الا اللہ کہتا ہے آسمان کے سارے دروازے اس کے لئے کھول دئے جاتے ہیں یہاں تک کہ کلمہ اخلاص عرش تک جا پہنچتا ہے جب تک کہ کوئی کبائر سے بچتا رہے۔ (ترمذی)

اخلاص کی اہمیت پر ایک خوبصورت بات:

حضرت عثمان ؓ فرماتے ہیں:

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

میں ایک ایسی بات جانتا ہوں کہ اگر کوئی شخص خلوص دل سے وہ کہے تو دوزخ کی آگ اس پر حرام ہو جاتی ہے

حضرت عمر ؓ عرض کرنے لگے:

یارسول اللہ میں آپ کو بتاؤں وہ بات کیا ہے؟

اور ساتھ ہی فرمایا:

وہ کلمہ اخلاص ہے جس سے اللہ نے محمد ﷺ اور آپ کے صحابہ کو عزت بخشی۔ (مسند امام احمد بن حنبل)

اخلاص کے بغیر اعمال کی حیثیت:

حضرت ابوامامہ باہلی ؓ ارشاد فرماتے ہیں:

ایک شخص رسول اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کی ایسا شخص جس نے جہاد کیا کسی اجر اور خوش نامی کے لئے اسے کیا ملے گا؟

آپ ﷺ نے فرمایا اسے کچھ بھی نہیں ملے گا پھر آپ ﷺ نے تین مرتبہ یہ بات دہرائی

''لا شئی لہ''

اس کے لئے کچھ بھی نہیں

پھر فرمایا

اللہ وہی اعمال قبول فرماتا ہے جو خلوص کے ساتھ کیے جاتے ہیں اور ان کے ساتھ اللہ سے رضا طلبی کی جاتی ہے۔ (نسائی)

اخلاص اور منابع حکمت:

حضرت مکحول ارشاد فرماتے ہیں:

ما اخلص عبد قط اربعین یوم الا ظهرت ینابیع الحکمة من قلبه ولسانه

''اگر کوئی شخص چالیس دن تک مخلص ہو کر زندگی گزارے تو اس کی زبان اور دل سے حکمت کے چشمے پھوٹنے لگ جاتے ہیں''۔

(مدارج السالکین)

ابوسلیمان دارانی کا ارشاد:

اذا اخلص العبد انقطعت عنه کثرة الوساوس والریا (نضرة النعیم)

''اخلاص برتنے والے شخص سے ریاکاری اور وسوسوں کی کثرت ایسے امراض ختم ہو جاتے ہیں''۔

حضرت جنید بغدادی قدس سرہ کا مبارک ملفوظ:

اخلاص اللہ اور بندے کے درمیان ایک راز ہے اس تک کسی فرشتے کی بھی رسائی نہیں ایسے کہ وہ اسے لکھ سکے اور نہ ہی شیطان اس تک پہنچ سکتا ہے ایسے کہ اخلاص کو خراب کرے اور نہ ہی کوئی خواہش مخلص انسان کو بھٹکا سکتی ہے۔

ابن کثیر مفسر کا ایک خوبصورت مقولہ:

''عمل میں اخلاص سے مراد یہ ہے کہ وہ ٹھیک اور درست ہو اور درست عمل وہی ہوگا جو حضور ﷺ کی سنت اور شریعت کے مطابق ہو''

ابن قیم کہا کرتے تھے:

کہ اخلاص کے بغیر عمل کرنے والا شخص اس مسافر کی مانند ہوتا ہے جو اپنے توشہ دان میں ریت بھر کر جا بجا پھرتا رہے یعنی وہ نفع دینے والا توشہ سفر اپنے ساتھ نہیں رکھتا۔ (تفسیر ابن کثیر)

پیر و مرشد کا مبارک ارشاد:

ایک سفر میں مرشد گرامی حضرت لالہ جی محمد جمشید رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں دربند کی طرف سفر کی سعادت ملی۔ ایک شخص کی اچھی حالت ملاحظہ کی فرمانے لگے:

شاہ جی! اس شخص کو اخلاص نے یہاں پہنچایا۔ اخلاص اللہ تعالیٰ کا نور اور فضل ہے۔ اس سے منزلوں کی صعوبتیں ختم ہوتی ہیں۔ یہ اللہ کی رحمت ہے جو زندگی میں سرور اور مسرتیں بانٹتی ہے۔ اخلاص والا آدمی گرتا نہیں۔ یہ مضبوط سواری ہے۔ صوفیاء کا قافلہ اول تا آخر اس اخلاص ہی کی وجہ سے ممتاز ہوا۔ مخلص آدمی ریاکار نہیں ہوتا۔ اخلاص غربت اور غنا ہر دو حالتوں میں ظاہر ہو سکتا ہے۔ میرے پیر و مرشد حضرت خواجہ نور محمد کاشمیری عرف نانکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے مخلص شخص ذاکر بن جائے تو اس کا حال لاھوتی ہوتا ہے۔ مخلص مفاد پرست نہیں ہوتا بلکہ وہ نفع اور منفعت نوازی کی آماجگاہ ہوتا ہے یہ کسی وظیفے سے نہیں اللہ کی عطا ہی سے ملتا ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا ملفوظ مبارک:

اخلاص صدق دل کا دوسرا نام ہے اور یہ برائیوں کے خاتمے میں تلوار کا کام کرتا ہے جس پر چلے کاٹ کے رکھ دے۔ (رسالہ قشیریہ)

حضرت رویم کے نزدیک اخلاص:

عمل میں اخلاص یہ ہے کہ عمل کرنے والا شخص اپنے عمل پر دنیا اور آخرت کی کوئی چیز طلب نہ کرے یہاں تک کہ اعمال لکھنے والے دونوں فرشتوں سے رعائت تک نہ چاہے۔

نفس کے لئے سخت چیز:

حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نفس کے لئے سب سے سخت چیز اخلاص ہے اس لئے کہ اس میں نفس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔

حضرت حزیفہ مرعشی کا ایک قول:

حضرت حزیفہ مرعشی فرماتے ہیں کہ اخلاص مساوات کا نام ہے یعنی ظاہر اور باطن میں افعال کی یکسانیت ہو جائے۔

حضرت سری سقطی قدس سرہ العزیز کا ارشاد:

حضرت سری نے ایک بار ارشاد فرمایا: ''وہ شخص اللہ کی نظر میں گر جاتا ہے جو لوگوں کو اپنی صفات دکھانے کی کوشش کرے، ایسی صفات جو اس کے اندر موجود نہ ہوں''۔ (تفسیر ابن عاشور)

اخلاص کی حقیقت پر ایک حکایت:

امام قشیری فرماتے ہیں کہ ایک شخص جمعہ کی نماز سے پہلے حضرت سہل ؒ کے گھر گیا۔ وہاں اس نے ایک سانپ دیکھا اور خوف سے لرز گیا۔ حضرت سہل ؒ نے فرمایا اندر آجاؤ اس لئے کہ زمین پہ موجود کسی شئی سے ڈرنے والا شخص ایمان کی حقیقت کو نہیں پا سکتا۔ بعد ازاں آپ نے پوچھا کیا جمعہ ادا کرنے کا تم ارادہ رکھتے ہو؟ عرض کی مسجد اور ہمارے درمیان ایک دن کی مسافت ہے۔ آپ نے مہمان کا ہاتھ پکڑا اور تھوڑی ہی دیر کے بعد مسجد پہنچ گئے۔ نمازِ جمعہ ادا کی اور باہر نکلے تو حضرت سہل ؒ نے سب لوگوں کو غور سے دیکھنا شروع کر دیا اور فرمایا:

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے والے تو بہت ہیں مگر

ان میں میں مخلص بہت تھوڑے ہیں۔ (رسالہ قشیریہ)

حضرت یوسف بن حسین کا ایک مقولہ:

دنیا میں نایاب ترین چیز اخلاص ہے۔ میں نے بہت کوشش کی کہ ریاکاری دل سے نکل جائے لیکن ہر مرتبہ یہ نئی شکل میں نمودار ہو جاتی ہے۔

اخلاص کے فوائد:

(۱) اعمال، اقوال، عبادات اور اہتمامات اس کی وجہ سے درجۂ قبولیت پر پہنچتے ہیں۔

(۲) تشکیک، وہم اور وسوسے اس کی برکت سے دور ہو جاتے ہیں۔

(۳) دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

(۴) دلوں کی اصلاح اس سے ممکن ہوتی ہے اور عجائبات دل کی کشادگی ہوتی ہے۔ انسان نیند کے بغیر اور موت سے پہلے ہی بعض حقائق چشمِ محبت سے دیکھنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

(۵) امت میں اجتماعیت کی مضبوط بنیاد میسر آتی ہے۔ ہر دل دوسرے دل کا چاہنے والا بن جاتا ہے۔

(۶) غیر اللہ کی غلامی سے نجات میسر آتی ہے۔ رسوم اور مردہ اعمال کے پندار ٹوٹ جاتے ہیں۔

(۷) تنگیوں اور سختیوں سے نجات مل جاتی ہے۔ خوش حال اور مطمئن زندگی کے راز کھل جاتے ہے۔ مخلص آدمی ہی حقیقت کا عارف ہوتا ہے۔

(۸) معصیت اور مسنوق سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ انسانی ضمائر ندامت محسوس کرتے ہیں۔ ندامت اور پشیمانی ہی خدا کی رضا تک جا پہنچاتی ہے۔

(۹) قوت ارادی محکم ہوتی ہے اور نفسیاتی اعتبار سے مخلص انسان اندر سے مضبوط ہو جاتا ہے اور کھوکھلی شخصیت پائیدار شخصیت میں ڈھل جاتی ہے۔

(۱۰) مخلص انسان امن کی آماجگاہ ہوتے ہیں مصنوعی زندگی کے خاتمے سے قتل مقاتلے، لوٹ کھسوٹ اور ڈکیتی رہزنی ایسی قبیح حرکتیں معاشرے سے ختم ہو جاتی ہیں

(۱۱) دنیا اور آخرت دونوں میں مراتب میں بلندی آتی ہے۔ ذلتیں ختم ہوتی ہیں اور عزت اور توقیر کے انعامات میسر آتے ہیں۔

(۱۲) اچھے انسان کی قدر کا جذبہ دل میں پیدا ہوتا ہے اور نفرتیں اور عداوتیں دم توڑ جاتی ہیں۔

(۱۳) مشکلات کے ہجوم میں تنگیوں کا مقابلہ کرنے کا عزم اور ہمت مخلص انسان کی روحانیت کو مستحکم کرتا ہے۔

(۱۴) روحانی زندگی کی تمام منازل خلوص سے طے کی جا سکتی ہیں۔

(۱۵) مخلص انسان کو اعتماد کی دولت ملتی ہے۔ معاشرہ میں دوسروں کا اعتماد ایک دولت ہے جو بہت کم لوگوں کو میسر آتی ہے۔

(۱۶) اخلاص طبیعت میں وسعت پیدا کرتا ہے، مزاج کی گھٹن اس سے ختم ہوتی ہے۔

(۱۷) مخلص انسان عملی انسان ہوتا ہے وہ زبانی جمع خرچ کا قائل نہیں ہوتا۔

(۱۸) مخلص انسان وفادار ہوتا ہے طوطا چشمی اس سے کوسوں بعید ہوتی ہے۔

(۱۹) اخلاص انسان کو مرجع محبت اور الفت بنا دیتا ہے۔

اخلاص کے مظاہر:

مخلص انسان قوتِ ارادی کا کوہ گراں ہوتا ہے۔نیت میں اخلاص اسے بہادر، شجیع اور لاخوف بنا دیتا ہے۔صاحب اخلاص صاحب نیت ہوتا ہے اور صاحب نیت اخلاص کی برکت سے اپنے ہر کام کو منظم کر لیتا ہے۔

عبادت میں اخلاص:

نماز، روزے، تہجد، قیام، مساجد سے محبت، زکوٰۃ، صدقات، حج، جہاد، توبہ، ذکر، استغفار، دعا، قرأت، تلاوت اور اللہ سے قریب کرنے والے تمام اعمال اخلاص کے مظاہر ہیں۔

صحبت میں اخلاص:

صاحب اخلاص شخص اپنے لئے اچھی صحبت کا انتخاب کرتا ہے۔شاہین جیسے شاہین کے ساتھ پرواز کرتا ہے۔مخلص انسان بدنیت انسان کا دوست نہیں ہو سکتا۔مخلصین ہمیشہ کاملین اور صالحین کی تلاش میں رہتے ہیں۔

اقوال اور افعال میں خلوص:

اقوال اور افعال اخلاص کے حقیقی مظاہر ہیں۔ایک ریاکار شخص اور ایک مخلص شخص دونوں کی اپنی اپنی پہچانیں ہیں۔

مکارم اخلاق میں اخلاص:

روشنی جیسے شیشے میں چمک پیدا کرتی ہیں ایسے ہی خلوص مکارم اخلاق میں چمک پیدا کرتے ہیں۔

اخلاص کا حقیقی مظہر:

مخلص انسان شرک سے بیزار ہوتا ہے وہ پوری طرح حضور ﷺ کی اطاعت میں منہمک ہوتا ہے۔

طبیعت، مزاج اور عادات:

اخلاص کی روشنی عادات، مزاج اور طبیعت سے ظاہر ہوتی ہے۔صاحب اخلاص صاحب مزاج بھی ہوتے ہیں۔

اخلاص کی ضرورتیں:

اخلاص کی دولت حاصل کرنا اور اسے قائم رکھنے کے لئے چند مراعات ہیں جنہیں پیش نظر رکھنا از حد ضروری ہے۔

دوام اور استمرار:

اخلاص کی روشنی زندگی کو منور اسی وقت کرتی ہے جب یہ جز وقتی نہ ہو بلکہ کل وقتی ہو۔صاحب اخلاص کے لئے اس حسن کے آئینہ کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا ضروری ہوتا ہے۔

علم کا حصول:

جاہل آدمی کنوئیں میں زندگی گزارتا ہے۔اخلاص بلاشبہ رویوں، اعمال، افعال اور مزاجوں کی یکسوئی کا نام ہے لیکن قرآن و حدیث کا علم اصلاح احوال اور اخلاص سازی میں مدد دیتا ہے۔

مدارج کا لحاظ:

انسانی زندگی میں جہد بشری کے مختلف مراتب ہیں ان مراتب کا حصول تدریجاً ہی کیا جا سکتا ہے۔

اہل اللہ کی صحبت اور ان سے نسبت:

اہل اللہ نے مختلف سلاسل کے تربیتی اسباق رکھے ہوئے ہیں یقیناً یہ اخلاص سازی میں مدد دیتے ہیں کسی کامل شیخ کی رہنمائی میں چلنا اخلاص ساز ثابت ہوتا ہے۔

امانت اور احساسِ ذمہ داری:

فرائض، واجبات اور زندگی کی دوسری ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونے کے لئے باطن میں احساسِ امانت کا ہونا از حد ضروری ہے۔

اخلاص کی بحث کو چاہوں کا کہ اللہ رب العزت کے اس ارشاد پر ختم کروں

هُوَ الْحَيُّ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (المومن:۶۵)

''وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا کوئی معبود نہیں سوائے اس کے پس اپنے دین کو اسی کے لئے خالص کرتے ہوئے اس کی عبادت بجالاؤ سب تعریفیں اللہ کے لئے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔''

دعائے اخلاص:

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ

اَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَمَنْ فِیْھِنَّ

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ

انت قیم السموت والا رض ومن فیھن

وَ لَکَ الْحَمْدُ وَاَنْتَ الْحَقُّ

وَ وَعْدُکَ حَقٌّ

وَ قَوْلُکَ حَقٌّ

وَ لِقَاؤُکَ حَقٌّ

وَ الْجَنَّۃُ حَقٌّ

وَ النَّارُ حَقٌّ

وَ السَّاعَۃُ حَقٌّ

وَ النَّبِیُّوْنَ حَقٌّ

وَ مُحَمَّدٌ ﷺ حَقٌّ

اَللّٰھُمَّ لَکَ اَسْلَمْتُ وَ عَلَیْکَ تَوَکَّلْتُ

وَ بِکَ اٰمَنْتُ وَ اِلَیْکَ اَنَبْتُ وَ بِکَ

خَاصَمْتُ وَ اِلَیْکَ حَاکَمْتُ فَاغْفِرْلِیْ

مَا قَدَّمْتُ

وَ مَا اَخَّرْتُ

وَ مَااَسْرَرْتُ

وَ مَا اَعْلَنْتُ

اَنْتَ الْمُقَدِّمُ

وَ اَنْتَ الْمُؤَخِّرُ

لَااِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ

وَ لَا اِلٰہَ غَیْرُکَ

حضور ﷺ تہجد کے وقت یہی دعا فرمایا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ ہمارا جینا اور مرنا انہی حقیقتوں کے نور پر فرمائے۔۔۔۔

☆☆☆

درِ داتا کے بوسے کی خواہش

یہ تب کی بات ہے جب لاہور کو اعتبار نصیب نہیں ہوا تھا

بیدار سرمدی

بیدار سرمدی پاکستان کے سینئر صحافی، ادیب اور شاعر ہیں، روزنامہ ''نوائے وقت'' میں کئی برس میگزین ایڈیٹر رہے ہیں۔ روزنامہ ''نوائے وقت'' کے کالم نگار ہونے کے ساتھ ساتھ روزنامہ ''فرنٹ'' لاہور/ سرگودھا کے ایڈیٹر بھی رہے ہیں۔ ان کا انداز تحریر منفرد اور مخصوص تاثرات کا حامل ہوتا ہے جس کا کچھ اندازہ اس مضمون سے بھی ہو جائے گا۔ (سعید بدر)

ٹاہلی کے ایک گھنے پیڑ کے نیچے رک کر مرد درویش نے نظر اٹھا کر دیکھا۔ جمی ہوئی گارا مٹی سے پختہ ہو جانے والی پگڈنڈی نما سڑک سے آفتابی لہریں کروٹ لیتی ابھر رہی تھیں اور ان کے اندر سے ننھا منا سا لاہور کچھ فاصلے پر نظر آ رہا تھا۔ آگ برستے موسم میں بھی ان کی آنکھوں میں بہار تھی۔ وہ اس بہار کی بارش کے ساتھ آگ آگے بڑھ رہے تھے۔ جب دریائے راوی ان کے قدم چومنے لگا تو لاہور کے لامبے کرتوں میں ملبوس پگڑیاں باندھے لوگوں کو حیرت ہوئی مگر ابھی تک اس آفتاب و ماہتاب کا سراپا کسی نے پوری طرح دیکھا ہی نہ تھا اور جب دیکھا تو دیکھتے رہ گئے۔ یہ مرد درویش حضرت داتا گنج بخشؒ تھے جو برسوں کی مشق حق آشنائی کے بعد دامن ہجویر سے لاہور کی منڈیر تک پہنچے تھے۔ اپنے مرشد کی ہدایت پر پہاڑوں سے نکلنے والے اس بڑے دریا کو خلاف معمول کسی انجانے راز کے حوالے سے ایسی سمت پر روانہ کر دیا گیا تھا جہاں زمین پیاسی تھی اور لوگ سچائی کی آواز کے متلاشی تھے۔ لوگوں کو اب کمپیوٹر ایج میں میلے دل اور الجھے دماغوں میں شاید یقین آ جائے کہ ایک دنیا اس ظاہری آنکھوں سے نظر آنے والی دنیا کے علاوہ بھی ہے جو موجود ہے۔ یہ روحانی دنیا ہے۔ اس کی اپنی حدیں ہیں، ملکتیں ہیں، حکمران ہیں اور ان حکمرانوں کا نظام الگ سے قائم و دائم رہتا ہے۔ حضرت شیخ حسین زنجانی کے اقلیم لاہور سے کوچ کرنے اور ان کی جگہ حضرت داتا گنج بخشؒ کی آمد اسی طرف اشارہ تھا، لیکن "علموں بس کریں اویار" کی آواز کو دیر سے سمجھنے والے صاحبان علم کو یہ بات واقعی بہت دیر سے سمجھ میں آئی۔ لاہور میں ایک دریا کے کنارے دوسرے دریا نے ڈیرہ جمایا تو اس دوآبے میں ہر طرف محبت کے پھول کھلنے لگے۔ انہی پھولوں نے دودھ بیچنے والی ایک مائی کو ہندو کرتبی کے جال سے نکال کر آپ کے قدموں میں لا کھڑا کیا۔ کیا محفل تھی کہ جس میں رکھے جھجھروں کے ٹھنڈے پانی نے دلوں کی دنیا بدلنی شروع کی تو لاہور میں ہر طرف اللہ دکھائی اور سنائی دینے لگا۔ بتکدۂ ہند میں یاحئی یاقیوم کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ لاہور میں بڑے بڑے بادشاہوں نے دربار سجائے لیکن یہ دربار اپنے درباریوں سمیت موسموں کے ساتھ رنگ بدلتے رہے۔ ایک دوسرے کی جگہ لیتا رہا۔ اگر کوئی دربار پہلے دن کی طرح بھرا بھرا رہا تو وہ صرف آپ کا دربار ہے۔ جس دریا کی روانی میں، بہاؤ میں فرق نہ آیا وہ کشف المحجوب کی صورت میں آپ کے لبوں کے بیچ میں سے نکلا۔ اس دریا میں کیسے کیسے موتی ہیں جو آنکھوں کو خیرہ کیے دیتے ہیں۔ اگر کسی دل میں سوال اٹھا: تصوف کیا ہے؟ تو ایک جملہ گوہر آبدار کی طرح سامنے آیا۔ "دل کا صرف اللہ کی طرف رجوع ہونا اور دنیا کی محبت سے خالی ہونا تصوف ہے"۔

خیال آیا صوفی کون ہے؟

جواب ملا: "صوفی وہ ہے جو صاف دل ہو۔ جب کلام کرے تو اس کا کلام اس کے حال کی حقیقت کا مظہر ہو اور جب خاموش رہے تو اس کی خاموشی اس کے حال کی ترجمانی ہو"۔

خیال آیا: معرفت الٰہی کسے کہتے ہیں۔ الجھن ان الفاظ سے دور ہوئی کہ "تمام نیکیوں کی جڑ یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کو دنیا اور آخرت میں پہچانیں، یہی معرفت ہے"۔

ایمان کے بارے میں پوچھنے والے کو حضرت ابراہیم بن ادھم، حضرت بایزید بسطامی اور حضرت جنید بغدادی کے حوالے سے جواب دیا کہ "ان کے بقول ایمان کا مطلب ایسی اطاعت اور فرمانبرداری ہے جس سے زبان سے اقرار ہو اور دل سے اس کی تصدیق ہو"۔ توبہ کی بات ہوئی تو کشف المحجوب نے مطلع دل یوں صاف کیا۔ "حضور سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: گناہ پر نادم ہونا توبہ ہے" اور یہ ایسی جامع تعریف ہے کہ اس میں افسوس، ترک گناہ اور آئندہ جرم نہ کرنے کے حوالے سے توبہ کی ساری شرطیں آ جاتی ہیں۔

گزشتہ 30 برسوں سے میں دیکھ رہا ہوں اور ایک ہزار برس سے لاہور کا ذرہ ذرہ مشاہدہ کر رہا ہے کہ حضرت داتا گنج بخشؒ کے دربار میں لنگر کی رونق بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ یہ لنگر طریقت و معرفت کا بھی ہے اور علم و ادب کا بھی، عقیدت و محبت کا بھی ہے اور خورد و نوش کا بھی۔ آنکھوں کے قافلے ہیں کہ دربار صداقت کے اردگرد خیمہ زن چلے آتے ہیں اور لوگ اتنے ہیں کہ میں گزشتہ 30 برسوں سے در روشن کے بوسے کے انتظار میں ہوں اور زبان سے میر تقی میر کا یہ شعر نکلتا ہے:

جو بھی آوے ہے ترے پہلو میں ڈھونڈے ہے وہ جا
ہم کہاں تک ترے پہلو سے کھسکتے جاویں

سچ پوچھیے تو ہم ہی سے در روشن اور ساتھ کی روشوں کے درمیانی فاصلے کو عبور کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی۔ ذرا آگے ہوتے ہیں تو روحانی اور دنیاوی خواص کی قطاریں درمیان میں حائل ہو جاتی ہیں۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی جیسے عظیم المرتبت اور ہمالہ پیکر چہرے چلہ کشی کرتے نظر آتے ہیں۔ وقت کے وزرائے اعظم سونے کے دروازوں اور دنیاوی حوالے سے انمول فواروں کی سفارشیں لئے حاضری کی

اجازت مانگتے دکھائی دیتے ہیں اور پھر عام لیکن طرحدار درویشوں کی قطاریں ہیں جن کے پاکیزہ دلوں کی قندیلیں اس دروازے کے آس پاس روشن ہو رہی ہوتی ہیں۔ ایسے حالات میں باہر کی روشوں اور درورشن کے درمیان کا فاصلہ کیسے طے ہو؟ رسم ادا کرنے والے تو منوں عرق گلاب سے غسل دے کر بھی چلے جاتے ہیں مگر اپنی ہمت نہیں پڑتی۔ 30 برس ہو گئے اپنے پیارے داتا کے در روشن کو بوسہ دینے کی خواہش کا بوجھ اٹھائے۔ اس دوران منظر کتنا بدل گیا ہے۔ 1826ء میں پہلی بار ایک گنبد والی چھوٹی سی مسجد نے، جو زیادہ تر لکڑی پر مشتمل تھی اب داتا دربار کمپلکس کی صورت اختیار کر لی ہے جس میں صرف سماع ہال 325000 مربع فٹ ہے اور اس میں آٹھ ہزار افراد بیٹھ کر دل کی باتیں کر سکتے ہیں۔ 1923ء میں داتا دربار کی مسجد کے جنوب میں وضو کے لئے جو تالاب بنا اور اذان کے لئے نو منزلہ برج بنایا گیا تھا اب اس کی جگہ مسجد کے کشادہ صحن کے بڑے فلور پر سبز ٹکڑوں کے ساتھ ایسا فوارہ لگایا گیا ہے جو لہریں پیدا کرتا ہے۔ ہاں اس سارے ماحول میں حضرت داتا گنج بخش کے مزار کے گنبد کو درمیان میں رکھنے کا خیال سب کے دل میں رہا ہے۔ بڑے لوگوں کا تذکرہ ہو تو تاریخ سازوں کے راہنما ہیں، گواہی دینے والوں میں، بلکہ اقرار کرنے میں جب حضرت خواجہ معین الدین چشتی جیسے بڑے لوگ ہوں اور گواہی بھی ہمیشہ کے لئے یادگار ہو جانے والے ان الفاظ میں دی ہو:

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

تو پھر کس میں دم ہے کہ کوئی دوسرا خیال دل میں لائے۔ میری نظریں آج بھی 30 برس بعد بھی ہجویر کے پاکیزہ ماحول سے لاہور کے اس درخت تک پھیلے ہوئے راستے کا طواف کر رہی ہیں جس کی گھنی چھاؤں نے پورے لاہور، پورے پنجاب اور پورے برصغیر کی طرف سے ایک بڑے انسان کا استقبال کیا۔ میں آج بھی چشم تصور سے دیکھ رہا ہوں کہ ایک سراپا محبت، خلوص اور علم و عمل کے پیکر انسان، وسوسوں، منتشر خیالات اور اندر کی بینائی سے محروم ایک بڑے ہجوم کے درمیان میں بیٹھے ان کو وسوسوں، غیر یقینی صورتحال اور کفر کی گہری گھاٹیوں میں دھکیلنے والے اندھیرے سے بچا کر یقین، عمل اور مکمل سکون کی چادروں سے نواز رہے ہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ اس دربار سے فیضیاب ہونے والوں میں مختلف عقیدوں، نظریات اور سوچوں کے حامل چہرے ہیں جو ایک ہی روشن چہرے کے سامنے ایک ہی برتن سے پانی پی کر ایک سے ہوئے جاتے ہیں۔ ایسی راہنمائی، ایسی تربیت کہ پل میں دل کی دنیا بدل جائے۔ کئی سو سال پہلے ٹاہلی کے گھنے پیڑ کے نیچے رک کر لاہور کو میٹھی شہد جیسی زبان سے پکارنے والے داتا گنج بخش کی آواز آج بھی اہل دل کو اپنی طرف متوجہ کر رہی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو داتا کی آخری آرام گاہ کے من موہنے گنبد کے اردگرد کبوتروں کے ہمراہ دانہ چگنے والے عقیدت مندوں کی تعداد میں دن بدن اضافہ نہ ہوتا۔ بے شک آنے والوں کی تعداد بڑھ رہی ہے، بڑھتی جا رہی ہے مگر میں تعصبات، فرقہ واریت، سستی لیڈری کے چند روزہ نشے اور غیر اسلامی تصوف کے امراض سے پاک صاف ستھرے صوفیانہ مشن کے حامل اس روشن چہرے کی چوکھٹ کے بوسے کے انتظار میں ہوں اور 30 برس گذارنے کے بعد اب یہ خیال بھی پسینہ پسینہ کیے دیتا ہے کہ اگر ہم حضرت داتا گنج بخش کے دروازے کے بوسے کے قابل نہیں ہو سکے تو ان کے محبوب (جو محبوب خدا بھی ہیں) کے روضے کی جالی تک جاتے جاتے کیا حال ہو گا؟ جہاں جنید و بایزید بھی نفس گم کردہ آتے ہیں۔

☆☆☆

کشف الاسرار

ڈاکٹر ظہور الدین

مخدوم امم سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب کے علاوہ متعدد کتابیں تحریر کیں لیکن کشف المحجوب کے سوا باقی تمام کتابیں مفقود ہیں اور ان کا کہیں سراغ نہیں ملتا۔ ان میں سے ''منہاج الدین اندر طریق تصوف'' کے متعلق سید ہجویر فرماتے ہیں کہ ''اس کتاب کو کسی نے چرا لیا اور اپنے نام سے منسوب کر لیا'' یہی حال دیوان اشعار کا ہے۔ اس کا مسودہ بھی کوئی مانگ کر لے گیا اور پھر اس نے اپنا نام اور تخلص شامل کر کے اس کی اشاعت شروع کر دی۔ سید ہجویر کی ان گمنام کتب میں سے ''کشف الاسرار'' کا نام بھی ملتا ہے جو ایک رسالہ کی صورت میں تھی۔ کچھ عرصہ پہلے کسی نے یہ رسالہ بحر الاسرار کے نام سے لاہور سے شائع کر دیا جس میں اصل متن کے علاوہ ترجمہ بھی شامل ہے۔ منشی نور احمد نے ترجمہ کیا اور ملک چنن دین تاجر کتب کشمیری بازار لاہور نے اسے شائع کر دیا ہے۔ ایک دوسری روایت کے مطابق مطبع محمدی لاہور نے پہلی بار شائع کیا، لیکن محققین نے اس رسالہ کے زبان و بیان کے پیش نظر اسے جعل سازی قرار دیا ہے۔ مشہور محقق حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے بھی اسے سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ماننے سے انکار کیا ہے۔ قارئین کی دلچسپی کے لئے ہم ڈاکٹر ظہور الدین کی محققانہ تحریر پیش کر رہے ہیں جس میں انہوں نے زبان و زبان کے حوالے دے کر ثابت کیا ہے کہ یہ رسالہ سید ہجویر کی تصنیف نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کا اسلوب نگارش اور زبان و بیان، کشف المحجوب سے نہیں ملتا۔ یہ رسالہ سبک ہندی میں ہے جبکہ کشف المحجوب کی نثر دور سامانیاں کی ہے۔

(مرتب سعید بدر)

سید علی ہجویری نے اپنی تصانیف میں سے ایک کتاب ''کشف الاسرار'' کا نام بھی لیا ہے۔ یہ کتاب ملک چنن دین تاجر کتب کشمیری بازار لاہور نے شائع کر دی ہے۔ اصل متن کے ساتھ اس کا اردو ترجمہ بحر الاسرار کے نام سے موجود ہے، منشی نور احمد اس کے مترجم ہیں۔ اس کی اشاعت دوم ہمارے سامنے ہے۔ بڑے سائز صفحہ 13 سے صفحہ 22 تک اس کا متن درج ہے۔

کشف الاسرار کو ایک رسالہ سمجھنا چاہئے جو خاص موضوع سامنے رکھ کر مرتب نہیں کیا گیا اور نہ اسے ابواب و فصول میں منقسم کیا گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک پیر ہیں جو اپنے مرید کو مخاطب کر کے وعظ کہہ رہے ہیں۔ کہیں کہیں مرشد اپنے آپ کو بھی مخاطب کرتے ہیں۔ رسالے کا موضوع تصوف، فقیری اور درویشی ہے۔ اس میں ترک دنیا کا سبق، سیر و سیاحت کی ترغیب، ذکر و فکر کی دعوت اور اطاعت مرشد کی تلقین ہے۔

سید علی ہجویری کشف المحجوب میں واحد متکلم کے طور پر اپنا نام اس طرح لیتے ہیں "منکہ علی بن عثمان الجلابی ام" اسی طرح اس رسالے میں بھی تین چار مرتبہ ان کا نام مذکور ہے۔ انہوں نے دو جگہ اپنے آپ کو اے علی! اے ہجویری بھی کہا ہے۔ ضمناً رسالے کے متن سے ان کی زندگی کے بارے میں بھی اطلاعات حاصل ہوتی ہیں مثلاً لکھا ہے کہ وہ ہجویر میں پیدا ہوئے۔ بارہ برس کی عمر میں انہوں نے ایک کتاب بھی تصنیف کی۔ نام نہیں بتایا۔ ابوالقاسم ان کے استاد تھے وہ ہندوستان آئے۔ لاہور کو جنت مثال پایا۔ آخر بچوں کو پڑھانے کی خاطر لاہور کو اپنا وطن بنایا لیکن جب انہیں احساس ہوا کہ اس کام سے ان کے دماغ میں حکومت کی بو آ گئی ہے تو انہوں نے یہ کام چھوڑ دیا۔ انہوں نے اپنے معاصر شیخ حسام الدین لاہوری اور تاج الدین کا بھی ذکر کیا ہے اور ان کے اقوال درج کیے ہیں۔

مذکورہ بالا باتیں ایسی ہیں جن سے یہی خیال ہوتا ہے کہ یہ رسالہ سید ہجویری کا ہی لکھا ہو گا لیکن زبان و بیان کی خامیاں اور تاریخی غلطیاں ہمیں مجبور کرتی ہیں کہ ہم اس رسالے کو داتا صاحب کی تالیف نہ سمجھیں۔ مثلاً

ص 13 پر لکھا ہے "سختان بسیار برائے طالبان خود دارم" ایک صوفی پاکباز اور عالم اپنے مریدوں کو کبھی طالبان خود کے لقب سے نہیں پکارے گا۔ یہ الفاظ داتا صاحب کے نہیں ہو سکتے۔ اسی صفحے پر سردار مشائخان نے لکھا ہے۔ کشف المحجوب میں جب سید صاحب نے کلمہ مشائخ استعمال کیا ہے تو یہاں مشائخاں کیوں استعمال کرتے ہیں؟ ایک جگہ لکھا ہے "کشف المحجوب را محبت قلبی درمیان اندک مدت تمام کردہ بودم" یہ بیان خلاف واقعہ ہے۔ سید صاحب نے کشف المحجوب میں خود بیان کیا ہے کہ وہ دو مرتبہ ہندوستان آئے۔ پہلی مرتبہ کی آمد کا ذکر انہوں نے اس طرح کیا ہے "من اندر دیار ہند او در میان ناجنساں گرفتار ماندہ" (ص 100 نسخہ مطبوعہ لینن گراڈ) اس سلسلے میں انہوں نے ذکر کیا ہے کہ ان کی کتابیں غزنی میں رہ گئی ہیں اس لیے وہ اپنے شیخ کی بعض روایات کو نقل نہیں کر سکتے۔ یہ پہلا سفر 430.429 میں ہوا۔ کشف المحجوب 481ھ تک مکمل نہیں ہوئی تھی کیونکہ اس میں انہوں نے شیخ عبداللہ ہروی متوفی 481ھ کو رحمۃ اللہ علیہ لکھا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ کتاب کئی سالوں میں مکمل ہوئی۔ ویسے بھی کشف المحجوب کی ترتیب و تبویب اور متنوع موضوعات کے لیے بے شمار کتابوں کے حوالے

س بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ "درمیان اندک مدت" یہ کتاب تمام نہیں ہوسکتی۔
ص13 اپنے رسالے کے بارے میں لکھا ہے۔ "درنظر من این کتاب بہ از دیگر اذکار است" اس جملے میں ایک تو زبان کی ناہمواری ملاحظہ کیجئے۔ اگر اذکار سے مراد ذکر خدا، درود وظائف ہے تو یہ رسالہ یقیناً ان سے بہتر نہیں۔ سید ہجویری ایسے ثقہ مصنف اپنے رسالے کے بارے میں خود ہی "درنظر من" کیوں کہتے۔
ص14 زبان کی نیرنگیاں ملاحظہ فرمائیے۔ یہ داتا صاحب کی زبان معلوم نہیں ہوتی۔
"درگفتگو واذکار فقیر بودند"
یا حضرت بر واحد اظہر اظہر است،
اے ہجویری عزت و دولت است بے اعتبار خود بگزین و در راہ راہ شو،
"فی الجملہ مطلب از ین است"
ص15 بوساطت معلمے صبیان تو طن و سکونت اختیار نمودم،
اے استحقاق پناہ،
خضر را جب دار،
از ین بہبودی تو خواہد شد،
ص16 پس او ماندی، کشف المحجوب میں ماندن چھوڑنا کے معنوں میں استعمال ہوا، مثلاً عیالی چہ ماندی یعنی بیوی کے لئے کیا چھوڑا ...۔ ایک مصنف ایک زمانے میں ایک ہی لفظ کو دو معنوں میں استعمال نہیں کرتا کیونکہ اس کے زمانے میں وہ لفظ دوسرے معنوں میں استعمال نہیں ہوتا تھا۔
ص16 بہم اگر ہفت ہزاری گردی چہ شد، گردستی گرد خواہی شد، اس جملے نے ہمارے شکوک کو بہت تقویت دی ہے کہ یہ کتاب سید علی کی تالیف نہیں ہوسکتی کیونکہ غزنیوں کے عہد تک دو ہزاری، سہ ہزاری ہفت ہزاری، ہر قسم کے مناصب کا رواج نہیں تھا یہ تو جلال الدین اکبر بادشاہ(963......1014ھ) کے زمانے میں قائم کئے گئے تھے اس لیے یہ کتاب اکبر یا اس کے زمانے میں تالیف ہوئی ہے۔
ص17 "چہار صد پیغمبر ان خدمت کردم از انہا ہشت ہزار کلمہ حاصل کردم"، یہ غزنوی عہد کی زبان نہیں ہوسکتی۔
ہندوستانی فارسی کی جھلک نظر آتی ہے۔ مندرجہ ذیل جملے بھی دیکھئے۔
"سن من الحال اثنا عشر کہ بستند"
ص18 پیش آنہا علم میخوانم،
ص19 زبان مرا بوقت شہادت بندش مہ، خود را خاک کن تا باطن بدیدی،
مریسند من ہمین است، طبیعت میکنی، تا نیک اولاد پوری، مزدوری اور پوری کے پنجابی الفاظ ملاحظہ کیجئے۔
ص19 "اے علی ترا خلق میگوید گنج بخش" اس رسالے کا مولف یہاں بھی تاریخی غلطی کا مرتکب ہوا ہے۔ سید علی ہجویری اپنی زندگی میں گنج بخش کے لقب سے مشہور نہیں ہوئے بلکہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری نے پہلی مرتبہ اپنے شعر میں ان کو اس لقب سے خطاب کیا ہے۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

کشف الاسرار کے مترجم نے اس رسالے کے آخر میں سید ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی بھی لکھے ہیں۔
انہوں نے خود اس بات کا ذکر کیا ہے کہ سب سے پہلی مرتبہ "گنج بخش" کا لقب شیخ معین الدین چشتی نے داتا صاحب کے لیے استعمال کیا تھا۔ ترجمہ کرتے وقت ان کے ذہن میں غلطی نہیں کھٹکی۔
ص19 مطالب عقبیٰ مشو، حضرت سید ہجویری ان صوفیاء میں سے تھے جو طریقت میں شریعت کی پابندی لازم سمجھتے تھے۔ جب خدائی فرمان کے مطابق دنیا و آخرت دونوں میں خیر طلبی کا حکم ہے تو وہ کس طرح اپنے آپ پر یہ حکم لگا سکتے تھے۔ یہ بھی ان کا قول نہیں ہوسکتا۔ یہ رسالے کے صفحہ 22 پر لکھا ہے خداوند مرا جنت دہ کیا جنت مانگنا طلب عقبیٰ نہیں۔ مولف کے اپنے قول میں تضاد ہے۔
ص19 ای علی! تو یوسف کنعانی، یقین نہیں آتا کہ داتا صاحب اپنے آپ کو اس طرح مخاطب کریں۔

ص20 کاہ برقد سرو رفتارش لگر رامی فروزانم، قد سرو رفتار، کی ترکیب ملاحظہ فرمائیں۔ سرو قد تو سنا ہے۔ سرورفتار کی تشبیہ کسی کو نہیں سوجھی۔

ص21 سید عالم شاعر بھی تھے۔ ان کی زبان سے کہلوایا ہے۔ "بیت واشعار بسیار گفتہ ام ودیوان گفتم بسیار مطبوع وپسندیدہ، اول تو اس بیان کی زبان ہی انکار رہی ہے کہ ایرانی محاورہ نہیں اور پھر خود ہی اپنے دیوان کو مطبوع وپسندیدہ کہنا سید صاحب کو کیا زیب دیتا تھا۔ اس کے بعد اپنی ایک غزل لکھی ہے جو یہاں نقل کی جاتی ہے۔ آپ بھی ملاحظہ کریں۔ زبان کس قدر غلط ہے۔ بندش الفاظ کتنی ڈھیلی اور تخیل کتنا غیر واضح ہے۔

شوق تو در روز شب دارم و ما
عشق تو دارم بہ پنہاں و ما
جاں خواہم دا دمن در کوئے تو
گو مرا آزار آید با بلا
عشق تو دارم میان جان و دل
مید ہم از عشق تو ہر سو صلا
یا خداوندا رقیباں را بکش
یا مرا در یار کن مست بلا
جام من دارد شراب یا و خود
مہرباں کن برمن وہم مبتلا
اے چسا کز تو اگر خواہم لقا
گر تو آری ولیکن ہرگز تو لا
اے علی تو فرخی دو شہر و کوے
وہ زعشق خوشتن ہر سو صلا

ص22 پر لکھا ہے، میدانی کہ سلامت خواہم ماند زن مکن کہ بلائے است عظیم وعذاب است ولیم۔ کشف المحجوب میں ہجویری صاحب نے عورت کے بارے میں اس قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ممکن ہے اس رسالہ کے مؤلف نے ان سے ہم نوائی در ہم فکری کی خاطر ان کا یہ خیال لکھ دیا ہو دا تا صاحب نے اپنے اس نظریے کی خاطر شادی نہیں کی اور یہ صحیح بھی معلوم ہوتا ہے لیکن عام سوانح نگار لکھتے ہیں کہ انہوں نے دو شادیاں کیں، چنانچہ اس رسالے کے مترجم نے بھی صفحہ 26 پر یہی لکھا ہے کہ اگر انہوں نے شادیاں کیں تھیں تو کیا وہ دوسروں سے کہتے تھے "زن مکن" اور خود اس کے خلاف عمل کرتے تھے۔

ص دیسی فارسی کے کچھ اور نمونے دیکھ لیجئے۔

بجز نام تو روئے ندارد وہ بجز غربت کے ندارد،

ص23 والدین را ہچون قبلہ پیشگی بدان

سپردرو بجق جل جلالہ، وعم نوالہ واعلٰی صفاتہ می کنم۔

ص23 از گفتہ من غصہ نکنی۔ غصہ کردن ہندوستانی محاورہ ہے۔ اہل غزنہ کی زبان نہیں۔

مندرجہ بالا امور کی بنا پر ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ یہ رسالہ سید ہجویری کی تصنیف نہیں۔ کسی ہندوستانی پیر کی تالیف ہے۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس نے اپنے آپ کو سید علی کے روپ میں کیوں دھار لیا ہے۔ فی الحال کشف الاسرار کا کوئی قدیم نسخہ دستیاب نہیں ہوا۔ اگر کہیں سے مل گیا تو پھر یقیناً اس جعلی علی بن عثمانی الجلابی کا راز فاش ہو جائے گا۔ اپنے نام کے ساتھ مؤلف نے الجلالی لکھا ہے۔ ممکن ہے الجلابی کی تصحیف ہو یا پھر وہ جلابی، کی نسبت سے باخبر تھا اور اس نے جلابی کے بجائے جلالی لکھ دیا۔ (پاکستان میں فارسی ادب جلد اول)

☆☆☆

رحمۃ اللہ علیہ

مرقد ہجویری کا مرقعہ

محترم محمد الطاف نیروی نے زیرِ نظر سطور میں مزار سید علی ہجویری کی اندرونی و بیرونی تصویر کشی کی ہے جو آج سے دس سال پہلے تھی۔ حکومت کی جانب سے مسجد اور مزار کی علاقہ کی تعمیرِ نو کے بعد اب صورتحال کافی تبدیل ہو چکی ہے۔ مسجد کے صحن میں کافی حد تک توسیع ہو چکی ہے۔ (مرتب سعید بدر)

محمد الطاف نیروی

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مرقد منور و مطہر مرکز انوار و تجلیات کے سرہانے مبارک کی طرف سنگ مرمر کی تختی لگی ہوئی ہے اس۔سب سے پہلے حامد مصلیا رقم ہے اس کے بعد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اس کے بعد ڈیزائن میں الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون اس کے بعد جلی قلم میں مرکز تجلیات اس کے بعد چھوٹے الفاظ میں قدوۃ السالکین سزبدۃ العارفین حجۃ الکاملین سند الواصلین مظھر العلوم الخفی و الجلی المشہور مخدوم علی ہجویری المعروف حضرت داتا گنج بخش لاہوری اور اس کے بعد قدس اللہ روحہ ولا زالت تجلیاتہ وبرکاتہ دائما ابدا اس کے بعد جلی قلم میں

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

اس کے نیچے سال، سال 465ھ تحریر شدہ ہے۔

مرقد مبارک کے چاروں اطراف میں ایک فٹ اونچی دیوار اور اس کے اوپر ایک فٹ سنگ مرمر کی جالی نصب ہے اور جالی کے اندر مقبرہ منور پھول اور چادریں ہر وقت تازہ بتازہ ہوتی ہیں اس جو کہ زائرین ہر آن نچھاور کرتے رہتے ہیں۔ مرقد منور سے چار سے چھ سات فٹ اطراف میں وہ گول دیوار ہے جس پر گنبد مبارک بنایا گیا ہے گول دیوار کے اندر آٹھ دروازے ہیں گویا کہ جنت کے آٹھ دروازوں کی طرف اشارہ ہے۔ چار دروازے کھڑکیوں کی شکل میں کھلے ہوئے ہیں ایک کھڑکی عورتوں کی طرف کھلتی ہے اور چار دروازے سنگ مرمر کی جالی کے ساتھ بند ہیں۔ زائرین ان کے قریب کھڑے ہو کر ایصال ثواب اور دعا کرتے ہیں اور بیٹھ کر قرآن پاک اور دیگر اوراد اور وظائف کی تلاوت کرتے ہیں اور حاجات پیش کرتے ہیں۔

آٹھ دروازے کی گول دیوار پر گنبد قائم ہے اور گنبد کے اندر اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام اور حضرت شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے عربی رباعی

بلغ العلی بکمالہ
کشف الدجی بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ
صلو علیہ وآلہ

مرقوم ہے۔

گول دیوار کے متصل جو مسقف علاقہ ہے جس کے نیچے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کا حجرہ اعتکاف ہے اسے زائرین عقیدت مند غلام گردش کے نام سے یاد کرتے ہیں اس غلام گردش کے نیچے مخلصین کی قبور بھی ہیں جیسا کہ حضرت شیخ ہندی ابوالحسنات قادری، مولانا فیروز الدین چوہدری، غلام رسول، پیر حضوری شاہ صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم کی قبور ہیں۔ اسی غلام گردش کے نیچے کعبہ شریف کی طرف مائل مرقد منور کے سرہانے کی طرف پانی کی چند ٹونٹیاں لگی ہوئی ہیں جن کا تعلق ٹیوب ویل کے پانی سے ہے اور زائرین ان ٹونٹیوں سے شفا حاصل کرنے کے لئے پانی پیتے ہیں اور دور دراز علاقوں میں بھی لے کر جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ کے قدموں کے طفیل زائرین کو خوب شفا دیتا ہے اور اس پانی کو چشمہ شریف کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ لوگوں کو اس لئے شفاء ہوتی ہے کہ آپ کی اس پانی کی طرف توجہ خصوصی ہے۔ خصوصیت کی دلیل یہ ہے کہ اس پانی کا تعلق ٹیوب ویل سے ہے اور وضو خانہ کا تعلق بھی ٹیوب ویل سے ہے وضو خانہ کا پانی ٹھنڈا ہوتا ہے اور چشمہ کا پانی گرمی کی طرف مائل ہوتا ہے یہ اس بات کی واضح اور روشن دلیل ہے کہ آپ اس توجہ کے بناء پر پانی ہمیشہ مائل بگرمی ہوتا ہے اور کئی سالوں کا میرا ذاتی تجربہ ہے کہ اسی بناء پر اللہ تعالیٰ لوگوں کو شفاء کی نعمت سے بہرہ ور کرتا ہے۔

غلام گردش کی چھت کے نیچے عربی، فارسی، اردو، پنجابی میں اشعار رقم کئے گئے ہیں جو مختلف شعراء کے ہیں۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے ذاتی ارشادات اور فرمودات بھی تحریر کئے گئے ہیں جو کہ عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں لکھے گئے ہیں۔

غلام گردش کے نیچے قرآن، حدیث، فارسی، اردو، پنجابی مرقوم شدہ عبارات ہے۔

(1) الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون (سورہ یونس پ 11 آیت 62)

(2) فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون (سورہ بقرہ پ 2 آیت 154)

(3) ام حسب الذین اجترحوا السیات ان نجعلھم کا الذین امنوا وعملوا الصلحت سواء محیاھم ومماتھم ساء ما یحکمون (سورہ حاشیہ پ 25 آیت 21)

(4) وما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنہ فانتھوا واتقو اللہ ان اللہ شدید العقاب (سورہ حشر پ 28 آیت 7)

(5) ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفا کا نھم بنیان مرصوم (سورہ الصف پ 28 آیت 4)

☆☆☆

حضرت داتا گنج بخش میرے کتب خانہ میں

محمد عالم مختار حق

حضرت علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش کا اسم گرامی زبان پر آتے ہی ذہن آپ کی مایہ ناز تصنیف ''کشف المحجوب'' کی طرف منعطف ہو جاتا ہے۔ داتا صاحب کا شمار دورِ اولین کے ان اکابر صوفیاء کرام میں ہوتا ہے جنہوں نے برصغیر پاک و ہند میں اشاعت اسلام میں نمایاں حصہ لیا۔ داتا صاحب نے تبلیغ اسلام کے لیے صرف لسانی تبلیغ و تذکیر سے ہی کام نہیں لیا بلکہ تحریری طور پر بھی اس میدان عمل میں سرگرم رہے۔ چنانچہ آپ نے متعدد کتابیں احیاءِ اسلام کے لیے سپردِ قلم فرمائیں مگر وہ کشف المحجوب کے سوا ساری کی ساری دستبردِ زمانہ سے ناپید ہو چکی ہیں۔ کشف المحجوب کے اس منفرد اعزاز کی پذیرائی اس انداز سے بھی ہوئی کہ اردو زبان میں اس کے متعدد تراجم وجود پذیر ہوئے جس سے عوام بھی اس سے مستفید ہوئے اور بقول علامہ اقبال:

حق ز حرف او بلند آوازہ شد (اسرار و رموز)

اگرچہ بعض نے ''کشف الاسرار'' کو بھی داتا صاحب سے منسوب کیا ہے مگر عصر حاضر کے بزرگ محقق حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ (م:۱۹۹۹۔۱۱۔۱۷) نے اردو ترجمہ کشف المحجوب از علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری مطبوعہ المعارف گنج بخش روڈ لاہور ۱۳۹۳ھ کے مقدمہ میں اس کا انتساب داتا صاحب سے بدلائل قاطعہ و براہین ساطعہ رد کر دیا ہے۔ ہم اس مقام پر کشف المحجوب کے فارسی متون کے علاوہ اردو اور دیگر زبانوں میں تراجم کے کوائف درج کر رہے ہیں جو ''راقم'' کے کتب خانہ کی زینت ہیں۔ کشف المحجوب کے علاوہ جتنا گنج بخشی وغیرہ راقم کے کتب خانہ میں موجود ہے، اس کی نشاندہی بھی ذیل میں کی جا رہی ہے۔ یہاں اس بات کی وضاحت بھی کر دی جائے کہ تکملہ میں ان کتب کا ذکر کیا گیا ہے جو دیگر ذرائع سے علم میں آئیں مگر راقم کے کتب خانہ میں موجود نہیں۔ ان کا اندراج اس نقطہ نظر سے کیا گیا ہے کہ جو۔ کالرز داتا صاحب پر تحقیقی کام کرنا چاہیں، یہ لوازمہ ان کے لیے ممد و معاون ثابت ہو۔

دادیم نشاں ز گنج مقصود ترا

گر ما نہ رسیدیم تو شاید برسی

کشف المحجوب:

فارسی متون:

۱۔ طبع نامی گرامی حرمت مند سلیانوف۔ (سمرقند) ۱۳۳۰ھ سعی و اہتمام: ملا سید عبدالمجید مفتی۔ بقلم: میرزا سید عبدالسلام ۲۔ تصحیح: استاد و محقق زندہ یاد وژوکوفسکی مقدمہ: قاسم انصاری کتاب خانہ طہوری۔ تہران۔ ۱۹۷۹ھ

۳۔ مقدمہ تصحیح و تعلیقات: دکتر محمود عابدی۔ انتشارات سروش، تہران ۱۳۸۳، ۲۰۰۴ء

۴۔ تصحیح و تحشیہ: علی قویم۔ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد و اسلامک بک فاؤنڈیشن سمن آباد لاہور۔ ۱۹۷۸ء (نسخہ تہران)

۵۔ مرتبہ: دکتر محمد حسین تسبیحی رھا۔ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد۔ ۱۹۹۵ء وحمن پبلی کیشنز لاہور

۶۔ قلمی نسخہ کی عکسی طباعت: الحاج میاں خوشی محمد سجادہ نشین دربار گنج بخش لاہور ۱۹۸۲ء (دیباچہ: پروفیسر غلام سرور رانا)

۷۔ قلمی نسخہ کی عکسی طباعت (طبع جدید): ناشر الحاج خوشی محمد سجادہ نشین دربار حضرت داتا گنج بخش لاہور

(مقدمہ شیخ عبدالرؤف لوتھر) ۲۰۰۶ء

۸۔ تصحیح: مولانا مولوی حکیم محمد حسین فاضل دیوبند شیخ جان محمد الہ بخش گنائی، تاجران کتب علوم مشرقی انارکلی لاہور ۱۹۳۱ء

۹۔ تصحیح: مولانا سید احمد علی شاہ پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور و خطیب شاہی مسجد لاہور
شیخ الٰہی بخش محمد جلال الدین تاجران کتب کشمیری بازار لاہور۔ ۱۹۲۳ء

۱۰۔ سعی و اہتمام: احمد ربانی ایم اے۔ پاکستان ریلوے سروس، میسن روڈ لاہور (مقدمہ: پروفیسر ڈاکٹر مولوی محمد شفیع)
(قدیم ترین نسخہ کہ بقلم خواجہ بہاء الدین زکریا ملتانی منقول)

۱۱۔ حاجی فرمان علی اینڈ سنز، تاجران کتب اردو بازار لاہور

اردو تراجم

۱۔ ابوالحسنات محمد احمد قادری۔ کلام المرغوب اردو ترجمہ کشف المحجوب (نسخہ سمرقند)۔ مقدمہ: حکیم محمد موسیٰ امرتسری

ii۔ المعارف گنج بخش روڈ لاہور ۱۳۹۳ھ

iii۔ المعارف گنج بخش روڈ لاہور (طبع ثانی) ۱۳۹۳ھ (اس ایڈیشن میں تاریخ طباعت نہیں بدلی گئی)

المعارف گنج بخش روڈ لاہور ۱۴۰۰ھ

۲۔ اقبال احمد فاروقی ایم اے۔ مراد المطلوب خلاصہ کشف المحجوب (سوالات۔ جوابات)۔ ملک نذیر احمد پروپرائٹر تاج بک ڈپو، اردو بازار لاہور

۳۔ اللہ رکھا قریشی۔ صحیفہ محبوب اردو ترجمہ کشف المحجوب ایضاً بعنوان "رشحات کشف المحجوب"۔ مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور۔ ۲۰۰۹ء شیخ غلام حسین اینڈ سنز پبلشرز و تاجران کتب کشمیری بازار لاہور

۴۔ جی آر اعوان۔ تسہیل کشف المحجوب۔ ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ لاہور۔ ۲۰۰۳ء

۵۔ چراغ محمد علی۔ (تلخیص)۔ نذیر سنز پبلشرز اردو بازار لاہور ۱۹۹۸ء

۶۔ شاہد زبیر۔ (تلخیص و تسہیل)۔ بیکن بکس لاہور/ ملتان ۲۰۰۶ء

۷۔ شبلی، ڈاکٹر محمد صدیق خان۔ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور۔ ۲۰۰۷ء

۸۔ شمس الہند شایق ایزدی۔ مع اردو ترجمہ کشف الاسرار۔ شیخ الٰہی بخش محمد جلال الدین تاجران کتب کشمیری بازار لاہور ۱۳۴۶ء

۹۔ طارق عبدالرحمن۔ نعمانی کتب خانہ لاہور۔ ۱۹۷۹ء

۱۰۔ ظفر، مولانا محمد اسحاق۔ مشتاق بک کارنر۔ الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور

۱۱۔ ظہیر الدین، علامہ بدایونی۔ کتب خانہ شان اسلام لاہور

۱۲۔ عبدالرؤف فاروقی، مولانا۔ اسلامی کتب خانہ اردو بازار لاہور

۱۳۔ فیروز الدین، مولوی، لاہوری۔ کتب خانہ اسلامی پنجاب لاہور

۱۴۔ فیروز الدین، مولوی (زیر ہدایت و نگرانی)۔ بیان المطلوب اردو ترجمہ کشف المحجوب۔ فیروز پرنٹنگ ورکس سرکلر روڈ لاہور۔ ۱۹۴۷ء

۱۵۔ قاسم محمود، سید (تلخیص)۔ پندرہ روزہ "ادبیات" کراچی۔ مورخہ ۱۵-۶-۱۹۷۷

۱۶۔ گوہر، علامہ فضل الدین۔ ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ لاہور۔ ۱۹۸۹ء۔ مقدمہ: پیر محمد کرم شاہ الازہری۔ مخطوطہ بہاء الدین زکریا کا اردو ترجمہ)

۱۷۔ محمد الطاف نیروی (مؤذن جامع مسجد داتا گنج بخش لاہور)۔ ناشر: مترجم ۱۹۹۲ء

۱۸۔ محمد حسین مناظر گوندلانوالیہ۔ اشاعت منزل بل روڈ لاہور ۱۹۵۵ء (تصحیح: مع سوانح عمری پیر غلام دستگیر نامی)

۱۹۔ محمد طفیل، میاں۔ (تلخیص و تحریف)۔ اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ شاہ عالم مارکیٹ لاہور۔ ۱۹۸۰ء

۲۰۔ محمد عبدالعزیز نقشبندی۔ ملک سراج الدین اینڈ سنز پبلشرز کشمیری بازار لاہور۔ ۱۹۵۷ء

۲۱۔ محمد فاروق القادری، سید۔ فرید بک سٹال اردو بازار لاہور۔ ۱۹۸۹ء (دیباچہ: صاحبزادہ محمد سلیم حماد ہجویری)

۲۲۔ ناظم، بشیر حسین، الحاج۔ ارمغان محبوب اردو ترجمہ کشف المحجوب۔ کرمانوالہ بک شاپ دربار مارکیٹ لاہور۔ ۲۰۰۷ء

۲۳۔ نشتر، عبدالحکیم خاں جالندھری۔ انوار القلوب اردو ترجمہ کشف المحجوب۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور۔ ۱۹۶۸ء

۲۴۔ نعیمی، غلام معین الدین۔ طریق المحجوب اردو ترجمہ کشف المحجوب۔ مدینہ پبلشنگ کمپنی بندر روڈ کراچی۔ ۱۹۷۶ء

۲۵۔ نعیمی، غلام معین الدین، طریق المحجوب اردو ترجمہ کشف المحجوب، قادری رضوی کتب خانہ گنج بخش روڈ لاہور۔ ۲۰۰۵ء

۲۶۔ واحد بخش سیال، الحاج، کپتان۔ فیروز سنز لمیٹڈ لاہور۔ ۱۹۹۴ء

۲۷۔ واحد بخش سیال الحاج، کپتان۔ (شرح)۔ الفیصل تاجران کتب اردو بازار لاہور۔ ۱۹۹۵ء

۲۸۔ وقار علی بن مختار علی۔ جہانگیر بک ڈپو اردو بازار لاہور

۲۹۔ یزدانی، عبدالمجید ایم اے۔ گنج مطلوب اردو ترجمہ کشف المحجوب۔ ناشران قرآن لمیٹڈ اردو بازار لاہور۔ ۱۹۶۸ء (نسخہ لینن گراڈ)

۳۰۔ یونس ادیب۔ (تلخیص)۔ شیخ غلام علی ادبی مارکیٹ چوک انارکلی لاہور (مشمولہ "حضرت داتا علی ہجویری" از مصنف۔ ۱۹۷۷ء)

۳۱۔ خواجہ شاہد حمید مکی مدنی۔ کشف المحجوب (تلخیص و تسہیل)۔ ایوان فاطمہ شاہ جمال لاہور ۱۴۲۲ھ۔

دیگر زبانوں میں تراجم

پنجابی:

۳۱۔ محمد شریف صابر۔ قاضی پبلی کیشنز، ذوالقرنین چیمبرز گنپت روڈ لاہور۔ ۱۹۹۶ء

سندھی:

۳۲۔ عطا محمد حامی۔ سندھی ادبی بورڈ۔ جامشورو حیدرآباد۔ سندھ ۱۹۸۸ء

انگریزی:

۳۳۔ رینالڈاے نکلسن۔ اسلامک بک فاؤنڈیشن سمن آباد لاہور۔ ۱۹۷۶ء (پیش لفظ: شہید اللہ فریدی)

متعلقات کشف المحجوب

۱۔ تحلیل کشف المحجوب و تحقیق در احوال و آثار داتا گنج بخش (ف)۔ ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی رہا۔ کرسی ہجویری شناسی۔ دانش کدہ خاور شناسی۔ دانش گاہ پنجاب لاہور۔ ۱۹۹۹ء

۲۔ الزاد المطلوب بتخریج احادیث کشف المحجوب۔ ڈاکٹر خالق داد ملک و ڈاکٹر طاہر رضا بخاری۔ محکمہ مذہبی امور و اوقاف حکومت پنجاب۔ لاہور۔ ۲۰۰۶ء

۳۔ تخریج احادیث کشف المحجوب للہجویری (عربی)۔ کرسی الہجویری بالکلیۃ الشرقیۃ جامعہ پنجاب لاہور۔ ۱۹۹۷ء

۴۔ کشف المحجوب کی حکایات۔ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی۔ رائے فقیر محمد لاہور

۵۔ کشف المحجوب میں شریعت و طریقت کا مقام۔ میاں محمد سلیم حماد ہجویری۔ محکمہ مذہبی امور و اوقاف حکومت پنجاب لاہور۔ ۲۰۰۵ء

۶۔ کشف المحجوب میں کھانا کھانے کے آداب۔ میاں سلیم اللہ اویسی۔ شان میراں ویلفیئر سوسائٹی (رجسٹرڈ) شادمان کالونی لاہور۔ ۲۰۰۷ء

۷۔ حکایات کشف المحجوب۔ یونس ادیب۔ شیخ غلام علی ادبی مارکیٹ چوک انارکلی لاہور

۸۔ حکایات گنج بخش۔ بشیر حسین ناظم ایم اے۔ نوری بکڈپو لاہور۔ ۱۹۷۵ء

۹۔ اسلام، تصوف اور کشف المحجوب (انگریزی)۔ پروفیسر غلام سرور رانا۔ مصنف ۳ چوبرجی پارک لاہور ۱۹۹۱ء

۱۰۔ شفاء القلوب فی درس کشف المحجوب۔ پیر سید محمد معصوم شاہ گیلانی قادری نوری۔ نوری کتب خانہ لاہور۔ ۲۰۰۴ء

۱۱۔ ارشادات (۱۱۳۱) حضرت داتا گنج بخش۔ پیر سید محمد معصوم شاہ گیلانی قادری نوری۔ نوری کتب خانہ لاہور۔ ۲۰۰۴ء
شیخ سید علی ہجویری کے تفسیری نکات۔ ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس۔ مسودہ فاؤنڈیشن۔ گنج بخش روڈ لاہور ۲۰۰۹ء

فقر نامہ معروف و مشہور بہ کشف الاسرار

فارسی متون:

۱۔ فقر نامہ معروف و مشہور بہ کشف الاسرار۔ مطبع محمدی لاہور۔

۲۔ بحر الاسرار اردو ترجمہ مع اصل فارسی کشف الاسرار۔ اللہ والے کی قومی دکان (رجسٹرڈ) کشمیری بازار لاہور

اردو تراجم

۱۔ اقبال احمد فاروقی، علامہ۔ میاں عبدالرحمن کمرشل انجینئرنگ ورکس دل محمد روڈ لاہور۔ ۱۹۶۲ء

۲۔ شمس الہند ایزدی صوفی معنوی۔ شیخ الٰہی بخش محمد جلال الدین تاجران کتب کشمیری بازار لاہور۔ ۱۳۲۶ھ (اردو ترجمہ کشف المحجوب کے ہمرشتہ چھپا)
اس نسخے کا عکسی ایڈیشن طیبہ پرنٹرز اینڈ پبلشرز چیمبرلین روڈ لاہور نے بلا سن طباعت چھاپا

۳۔ شیر محمد خاں اعوان، ملک۔ تصوف فاؤنڈیشن سمن آباد لاہور۔ ۱۹۹۸ء

۴۔ فیروز الدین، مولوی۔ مطبع مولوی فیروز الدین اینڈ سنز لاہور۔ ۱۹۵۹ء (مع سلام فیروز)

!!۔ فیروز الدین، مولوی۔ فیروز سنز ٹرسٹ لاہور۔ ۱۹۹۱ء (طبع دوم) مع سلام فیروز و حالات داتا گنج بخش از سید وحید)

۵۔ محب النبی، مولانا۔ رضوی کتب خانہ اردو بازار لاہور۔ ۱۳۸۸ھ۔ (بہ ترتیب و تہذیب مفتی محمد اعجاز الرضوی القادری البریلوی)

۶۔ نسیم چودھری۔ المعارف گنج بخش روڈ لاہور۔ ۱۳۹۴ھ (مشمولہ "تذکرہ علی بن عثمان ہجویری" از نسیم چودھری)

۷۔ نور احمد، منشی امین آبادی۔ بحر الاسرار ترجمہ کشف الاسرار۔ اللہ والے کی قومی دکان (رجسٹرڈ) کشمیری بازار لاہور

۸۔ محمد شریف عارف (میرووالی)۔ مکتبہ نقشبندیہ قادریہ فاروق آباد، شیخوپورہ۔

سالانہ عرسوں کے نظام الاوقات:

۱۔ ۹۳۵واں عرس مبارک منعقدہ ۱۹۸۰ء محکمہ اوقاف حکومت پنجاب، لاہور

۲۔ ۹۴۱واں عرس مبارک منعقدہ ۱۹۸۵ء محکمہ اوقاف حکومت پنجاب، لاہور

۳۔ ۹۴۸واں عرس مبارک منعقدہ ۱۹۹۲ء محکمہ اوقاف حکومت پنجاب، لاہور

۴۔ ۹۵۲واں عرس مبارک منعقدہ ۱۹۹۶ء محکمہ اوقاف حکومت پنجاب، لاہور

۵۔ ۹۵۳واں عرس مبارک منعقدہ ۱۹۹۷ء محکمہ اوقاف حکومت پنجاب، لاہور

۶۔ ۹۵۴واں عرس مبارک منعقدہ ۱۹۹۸ء محکمہ اوقاف حکومت پنجاب، لاہور

۷۔ ۹۵۶واں عرس مبارک منعقدہ ۲۰۰۰ء محکمہ اوقاف حکومت پنجاب، لاہور

۸۔ ۹۵۷واں عرس مبارک منعقدہ ۲۰۰۱ء محکمہ اوقاف حکومت پنجاب، لاہور

۹۔ ۹۵۸واں عرس مبارک منعقدہ ۲۰۰۲ء محکمہ اوقاف حکومت پنجاب، لاہور

۱۰۔ ۹۵۹واں عرس مبارک منعقدہ ۲۰۰۳ء محکمہ اوقاف حکومت پنجاب، لاہور

۱۱۔ ۹۶۰واں عرس مبارک منعقدہ ۲۰۰۴ء محکمہ اوقاف حکومت پنجاب، لاہور

۱۲۔ ۹۶۱واں عرس مبارک منعقدہ ۲۰۰۵ء محکمہ اوقاف حکومت پنجاب، لاہور

۱۳۔ غسل مبارک منعقدہ ۲۰۰۶ء محکمہ اوقاف حکومت پنجاب، لاہور

۱۴۔ ۹۶۲واں عرس مبارک منعقدہ ۲۰۰۶ء محکمہ اوقاف حکومت پنجاب، لاہور

۱۵۔ ۹۶۴واں عرس مبارک منعقدہ ۲۰۰۸ء محکمہ اوقاف حکومت پنجاب، لاہور

۱۶۔ ۹۶۵واں عرس مبارک منعقدہ ۲۰۰۹ء

کتب خانہ میں حضرت کے سالانہ عرس پر چھپنے والے بعض پوسٹرز بھی ہیں جن میں ۱۹۶۷ء کے سالانہ عرس والا وہ پوسٹر بھی شامل ہے جسے حافظ محمد یوسف سدیدی مرحوم (م: ۱۹۸۷۔۹۔۱۳) کو لکھنے کا شرف حاصل ہے اور یہ فنی اعتبار سے خطاطی کا یادگار نمونہ ہے۔

احوال و آثار:

۱۔ اقبال حسن، حکیم۔ تذکرہ داتا گنج بخش۔ حجازی پریس لاہور

۲۔ امین الدین احمد، حکیم، سید، قادری، خوشحالی۔ حضرت علی ہجویری۔ ادارہ معارف نعمانیہ شاد باغ لاہور۔ ۱۹۹۵ء۔

۲!۔ امین الدین احمد، حکیم، سید، قادری، خوشحالی۔ (بعنوان "تجلی ہجویر")۔ سیرت فاؤنڈیشن سمن آباد لاہور۔ ۲۰۰۱ء

۳۔ پیام شاہجہانپوری۔ آفتاب ہجویر۔ ملک سراج الدین اینڈ سنز پبلشرز کشمیری بازار لاہور۔ ۱۹۶۳ء

۴۔ جلال الدین ڈیروی۔ سیرت بعد وصال حضرت داتا گنج بخش۔ رضا چیلی کیشنز انارکلی لاہور۔ ۲۰۰۴ء

۵۔ خلیل احمد رانا۔ حضرت داتا گنج بخش اور درود تاج شریف۔ دار الفیض گنج بخش بلال گنج لاہور۔ ۱۹۹۴ء

۵!۔ خلیل احمد رانا۔ حضرت داتا گنج بخش اور درود تاج شریف۔ دار الفیض گنج بخش بلال گنج لاہور۔ ۲۰۰۸ء (طبع دوم)

۶۔ خوشی محمد ہجویری، میاں، گدی نشین دربار حضرت داتا گنج بخش۔ احوال و آثار حضرت داتا گنج بخش۔ ناشر: مصنف ۱۹ مین بازار لاہور۔ ۱۴۲۳ھ

۷۔ رشید محمود، راجا۔ مناقب سید ہجویر۔ محکمہ اوقاف حکومت پنجاب لاہور۔ ۲۰۰۳ء

(مختلف شعراء کی اردو منقبتوں کا انتخاب)

۷!۔ رشید محمود، راجا۔ مناقب سید ہجویر۔ شان میراں ویلفیئر ٹرسٹ شادمان لاہور۔ ۲۰۰۶ء (طبع ثانی باضافہ)

۸۔ رضی حیدر، خواجہ۔ داتا گنج بخش سید علی ہجویری۔ نشرح فاؤنڈیشن گلشن اقبال کراچی۔ ۲۰۰۰ء

۹۔ رھا، دکتر محمد حسین تسبیحی۔ ہجویری نامہ (ف)۔ مکتبہ عزیز یہ چاہ سلطان گلی نمبر ۱۷، راولپنڈی۔ ۱۹۹۲ء۔

۱۰۔ ریاض احمد، ڈاکٹر۔ تصوف کے دو نامور کردار (حضرت علی ہجویری، خواجہ معین الدین چشتی) ادارہ معارف اسلامی منصورہ، لاہور ۱۹۸۹ء

۱۱۔ ساجد، محمد اکرم۔ تعلیمات ہجویری۔ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور۔ ۲۰۰۰ء

۱۲۔ سالک، علم الدین، پروفیسر۔ داتا گنج بخش۔ انتظامیہ کمیٹی دربار داتا گنج بخش لاہور۔

۱۳۔ سلیم حسن، مرزا۔ حضرت داتا گنج بخش۔ محکمہ اوقاف حکومت پنجاب لاہور۔ ۱۹۸۱ء

۱۴۔ عبدالرشید، شیخ، پروفیسر۔ حیات و تعلیمات حضرت داتا گنج بخش۔ مترجم: ڈاکٹر ناظر حسین زیدی۔ مرکزی اردو بورڈ گلبرگ لاہور۔ ۱۹۶۷ء

۱۵۔ غلام سرور خاں، رانا، پروفیسر۔ حضرت مخدوم علی ہجویری داتا گنج بخش۔ ناشر: مصنف چوبرجی پارک لاہور۔ ۱۹۷۹ء

۱۶۔ غلام سرور خاں، رانا، پروفیسر۔ حضرت مخدوم علی ہجویری داتا گنج بخش (انگریزی)۔ ناشر: مصنف چوبرجی پارک لاہور۔ ۲۰۰۸ء

۱۷۔ غلام سرور خاں، رانا، پروفیسر۔ قبلہ حضور شیخ ہندی۔ شیخ میاں خوشی محمد ہجویری سجادہ نشین مین بازار لاہور۔ ۱۴۲۳ھ

۱۸۔ غنی سکندر، شیخ۔ داتا گنج بخش اور خواجہ غریب نواز۔ انجمن خدام الفقراء سٹیلائٹ ٹاؤن راولپنڈی۔ ۱۹۸۹ء

۱۹۔ داتا گنج بخش اور حضرت بری امام۔ انجمن خدام الفقراء سٹیلائٹ ٹاؤن راولپنڈی۔ ۱۹۷۴ء

۲۰۔ فصیح انصاری۔ تذکرہ داتا گنج بخش۔ ملک خدا بخش و حافظ محمد اکرم تاجران کتب بازار کشمیری لاہور۔ ۱۳۴۳ھ

۲۱۔ فوق، محمد الدین۔ داتا گنج بخش۔ پنجابی پریس لاہور۔ ۱۹۲۰ء

۲۲۔ کوثر نیازی، مولانا۔ حضرت داتا گنج بخش۔ محکمہ اوقاف پنجاب لاہور۔ ۱۹۷۴ء

۲۳۔ محمد اکرم، سید، ڈاکٹر۔ ذکر سید ہجویر (تقریر) سید علی ہجویری کانفرنس منعقدہ پنجاب یونیورسٹی لاہور۔ مورخہ ۵ مارچ ۱۹۹۰ء

۲۴۔ محمد باقر، ڈاکٹر۔ احوال و تعلیمات شیخ ابوالحسن ہجویری داتا گنج بخش۔ ادارہ تحقیقات پاکستان دانشگاہ پنجاب لاہور ۱۹۸۹

۲۵۔ محمد خلیل احمد القادری والاشرفی امین الحسنات، سید۔ مرکز تجلیات حضرت داتا گنج بخش۔ جامعہ حسنات العلوم تجوید القرآن۔ نزد مسجد وزیر خاں لاہور۔

۲۶۔ محمد سلیم حماد ہجویری قادری۔ فاتح قلوب حضرت داتا گنج بخش۔ ہجویری فاؤنڈیشن اسلام پورہ لاہور۔ ۲۰۰۴ء

۲۷۔ محمد سلیم حماد ہجویری قادری۔ حضرت داتا گنج بخش (چند غلط فہمیوں کا ازالہ)۔ ہجویری فاؤنڈیشن دربار مارکیٹ لاہور۔ ۱۹۹۵ء

۲۸۔ محمد سلیم حماد ہجویری قادری۔ حیات و تعلیمات حضرت داتا گنج بخش۔ خدام گنج بخش بازار داتا صاحب لاہور ۱۹۸۲ء

۲۹۔ محمد طاہر رضا، حافظ۔ مختصر سوانح حیات حضرت داتا گنج بخش۔ رضا اکیڈمی (رجسٹرڈ) چاہ میراں لاہور۔ ۲۰۰۰ء

۳۰۔ محمد علاء الدین صدیقی ایم اے۔ سوانح حیات مخدوم علی ہجویری۔ حاجی ملک دین محمد اینڈ سنز تاجران کتب کشمیری بازار لاہور۔ ۱۳۵۴ھ

۳۱۔ محمد متین ہاشمی، سید۔ سید ہجویر المعروف بہ حضرت داتا گنج بخش۔ محکمہ اوقاف حکومت پنجاب لاہور۔ ۲۰۰۰ء

۳۲۔ محمد مسعود (ناظم اعلیٰ اوقاف) گنج بخش۔ محکمہ اوقاف مغربی پاکستان لاہور۔

۳۳۔ محمد موسیٰ، حکیم، امرتسری۔ تذکرہ حضرت داتا گنج بخش و تعارف کشف المحجوب۔ مصطفائی تحریک پاکستان، لاہور۔ ۲۰۰۰ء

۳۴۔ محمد نصیب۔ کشف و کرامات حضرت داتا گنج بخش۔ محمد نصیب اینڈ سنز وقت پبلشرز گلبرگ۔ II، لاہور۔ ۱۹۸۳ء

۳۵۔ محمد وارث کامل۔ داتا گنج بخش۔ مطبوعات چٹان میکلوڈ روڈ لاہور۔ (۱۹۵۶ء)

۳۶۔ محمد یوسف گورایہ۔ حضرت داتا گنج بخش۔ انجمن زندہ دلان لاہور۔ ۱۹۷۶ء

۳۷۔ منظور عالم نذر۔ حیات طیبہ (سوانح عمری حضرت سید علی ہجویری داتا گنج بخش)۔ اورینٹ ٹریڈرز مال روڈ لاہور۔ ۱۹۴۵ء

۳۸۔ ناظم، بشیر حسین۔ خلفائے راشدین اور حضرت سیدنا داتا گنج بخش۔ دار الفیض گنج بخش صدام منزل بلال گنج لاہور۔ ۱۹۹۵ء

۳۹۔ نسیم چودھری۔ تذکرہ علی بن عثمان ہجویری مع اردو ترجمہ کشف الاسرار۔ المعارف گنج بخش روڈ لاہور۔ ۱۳۹۴ھ

۴۰۔ نصیر احمد صحرائی۔ اقوال حضرت داتا گنج بخش۔ محکمہ اوقاف حکومت پنجاب لاہور۔ (پمفلٹ)

۴۱۔ یونس ادیب۔ حضرت داتا علی ہجویری۔ شیخ غلام علی ادبی مارکیٹ لاہور۔ (۱۹۷۷ء)

۴۲۔ مقالات مجلس مذاکرہ بسلسلہ ۹۴۸ واں عرس مبارک حضرت داتا گنج بخش لاہور۔ محکمہ اوقاف حکومت پنجاب لاہور۔ ۱۹۹۳ء

۴۳۔ مناقب حضرت علی مخدوم ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش مع شجرہ طریقت۔ ملک محمد امین نبی بخش تاجران کتب کشمیری بازار لاہور۔

۴۴۔ بشیر احمد سعدی۔ سیرت گنج بخش۔ نگارشات مزنگ لاہور۔ ۲۰۰۵ء

۴۵۔ ارتضیٰ شاہ۔ تعلیمات حضرت داتا گنج بخش۔ عظیم اینڈ سنز پبلشرز الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور۔ ۲۰۰۰ء

۴۶۔ خالد محمود۔ داتا گنج بخش اور ان کا عہد۔ مقبول بکس۔ ابوذر سینٹر۔ ماڈل ٹاؤن لنک روڈ لاہور۔ ۱۹۹۹ء

۴۷۔ کوکب نورانی اوکاڑوی۔ ختم شریف حضرت داتا گنج بخش۔ ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ لاہور

۴۸۔ کلیم محمد دین قادری۔ سیرت داتا گنج بخش۔ نوری کتب خانہ لاہور۔ ۲۰۰۴ء

۴۹۔ علامہ عالم فقری۔ حالات و واقعات حضرت داتا گنج بخش۔ ادارہ پیغام القرآن۔ اردو بازار لاہور۔ ۲۰۰۵ء

۵۰۔ سید صابر حسین۔ مشعل راہ۔ (سیدنا حضرت داتا گنج بخش)۔ الخیر اسلامی پبلشرز۔ اردو بازار لاہور

۵۱۔ محمد اشرف جیلانی۔ شیخ سید۔ سوانح داتا گنج بخش۔ (صاحبزادہ سید محمد زین العابدین) زاویہ پبلشرز۔ ۲۰۰۶ء

۵۲۔ بشیر احمد صدیقی۔ تجلیات ہجویر۔ صدیقی پبلی کیشنز۔ اردو بازار لاہور۔ ۱۹۹۹

۵۳۔ محمد منیر قریشی۔ پیر کامل۔ نذیر سنز پبلشرز۔ اردو بازار لاہور
۵۴۔ محمد منیر قریشی۔ حضرت داتا گنج بخش۔ فیروز سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ۔ لاہور۔
۵۵۔ غلام جیلانی مخدوم۔ سیرت گنج بخش مکتبہ عالیہ، ایبک روڈ، انارکلی لاہور۔ ۱۹۹۵ء
۵۶۔ محمود احمد رضوی علامہ۔ حضرت داتا گنج بخش۔ رائے فقیر محمد نقشبندی۔ رائے ہاؤس، ٹاؤن شپ لاہور۔ ۲۰۰۹ء
۵۷۔ محمد نسیم عباسی۔ داتا گنج بخش۔ محکمہ اوقاف حکومت پنجاب لاہور۔ ۲۰۰۲ء
۵۸۔ محمد نسیم عباسی۔ داتا گنج بخش۔ محکمہ اوقاف پنجاب لاہور۔ ۲۰۰۸ء
۶۰۔ محمد اطہر طاہر۔ داتا دربار۔ (انگریزی، اردو) پاکستان کیلی گراف آرٹ گلڈ لاہور

رسائل:

۱۔ ماہنامہ فیض عالم لاہور۔ ایڈیٹر: خانزادہ غلام محمد خاں صمیم، مالک و مینیجر: صاحبزادہ حسن محمد سجادہ نشین دربار داتا گنج بخش لاہور۔ جنوری ۱۹۳۶ء
۲۔ ماہنامہ گنج بخش لاہور۔ مدیر اعلیٰ محمد وارث کامل بی اے، پرنٹر و پبلشر: صاحبزادہ میاں منور علی۔ اگست ۱۹۵۶ء
۳۔ ماہنامہ پیغام گنج بخش لاہور۔ چیف ایڈیٹر: پروفیسر محمد عطاء الرحمن چشتی۔ ادارہ ضیاء الاسلام فیض گنج بخش (رجسٹرڈ) شادی پورہ لاہور، جنوری ۲۰۰۴ء
۴۔ ماہنامہ قومی ڈائجسٹ لاہور۔ مدیر: مجیب الرحمن شامی۔ مئی ۲۰۰۱ء (علی ہجویری نمبر)
۵۔ سہ ماہی معارف اولیا، لاہور۔ مرکز معارف اولیاء، دربار حضرت داتا گنج بخش محکمہ اوقاف حکومت پنجاب لاہور۔ اکتوبر ۲۰۰۲ء، تا حال باقاعدگی سے چھپ رہا ہے۔
۶۔ ہفت روزہ "رضوان" لاہور۔ (داتا گنج بخش نمبر) مدیر: سید محمود احمد رضوی۔ ۲۱ تا ۲۸ اکتوبر ۱۹۵۲ء

مکملہ:

فارسی متون:

۱۔ مطبع پنجابی لاہور۔ ناشر: الٰہی بخش کتب فروش ۱۸۷۲ء
۲۔ مصحح: والنتین ژوکوفسکی۔ لینن گراڈ۔ ۱۹۲۶ء۔ مقدمہ بزبان روسی
۳۔ مصحح: والنتین ژوکوفسکی۔ انتشارات امیر کبیر تہران، ۱۹۵۷ء۔ مقدمہ و دیباچہ: محمد عباسی بزبان فارسی
۴۔ کتاب فروشی ابن سینا۔ تہران ۱۳۳۷ش
۵۔ شیخ الٰہی بخش محمد جلال الدین بہاول پریس لاہور
۶۔ عشرت پبلشنگ ہاؤس لاہور
۷۔ تاج بک ڈپو اردو بازار لاہور، ۱۹۷۰ء (تلخیص)
۸۔ درویش گنج بخش (گزیدہ کشف المحجوب) دکتر محمود عابدی۔ تہران۔ ۱۹۹۷ء
۹۔ کشف المحجوب (انتخاب تا باب ذکر الرجال الصوفیہ) شیخ غلام محمد اینڈ سنز تاجران کتب لاہور

اردو تراجم:

۱۔ ناشناس۔ لاہور ۱۹۲۸ء
۲۔ عنایت اللہ پروفیسر۔ اشاعت منزل لاہور
۳۔ خیال امروہوی۔ مفتاح القلوب اردو ترجمہ کشف المحجوب، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور
۴۔ حبیب احمد قادری۔ ادارہ نشریات اردو بازار لاہور۔ (باہتمام محمد اعظم قاسمی)
۵۔ شیخ محمد اقبال۔ لاہور
۶۔ مولوی محمد حسن، ملک دین محمد، لاہور
۷۔ ملک مقبول احمد، مقبول اکادمی اردو بازار لاہور
۸۔ ناشناس۔ عباسی کتب خانہ کراچی
۹۔ ستار طاہر۔ (تلخیص) ماہنامہ سیارہ ڈائجسٹ لاہور۔ مارچ ۱۹۷۶ء

۱۰۔ نذیر احمد۔ ترجمہ ابواب علم، تصوف وفقر۔ تاج بکڈپو اردو بازار لاہور۔
۱۱۔ عبدالحمید اعوان۔ (تلخیص)
۱۲۔ عبدالرحمن اعوان۔ (تلخیص)
۱۳۔ محمد یوسف آفریدی (تلخیص)۔ مدینہ پبلشنگ اینڈ پرنٹنگ ہاؤس لاہور۔
۱۴۔ محمد دین بن منشی میراں بخش مزنگوی۔ اسلامیہ سٹیم پریس لاہور۔ ۱۹۱۴ء
۱۵۔ ناشناس۔ منشی نولکشور پریس۔

احوال وآثار

۱۔ سیرت شیخ علی ہجویری۔ عظیم اینڈ سنز پبلشرز اردو بازار لاہور ۲۰۰۰ء
۲۔ محمد اسحاق بھٹی۔ حضرت شیخ علی ہجویری۔ مرکز المعارف لاہور ۱۳۹۳ھ
۳۔ خواجہ غلام مصطفیٰ انقلاب امرتسری۔ سوانح حیات حضرت داتا گنج بخش لاہور۔ ۱۹۶۴ء
۴۔ ملک بشیر احمد۔ حضرت داتا گنج بخش۔ ملک بشیر احمد تاجر کتب لاہور۔ ۱۹۸۰ء
۵۔ تاج الدین کشمیری۔ داتا صاحب کے حالات زندگی۔ نوری بک ڈپو لاہور۔ ۱۹۶۳ء
۶۔ تذکرہ سرتاج الاولیاء حضرت داتا گنج بخش۔ ہجویری فاؤنڈیشن لاہور۔ ۱۹۹۵ء
۷۔ محمد طفیل سالک۔ داتا گنج بخش۔ انجمن طلبائے اسلام لاہور
۸۔ محمد سعید نقشبندی۔ حضرت داتا گنج بخش۔ لاہور
۹۔ مرزا سلیم حسن۔ حضرت داتا گنج بخش۔ محکمہ اوقاف حکومت پنجاب لاہور۔ ۱۹۸۵ء
۱۰۔ محمد صدیق خاں شبلی۔ داتا گنج بخش۔ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور۔ ۱۹۷۸ء
۱۱۔ صباح الدین عبدالرحمن۔ ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری المعروف داتا گنج بخش۔ مکتبہ زاویہ دربار مارکیٹ لاہور۔ ۲۰۰۲ء
۱۲۔ محمد جعفر ضیاء القادری۔ شان داتا گنج بخش۔ مکتبہ غوثیہ رضویہ شاہدرہ لاہور۔ ۲۰۰۲ء
۱۳۔ محمد تسیم عباسی۔ مخدوم الامم حضرت داتا گنج بخش۔ محکمہ اوقاف حکومت پنجاب لاہور۔ ۱۹۹۲ء
۱۴۔ داتا گنج بخش۔ اسلامیہ سٹیم پریس لاہور۔ ۱۹۱۴ء
۱۵۔ حکیم محمد شفیع سوانح مخدوم علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش۔ جنرل بک ایجنسی لاہور
۱۶۔ محمد معراج الاسلام۔ کشف المحجوب میں ایثار کا بیان۔ ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ لاہور
۱۷۔ منظور ممتاز۔ داتا گنج بخش ہجویری۔ گورا پبلشرز۔ لاہور۔ ۱۹۹۵ء
۱۸۔ ایم ایس ناز۔ مرکز تجلیات (سوانح عمری حضرت داتا گنج بخش) (۱) مکتبہ الکلام گوجرانوالہ ۱۹۶۹ء، (۲) تخلیق مرکز لاہور۔ ۱۹۷۴ء
۱۹۔ نثار احمد چودھری۔ حضرت داتا گنج بخش۔ راولپنڈی۔ ۱۹۷۸ء
۲۰۔ محمد نصیب۔ صاحب وقت (حضرت داتا گنج بخش)۔ صاحب وقت پبلشرز لاہور۔ ۱۹۷۹ء
۲۱۔ ابوالطیب محمد نواز۔ سوانح حیات حضرت سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش۔ انجمن اشاعت اسلام لاہور۔ ۱۹۹۲ء
۲۲۔ عبدالمجید یزدانی۔ گنج بخش بحیثیت عالم۔ ادارہ علوم اسلامیہ انارکلی لاہور۔ ۱۹۶۸ء
۲۳۔ تکمیل دربار مسجد داتا گنج بخش (انگریزی) محکمہ اوقاف پنجاب لاہور۔ ۱۹۹۹ء
۲۴۔ محمد اکرام چغتائی۔ داتا صاحب۔ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور۔ ۲۰۰۷ء
۲۵۔ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اوران کا عہد۔ مقبول اکیڈمی لاہور
۲۶۔ محمد بخش مسلم بی اے۔ داتا گنج بخش۔ پنجاب بک ڈپو لاہور ۱۹۵۵ء
۲۷۔ مبینہ شاہد۔ سیرت وتعلیمات حضرت داتا گنج بخش۔ فیضان اکیڈمی راجپوت بازار اردو بازار لاہور
۲۸۔ طارق۔ عبدالرحمن۔ سوانح حیات حضرت مخدوم سید علی ہجویری المعروف حضرت داتا گنج مدنی بخش کتب خانہ بیرون اکبری مارکیٹ لاہور

☆☆☆

علی ہجویری رحمۃ اللہ کے ارشادات

مولانا شاہ سید محمد معصوم قادری

1۔انسان کے لئے سب سے مشکل چیز خدا کی پہچان ہے۔
2۔پیغمبر ولیوں سے زیادہ فضیلت رکھتے ہیں اس لئے ولایت کی انتہا نبوت کی ابتداء ہے۔
3۔اولیاء اللہ منزل مقصود کے طالب ہوتے ہیں اور اس راستے پر چلتے ہیں اور انبیاء منزل مقصود حاصل کئے ہوتے ہیں۔
4۔جو ولیوں کے لئے مقام ہے وہ نبیوں کے لئے حجاب ہے۔
5۔پیغمبروں کی بزرگی اور رتبہ صرف معجزوں سے ہی نہیں بلکہ عصمت کی صفائی پر ہے۔
6۔ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے خاص فرشتوں سے افضل ہیں اور عام بندے عام فرشتوں سے زیادہ فضیلت رکھتے ہیں۔
7۔اولیاء اللہ خدا کے ملک کے منتظم اور والی ہیں۔خدا تعالیٰ نے جہان کا انتظام ان کے متعلق کیا ہے۔آسمان سے بارش ان کے قدموں کی برکت سے ہوتی ہے۔
8۔اللہ تعالیٰ کی معرفت دل کی زندگی ہے اور ماسوائے اللہ سے روگردانی ہے۔
9۔ہر شخص کی قیمت معرفتِ الٰہی سے ہوتی ہے جس کو معرفتِ الٰہی حاصل نہ ہو اس کی کوئی قیمت نہیں۔
10۔خدا کے راستے پر چلنے والوں کا پہلا مقام توبہ ہے۔
11۔اہل غفلت کے لئے سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ اپنے عیبوں سے جاہل ہوں۔
12۔انسان کی نجات دین کی اطاعت میں ہے اور اس کی ہلاکت دین کی مخالفت میں۔
13۔تصوف کے طریقہ کی جڑ قوی اور شاخ پھلدار ہے۔
14۔تصوف کے طریق کے سب بزرگ اہل علم ہوئے ہیں۔انہوں نے مریدوں کو علم سکھایا ہے اور علم پر ہمیشہ قائم رہنے کی ترغیب دی ہے۔ کھیل اور واہیات کاموں میں کبھی مصروف نہیں ہوئے اور بے ہودہ راستوں پر نہیں چلے۔
15۔عمل بغیر اپنے علم کے نہیں ہوتا،اس لئے عمل اس وقت عمل ہوتا ہے جبکہ علم کے ساتھ شامل ہو۔
16۔عارف عالم بھی ہوتا ہے اور یہ ضروری نہیں کہ عالم بھی عارف ہو۔
17۔جو شخص علم سے دنیا میں عزت اور مرتبہ چاہتا ہے وہ عالم نہیں ہوتا کیونکہ یہ جہالت کے لوازمات سے ہے۔علم سے کوئی بلند درجہ نہیں ہے۔
18۔ہر کام کی ابتداء میں نیک نیت کرنا اس کا حق ادا کرنا ہوتا ہے۔
19۔جس کام میں نفسانی غرض آجائے اس سے برکت اٹھ جاتی ہے۔
20۔نفس کو اس کی خواہشوں سے دور رکھنا جنت کے دروازے کی چابی ہے۔
21۔ جب نفس فانی ہو جاتا ہے تو کھانا پینا عبادت ہو جاتا ہے۔
22۔اگر نفس کا فنا صحیح ہو جائے تو ایسا ہو جاتا ہے جیسا کہ فرشتے فانی النفس ہوتے ہیں۔
23۔جس قدر نفس زیادہ مقہور ہو اسی قدر عبادت کا کرنا زیادہ آسان ہوتا ہے۔
24۔نماز ایک ایسی عبادت ہے کہ طالبان حق اللہ تعالیٰ کی راہ میں ابتداء سے لے کر انتہا تک اس ذریعہ سے راستہ پاتے ہیں اور اس میں ان کے مقامات کھلتے ہیں۔
25۔روزہ باطنی عبادت ہے جس پر سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی واقف نہیں ہوتا،جو ظاہر سے کوئی تعلق نہیں رکھتا غیر کا اس میں کچھ حصہ نہیں۔اسی سبب سے اس کی جزا بہت بڑی ہے۔
26۔زکوٰۃ ادا کرنے کی حقیقت شکر نعمت ہے،جو اسی نعمت کی جنس سے ہو۔تندرستی خداوند کریم کی بڑی بھاری نعمت ہے اور ہر ایک عضو پر زکوٰۃ ہے،وہ یہ ہے کہ اپنے سب اعضاء کو عبادتِ الٰہی میں مشغول رکھیں اور ان کو کھیل تماشا کے کام میں نہ لائیں تاکہ نعمت کی زکوٰۃ کا حق ادا ہو۔
27۔بندہ پر صحت عقل اور بلوغ اور اسلام اور استطاعت حاصل ہونے کی حالت میں عین فرضوں میں سے ایک فرض بیت اللہ شریف کا حج کرنا ہے۔اگر عمارت کعبہ کی زیارت فرض ہے جس میں سال میں ایک دفعہ اللہ تعالیٰ کی نظر ہوتی ہے اور وہ دل جس میں تین سو ساٹھ بار اللہ تعالیٰ نظر رحمت کرتا ہے اس کعبہ سے کہیں بڑھ کر زیارت کے لائق ہے،لیکن اہل تحقیق کے لئے کعبہ کے راستے میں ہر قدم پر ایک نشان قدرت ظاہر ہے۔جب حرم میں پہنچتے ہیں تو ہر ایک سے خلعت پاتے ہیں۔
28۔درویش کی ہلاکت دل کی خرابی میں ہے۔

29۔جس کو خدا تعالیٰ سے محبت ہو لوگوں سے میل جول اس کو نقصان نہیں پہنچاتا۔جس کو لوگوں سے محبت ہو خدا تعالیٰ کی دوستی کو اس کے دل پر گزر نہیں ہوتا۔

30۔جو شخص شریر لوگوں سے مجلس کرے وہ خود شریر ہوتا ہے، کیونکہ اگر وہ نیک ہوتا تو نیکوں کی صحبت میں بیٹھتا۔

31۔جتنی محبت قوی ہوتی ہے اسی قدر اطاعت کے ادا کرنے میں دشواری نہیں ہوتی۔

32۔محبت حال ہے، حال کبھی قال نہیں ہوتا، یعنی اگر محبت زبردستی پیدا کرنی چاہو تو نہیں کر سکتے، کیونکہ یہ عطائے الٰہی ہے۔

33۔جو دل خدا تعالیٰ کی محبت سے غنی ہو دنیا کا نہ ہونا اس کو محتاج نہیں کرتا اور وہ نہ اس کے ہونے سے خوش ہوتا ہے۔

34۔جو دہلی خاطر کی فرمانبرداری ہے یعنی جو پہلے دل میں آئے اس کے موافق کرنا اور جب دوسری خاطر پہلی پہ غلبہ کرے تو وہ بخل کی علامت ہے۔

35۔اگر اس کا کلام حق ہے بولنا اس کا خموشی سے بہتر ہے۔

36۔بوڑھوں کو چاہئے کہ وہ جوانوں کے پاس نظر کریں کیونکہ ان کے گناہ بہت کم ہیں اور جوانوں کو چاہئے کہ بوڑھوں کا احترام کریں کیونکہ وہ ان سے زیادہ عابد اور تجربہ کار ہیں۔

37۔مبتدیوں کو چاہئے کہ راگ اور سماع سے پرہیز کریں کیونکہ یہ راستہ ان کے لئے سخت خطرناک ہے۔

38۔مجردوں کو چاہئے کہ وہ ناشائستہ امر سے اپنی آنکھوں کو بچائیں جو چیزیں دیکھنے کے لائق نہ ہوں ان کو نہ دیکھیں اور جو سوچنے کے لائق نہ ہوں ان کو نہ سوچیں۔

39۔امراء و سلاطین کی تباہی ظلم و ستم سے ہوتی ہے اور علماء کی خرابی طمع اور لالچ سے اور فقرا کی بربادی جاہ طلبی سے ہوتی ہے۔جب تک بادشاہ علماء سے روگردانی نہیں کرتے برباد نہیں ہوتے اور جب تک علماء بادشاہوں کی صحبت اختیار نہیں کرتے خراب نہیں ہوتے۔بادشاہوں کا ظلم بے علمی کی وجہ سے ہوتا ہے اور علماء کا طمع بددیانتی کی وجہ سے ہوتا ہے اور فقرا کا ریا اللہ پر توکل نہ کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔بے علم بادشاہ اور بے عمل عالم اور بے توکل فقیر شیطان کا ہمنشیں ہوتا ہے اور ساری خلقت کا بگڑ جانا ان تینوں گروہوں کے بگڑنے کے ساتھ وابستہ ہے۔

40۔شریعت بندہ کا فعل ہے اور حقیقت خدا تعالیٰ کی نگہبانی اور اس کی حفاظت اور عصمت ہے، بس شریعت کا قائم کرنا حقیقت کے وجود کے بغیر محال ہے اور حقیقت کا قائم کرنا بغیر حفاظت شریعت کے محال ہے۔اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص جان کے ساتھ زندہ ہو اور جب جان اس سے جدا ہو جائے تو وہ شخص مردہ ہو جاتا ہے اور جسم و جان کی قیمت ایک دوسرے کے ساتھ ملنے کی وجہ سے ہے۔ایسے ہی شریعت بغیر حقیقت کے ریا ہے اور حقیقت بغیر شریعت کے منافقت ہے۔

☆☆☆

کشف المحجوب کے باب

"صحابۂ کرام ائمہ اہل بیت اور اصحابِ صُفّہ رضوان اللہ علیہم"

کا تعارف

ڈاکٹر آغا محمد سلیم اختر

ڈائریکٹر سیرۃ چیئر عربی ڈیپارٹمنٹ جی سی یونیورسٹی فیصل آباد

تصوف اعلیٰ ترین انسانی اقدار کا مطالعہ کرتا ہے، حقیقت میں تصوف ایک واردات کا نام ہے، لیکن اسی واردات کو باکمال علماء نے جو حقیقت میں صوفیاء عظام کے امام تھے، ایک علم اور فن بنا کر پیش کیا اور پھر اس کو اس قدر سادہ اور عام فہم بنا کر پیش کیا کہ ایک ارادت مند کے لیے سمجھنا آسان رہے۔ اس سلسلہ میں جو نام پیش کیے جاسکتے ہیں ان میں ''کتاب اللمع''، قوت القلوب لمکی بن ابی طالب، الرسالۃ القشیریہ لابی القاسم القشیری عورف المعارف لشہاب الدین السہروردی قابل ذکر ہیں۔

گو علم تصوف کے اساسی مصادر تو قرآن عظیم اور حدیث نبوی ﷺ ہی ہیں۔ لیکن چونکہ صوفیاء عظام کا طریقہ مبارکہ ایک دوسرے سے ملتا جلتا ہے، اس لیے ''کشف المحجوب'' پر کتاب اللمع اور الرسالۃ القشیریہ کا اثر غالب نظر آتا ہے۔ چونکہ تصوف حقیقت میں ایک واردات سے تعبیر ہے، اسی لیے ایسے صوفیائے کرام جو اس واردات سے نکل نہ سکے، ان کے ہاں ان کی گفتگو اور ان کے معاملات کی تعبیر دشوار تر اور بعض اوقات غیر واضح نظر آتی ہے۔ ابن عربی کی ''مؤلفات'' اس حقیقت کی غمازی کرتی ہیں۔ سید علی بن عثمان الہجویری صوفیائے عظام کے قدسی صفات گروہ کے امام ہیں۔ اس وقت کے رائج علوم ظاہریہ کی تحصیل کے بعد تزکیۂ نفس کی طرف راغب ہوئے اور اصلاح باطن کی طرف متوجہ ہوئے، اور اس سلسلہ میں درجہ کمال تک پہنچے۔ پروفیسر ڈاکٹر مولوی محمد شفیع مرحوم، کشف المحجوب کے فارسی نسخہ جو جناب احمد ربانی صاحب کے سعی واہتمام سے شائع ہوا، کے مقدمہ میں رقمطراز ہیں۔ (گروہ صوفیاء کرام کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں):

''ان بزرگوں نے ظواہر دین کی حقیقت تلاش کی اور لفظ کو معنی سے روشناس کرایا۔ روح کی گہرائیوں کے ممکنات کو ڈھونڈا اور چونکہ انہوں نے خود کو تمام عمل بنایا ان کی زندگیاں لوگوں کے لیے نمونہ بنیں اور ان کے کلمات میں وہ تاثیر پیدا ہوئی جس سے ایک عالم کو راہ ہدایت نہ صرف نظر آئی بلکہ اس پر چلنے کے لیے ایک قوی جذبہ بروئے کار آیا۔ انہی کی پاک زندگیوں نے مذہب اسلام کی صحیح تصویر دنیا کے سامنے پیش کی کہ جس سے اپنے اور بیگانے کشاں کشاں اس کی طرف آئے۔ اور مردہ روحوں میں زندگی کی لہر دوڑنے لگی۔ جن مسیحا نفس بزرگوں نے اس ملک کے لوگوں کو طریقت کا پیغام پہنچایا ان کی صف اول میں حضرت داتا گنج بخش کا مقام ہے''۔ (۱)

کشف المحجوب کے مندرجات کے بارے میں خود فرماتے ہیں کہ مقصد تحریر کتاب سے یہ ہے کہ مراد طریقت کے متعلقات کو کھولا جائے۔ مقدمہ کتاب کے بعد فقر، تصوف، مرقعہ پوشی، ملامت وغیرہ کی بحث کے بعد وہ ائمہ تصوف کے طبقہ اول میں صحابہ کرام، اہل بیت اور تابعین کا ذکر کرتے ہیں۔ بطور خاص اہل صفہ، حضرت بلال اور حضرت سلیمان فارسی کا ذکر مبارک رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ تابعین میں سے حضرت حسن بصری کا ذکر خیر بطور خاص اور پھر ان کے بعد تبع تابعین سے لے کر اپنے عہد مبارک تک کے ۶۴ صوفیائے عظام کا ذکر مبارک ہے۔ ان میں امام ابوحنیفہ، امام احمد بن حنبل اور داؤد بن نصیر الطائی رحمہم اللہ علیہ کو بھی شامل کیا ہے۔ وہ عظیم الشان صوفیائے کرام جن کا ذکر اس باب میں کیا گیا ہے۔ ان میں ذوالنون مصری، ابراہیم بن ادھم، بایزید بسطامی اور جنید وحلاج رحمہم اللہ علیہ شامل ہیں۔

جونہی اس باب کا ذکر شروع ہوتا ہے جس میں حضرت سید علی الہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ کرام ﷺ کا ذکر فرمایا ہے اور ان میں سے بھی خلفائے راشدین کا ذکر، تو یوں لگتا ہے کہ ان کا قلم فرط عقیدت ومحبت سے جھکا جارہا ہو۔ جناب صدیق اکبر ﷺ کا ذکر یوں شروع فرمایا:

"منهم شيخ الإسلام واز بعد أنبياى خير الأنام، خليفهٔ پيغمبر وإمام وسيد أهل تجريد وشاهنشاه أرباب تفريد واز آفات انساني بعيد، امير المؤمنين ابوبكر عبدالله بن عثمان الصديق رضي الله عنه كردى را كرامات مشهور ست وآيات ودلائل ظاهراندر معاملات وحقائق واندر باب تصوف طرفي از روزگاروى گفته شده است....."

اور جناب صدیق اکبر ﷺ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ باوجود اس قدر عظمت وسربلندی کے، آپ کا حال یہ تھا کہ فرماتے تھے:

دارنا فانية وأموالنا عارية وأنفسنا معدودة وكسلنا موجود

''ہم فنا ہو جانے والے گھر کے باسی ہیں اور ہمارے حالات ایسے ہیں جیسے مستعار لیے ہوئے ہوں، ہمارے گنتی کے سانس ہیں اور ہماری سستی بدستور موجود ہے''۔

جناب صدیق اکبر ﷺ کے اسی قول کی شرح عقلی دلیل سے یوں فرماتے ہیں:

''جو چیز عاریۃً آئے وہ ضرور واپس جائے گی اور جو چیز گزرنے والی ہے اور فانی ہے وہ کبھی رہ نہیں سکتی، اور جو گنتی سے ملے وہ ضرور ختم ہوگی''۔

اور ان ہی سے صدیق اکبر ﷺ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ اپنی دعاؤں میں فرمایا کرتے تھے:

اللھم ابسط لی الدنیا وزھد نی فیھا

"اے اللہ! دنیا کو میرے لیے فراخ فرمادے اور میرے دل میں اس کی طرف سے بے رغبتی عطا فرما"۔

آپ ﷺ کی اسی دعا مبارک کو دلیل بنا کر حضرت علی ہجویری فرماتے ہیں:

"حضرت صدیق اکبر ؓ کی ہستی مبارک وہ ہستی ہے کہ افضل البشر بعد الانبیاء ہیں۔ ان سے آگے بڑھ کر کسی کو قدم اٹھانا روا نہیں، اس لیے اختیاری فقر پر اضطراری فقر کو مقدم کرنا کسی طرح صحیح نہیں اور تمام مشائخ صوفیا اسی مذہب پر ہیں اور پھر شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت صدیق اکبر ؓ کے اس خطبہ کا حوالہ دیا ہے جو آپ ؓ نے خلافت کے لیے لوگوں سے بیعت لیتے وقت فرمایا تھا:

واللہ ماکنت حریصا علی الإمارۃ یوما ولا لیلۃ ولا کنت فیھا راغبا ولا سالتھا اللہ قط سرا وعلانیۃ وما لی فی الإمارۃ من راحۃ

"خدا کی قسم! دن یا رات کے کسی لمحے میرے دل سے اس امارت کے لیے کبھی کوئی خواہش پیدا نہیں ہوئی، اور مجھے اس سلسلہ میں کبھی رغبت نہیں ہوئی اور نہ ہی میں نے کبھی اللہ تعالیٰ سے خفیہ یا علانیہ دعا کی ہے اور میرے لیے اس امارت میں کوئی خوشی کا سامان نہیں ہے"۔

اسی کی وضاحت فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"حقیقت حال یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے عبد صادق کو کمال صدق پر پہنچا دیتا ہے اور درجہ تمکین کے ساتھ معزز و ممتاز بنا دیتا ہے تو وہ کسی معاملہ کو اپنے اختیار میں نہیں رکھتا، بلکہ منتظر ہوتا ہے کہ بارگاہ الٰہی کی طرف سے کیا حکم صادر ہوتا ہے، پھر اگر صدور حکم ہوتا ہے کہ فقیر بن کر رہ، تو وہ فقیری پسند کر لیتا ہے اور حکم آتا ہے کہ امارت پر متمکن ہو تو وہ امیر بن جاتا ہے"۔

جناب عمر بن الخطاب ؓ کا ذکر مبارک ان الفاظ سے شروع فرمایا ہے:

ومنہم سرہنگ اہل ایمان وصعلوک اَہل احسان، امام اَہل تحقیق واندر بحر محبت غریق اَبو حفص عمر الخطاب بس بود کہ وی را کرامات مشہور است وفراسات مذکور ومخصوص بود بفراست وصلابت ووی را لطایف ست اندریں طریقت ودقایق اندریں معنی وپیغامبر گفت ﷺ:

"الحق ینطق علی لسان عمر" (حق لسان عمر پر جاری ہوتا ہے)"۔

عمر بن خطاب ؓ کے بارے میں بھی رسول اللہ ﷺ کا مشہور فرمان بھی نقل کیا ہے:

قد کان فی الأمم محدثون ،فإن یک منھم فی امتی فعمر ؓ

"پہلی امتوں میں ایسے لوگ تھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے القا ہوتا تھا۔ اگر میری امت میں کوئی ایسا شخص ہوا تو وہ عمر الفاروق ہوں گے"

جناب عمر فاروق ؓ کے احوال مقدسہ میں فرماتے ہیں:

"عزلت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک اعراض از مخلوقات، دوسرے انقطاع از مخلوقات سے۔ خلقت سے منہ موڑنا یوں صورت ہے کہ کسی علیحدہ مقام پر جا بیٹھے اور اعلانیہ طور پر صحبت ابنائے جنس سے بیزار ہو جائے اور اس تخلیہ میں بیٹھ کر اپنے عیوب کی نگرانی کرے، اور اپنے لیے بخالطف اغیار سے اتنی خلاصی چاہے کہ لوگوں کو اپنی طرف سے ہر قسم کی بدی سے مامون کر دے"۔

لیکن مخلوق سے انقطاع دل سے ہوتا ہے اور اس تعلق قلبی کی صفت اس طرح سے ہوتی ہے کہ اسے ظاہر سے قطعاً تعلق نہیں ہوتا اور جب انقطاع دل کے ساتھ مخلوق سے ہو جائے، تو اس کے دل پر اندیشۂ مخلوق مستولی رہتا ہے۔ اس وقت اس کی شان یہ ہوتی ہے کہ اگرچہ مخلوق میں ہو مگر مخلوق سے تنہا ہی ہوتا ہے اور اس کی توجہ مخلوق سے بالکل علیحدہ ہوتی ہے اور یہ مقام نہایت بلند ہے اور ہر ایک کے لیے یہ شان بہت بعید ہے۔ اس راہ میں صحیح اترنے والے اور اس صفت کے صحیح موصوف حضرت عمر فاروق ؓ تھے کہ آپ نے تخلیہ کی راحت کا پتہ دیا اور بظاہر لوگوں میں منصب امارات اور تخت خلافت پر جلوہ فرما تھے۔

حضرت عمر ؓ فاروق کے ترجمۂ مبارک کو ان الفاظ سے ختم کیا ہے:

"حضرت عمر ؓ صحابۂ اَجلاء، خواص اصحاب رسالت مآب ﷺ سے ہیں اور اس پایہ کے مقبول بارگاہ لم یزل ہیں کہ آپ کے تمام افعال بارگاہ ایزدی میں مقبول ہیں۔ حتیٰ کہ جب آپ مشرف باسلام ہونے آئے تو پہلے جبرائیل بشارت لائے اور عرض کیا" یا محمد ﷺ!"

قد استبشر أھل السماء الیوم باسلام عمر

تو اس طائفہ صوفیہ میں خرقہ پوشی بافتد از عمر فاروق ؓ جاری ہے اور صوفیہ کرام کا مذہب میں سخت اور متصلب ہونا ہی اس مقدس ہستی کی

پیروی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بعد اسلام سب باتوں میں امامِ خلق ہوئے۔

اور تیسرے خلیفۂ راشد جناب سیدنا عثمان بن عفان ﷛ کا ذکر مبارک ان الفاظ میں شروع فرمایا:

ومنهم وفيز گنج حيا و أعبد اهل صفا ومتعلق به درگاه رضامتحلى بطريق مصطفى ﷺ، أبو عمر ﷛ وعثمان ﷛ بود که وی را فقايل هويداست ومناقب ظاهر اندر کلی معانی

حضرت عبداللہ بن رباح ﷛ اور حضرت ابو قتادہ ﷛ سے روایت نقل کی ہے جو حضرت عثمان غنی ﷛ کی عظمت شان اور تسلیم و رضا کے میدان میں آپ ﷛ کے اعلیٰ مقام کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ روایت کے مطابق "حرب الدار" کے روز (یعنی جس دن بلوائیوں نے حضرت عثمان ﷛ کا محاصرہ کیا تھا) ہم امیر المؤمنین عثمان غنی ﷛ سے پاس حاضر تھے، جب بلوائی بارگاہ عثمانی میں جمع ہوگئے تو آپ کے غلاموں نے ہتھیار اٹھائے اور مقابلہ کے لیے آمادہ ہوئے حضرت امیر المؤمنین نے فرمایا: جو میرا غلام ہتھیار اٹھانے سے رکا رہے، وہ میری طرف سے آزاد ہے۔ ہم خوف بلوہ کی وجہ سے باہر آئے تو راستہ میں حضرت حسن بن علی ہمیں ملے۔ ان کی ہمراہی میں ہم پھر واپس حضرت امیر المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ ہمیں اس امر کا علم ہو جائے کہ حضرت حسن بن علی حضرت عثمان ﷛ کی خدمت میں کس غرض سے تشریف لائے ہیں۔

حضرت امام حسن ﷛ نے بعد سلام سنت الا سلام، بلوائیوں کی شرارت پر اظہار افسوس فرماتے ہوئے اجازت چاہی کہ ان بلوائیوں کو ان کے کیفر کردار تک پہنچا دیا جائے اور کہا کہ چونکہ آپ ہمارے سچے امام ہیں لہٰذا آپ کی بلا اجازت ہمیں تلوار اٹھانا، روا نہیں اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ آپ سے اجازت حاصل کریں پھر ان بلوائیوں کے فتنہ کو مٹائیں۔ امیر المؤمنین عثمان بن عفان ﷛ نے فرمایا:

يا ابن اخی! ارجع واجلس فی بیتک حتی یاتی الله بامره فلاحاجة لنا فی إهراق الدماء

"اے بھتیجے! واپس تشریف لے جاؤ اور اپنے گھر میں (آرام کرو)، یہاں تک کہ حکم الٰہی جو پردۂ تقدیر میں ہے، آ جائے ہمیں مسلمانوں کا بے جا خون بہانے کی ضرورت نہیں"۔

یہ علامت خاص تسلیم و رضا کی تھی کہ عین کرب والم اور ورود بلا کی حالت میں ظاہر ہوتی اور یہ وہ درجۂ خلت ہے جو نمرود کی آگ دہکانے کے وقت ابراہیم علیہ السلام کو عطا ہوا تھا۔ جب منجنیق کے پلے میں ڈال کر آپ کو آگ کی طرف پھینکا گیا تو جبرائیل امین حاضر ہوئے اور عرض کیا اس وقت کوئی ضرورت ہو تو فرمایئے۔ آپ نے فرمایا جبرائیل! تمہاری طرف میری کوئی حاجت نہیں: "حسبی سؤالی علم بحالی" میری التجا تو اس کے حضور ہے جو میرے احوال سے خوب واقف ہے۔

حضرت عثمان غنی ﷛ کے احوال یہ کہتے ہوئے ختم کیے ہیں:

"تو انفاق مال و بدیۂ جان اور تسلیم امور و اخلاص میں مشائخ طریقت حضرت امیر المؤمنین عثمان غنی ﷛ کے متبع ہیں اور وہ یقیناً شریعت و حقیقت میں سچے امام تھے اور ان کی تعلیم و داد و محبت اسلام میں اظہر من الشمس ہے"۔

اور چوتھے خلیفۂ راشد ابن عم رسول اللہ ﷺ تمرید عین جگر گوشۂ رسول ﷺ اور حسنین کے والد محترم، سیدنا و مولانا علی بن ابی طالب ﷛، جن پر تمام مسالک صوفیاء کرام منتہی ہوتے ہیں، کا ذکر گرامی ان کلمات سے فرمایا ہے:

ومنهم ونيز برادر مصطفى ﷺ وغريق بحر بلا ،وحريق نار ولا و مقتد ای جمله اولياء اصفيا، أبوالحسن علي بن أبی طالب كرم الله وجهه "آدرا اندرين طريقت شان عظيم ودرجهٔ رفيع بود واندرين دقت عبارات از اصول حقايق خطی تمام داشت تاحدی که جنيد رحمة الله عليه گويد: در حق وی شيخنا فی الأصول والبلاء علی المرتضی ﷛ شيخ ما اندر اصول واندر بلا کشيدن علی مرتضی است

آپ ﷛ کے مقدس احوال میں سید علی ہجویری نے ایک واقعہ درج فرمایا ہے کہ ایک شخص امیر المؤمنین سیدنا علی المرتضیٰ ﷛ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ہدایت کیلئے استدعا کی۔ آپ نے فرمایا:

لاتجعلن أكبر شغلك باهلك وولدك فإن يكن اهلك، وولدك من اولياء الله تعالیٰ ،فإن الله لايضيع اولياء فان كانوا اعداء الله فماهمك وشغلك لأعداد الله؟

"جناب علی المرتضیٰ ﷛ نے اس شخص کو تلقین فرمائی کہ اپنی زیادہ توجہ اپنے بیوی بچوں کی طرف نہ رکھیں، اس لیے کہ اگر وہ اولیاء اللہ سے ہوئے تو اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو کبھی ضائع نہیں فرماتے، اور اگر وہ دشمنان خدا میں سے ہوئے تو دشمنان خدا کیلئے غم خواری

وہمدردی کیوں؟"

اس روایت کے نقل کرنے کے بعد حضرت علی ہجویری فرماتے ہیں:

یہ مسئلہ انقطاع ماسویٰ اللہ سے متعلق ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام کا حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی کو سخت تنگ حالت میں چھوڑنے اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بے آب وگیاہ صحراء میں چھوڑنے کا ذکر فرماکے فرمایا: ان دونوں نے انہیں خدا کے حوالے کر دیا اور ان میں اپنے کو مشغول نہ کیا اور اپنے دل کو اپنے رب حقیقی کے ساتھ جوڑے رکھا حتیٰ کہ ان دونوں کی مراد دو جہان میں پوری ہوئی، باآنکہ بظاہر انہیں بحالت نامراد میں چھوڑ آگیا تھا۔

اہل بیت اطہار کے ذکر سے سید علی ہجویری کا قلم شدتِ محبت سے سرشار ہے۔ "باب فی ذکر أئمتهم من أهلی البیت" میں ابتداء جناب سیدنا امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ مبارک سے کی ہے۔ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

ومنهم جگر بند مصطفی وریحانِ دلِ مرتضیٰ وقرة العینِ زهرا ابو محمد الحسن بن علی کرم الله وجهه، وی را اندرین طریقت نظر تمام بود واندر دقایق عبارات این معنی حظلی وافر تاحدی که گفت اندر حال وصیتش

"کہ آپ نے اپنی وصیت میں فرمایا: "تمہیں اپنے اندرونی اسرار کا محفوظ رکھنا لازمی ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ضمیروں کے راز جاننے والا ہے"۔

ان کے تذکرہ مبارک میں سید صاحب نے حضرت حسن بصری کا وہ خط نقل کیا ہے جسے انہوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ جس میں آپ نے تقدیر کے بارے میں پوچھا تھا، اس لیے کہ مختلف ملل ونحل سے تعلق رکھنے والے اپنے معتقدات فاسدہ کے جلو میں سلام کی اپنے انداز میں تشریح کرنا چاہتے تھے۔ حسن بصری نے اپنے خط میں لکھا تھا کہ:

فانكم ذرية بعضها من بعض بعلم الله علمتم وهو الشاهد عليكم وانتم شهداء الله على الناس و السلام

"آپ اہل بیت نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہیں اور ہمارا عقیدہ ہے کہ آپ کا علم تعلیم الٰہی سے منقطع نہیں ہوسکتا، بلکہ وہ ذات پاک آپ کی نگہداشت ومحافظت میں ہے اور آپ مخلوقات کے محافظ ہیں اور ان کے گواہ۔ والسلام"۔

جب یہ نامہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو ملا تو آپ نے حضرت حسن بصری کو جواب لکھ بھیجا۔ جس کا مفہوم کچھ اس طرح سے ہے:

"آپ کا خط ہمیں موصول ہوا، اس میں جو آپ نے اپنی حیرت کے متعلق لکھا ہے اور جو ہماری امت کے متعلق مسئلہ قدر کے بارے میں لکھا ہے۔ اس کے متعلق ہماری رائے یہ ہے کہ جو شخص قدر خیر وشر من اللہ پر ایمان نہ لائے وہ کافر ہے اور جو اپنے افعال معصیت کو خدائے جل مجدہ کی مشیت کی طرف منسوب کرے وہ فاجر یعنی انکار قدر وتقدیر کرنا مذہب قدریہ ہے اور اپنے برے افعال اور گناہوں کی مشیت الٰہی کی طرف منسوب کرنا مذہب جبریہ ہے۔ اس لیے کہ بندہ کو مختار کیا گیا ہے۔ اس کے افعال اور اکتساب میں اس کی استطاعت وقوت کی حد تک اور یہ اختیار من جانب اللہ عطا ہوا ہے اور ہمارا دین قدر وجبر کے درمیان ہے اور میری مراد اس نامہ میں جو کچھ میں نے ظاہر کی، اس سے زائد ایک کلمہ نہیں ہے۔ لیکن کچھ اور الفاظ اس لیے لکھتا ہوں تاکہ مضمون زیادہ واضح اور فصیح ہوجائے"۔

آپ کا تذکرہ مقدسہ میں ایک حکایت نقل کی ہے کہ جنگل سے ایک اعرابی آیا اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کوفہ میں ایک مکان کے دروازہ پر تشریف فرما تھے۔ اس نے امام حسن رضی اللہ عنہ سے سب وشتم کے ساتھ مکالمہ شروع کیا اور اتنا بڑھا کہ آپ کے آباؤ اجداد کی شان کے بارے میں بکنے لگا۔ حضرت امام نے نہایت سنجیدگی سے فرمایا: "اے اعرابی! تم مجھے بھوکے معلوم ہوتے ہو یا پیاسے، اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچی ہو تو بتاؤ"۔ اس نے مزید سخت کلام شروع کر دیا، یہاں تک ماں باپ کو برا بھلا کہا۔ حضرت امام نے خادم کو بلایا اور حکم دیا کہ اندر سے چاندی کا کوزہ لے آئے، آپ نے وہ کوزہ نقرئی اس اعرابی کو عطا فرمایا اور فرمانے لگے: "اس وقت اس کے سوا اور کچھ نہیں ورنہ کچھ اور خدمت بھی کرنے سے دریغ نہ تھا۔" اس اعرابی نے جب یہ الفاظ سنے تو پکار اٹھا: "اشهد انک ابن رسول الله" میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ابن رسول ہیں، میں تو صرف آپ کے حلیم اور کظم غیظ وغضب کا تجربہ کرنے آیا تھا۔ (۲)

ان کے ذکر کے بعد حضرت سیّد داتا گنج بخش نے انتہائی محبت اور والہانہ پن سے جناب امام عالی مقام شہید کربلا رضی اللہ عنہ کا ذکر شروع کیا ہے:

ومنهم نیز شمع آل محمد واز جمله علایق مجرد، سید زمانه خود أبو عبدالله الحسین بن علی ابن أبی طالب رضی الله عنه از محققان اولیاء، قبلهٔ أهلِ صفاء، قتیل دشت کربلا، شهزادئه گلاگونِ قبا هین

آپ کے بارے میں حضرت عمرؓ سے ایک حکایت روایت کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں دربارِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوا، دیکھا کہ حضور ﷺ گھٹنوں کے بل چل رہے ہیں اور اپنی پشت مبارک پر جناب امام عالی مقامؓ کو سوار کیا ہوا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: "نعم الجمل جملک یا اباعبداللہ" (اے ابوعبداللہ! آپ نے سواری تو کیا خوب پائی ہے)۔ یہ سنا تو جناب رسالت ﷺ پناہ گویا ہوئے: "ونعم الراکب ،یا عمر" (۲) (اے عمرؓ! سوار بھی تو کیا خوب ہے)۔ ایک حکایت میں ہے کہ حضرت امامؓ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور کہا: میں غریب و مفلس عیال دار ہوں، آج رات کھانے کو کچھ چاہیے۔ آپ نے فرمایا: ہمارا وظیفہ راستے میں ہے آ جائے تو تجھے دیں۔ تھوڑی ہی دیر میں پانچ تھیلیاں آپ کی خدمت میں پیش کی گئیں جو امیر معاویہؓ نے بھیجی تھیں۔ ہر تھیلی میں ایک ہزار دینار تھے۔ لانے والے کہا: حضور! معاویہ معافی چاہتے ہیں، ان کی خواہش ہے یہ رقم غرباء میں تقسیم فرما دیں۔ آپ نے وہ تھیلیاں اسی سائل کو دے دیں اور معذرت فرمائی کہ تجھے انتظار میں بہت دیر تک ٹھہرنا پڑا۔ (۳)

اور ان کے بعد اس مقدس و پاکیزہ ہستی کا ذکر کیا ہے جن کا ذکر کرتے ہی قلم عطر بیز اور عشق و مستی سے رقصاں ہے، فرماتے ہیں:

و منهم و نیزوارث نبوت و چراغ امت سید مظلوم وامام مرحوم زینِ عباد وشمع الأوتاد أبوالحسن علي بن الحسين بن علي بن أبي طالب کرم الله وجهه ،أکرم وأعید أهل زمانه خود بود ووی مشهور ست بکشف حقائق ونطق دقایق واز ودی پرسید ندکه سعید ترین دنیا و دین کیست گفت من "إذا رضی لم یحمله رضا ه علی الباطل وإذا سخط لم یخرجه سخطه عن الحق

"آں جناب حضرت زین العابدین سے جب پوچھا گیا کہ دین و دنیا میں خوش نصیب ترین کون ہے۔ فرمایا: وہ شخص جب راضی ہوا تو باطل کا ارتکاب نہ کرے اور اگر ناراض ہو تو اس کی ناراضی اسے حق سے دور نہ کرے۔"

کربلا میں تمام مردوں کو قتل کر دیا گیا، حضرت زین العابدین صغیر السن اور بیمار تھے اس لیے بچ سکے۔ جب اہل بیت کی عفت مآب بیبیوں کا لٹا پٹا قافلہ دمشق پہنچا تو حضرت زین العابدین سے کسی نے پوچھا: "کیف اصبحتم یا علی ویاأهل بیت الرحمة" یعنی اے علی اور اہل بیت الرحمت آپ لوگوں نے آج صبح کیسی فرمائی۔ آپ نے جواب میں فرمایا:

أصبحنا من قومنا بمنزله قوم موسی من آل فرعون .یذبحون ابناء هم ویستحیون نساء هم ،فلا ندری صباحنا بین سائنا وهذا من حقیقة بلائنا

"ہماری صبح ہماری قوم کے ظلم و جور سے ایسی ہوئی ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی صبح ظلم فرعون سے ہوئی کہ قوم موسیٰ (علیہ السلام) کے بچوں کو ذبح کرتے تھے اور عورتوں کو زندہ رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ ہم اس وقت اپنی صبح کو شام کے مابین نہیں جانتے، ہمارے امتحان وابتلاء کی یہ حقیقت ہے اور ہم اپنے رب ذوالجلال کا شکر ہر حال میں ادا کرتے ہیں اور اس کے امتحان پر صبر کر رہے ہیں"۔

حضرت داتا صاحب نے حضرت زین العابدین کے تذکرہ مبارک میں وہ واقعہ بھی نقل کیا ہے جو ہشام بن عبدالمالک کو پیش آیا تھا کہ ہشام ابن عبدالملک بڑے تزک و احتشام کے ساتھ بیت اللہ شریف کے حج کے لیے گیا۔ استلام حجر اسود کے وقت سخت پیش آئی۔ اتنے میں حضرت زین العابدینؓ صحن کعبہ میں تشریف لے آئے، روئے انور سے چاند کی مانند روشنی پھیل رہی تھی، رخسار مبارک نور تاباں تھا اور لباس کی عطر بیزی سے راستہ مہک رہا تھا۔ آپ نے طواف فرمایا اور پھر استلام حجر اسود کے لیے بڑھے تو لوگوں نے آپ کو تشریف لاتے دیکھ کر علی الفور تعظیماً راستہ صاف کر دیا۔ آپؓ بہ آسانی حجر اسود کے بوسہ کے لیے تشریف لے گئے۔ ہشام اور اس کے گرد کھڑے شامی مبہوت ہو کر یہ دلکش منظر دیکھ رہے تھے۔ کسی نے پوچھا: یہ کون ہے؟ ہشام جانتے ہوئے بھی انجان بن گیا اور خجلت کے عالم میں بولا: "میں نہیں جانتا یہ کون ہے۔" اتفاقاً الفرزدق شاعر وہاں کھڑا تھا، کہنے لگا: "ہشام! تو نہ جانتا ہو مگر میں انہیں خوب جانتا ہوں۔" شامیوں نے کہا: اے ابوالفراس، بتا! یہ کون ہے؟ اس پر الفرزدق نے برجستہ وہ لامیہ قصیدہ کہا جس کا مطلع ہے:

هٰذَا الَّذِی تَعرِفُ البطحاء وقطاته
وَالبَیتُ یَعرِفُهُ وَالحِلُّ وَالحَرَمُ
هذا ابن خیرِ عباد اللّٰه کُلّهم
هٰذَا النّقِی النقی الطاهر العَلَمُ

"یہ وہ ہستی ہے جس کے قدموں کی چاپ سے سرزمین بطحاء پہچانتی ہے اور بیت اللہ و حل و حرم ان سے واقف ہیں"

اسی قصیدہ کا ایک اور شعر ہے:

يُغْضِي حَيَاءً وَيُغْضَى مِنْ مَهَابَتِهِ
فَمَا يُكَلَّمُ إِلَّا حِينَ يَبْتَسِمُ

"آپ حیا کے مارے نظریں جھکا کے رکھتے ہیں اور لوگ ان کی ہیبت سے اپنی نظریں نیچی رکھتے ہیں۔ تو لوگ آپ سے صرف اس وقت ہم کلام ہونے کی جرأت کرتے ہیں جب آپ مسکرا رہے ہوتے ہیں"

انہی کے صاحبزادے، جن کے بارے میں سید علی ہجویری فرماتے ہیں:

ومنهم ويكز حجت برأهل معاملت وبرهان أرباب مشاهدت ،إمام اولاد نبي وگزيدئه نسل علي،أبو جعفر محمدبن علي بن الحسين بن علي بن ابي طالب الباقر رضي الله عنهم. " آپ بیان علوم دقیقہ اور لطائف اشارات میں قرآن کریم کے ساتھ خصوصیت سے مشہور ہیں آپ ؒ کی بہت سی کرامتیں مشہور ہیں اور آپ ؒ کے بہت سے نشانات اور دلائل انور معروف ہیں"۔

آپ کا ایک واقعہ مشہور ہے کہ ایک دفعہ ایک بادشاہ نے آپ کو اپنے پاس بلا بھیجا۔ نیت میں یہ تھا کہ جب آپ آجائیں تو شہید کر دیا جائے۔ آپ بلا خوف وخطر اس کے پاس تشریف لے گئے، جب آپ اس کے قریب پہنچے تو اس نے معذرت کی اور کچھ ہدیہ پیش کیا اور بڑے ادب واحترام سے واپس بھیجا۔

حاضرین دربار نے خلاف توقع عمل دیکھ کر کہا کہ جہاں پناہ نے تو امام کو شہید کرنے کی نیت سے بلایا تھا لیکن وہ تشریف لائے تو اور طرح کا برتاؤ کرتے دیکھا، اس کی کیا وجہ ہے؟ بادشاہ کہنے لگا کہ جب وہ میرے قریب آئے تو میں دیکھا کہ دو شیر ان کے دائیں بائیں کھڑے ہیں اور مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ اگر تو نے ان کے قتل کا ارادہ بھی کیا، تو ہم تجھے ہلاک کر دیں گے۔

آپ کے معمولات میں یہ تھا کہ رات کچھ گزر جانے کے بعد اپنے معمولات سے فارغ ہو جاتے تو با آواز بلند دعا فرماتے اور یہ دعا میں کرنے کے بعد اس قدر گریہ فرماتے کہ صبح ہو جاتی۔ ایک شب میں نے عرض کیا، اے میرے سردار! میرے ماں باپ کے سردار! کب تک آپ روتے رہیں گے اور کب تک یہ خروش رہے گا آپ نے فرمایا: بھائی! یعقوب علیہ السلام کا صرف ایک یوسف گم ہوا تھا تو وہ اتنا روئے کہ چشم مبارک سپید پڑ گئیں اور میں نے اپنے اٹھارہ آدمی مع اپنے والدین یعنی امام حسین سید الشہداء اور شہداء کربلا کو اپنے سے گم کیے ہیں تو اس وقت تک میں گم ہی رہوں گا جب تک ان کی جدائی میں رو رو کر آنکھیں سپید نہ کر لوں اور ائمہ اہل بیت میں آخر میں سیدنا حضرت ابو محمد جعفر صادق علیہ السلام کا ذکر فرمایا اور کس شان سے ان کا ذکر فرمایا ہے، فرماتے ہیں:

ومنهم ونيز يوسف سنت وجمالِ طريقت ومعبر معرفت ومزين صفوت أبو محمدجعفر الصادق بن محمد بن الحسين بن علي ابن الطالب رضي الله عنهم أجمعين ،عالي حال ونيكو سيرت بوده آراسته ظاهر وآبادان سروت ووى را اشارات جميله است اندر جمله علوم ومشهورد است بدقت كلام وقوف معاني اندر ميان مشايخ رضي الله عنهم

انہی کے بارے میں حضرت سید علی ہجویری فرماتے ہیں: بیان طریقت میں آپ کی تصانیت مشہور ہیں اور آپ سے روایت نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

"من عرف ربه فقد أعرض عما سوا". اس کا معنی یہ ہوگا کہ جس کسی نے اپنے الٰہ حقیقی کو اس کی تمام قوتوں اور عظمتوں کے ساتھ پہچان لیا تو وہ کسی اور طرف نظر نہیں ڈالے گا۔ اور آپ ہی سے یہ روایت بھی ہے کہ آپ نے فرمایا: "لا تصح العبادة الا بالتوبة لان الله تعالىٰ قدم التوبة على العبادة ،قال الله تعالىٰ :"التائبون العٰبدون" (۵) عبادت بغیر توبہ کے صحیح نہیں حتی کہ خود اللہ تعالیٰ نے عبادت پر توبہ کو مقدم فرمایا، اس لیے کہ توبہ عبادت کی ابتداء ہے اور عبودیت اس کی انتہا ہے۔ چنانچہ جہاں اللہ تعالیٰ نے گناہ گاروں کا ذکر کیا ہے تو انہیں بھی توبہ کا حکم فرمایا۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

وتوبوا إلى الله جميعا ايها المؤمنون لعلكم تفلحون○(۶)

"اے مومنو! تم سب کے سب توبہ کرتے ہوئے رجوع کرو، تاکہ تم فلاح یافتہ ہو جاؤ"۔

اور جہاں سید اکرم، تاجدار عرب وعجم کو یاد فرمایا تو اس طرح: "فأوحى إلى عبده ما أوحى○"(۷) تو گویا مقام عبودیت منتہائے

کمال کا نام ہے۔ایک روایت ذکر فرمائی ہے کہ ایک روز حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اپنے احباب وخدام کے ساتھ تشریف فرما تھے تو آپ نے سب سے فرمایا: آؤ ہم تم آپس میں بیعت کریں اور اس امر کا عہد کریں کہ جس کو اللہ تعالیٰ بروز قیامت دستگاری عطا فرمادیں وہ سب کی شفاعت کرے۔سب نے عرض کی: اے ابن رسول اللہ ﷺ، اس عہد کی تو اسے ضرورت ہے جو محتاج شفاعت ہو، آپ کو ہماری شفاعت کی کیا پرواہ ہے، آپ کے جدِ امجد شفیع مجرمان خلائق ہیں۔آپ نے فرمایا: میں اپنے اعمال پر شرماتا ہوں اور اپنے نفس کے عیبوں پر نظر کر کے ڈرتا ہوں کہ بروزِ قیامت جدِ امجد ﷺ کے حضور کس طرح منہ دکھاؤں گا!!

اس روایت کو نقل کر کے حضرت داتا گنج بخش فرماتے ہیں:

''یہ ہے وہ کمال خاص جو عارف کامل کو حاصل ہوتا ہے کہ ہر وقت وہ اپنے نفس کے عیبوں پر نظر رکھتا ہے، یہ صفت اوصاف کمالیہ سے ہے اور یہ فرماتے ہیں کہ فضائل اہل بیت میں علی التفصیل ایک کتاب مسمّٰی ''منہاج الدین'' ہم نے تالیف کی ہے''۔

اور پھر نویں باب میں آپ نے اصحاب صفہ کا تذکرہ فرمایا۔ان کے بارے میں حضرت سید علی الہجویری فرماتے ہیں:

''اس امر پر اجماع امت ہے کہ حضور ﷺ کی ایک خالص جماعت تھی۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے جو تارک الدنیا ہو کر مسجد نبوی ﷺ میں اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت کے لیے بیٹھ گئے تھے اور ہر قسم کے کسب معاش سے دست بردار تھے۔انہی کی شان میں قرآن پاک نے حضور انور ﷺ کو فرمایا:

ولا تطرد الذین یدعون ربهم بالغداوة والعشی یریدون وجهه.(۸)

''اے حبیب! فراموش نہ کیجئے ان لوگوں کو جو اپنے رب کی عبادت میں صبح وشام مشغول ہیں اور اسی کی رضا چاہتے ہیں''۔

تو خدا کی کتاب ان کی افضلیت پر شاہد ہے اور حضور سید یوم النشور ﷺ کی احادیث ان کے فضائل میں کثرت سے پہنچی ہیں۔اس کے بعد آپ نے انتیس اصحاب صفہ کا ذکر کیا ہے۔انداز ایسا ہے کہ قلم عقیدت واحترام کے زمزم میں نہایا محسوس ہوتا ہے۔فرماتے ہیں کہ یہ تمام لوگ حضور اکرم ﷺ کے صحبت یافتہ تھے اور ان کے ضمیر تمام عیوب سے پاک تھے۔اللہ تعالیٰ نے انہی قدسی صفات ہستیوں کے بارے میں فرمایا:

والسّٰبقون الاولون من المهاجرین والأنصار والذین اتبعوهم باحسان. رضی الله عنهم ورضوا عنه.(۹)

حوالہ جات

۱۔ مقدمہ کشف المحجوب (فارسی)، ص۱۴، ۱۵۔

۲۔ کشف المحجوب (فارسی) ص۷۰۔

۳۔ لایوجد فی یع الحدیث عن عمر بن الخطاب ولکنه عن عبدالله بن عباس ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان حاملا . الحسین بن علی رضی الله عنهما علی عاتقه فقال رجل ،نعم المرکب ،رکبت یا غلام فقال النبی صلی الله علیه وسلم و نعم الراکب هو "أنظر مشکوٰة المصابیح ۳/ ۱۷۳۹ ،کتاب المناقب ،باب مناقب أهل بیت النبی ا

۴۔ کشف المحجوب (فارسی) ص۷۷۔

۵۔ سورہ التوبہ:۱۱۹۔

۶۔ سورہ النور:

۷۔ سورہ النجم:

۸۔ سورہ الانعام:۵۴

۹۔ سورہ التوبہ:۱۰۰

☆☆☆

اس عالم رنگ و بو کے کسی خطے پر جب کفر و شرک اور زندقہ و الحاد کی ظلمت مسلط ہو جاتی ہے تو رب قدیر اس خطۂ زمین پر بسنے والی مخلوق کی صلاح و فلاح کے لئے کسی ایسی صالح و برگزیدہ ہستی کے وجود مسعود کا ظہور فرما دیتا ہے جو ملک و ملت پر چھائے ہوئے کفر و شرک کے گھٹا ٹوپ اندھیرے کو انوار توحید سے مستنیر اور لمعات رسالت سے منور کر دیتا ہے، جس سے رشد و ہدیٰ کی ایک شمع فروزاں ہو جاتی ہے، جس کی نورانی شعاعیں دور دور تک پھیل جاتی ہیں۔

آج سے ایک ہزار سال قبل جب پورے ہندوستان پر جہالت و ضلالت کے دبیز پردے پڑے ہوئے تھے اور اس برعظیم کا گوشہ گوشہ بدھ مت کے پرستاروں کا مرکز بنا ہوا تھا اور برہمن سامراج مہاتما بدھ کو ایک معبود کی شکل دینے کے خواب دیکھ رہا تھا، جب دیوتاؤں کی یہ سرزمین نور توحید سے یکسر محروم ہو چکی تھی، جب اس کفرستان میں اسلام کا بول بالا کرنا، خلق خدا کو وحدانیت کی تعلیم و تدریس سے بہرہ ور کرنا اور شرک و بدعت سے باز رکھنا امر محال تھا، اس وقت تجلم خدائے لم یزال عروس البلاد لاہور کی سرزمین سیدنا ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری قدس سرہ کے قدوم میمنت لزوم سے شرف یاب ہوتی ہے۔

جب سیدنا علی ہجویری قدس سرہ کا ورود مسعود 410ھ مطابق 1025ء لاہور کی سرزمین پر ہوا، اس وقت یہاں کے سیاسی و معاشرتی حالات نہایت درجہ ابتر اور دگرگوں تھے۔ اس عہد میں سلطان محمود غزنوی بن سبکتگین نے لاہور پر پے در پے حملے کئے تھے۔ سلطان مسعود غزنوی کی وفات کے بعد اس کا بیٹا مسعود غزنی لاہور کا حکمران بنا، جو ہانسی اور سونی پت کی مختصر سی فتوحات کے بعد واپس چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد لاہور میں نو مسلموں پر قیامت برپا ہو گئی۔ اس کے متعلق ایک روایت یہ بھی ملتی ہے کہ راجہ جے پال کے بیٹے آنند پال نے سلطان مسعود غزنوی پر حملہ کر کے اسے شکست دی اور حکومت پر اپنا تسلط جما لیا، پھر کیا تھا؟ مذہبی تعصب اور جوش انتقام کے باعث مسلمانوں کا قتل عام شروع ہو گیا، چنانچہ غزنوی خاندان سے ہندوؤں کو جو زک پہنچی تھی، اس کا انتقام لینے کے لئے انہوں نے بے گناہ مسلمانوں کے خون سے ہاتھ رنگے اور اپنے انتقام کی پیاس بجھائی۔

سلطان محمود غزنوی بت شکن ضرور تھا، مگر مبلغ دین نہ تھا۔ اس نے اپنے 33 سالہ دور حکومت میں راجپوتوں کا شیرازہ منتشر تو کر دیا تھا مگر وہ دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا کوئی ٹھوس کام نہ کر سکا۔

یہ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ جو بڑے بڑے حکمرانوں اور فرماں روانوں کی شمشیریں، ان کا جاہ و جلال، ان کی سطوت و صولت، ان کی ہیبت و جبروت اور ان کا شکوہ و دبدبہ سرانجام نہ دے سکا، وہ کام اس مرد حق آگاہ کی حق گوئی، بے باکی، اس کی اولوالعزمی، اس کی صداقت، اس کے خصائل جمیلہ، اس کے فکر و شعور، اس کے حسن تدبر اور اس کی نگاہ معجز اثر سے اس طرح انجام پذیر ہوا جو انسانی فہم و ادراک سے بھی بالاتر ہے۔

ابتدائی حالات

سید علی بن عثمان ہجویری قدس سرہ کا وطن مالوف "غزنی" علم و حکمت کا گہوارہ تھا۔ ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے خاندان کے بزرگوں اور غزنی کے ممتاز علماء و فضلاء سے حاصل کی۔ اولین درسگاہ آپ کی والدہ ماجدہ کی آغوش تھی۔ اعزہ و اقربا بھی علم و فضل کے پیکر اور صلحا اور اصفیاء میں سے تھے۔ تصوف پر پہلی کتاب آپ نے اس زمانہ میں تصنیف فرمائی، جب آپ کی عمر صرف بارہ برس تھی۔ بیس برس آپ نے تبلیغی آرزو کی تکمیل کے لئے علمی تجسس اور کاوش میں بسر کیے۔ سیر و سیاحت سے آپ کو فطری لگاؤ تھا۔ چنانچہ زندگی کا بیشتر حصہ مسافرت اور غریب الوطنی اور دور دراز کے ملکوں کے مشائخ سے ملاقاتوں میں گزرا۔ دمشق، شام، عراق، آذربائیجان، کرمان، خراسان، ماوراالنہر، سمرقند، بخارا، بسطام، مدائن اور دیگر بلاد اسلامیہ کی سیاحت و سفر کے اذکار آپ کی تصنیف لطیف "کشف المحجوب" میں جا بجا ملتے ہیں۔

کشف المحجوب:

"کشف المحجوب" آپ کی وہ ایمان افروز، روح پرور، باطل شکن اور صراط مستقیم دکھانے والی بصیرت افروز تصنیف ہے، جو دنیائے تصوف و معرفت میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے اور علم تصوف کے موضوع پر فارسی زبان میں لکھی جانے والی سب سے پہلی فقید المثال دستاویز ہے جس کے مطالعہ سے کئی بھٹکی ہوئی روحیں راہ حقیقت پر گامزن ہو چکی ہیں۔ مولانا جامی "کشف المحجوب" کے متعلق اس طرح رقم طراز ہیں۔

"یکے از کتب مشہور کہ در ایں فن است و لطائف و حقائق بسیار در آں کتاب جمع کردہ است"۔

صاحب سفینۃ الاولیاء شہزادہ دارا شکوہ کے نزدیک تصوف کے موضوع پر کوئی بھی کتاب "کشف المحجوب" کے پایہ کی نہیں، وہ لکھتے ہیں:

"کشف المحجوب" مشہور و معروف است و ہیچ کس را بریں سخن نیست و مرشدی است کامل از کتاب تصوف بہ خوبی آں از زبان

فارسی تصنیف نہ شدہ"۔

سب سے بڑھ کر مستند و معتبر قول سلطان المشائخ محبوب الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

"کسے را پیر نہ باشد چوں ایک کتاب را مطالعہ کند، پیدا شود"

یعنی وہ شخص جس کا کوئی ہادی و مرشد نہ ہو۔ وہ اس کتاب کے مطالعہ سے ہدایت حاصل کر سکتا ہے۔

ہر دور کے محققین، مؤرخین، مصنفین اور صوفیاء اصفیاء، بہ صمیم قلب "کشف المحجوب" کی فضیلت و اکملیت کے معترف ہیں۔ متعدد زبانوں میں اس کے تراجم ہو چکے ہیں۔ معروف مستشرق پروفیسر نکلسن نے اس زندہ جاوید تصنیف کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔

سیدنا علی ہجویری قدس سرہ اپنی عدیم النظیر تصنیف "کشف المحجوب" کے متعلق اس کے دیباچہ میں خود تحریر فرماتے ہیں:

"میں نے یہ کتاب ایسے افراد کے لئے تحریر کی ہے جو "حجاب غینی" میں گرفتار ہیں۔ یعنی جن اصحاب کے قلوب میں حقائق و معارف کی تنویر موجود تو ہے لیکن وہ نور حق سے منور نہیں "کشف المحجوب" کے مطالعہ سے ان کے دلوں کا مجلی و مستنیر ہو جانا ممکن ہے اور ایسے لوگ صراط مستقیم پر گامزن ہو سکتے ہیں لیکن منکرین حقائق و معارف یعنی "حجاب ذینی" سے محجوب دل مشاہدہ حق سے مشرف نہیں ہو سکتے اور ایسے لوگوں کے لئے یہ کتاب ہرگز ہرگز فائدہ مند ثابت نہ ہوگی"۔

مذہب و مسلک:

سیدنا علی ہجویری قدس سرہ حنفی المذہب تھے۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے پیروکار تھے۔ آپ ان سے بے حد عقیدت و ارادت رکھتے تھے۔ جب آپ حرمین شریفین کی زیارات کے لئے حجاز مقدس تشریف لے گئے تو آپ نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں حاضری دینے کی سعادت حاصل کی۔

شرف بیعت اور وصیت شیخ:

دوران سیاحت سیدنا علی ہجویری قدس سرہ حضرت شیخ ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی جنیدی علیہ الرحمۃ جو اس دور کی عظیم ترین شخصیت اور ان کی ذات گرامی فقر و استغنا کا پیکر اور شریعت و طریقت کا ایک مرقع تھی، کے دست حق پرست پر بیعت کی سعادت حاصل کی۔ حضرت ابوالفضل ختلی علیہ الرحمۃ تصوف میں سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ کے مذہب پر چلتے تھے جو حضرت شیخ ابوالحسن حصری کے مرید خاص تھے جنہیں حضرت شیخ ابوبکر شبلی علیہ الرحمۃ سے بیعت کا شرف حاصل تھا۔ سیدنا علی ہجویری قدس سرہ شیخ طریقت کے بارے میں "کشف المحجوب" میں تحریر فرماتے ہیں:

"میں نے طریقت میں ان سے رہنمائی حاصل کی۔ تفسیر و حدیث میں وہ اپنی مثال آپ تھے۔ ساٹھ سال تک جنگلوں اور پہاڑوں میں گوشہ نشین رہے۔ اکثر جبل الکام میں مقیم رہے عمر بہت لمبی پائی۔ آیات و براہین کے مالک تھے۔ متصوفین کے لباس اور رسوم کے پابند نہ تھے۔ میں نے ان جیسا بارعب اور پر ہیبت شخص کبھی نہیں دیکھا۔ ان کا ارشاد گرامی ہے الدنیا یوم ولنا فیھا صوم یعنی دنیا ایک دن کی بات ہے اور ہم نے اس میں روزہ رکھا ہوا ہے (یعنی ہم نہ اس کے کسی حصے میں شریک ہیں اور نہ اس کے ظاہری حسن و جمال کے اسیر ہیں) کیونکہ ہم نے اس کی آفات و بلیات اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کی ہیں اور اس کے حجابات سے واقف ہو کر اس سے کنارہ کشی اختیار کی ہے۔"

جب حضرت شیخ ابوالفضل ختلی علیہ الرحمۃ کا آخری وقت قریب آ پہنچا تو انہوں نے سیدنا علی ہجویری قدس سرہ کو آخری نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

"اے فرزند! میں تجھے ایمان و یقین کا ایک راز بتاتا ہوں اگر تو اس پر عمل کرے گا تو ہر قسم کے رنج و محن سے آزاد رہے گا۔ یاد رکھ کہ خدا کی طرف سے جو آفت یا رحمت جس مقام اور جس حال میں پیش آئے اس کے آگے سر تسلیم خم کر دے اور آئندہ کے لئے ملول کبیدہ خاطر نہ ہونا، کیونکہ یہ بات مشیت ایزدی کے سراسر خلاف ہے"۔

اس کے سوا آپ نے کوئی وصیت نہ فرمائی اور جان، جان آفرین کے سپرد کر دی۔

گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ سیدنا علی ہجویری قدس سرہ، ایک عارف کامل صوفی باصفا، صاحب فضل و کمال، عالم بے مثال داعی حق اور پروانہ شمع رسالت تھے۔ آپ نے اپنی تمام عمر تبلیغ و اشاعت اسلام میں گذاری۔ آپ کا علمی و روحانی فیض ہمیشہ جاری و ساری رہا، جو شخص بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا علم و عرفان اور روحانی دولت سے مالا مال ہوا۔ آپ کی ذات ستودہ صفات سے لاتعداد افراد فیض یاب

ہوئے۔ گوہر ہائے مقصود سے جھولیاں بھرتے رہے، اس وجہ سے آپ ''گنج بخش'' کے لقب سے مشہور خاص و عام ہوئے۔ آپ کی روحانی عظمت و بخشش کا اندازہ اس حقیقت سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ سلطان الہند خواجہ خواجگان، غریب نواز حضرت معین الدین چشتی سنجری اجمیری علیہ الرحمۃ جب ہندوستان تشریف لائے تو سیدنا علی ہجویری قدس سرہ کے آستانہ عالیہ پر حاضر ہوئے اور مزار انوار کے بالمقابل جانب جنوب مسجد سیدنا علی ہجویری قدس سرہ سے ملحق ایک حجرہ میں معتکف ہوئے۔ اکتساب فیوض و برکات اور تحصیل حکمت و معرفت سے فارغ ہو کر وقت رخصت حضرت کے حضور بصد ادب و احترام ان الفاظ میں ہدیہ عقیدت پیش کیا:

گنج بخش ہر دو عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

لیکن اب تقریباً ایک صدی سے اس شعر میں ''ہر دو عالم'' کی بجائے ''فیض عالم'' لکھا پڑھا جارہا ہے اور آج

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

زبان زد عام و خاص ہے۔

دو شہرہ آفاق کرامتیں

(1) مخدوم الاولیاء سلطان الاصفیاء سیدنا علی ہجویری قدس سرہ جس جگہ پر اقامت پذیر تھے، آپ نے وہیں پر مسجد تعمیر کرائی اور خلق خدا کے لئے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا لیکن چند روز کے بعد آپ کو معلوم ہوا کہ بعض علماء نے اس مسجد کی جہت قبلہ کو غلط قرار دیا ہے چنانچہ ایک روز آپ نے ان اصحاب کو مسجد میں مدعو کیا ان کے ساتھ نماز ادا کی اور امامت کے فرائض خود انجام دیئے۔ آخر میں جب مقتدی حضرات سربسجود ہوئے تو انہوں نے کعبۃ اللہ کو اپنے روبرو پایا اور وہ محو حیرت و استعجاب ہو گئے اور انہیں حضرت کی روحانیت و معرفت کا صدق دل سے اعتراف کرنا پڑا۔ اس شہرہ آفاق واقعہ کا دارا شکوہ نے اپنی تصنیف سفینۃ الاولیاء میں نہایت شرح و بسط سے ذکر کیا ہے۔

(2) رائے راجو ایک ماہر منجم اور کامل ریاضی دان تھا۔ مذہبی علوم میں بھی اسے دسترس خاص تھی۔ اس بناء پر وہ ریاضت و مجاہدہ میں مشغول رہنے لگا۔ انجام کار اسے سحر، افسوں اور شعبدہ و استدراج میں کمال خاص ہو گیا۔ بایں وجہ سادہ لوح افراد اسے بھگوان کا اوتار ماننے لگے اور بیشتر گوالوں نے تو اپنے مویشیوں کا دودھ اس کی نذر کرنا شروع کر دیا اور ضعیف الاعتقاد لوگ اس سے مرادیں حاصل کرنے لگے۔

روایت ہے کہ سیدنا علی ہجویری قدس سرہ کی قیام گاہ سے تھوڑے ہی فاصلے پر رائے راجو کا مسکن تھا۔ ایک روز ایک گوالن دودھ کی دیگچی سر پر اٹھائے حضرت کی اقامت گاہ کے قریب سے گذر رہی تھی کہ آپ نے اس سے کہا ''ہمیں دودھ کی ضرورت ہے، قیمت لے لو اور دودھ ہمیں دے دو''۔ گوالن نے جواباً کہا کہ یہ دودھ میں رائے راجو جوگی کو پہنچانے جارہی ہوں کیونکہ اگر ہم لوگ اسے دودھ نہ پہنچائیں تو ہمارے مویشیوں کے تھنوں سے دودھ کی بجائے خون آنے لگتا ہے۔ جوگی مہاراج بڑی شکتی کے مالک ہیں۔ اس پر حضرت نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ اگر یہ دودھ آج ہمیں دے دو تو اللہ تعالیٰ تیرے مویشیوں کی حفاظت فرمائے گا، بلکہ وہ دودھ زیادہ دینے لگیں گی۔ عورت نے آپ کی گفتگو سے متاثر ہو کر تعمیل ارشاد کی اور دودھ حضرت کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اسی رات جب وہ شام کو دودھ دوہنے لگیں تو حضرت کی دعا و برکت سے دودھ کی مقدار اس قدر وافر ہو گئی کہ گھر کے تمام ظروف بھر گئے اور دودھ ختم ہونے کو نہ آتا تھا۔ اس محیر العقول واقعہ کی خبر شہر میں دور دور تک پھیل گئی اور تمام گوالے آپ کی خدمت میں دودھ پیش کرنے لگ گئے، جس کے باعث ان کے مویشی بہت زیادہ دودھ دینے لگے۔

سیدنا علی ہجویری قدس سرہ کے اس تصرف کا یہ اثر ہوا کہ رائے راجو کا شہرہ ماند پڑ گیا۔ اس کے عقیدت مندوں نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا، پھر کیا تھا؟ وہ نہایت پریشانی اور خفت کے عالم میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ آپ نے ہمارا دودھ تو بند کر دیا ہے۔ اب مزید کسی کرامت کا مظاہرہ بھی ہونا چاہیئے۔ جادو منتر اور سحر و افسوں کے بل بوتے پر وہ حضرت کے مقابلے میں اتر آیا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ میں کوئی جادوگر یا کاہن نہیں ہوں۔ میں تو خدا بزرگ و برتر کا عاجز و مسکین بندہ ہوں۔ میرا کام صرف دین اسلام کی تبلیغ کرنا ہے، نیز فرمایا ہاں! اگر اس میں تجھے کچھ کمال ہے تو مظاہرہ کر۔ اس میں جوگی نے فضا میں پرواز کرنے کا شعبدہ پیش کیا۔ حضرت نے جوگی کا یہ شعبدہ دیکھ کر اپنے نعلین ہوا میں چھوڑ دیئے جو اس کے سر پر پے در پے برسنا شروع ہو گئے اور وہ چشم زدن میں واپس زمین میں اتر آیا اور فوراً ہی حضرت کے قدموں میں آگرا۔ گویا ''بت پرستی کرتے کرتے حق پرستی آگئی'' کے مصداق سیدنا حضرت علی ہجویری قدس سرہ کی نگاہ کیمیا اثر فیضان سے رب العزت نے اسے تائب ہونے کی توفیق عطا فرمائی اور اسے ایسی بصیرت و بصارت بخشی کہ اس کا ظلمت کدہ دل مطلع انوار بن

گیا۔ وہ حلقہ بگوش اسلام ہوا اور حضرت نے اسے اپنی بیعت میں لے لیا۔ اس کا اسلامی نام عبداللہ رکھا اور شیخ ہندی کے لقب سے ملقب فرمایا، جس کی نسل آج تک آپ کے آستانہ عالیہ کی متولی چلی آ رہی ہے۔ یہ خانوادہ آج بھی مزار حضرت سیدنا علی ہجویری کے قریب وجوار میں آباد ہے اور درگاہ معلیٰ کے محکمہ اوقاف کی تحویل میں آجانے کے باوجود آج بھی بعض متولیان اور سجادہ نشینان حضرات ہر سال حضرت کا یوم وصال اپنے ذاتی مصارف پر حسب دستور نہایت عقیدت واحترام سے منعقد کرتے ہیں، جن میں صاحبزادہ ابوالعاصم محمد سلیم حماد (مئولف حیات و تعلیمات حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ) کا نام نامی سرفہرست ہے۔

وصال مبارک:

پانچویں صدی ہجری کی یگانہ روزگار ہستی سیدنا علی ہجویری قدس سرہ کی سن ولادت میں جس طرف اختلاف ہے اسی طرح سال رحلت میں بھی اختلاف ہے لیکن یہاں حضرت کا یوم وصال دائرۃ المعارف خزینۃ الاولیا، تصوف اسلام، رود کوثر، ماثرالکرام، چہار باغ پنجاب اور قاموس اعلام جیسے معروف تذکروں کے حوالہ جات سے نقل کیا جا رہا ہے کہ سیدنا علی ہجویری قدس سرہ نے 465ھ میں اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔

مولانا جامی لاہوری آپ کی تاریخ وصال کہی ہے:

خانقاہ علی ہجویری است
خاک جاروب از درش بردار
طوطیا کن دیدہ حق بیں
تاشوی واقف در اسرار
چوں کہ سردار معنی بود!
سال وصلش بر آید از "سردار"

آپ کے لوح مزار پر آپ کا سن وصال 465ھ ہی کندہ ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

☆☆☆

سیدنا ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ

ابوالطاہر فدا حسین فدا

ابوالطاہر فدا حسین فدا، ممتاز ادیب، بلند پایہ شاعر اور ماہر تاریخ نویس ہیں۔ وہ ماہنامہ ''مہر و ماہ'' کے ایڈیٹر و پبلشر رہے۔ یہ ماہنامہ عرصہ تک جاری، ساری رہا اور اس کے کئی خصوصی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ دو برس قبل حکیم محمد موسیٰ امرتسری چشتی کی وفات حسرت آیات پر فدا حسین فدا صاحب نے مبسوط ایڈیشن نکال کر حق دوستی ادا کر دیا۔ آپ ممتاز عالم و شاعر مولانا تاج عرفانی کے شاگرد رشید ہیں۔

محترم فدا حسین فدا صاحب متعدد کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ وہ کسی شخصیت کی وفات پر تاریخ نکالنے کے فن کے امام ہیں۔ چنانچہ وہ سینکڑوں شخصیات کی ''تاریخ وفات'' نثر پاروں یا اشعار کی صورت میں نکال چکے ہیں۔ دو تین سال قبل فدا صاحب اللہ کو پیارے ہو گئے۔

زیر نظر ''داتا علی ہجویری نمبر'' میں فدا حسین فدا کی بلند پایہ منقبت بھی شامل ہے جو انہوں نے داتا گنج بخش کی ذات کے متعلق کہی ہے۔

(مرتب سعید بدر)

سید داتا علی ہجویری اور ہمارے مسائل کا حل

ڈاکٹر منظور حسین اختر

سید ہجویر مخدوم امم داتا گنج بخش علی ہجویری کی ذات ستودہ صفات کے ''اہل اللہ'' ہونے میں کسی کو شک وشبہ نہیں۔ دور حاضر میں مسلمانوں کے تقریباً تمام مکاتب فکر داتا صاحب کو ثقہ شخصیت مانتے ہیں۔ اگر کسی سے سوال کیا جائے کہ آپ قیامت والے دن اس جماعت میں اٹھنا پسند کریں گے جس میں داتا صاحب ہوں یا کسی اور گروہ میں، تو سب کا جواب داتا صاحب والی جماعت کے حق میں ہوگا۔ جب یہ ثابت ہوگیا کہ سبھی داتا صاحب کے افکار، داتا صاحب کے مسلک، داتا صاحب کے منہاج کو حق گردانتے ہیں تو آیئے داتا صاحب کے افکار کی روشنی میں دور حاضر کے چند اختلافی مسائل کا حل ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں، تاکہ اختلاف وافتراق سے امت مسلمہ کو بچا کر محبت بھری زندگی گزارنے کی راہ ہموار کرسکیں۔

تقلید:

احادیث مبارکہ سے نسبت کا دعویٰ کرنے والے چند لوگوں کا کہنا ہے کہ تقلید (معاذ اللہ) حرام ہے، چنانچہ وہ خصوصی طور پر امام اعظم ابو حنیفہ کے طریق عبادت کو اپنے طعن وطنز کا نشانہ بناتے رہتے ہیں، کبھی قرأت خلف الامام، کبھی رفع یدین، کبھی آمین اور کبھی بیس رکعت تراویح جیسے مسائل پر مناظرے اور ابحاث اس کی نشانیاں ہیں۔ آیئے! دیکھیں کہ امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کی ذات بابرکات کے متعلق حضرت داتا صاحب کیا عقیدہ رکھتے ہیں۔

چنانچہ داتا صاحب ارشاد فرماتے ہیں:

میں علی بن عثمان جلابی ملک شام میں پیغمبر ﷺ کے مؤذن حضرت بلال ؓ کے روضہ مبارک پر سو رہا تھا۔ میں نے خواب میں اپنے آپ کو مکہ معظمہ کے اندر دیکھا۔ پیغمبر ﷺ باب بنی شیبہ سے اندر تشریف لائے۔ حضور نے ایک بوڑھے کو اس طرح آغوش میں لے رکھا تھا، جس طرح لڑکوں کو شفقت سے آغوش میں لیتے ہیں۔ میں دوڑ کر حضور ﷺ کے سامنے گیا اور آپ ﷺ کے پائے مبارک پر بوسہ دیا۔ میں حیران تھا کہ وہ بوڑھا کون ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے اعجاز آمیز دلی کیفیت اور خیال سے مطلع ہوکر فرمایا:

''یہ تیرا اور تیرے اہل ملک کا امام یعنی ابوحنیفہ ہے''۔

اس خواب سے مجھے اور میرے اہل شہر کو بڑی امید بندھی۔ مجھ پر یہ ثابت ہوگیا کہ وہ (حضرت امام اعظم ابوحنیفہ) ان افراد میں سے ایک ہیں جو اوصاف طبع سے فانی، احکام شرع سے باقی اور ان سے قائم ہیں۔ حقیقتاً انہیں اوصاف طبع سے نکال کر لے جانے والے پیغمبر ہی ہیں۔

داتا صاحب کے اس خواب اور آپ کے فرمان سے ثابت ہوگیا کہ امام اعظم ابوحنیفہ کی تقلید سیدھا راستہ ہے جس کو حضور نبی کریم ﷺ کی تائید مبارکہ حاصل ہے۔ لہٰذا وہ لوگ جو امام صاحب کے مسائل پر تنقید کرتے ہیں انہیں سوچنا چاہیئے کہ وہ کس قدر بے باکی اور گستاخی کا ارتکاب کررہے ہیں اور ایسے لوگوں کی باتوں میں آکر شک وشبہ میں پڑنے والے سادہ لوح لوگوں کو بھی یقین کرلینا چاہیئے کہ امام اعظم ابو حنیفہ کی ذات گرامی وہ ہے جس کے ماننے والوں میں داتا علی ہجویری جیسے بزرگوں کا نام شامل ہے۔

داتا صاحب اور بیعت:

داتا صاحب کا ارشاد ہے:

حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی کا میں طریقت میں پیرو ہوں۔ ایک مرتبہ میں وضو کے لئے ان کے ہاتھوں پر پانی ڈال رہا تھا کہ دل میں خیال گذرا۔ جب تمام کاموں کا انحصار تقدیر اور قسمت پر ہے تو آزاد لوگ کرامت کی امید پر اپنے آپ کو پیروں کا غلام کیوں بناتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: بیٹا جو خیال تیرے دل میں گذرا ہے، وہ مجھے معلوم ہوگیا ہے، جان لے کہ ہر حکم کا ایک سبب ہے۔ جب خدائے بزرگ وبرتر چاہتا ہے کہ کسی عام بچے کو تاج وسلطنت (سلطنت فقر) بخش دے تو اسے توبہ کی توفیق عطا کرکے اپنے کسی دوست کی خدمت میں مشغول کر دیتا ہے تاکہ یہ خدمت اس کی کرامت کا سبب بن جائے۔

داتا صاحب اور اولیاء کا تصرف:

اولیاء کی شان کے متعلق ہم داتا گنج بخش کی اس بات سے اندازہ لگا سکتے ہیں جو آپ نے اپنے پیر ومرشد ابوالفضل ختلی رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی فرمائی ہے آپ فرماتے ہیں کہ میرے پیر ومرشد حضرت حضرمی رحمۃ اللہ علیہ نے خراسان کے ایک جنگل میں اپنے ہم عصر اولیاء کرام کو دعوت دی۔ میں نے دیکھا کہ دنیا کے گوشے گوشے سے اولیاء اللہ کے کاروان آنے شروع ہوئے۔ ہر ایک ولی اللہ ایک تخت پر بیٹھا فضا میں اڑتا چلا آرہا ہے اور ہر ایک کے ساتھ سو سو زیر تربیت بزرگ آرہے ہیں۔ میرے پیر ومرشد نے فضا سے اترنے والے کسی صاحب کرامت

بزرگ کی طرف توجہ نہ کی مگر ایک بزرگ جو پیدل چل کر پہنچے تھے، ان کے پاؤں کے جوتے ٹوٹ چکے تھے، لباس غبار آلود تھا، چہرہ سفر کی سختیوں سے گرد آلود تھا، آپ آگے بڑھے استقبال کیا اور بتایا انہیں کسی کرامت کی پروا نہیں بلکہ کرامتیں ان کی تلاش میں رہتی ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

میں کہ علی بن عثمان جلابی ہوں۔ ایک مرتبہ مجھے ایک مشکل پیش آئی، جس کا حل کرنا میرے لئے مشکل ہو گیا۔ میں نے حضرت ابوالقاسم گورکانی کی زیارت کو "طوس" جانے کا ارادہ کیا۔ وہاں پہنچ کر انہیں ان کے مکان کے پاس مسجد کے اندر تنہا پایا۔ میں نے دیکھا کہ وہ ہو بہو میرا واقعہ ایک ستون کو سنا رہے ہیں۔ مجھے پوچھے بغیر اپنے سوال کا جواب مل گیا۔ اس پر میں نے عرض کی۔ اے شیخ! آپ یہ واقعہ کسے سنا رہے ہیں؟ فرمایا! بیٹا اس ستون کو، اس وقت خدا نے اسے بولنے کی قوت عطا فرما دی حتیٰ کہ اس نے مجھ سے سوال کیا۔

تیسرا ارشاد مبارک:

ولایت "فرغانہ" میں ایک گاؤں ہے جسے "سلاتک" کہتے ہیں۔ وہاں اوتار میں سے ایک بزرگ رہتے تھے۔ جن کا نام "باب عمر" تھا۔ اس علاقے کے تمام درویش بڑے مشائخ کو باب ہی کہتے ہیں۔ ان کے ہاں "فاطمہ" نامی ایک بوڑھی عورت تھی۔ میں نے مقام "روزگند" سے ان کی زیارت کا ارادہ کیا۔ جب میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا: تو کس غرض سے آیا ہے؟ عرض کی: اس غرض سے کہ شیخ کا دیدار اصل صورت میں کروں اور وہ مجھ پر شفقت کی نگاہ ڈالیں۔ انہوں نے ارشاد کیا: بیٹا! میں خود فلاں دن سے تجھے دیکھ رہا تھا اور اس وقت تک دیکھتا رہوں گا جب تک تو مجھ سے تجھے غائب نہ کر دیا جائے۔ جب میں نے دن اور برس گنے تو جو دن انہوں نے بتایا تھا وہ دن میرے لئے توبہ کا دن نکلا۔ انہوں نے فرمایا بیٹا! تھوڑے وقت میں سفر کرنا بچوں کا کام ہے۔ اب اس کے بعد اس ذات کی زیارت کے لئے ہمت کر، جسے ہر شخص نہیں پا سکتا اور نہ اس کی زیارت کو شرط سفر ضروری ہے، پھر فرمایا: اے فاطمہ! جو کچھ تیرے پاس ہے لے آ تاکہ یہ درویش کھا لے۔ وہ تازہ انگوروں کا ایک تھال لے آئیں، حالانکہ ان کا موسم نہ تھا۔ انگوروں کے اوپر چند تازہ کھجوریں تھیں حالانکہ "فرغانہ" میں تازہ کھجوروں کا ملنا غیر ممکن تھا۔

چوتھا ارشاد مبارک:

ایک مرتبہ میں ایک گاؤں "مہنہ" میں حسب معمول تنہا شیخ سعید کے مزار پر بیٹھا تھا کہ میں نے یہ دیکھا ایک سفید کبوتر آیا اور مزار پر نظر ڈالے ہوئے غلاف کے اندر داخل ہو گیا۔ میں نے دل میں کہا شاید یہ کسی کے ہاتھ سے چھوٹ کر آ گیا ہے۔ جب میں نے اٹھ کر غلاف کے نیچے نظر ڈالی تو وہاں کچھ نہ تھا۔ دوسرے دن بھی یہی دیکھا اور اس سے میں حیران رہ گیا۔ حتیٰ کہ ایک رات میں نے انہیں خواب میں دیکھا اور ان سے اس واقعہ کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: "وہ کبوتر میرے معاملے کی حفاظت ہے۔ جو ہر روز قبر میں میری مصاحبت کے لئے آتا ہے"۔

پانچواں ارشاد مبارک:

ایک مرتبہ میں نے "دمشق" سے دو درویشوں کے ہمراہ ابن معلا کی زیارت کا ارادہ کیا وہ موضع "رملہ" میں مقیم تھے۔ ہم نے راستے میں ایک دوسرے سے کہا: "ہم میں سے ہر ایک کو دل میں کوئی ایسی بات سوچ لینی چاہیئے جس کا اسے علم ہو تاکہ وہ پیر ہمارے باطن سے ہمیں آگاہ کر دیں اور ہمارا واقعہ حل ہو جائے، چنانچہ میں نے دل میں کہا "مجھے ان سے حضرت حسین بن منصور کی مناجات کے اشعار کی استدعا کرنی چاہیئے۔ دوسرا بولا مجھے دعا کرانی چاہیئے تاکہ میری تلی دور ہو جائے۔ تیسرے نے کہا "مجھے صابونی حلوہ درکار ہے۔ جب ہم لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کے حکم سے حضرت حسین بن منصور کی مناجات کے چند شعر تحریر کئے ہوئے تھے جو میرے سامنے رکھ دیئے گئے۔ دوسرے درویش کے پیٹ پر ہاتھ پھیر دیا۔ اس کی تلی جاتی رہی۔ تیسرے سے فرمایا صابونی حلوہ سلاطانی اہل کاروں کی خوراک ہے۔ تیرا لباس اولیاء کا ہے۔ اولیاء کا لباس سرکاری اہل کاروں کے ساتھ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا۔ ان دونوں باتوں میں سے ایک کو اختیار کر لے۔

چھٹا ارشاد مبارک:

اولیاء اللہ خدا کے ملک کے منتظم اور والی ہیں۔ خدا تعالیٰ نے جہان کا انتظام ان کے متعلق کیا ہے۔ آسمان سے بارش ان کے قدموں کی برکت سے ہوتی ہے۔

داتا صاحب کے نزدیک اولیاء کے دلوں کو خوش کرنا عبادت ہے:

ایک مرتبہ میں "عراق" کے اندر دنیا کی طلب اور اس کے فکر کرنے میں بے باکی سے مصروف تھا اور قرض بڑھ گیا تھا۔ جسے ضرورت پیش آتی وہ میری جانب رخ کرتا۔ میں ان کی ہوائے نفس کے پورا کرنے کی مصیبت میں گرفتار تھا۔ وقت کے سرداروں میں ایک ایک سردار (یعنی اولیائے وقت کا سردار) نے مجھے تحریر کیا: بیٹا! دیکھ اپنا دل خدا سے بے تعلق کر کے اس دل کو جو ہوائے نفس میں مصروف ہے، فراغت

پہنچانے پر نہ لگا، پس اگر تو اپنے دل سے کوئی محبوب تر دل پائے تو جائز ہے کہ اس کو آرام پہنچانے میں اپنا دل مشغول کرے ورنہ اس کام سے دست بردار ہو جا، کیونکہ خود اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے کافی ہے، چنانچہ میں بہت جلد اس کام سے فارغ ہو گیا۔

داتا علی ہجویری اور تصوف:

تصوف کے متعلق بعض لوگ بڑی غلط فہمی کا شکار ہوئے اور اسے خلاف اسلام کہنے کی غلطی کر بیٹھے۔ داتا صاحب نے تصوف کے موضوع پر باقاعدہ ایک باب باندھا ہے۔ ایک ارشاد سماعت فرمائیں:

موجودہ زمانے میں حق تعالیٰ نے تصوف اور صوفیاء کرام کی مقدس ہستیوں کو اکثر پردے میں رکھا ہے اور تصوف کے لطائف کو ان کے دلوں سے پوشیدہ کیا ہے تاکہ کوئی تو یہ سمجھے کہ یہ لوگ ظاہری اصلاح کے لئے ریاضتیں کرتے ہیں اور باطنی مشاہدات سے خالی ہیں اور کوئی یہ سمجھے کہ اصل وحقیقت کے بغیر یہ ایک رسم ہے حتیٰ کہ وہ اس کے انکار پر اتر آتے ہیں، چنانچہ مسخرے اور ظاہر بیں علماء جو کلی طور پر اس کے منکر ہوں تصوف کے حجاب میں خوش رہتے ہیں۔ ان کی دیکھا دیکھی عوام بھی ان کی ہاں میں ہاں ملانے لگے ہیں اور انہوں نے باطن کی صفائی کی جستجو وطلب کو دل سے محو کر کے سلف صالحین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مسلک ومذہب کو بھلا دیا ہے۔

☆☆☆

قافلہ صوفیاء کا ایک مقدس اسم گرامی

حضرت داتا علی ہجویری

صاحبزادہ حسنات احمد مرتضےٰ (مدنی)

اسلام کی اشاعت میں صوفیا کرام کا کردار بے مثال ہے۔ چودہ سو سالہ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ دنیا کے کونے کونے میں اسلام کو پہنچانے میں صوفیاء نے ناقابل فراموش خدمات سرانجام دی ہیں۔ صوفیاء کرام کا وجود ایسے پھول کی مانند ہے جو ہمیشہ خوشبو بکھیرتا رہے اور اس کی پہچان بھی خوشبو سے ہو۔ اس کو بتانے کی ضرورت نہ پڑے کہ میں پھول ہوں۔ خوشبو سے ہی اس کی معرفت اور پہچان ہو جائے۔ صوفیاء کرام جہاں بھی تشریف فرما ہوئے ہیں ان کے عمل، کردار نے ہزاروں اور لاکھوں انسانوں کی تقدیر کو تبدیل فرمایا ہے۔

صوفیاء کے اسی مقدس قافلے میں سید داتا علی ہجویری کا اسم گرامی بھی اپنی پوری آب و تاب سے روشن و منور ہے۔ حضرت داتا صاحب نے افغانستان کے شہر غزنی میں 400ھ یا 401ھ میں آنکھ کھولی۔ آپ کا تعلق رسول کریم ﷺ کے عظیم خانوادہ سے ہے۔ ساری زندگی دین مبین کی خدمت میں بسر فرمائی۔ وہ لوگ جو اپنی زندگی کا مقصد ہی اسلام کی خدمت بنالیں تو پھر ان کی زندگی کا ہر کام دین اسلام کے مطابق ہوتا ہے۔ ان کے شب و روز، ہفتے، مہینے، سال اور زندگی کا آخری سانس اسلام کے لئے ہی وقف ہوتا ہے۔ صوفیا نے سفر و قیام کو بھی دین کی نوکری ہی سے وابستہ کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب پیر و مرشد کی جانب سے حکم ہوا تو رخت سفر تیار کر لیا جہاں حکم ہوا وہی قیام فرما لیا۔ اس کی واضح مثال ہمارے ممدوح حضرت سیدی داتا گنج بخش کی ہے۔ حضرت داتا علی ہجویری کے مرشد کریم ابوالفضل ختلی نے آپ کو لاہور جانے اور قیام کا حکم فرمایا تو خیال آیا کہ وہاں تو پیر بھائی جناب میراں حسین زنجانی موجود ہیں۔ اور مجھے بھی وہیں کا حکم ملا ہے۔ دبے لہجے میں عرض کناں بھی ہوئے لیکن شیخ باکمال نے فرمایا کہ یہ وقت سوال جواب کا نہیں ہے۔ جو حکم ملا ہے اس کی تعمیل کیجئے۔ پیر و مرشد کے حکم پر جس وقت سرزمین لاہور میں قدم رکھا جا رہا ہوتا ہے تو سید داتا علی ہجویری نے دیکھا کہ لوگ ایک جنازہ اٹھائے ہوئے جا رہے ہیں۔ دریافت کیا کہ یہ جنازہ کس کا ہے؟ بتایا جاتا ہے کہ یہ مرد قلندر میراں حسین زنجانی اپنا آخری سفر فرما رہے ہیں۔ حضرت داتا علی ہجویری فرماتے ہیں کہ پیر و مرشد کی بارگاہ میں عرض کا جواب یہاں عملاً مل جاتا ہے۔ اس لئے کائنات کا تکوینی نظام رب قدوس نے اپنے برگزیدہ بندوں کے سپرد فرمایا ہوا ہے اور یہ عظیم روحانی ہستیاں وقت مقرر پر اپنے اپنے علاقوں میں پہنچ جاتی ہیں اور جونہی ان ہستیوں نے اس جہان فانی سے کوچ کرنا ہوتا ہے تو دوسری بزرگ ہستی جنہوں نے ان کی جگہ سنبھالنی ہوتی ہے ان کو بھیج دیا جاتا ہے۔ حضرت زنجانی کے کوچ فرمانے کے بعد حضرت داتا صاحب یہاں تشریف فرما ہوئے۔ بلکہ یوں کہا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا کہ ان کو یہاں بھیجا گیا۔ راوی کے کنارے تشریف فرما ہوئے۔ برگزیدہ ہستیاں جہاں بھی تشریف فرما ہوں ایک تازہ جہاں آباد ہو جاتا ہے۔ حضرت داتا صاحب راوی کے کنارے تشریف فرما ہوئے لیکن جونہی محبت کی خوشبوئیں ارزاں ہوئیں اہل محبت جوق در جوق قدموں میں حاضر ہوتے گئے۔ راوی نے بھی جگہ کو وسعت دینا شروع کر دی اور خود تھوڑا سرک گیا تاکہ آنے والے کوئی دقت محسوس نہ کریں اور حضرت کے قدموں میں حاضر ہو کر اپنے دل کی دنیا روشن کرتے جائیں۔ حضرت داتا علی ہجویری خاص و عام کے لئے مرجع خلائق بن گئے ہم جیسے گناہ گار سیاہ کار بھی آئیں تو اپنے نصیبوں کو جگائیں اور اولیاء و برگزیدہ ہستیاں بھی درجات کی بلندی کیلئے حضرت کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں بلکہ نوے لاکھ کو کلمہ پڑھانے والے خواجہ معین الدین چشتی اجمیری نے آپ کے قدموں میں چلہ گاہ بنانے کو سعادت جانا اور آپ کی بارگاہ میں یوں خراج عقیدت پیش کیا:

گنج بخش فیض عالم، مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل، کاملاں را راہنما

حضرت داتا کے یہاں پہ قدم لگے کہ آپ کا فیض آتے ہی تقسیم ہونے لگا۔ وہ بھی اس ماحول میں جب ضعیف الاعتقادی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ لوگ جوگیوں کے پاس حاضری دیتے، چڑھاوے چڑھاتے، نیازیں پیش کرتے اور جوگیوں، راجاؤں وغیرہ کو نفع و نقصان دینے والا تصور کرتے۔ کہیں بت پرستی اور کہیں شرک کی تاریکیاں اور کہیں بدعقیدگی کے فتنے، کہیں بدعات و خرافات اور کہیں ناچ گانے، گویا ہر برائی بجا طور پر موجود تھی۔ ایسے ماحول میں جب صوفیا کے تاجدار تشریف فرما ہوئے تو ہواؤں، فضاؤں نے بھی رخ بدلا، ماحول نے انگڑائی لی اور حالات میں تبدیلیاں آنا شروع ہوئیں۔ کہا جاتا ہے کہ ایک عورت جوگی کے پاس دودھ لے کر جا رہی تھی حضرت نے پوچھا یہ کیا ہے؟ اور کہاں کا ارادہ ہے؟ اس نے کہا کہ دودھ کا چڑھاوا چڑھانا ہے جوگی کو پیش کرنا ہے اگر نہ پیش کیا تو جانور مر جائیں گے، دودھ نہیں دیں گے، یہ ہو جائے گا، وہ ہو جائے گا۔ حضرت داتا صاحب نے فرمایا کچھ بھی نہیں ہوگا۔ دودھ یہاں پیش کرو۔ اس نے دودھ حضرت کی خدمت میں پیش کیا تو اللہ تعالیٰ نے برکت دی دودھ زیادہ ملنا شروع ہو گیا۔ آہستہ آہستہ یہ خبر پھیلنے لگی تو لوگ جوگی کی بجائے حضرت کی بارگاہ میں دودھ پیش کرنے لگے اللہ تعالیٰ نے سب کو برکتیں دی اور اس طرح داتا علی ہجویری لوگوں کو توحید و رسالت کے حقیقی نور سے منور کرنے لگے۔ دراصل رب کریم اپنے برگزیدہ بندوں کی اس قسم کی کرامات کا ظہور کروا کے باقیوں کو ان کے قریب آنے کا موقع دیتا ہے۔ جوگی کو جس وقت اندازہ

ہوا کہ اس کے پاس آنے والے حق کے نور سے اپنے دلوں کو منور کرنے لگ گئے ہیں تو وہ خود بھی حضرت کے پاس آیا اور کہنے لگا میرے چاہنے والوں کو آپ روکنے لگ گئے ہیں آپ نے فرمایا تو کیا چاہتا ہے؟ اس نے کہا مقابلہ آپ نے فرمایا تجھے جو کرنا ہے کر لے تو وہ ہواؤں میں اڑنے لگ گیا آپ نے جوتا بھیجا جو اس پر برسا اور اسے نیچے لے آیا۔ اس کی بڑائی کے غبارہ سے ساری ہوا نکل گئی اور وہ بھی آپ کی بارگاہ سے فیض یاب ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی داتا صاحب کے عرس کے موقع پر دودھ بیچنے والے اپنا دودھ یہاں پیش کرتے ہیں اور عرس کے ایام میں لاکھوں زائرین دودھ سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

عوام و خواص میں آپ کے دربار پر حاضری دینے کا معمول ہے۔ حضرت ڈاکٹر علامہ اقبال کا بھی یہی معمول تھا وہ فجر کی نماز مسجد داتا صاحب میں ادا فرماتے۔ استاد مکرم مفسر قرآن علامہ سید ریاض حسین شاہ صاحب مدظلہ عالی نے سورہ یٰسین کی تفسیر تبصرہ کے مقدمہ میں یہ بات رقم فرمائی ہے کہ یٰسین شریف کی ہر آیت کی تفسیر لکھنے سے پہلے اور بعد میں حرم داتا صاحب میں حاضری دی ہے۔

سید ہجویر مخدوم امم
مرقد او پیر سنجر را حرم

محفل صحبت کی برکات بھی مسلمہ ہیں لیکن تحریر بھی صدیوں تک فیض کو ارزاں کرتی ہیں۔ حضرت داتا علی ہجویری نے ''کشف المحجوب'' قلمبند کی تو تصوف کی دنیا میں اس کی حیثیت مسلمہ اور لازوال ہو گئی۔ بڑے بڑے صوفیاء کرام نے کشف المحجوب سے اکتساب فیض حاصل کیا، بلکہ حضرت کی اس تصنیف کے بارے مشہور قول ہے کہ

''اگر کسی کا پیر نہ ہو تو وہ کشف المحجوب کا مطالعہ کرے اسے پیر مل جائے گا'' قرآن کریم کی دو سو سے زائد آیات، سو سے زیادہ احادیث اور سینکڑوں مشائخ کے اقوال اور سلوک کی لذتیں اور تجربات پر مشتمل یہ خوبصورت کتاب حضرت داتا صاحب سے محبت کرنے والوں کو اپنے زیر نظر رکھنی چاہیئے۔ صوفیاء کرام کا فیضان دن بدن بڑھتا جاتا ہے آپ ملاحظہ کریں ہر آنے والا دن میں حضرت کے مزار پر عشاق کا ہجوم زیادہ سے زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ دو دہائیاں پہلے حضرت کے مزار سے ملحق مسجد کا نقشہ اور اس کی وسعت کو ذہن میں لائیے اور آج بھی دیکھئے اس وقت بھی اہل محبت سے حرم ہجویری ہجوم عشاق کا نقشہ پیش کر رہا ہوتا ہے اور مسجد کو کئی گنا وسعت ملنے کے باوجود بھی منظر مختلف نہیں بلکہ ہر آنے والے دن میں یہ کیفیت بڑھتی ہی جاتی ہے۔

کہتے ہیں جہاں حق ہوتا ہے وہاں باطل بھی ہوتا ہے اور جہاں حق ہوتا ہے وہاں حق کی شمع کے پروانے بھی ہوتے ہیں اور دیوانے بھی ہوتے ہیں۔ حاسدین بھی پیدا ہو جاتے ہیں اور حق کو قبول کرنے والے کرامات دیکھنے کے منتظر بھی ہوتے ہیں۔ حضرت سیدنا داتا علی ہجویری نے راوی کے کنارے قیام فرمایا تو ساتھ ہی خانہ خدا بھی آباد فرمایا۔ آپ نے جب مسجد آباد فرمائی تو اس دور کے کچھ مذہبی راہنماؤں نے اس بات پر اعتراض اٹھایا کہ حضرت نے جو مسجد آباد فرمائی ہے اس میں قبلہ کی سمت درست نہیں۔ صوفیاء کا انداز محبت کا ہوتا ہے۔ وہ بحث و مباحثہ سے پرہیز کناں ہوتے ہیں۔ حضرت نے ان کو ایک نماز میں بلایا جو قبلے کی سمت پر اعتراض وارد کرتے تھے۔ جب سب آئے تو آپ مصلیٰ پر تشریف فرما ہوئے سب صف بنانے بیٹھ گئے تو آپ نے فرمایا دیکھو! سب نے اللہ تعالیٰ کے گھر کعبہ کو اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کیا گویا آپ نے عملی طور سب کو دکھا دیا کہ کعبہ کو دیکھ لو اور اعتراض کرنے کی روش چھوڑ دو۔ محبت اپناؤ۔ صوفیاء کا مشرب محبت اور پیار ہے۔ وہ محبت اور پیار کو اختیار کرتے ہیں اور پردے سرکاتے جاتے ہیں اور حقائق کی دنیا سے آشنا کرتے چلے جاتے ہیں۔ اللہ کرے ہم کو بھی صوفیائے کرام کی روحانیت کا حقیقی فیضان نصیب ہو خصوصاً سرزمین لاہور پر تشریف فرما عظیم صوفی بزرگ حضرت داتا علی ہجویری کا۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ گر اہل محبت گیارہ جمعرات مسلسل حضرت کی بارگاہ میں حاضر ہو کر آپ کے وسیلہ سے رب کریم کی بارگاہ میں التجا کریں تو گیارہ جمعرات پوری ہونے پر جس مقصد کے لئے حاضری دی رب کریم اپنے مقبول بندے کی بارگاہ میں حاضری کے وسیلہ سے اس کو شرف قبولیت عطا فرماتا ہے۔

اے رب حضرت ہجویری کے فیوضات ہمارا بھی مقدر بنا۔ امین بجاہ نبی الامین ﷺ

☆☆☆

رپورٹ سالانہ درس حدیث

ڈاکٹر منصور حسین اختر

وطن عزیز میں امن وامان کے دگرگوں حالات نے دینی اجتماعی زندگی پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ بڑے بڑے "دین کے جانثاروں" کو جان کے لالے پڑ گئے ہیں اور سٹیج کے بڑے بڑے کھلاڑی ڈرائنگ رومز میں قید ہو چکے ہیں۔ سیکورٹی کے ان ابتر حالات میں اجتماع کا انعقاد کرنا بڑے دل گردے کا کام ہے، لیکن جن کے اسلاف میدان کربلا میں پورا گھرانہ قربان کرنے کا درس دے چکے ہوں وہ ان بم دھماکوں سے کب ڈرتے ہیں؟ ان کے لئے تو زندگی حجاب اور موت وصل کا پیغام ہوا کرتی ہے، یہی وجہ ہے کہ شاہ جی نے درس حدیث کا اعلان فرما کر ہمارے نیم مردہ جذبوں میں زندگی کی نئی روح پھونک دی۔ شاہ جی کو اللہ تعالیٰ نے وہ ساتھی عطا کئے ہیں کہ انہیں جلسہ گاہ میں بم دھماکے کا شک تو کیا یقین بھی ہوتا تو وہ پھر بھی حاضر ہوتے اور زبان حال سے یہ کہتے کہ

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

چنانچہ اعلان کے مطابق 21۔ دسمبر 2009ء پیر کی شب ادارہ تعلیمات اسلامیہ راولپنڈی میں درس حدیث سننے کے لئے حاضر ہونے والوں کا جم غفیر تھا۔ درس حدیث کی اس سالانہ تقریب کے انتظامی امور اپنی مثال آپ نظر آ رہے تھے۔ ادارہ کے باہر دو مرتبہ سیکورٹی چیکنگ کا سخت انتظام تھا۔ ادارہ کے باہر بائیں جانب مستورات کے لئے باپردہ اہتمام کیا گیا تھا جبکہ مین گیٹ کے اندر ادارہ کے صحن میں بائیں جانب کتابوں کے سٹال لگائے گئے تھے جن پر لاہور کے سنگی ڈیوٹی دے رہے تھے۔ ان سٹالز پر شاہ جی کا ترجمہ قرآن اور کتابوں کے علاوہ ماہنامہ "دلیل راہ" اور "محراب" کی سی ڈیز بھی دستیاب تھیں۔ لاہور کے سنگیوں کے ذمہ اس تقریب میں سٹالز، مہمانوں کو کھانا کھلانے اور انٹرنیٹ پر پروگرام کی لائیو کوریج کی ڈیوٹی لگائی گئی تھی۔ صحن کے دائیں جانب ایک بڑی سکرین آویزاں کی گئی تھی جہاں سے درس کی ساری کارروائی آسانی سے دیکھی جا سکتی تھی۔ مسجد کے ہال کے اندر دائیں طرف ساؤنڈ سسٹم، ریکارڈنگ اور انٹرنیٹ کی ٹیمیں اپنے فرائض منصبی نبھانے کے لئے اپنی اپنی ڈیوائسز کے ساتھ تیار بیٹھی تھیں۔ انٹرنیٹ پر درس حدیث کی براہ راست کارروائی نشر کرنے کے لئے طالب حسین مرزا اپنے ساتھیوں کے ساتھ مصروف کار تھے۔ مسجد کے ہال میں دائیں جانب شمالی دیوار کے ساتھ سٹیج بنایا گیا تھا۔ سٹیج کی بیک گراؤنڈ میں دائیں بائیں اسم گرامی "اللہ" نہایت حسین منظر پیش کر رہا تھا۔ فضا میں حدیث رسول کی نورانیت اور محبت رسول کی چاشنی بخوبی محسوس کی جا سکتی تھی۔ شاہ جی کے سنگی آنے والے مہمانوں کو مسکراتے چہرے سے خوش آمدید کہہ کر راہنمائی کر رہے تھے۔ اس شاندار اور پروقار محفل کی خصوصیات میں سادگی نمایاں طور پر نظر آ رہی تھی۔

رات کے 8 بجے کا وقت ہوا تو شاہ جی نہایت سادگی اور خاموشی کے ساتھ مسجد میں تشریف فرما ہو گئے۔ مسجد کے وسیع و عریض ہال کا دامن تنگ محسوس ہونے لگا، لوگ مجبوراً باہر صحن اور گراؤنڈ میں بیٹھ کر آویزاں کی گئی سکرین کی وساطت سے شاہ جی کی زیارت کرنے لگ گئے۔ سٹیج صرف ایک میز نما ڈائس اور کرسی پر مشتمل تھا۔ شاہ جی بھی حاضرین کے ساتھ زمین پر ہی تشریف فرما ہو گئے۔ اب بغیر کسی اعلان اور تکلفات کے محفل کی کارروائی کا آغاز ہو گیا۔ سب سے پہلے لاہور کے سنگی معروف نعت خواں ظفر علی چشتی سٹیج پر تشریف لائے اور نہایت سادگی کے ساتھ سورۃ ماعون کی تلاوت اور نعت شریف پڑھی۔

شام غم کو نکھار لیتا ہوں
وقت اپنا گزار لیتا ہوں
مشکلیں جب بھی گھیر لیتی ہیں
میں نبی کو پکار لیتا ہوں

ان کے بعد محترم قاری مشتاق، حافظ اصغر منظور، سید ابرار حسین شاہ، شہزاد اور اختر بزمی نے تلاوت اور نعتیں پیش کر کے محفل میں عشق رسول کی فضا کو گرما دیا۔ شاہ جی کے سنگی تو پہلے ہی رقیق القلب ہیں۔ حضور ﷺ کا ذکر آئے تو آنکھیں کیسے نہ بھیگ جائیں۔ اعلیٰ حضرت کی نعت "عرش حق ہے مسند رفعت رسول اللہ کی" کے دوران عشاق رسول کی حالت دیدنی تھی۔ تلاوت اور نعت کے بعد 8:45 پر شاہ جی کے پیر بھائی اور نہایت پڑھی لکھی شخصیت ڈاکٹر رضا فاروقی سٹیج پر تشریف ہوئے، انہوں نے اپنی گفتگو میں شاہ جی کی مبارک زندگی کے اوائل کا تذکرہ کیا اور حاضرین کو بتایا کہ شاہ جی نے شروع ہی سے دین کے لئے کس قدر محنت اور جدوجہد کی ہے۔ اپنی 31۔ سالہ رفاقت کا حوالہ دیتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ شاہ جی نے راولپنڈی میں ٹینچ بھاٹہ کی مسجد المینار سے دینی کام شروع کیا۔ دن اور رات آپ نے قرآن کا نور لوگوں میں تقسیم کیا۔ لوگوں کو پکڑ پکڑ کر قرآن پڑھایا۔ مسجد والے جو مالی خدمت شاہ جی کی کرتے آپ اس سے کئی گنا زیادہ رقم سے قرآن پڑھنے والوں کو چائے پانی پلا دیتے۔ انہوں نے بتایا کہ راولپنڈی کینٹ کے علاقے میں رات کے وقت یخ بستہ سردی میں جو فوجی ڈیوٹی دے رہے ہوتے شاہ جی ایک ایک کے پاس جا کر انہیں چائے پلاتے اور ساتھ ساتھ قرآن بھی پڑھاتے۔ ایک مرتبہ فوج کے ایک اعلیٰ افسر نے شاہ جی

سے کہا کہ ہمارے فوجی دن میں 5,6 میل دوڑتے ہیں اور تھکنے کی وجہ سے رات کو قرآن نہیں پڑھ سکتے تو شاہ جی دوسرے دن فوجیوں کے ساتھ 5,6 میل دوڑے اور دوڑ کے بعد اس فوجی افسر سے کہا کہ اب تو حق ہے کہ یہ فوجی میرے ساتھ نماز اور قرآن پڑھیں۔ انہوں نے بتایا کہ اس انداز اور محنت کے ساتھ شاہ جی نے قرآن کا نور لوگوں کے دلوں میں منتقل کیا حتیٰ کہ کینٹ ایریا میں کوئی گھر ایسا نہ بچا جہاں شاہ جی کا کوئی شاگرد موجود نہ ہو۔ ماہنامہ ''دلیل راہ'' پر بات کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ یہ جریدہ ہماری تحریک کا ترجمان ہے۔ اس کو آگے بڑھانے کی ضرورت ہے۔ اسے خود پڑھیں اور دوسروں کو تحفے میں دیں۔ انہوں نے سامعین کو ایک لائن آف ایکشن دیتے ہوئے کہا کہ ہر گھر میں ایک چھوٹی سے لائبریری بنائی جائے جہاں شاہ جی کی کتب، رسائل اور خصوصاً ترجمہ قرآن رکھا جائے اور دوستوں، محلے داروں، عزیز و اقربا تک شاہ جی کی تعلیمات پہنچائی جائیں۔ ڈاکٹر رضا فاروقی کی گفتگو کے بعد تلاوت و نعت، منقبت حضرت امام حسین اور ترانہ اہل سنت پڑھا گیا۔

یزید عصر کے آگے کھڑے ہیں سب خاموش
حسین ہی جو چلائیں تو کوئی بات بنے
آل نبی کو ذات نبی سے جدا نہ جان
ہر موج کا وجود سمندر کے ساتھ ہے
بھیجوں نہ کیوں یزید پہ لعنت میں اے نصیر
یہ دشمنی ہے اور تیرے گھر کے ساتھ ہے

9:45 پر شاہ جی بغیر کسی اعلان کے نہایت سادگی کے ساتھ سٹیج پر رکھی کرسی پر جلوہ افروز ہو گئے۔ آپ نے کالا عمامہ شریف اور کریم کلر کی چادر اوڑھ رکھی تھی۔ نہایت عجز و انکساری کا مجسمہ بنے آپ نے خطبے کا آغاز فرما دیا۔ شاہ جی کو دیکھ کر فتح مکہ کے موقع پر حضور ﷺ کی یاد آ گئی کہ حضور ﷺ نے بھی کالا عمامہ شریف زیب تن کر رکھا تھا اور حضور بھی اپنی اونٹنی پر سر جھکائے تشریف فرما تھے۔ سچ ہے کہ اہل اللہ کو دیکھ کر اللہ اور اس کے رسول کی یاد آ جاتی ہے۔

شاہ جی نے عربی خطبہ کے بعد رسول کریم ﷺ کی دو حدیثوں کی تلاوت فرمائی اور آنے والے حاضرین و سامعین کو خوش آمدید کہتے ہوئے حادیث کے متعلق فرمایا کہ ایک حدیث میں ''احساس'' ہے جو کہ امت مسلمہ کی ضرورت ہے اور دوسری حدیث میں رسول کریم ﷺ نے مسلمانوں کو منزل پر پہنچنے کا سرمایہ عطا فرمایا ہے۔ اگر آج اس محفل میں ہم یہ احساس اور یہ سرمایہ دونوں دامن میں محفوظ کر لیتے ہیں تو ہماری خوش بختی ہو گی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا انعام ہو گا۔

احساس: کے متعلق بیان کرتے ہوئے شاہ جی نے ارشاد فرمایا کہ رحمت عالم ﷺ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ حدیث نقل کی، آپ نے فرمایا کہ وہ شخص جو ندامت کی روش اختیار کرے محسوس کرے کہ زندگی میں کمی رہ گئی، گناہ ہو گئے، معصیت کا ارتکاب ہو گیا، راتیں اور دن خراب ہو گئے، اس احساس کے بعد دل میں ندامت پیدا ہو گئی تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایسا شخص گویا اللہ کی طرف سے رحمت کا انتظار کرتا ہے اور وہ شخص جس کے دل پر گرہ لگ گئی، خود پرستی آ گئی، سب کچھ اپنے آپ کو سمجھنے لگ گیا۔ کوشش ہی نہ کی کہ ایسے افق پر جھانکے جہاں تقدیر بنانے والے پر نظر پڑ جائے تو ایسا شخص اللہ کے غضب کا انتظار کرتا ہے۔ اللہ کے بندو! جان لو اس بات کو کہ ہر عمل کرنے والا اپنے عمل پر ضرور اٹھایا جاتا ہے۔ عمل پیش آتا ہے یعنی جس وقت موت آتی ہے تو جو زندگی میں کیا ہے وہ سب کچھ سامنے ہوتا ہے۔ زندگی کیسے گزاری، عقیدہ کیا تھا، ادھر عزرائیل سامنے آتے ہیں ادھر نامہ اعمال سامنے آ جاتا ہے۔

شاہ جی نے فرمایا کہ میں بہت inspire ہوا جب میرے ایک عزیز نے اپنے والد کا قصہ سنایا کہ 92 سال کی عمر تھی، جب موت کا وقت قریب آیا تو غسل کیا سب بچوں کو بلایا، بیٹھنے کے لئے کہا اور پھر آسمان کی طرف دیکھ کر کہا یا اللہ! ہر وقت تیرے سامنے گردن جھکا کر زندگی گزاری ہے، کلمہ پڑھا اور پھر جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

شاہ جی نے حضور کا ارشاد سنایا کہ ''اعمال کا دارومدار خاتمے پر ہے''۔ پھر حاضرین کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ احساس پیدا کریں کہ زندگی کو دھوکا ہے، کوشش کریں کہ جس نے پیدا کیا اور جس کے لئے پیدا کیا گیا وہ خوش ہو جائیں۔ لوگو! اپنے آپ کو ضائع ہونے سے بچاؤ، منصوبہ بندی کرو، عالم ہو یا پیر، تاجر ہو یا زندگی کے کسی بھی طبقہ سے تعلق رکھنے والے ہو سوچو! کہ کس طرح بچ سکتے ہیں، اپنی زندگی کو سنت رسول کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرو، اس لئے کہ غلامی رسول میں بسر کی گئی زندگی کے پھریرے سر عرش لہرایا کرتے ہیں۔

احساس پیدا ہونے کے بعد اگلے مرحلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شاہ جی نے ارشاد فرمایا کہ جب احساس دل میں پیدا ہو گیا کہ دن

رات کیسے بچاؤں، فکر پیدا ہوگئی کہ برف کی مانند زندگی پگھل گئی، زندگی ضائع ہوگئی، تو آیئے اب اس سرمائے کی تلاش کرتے ہیں جس کا ذکر حضور کی دوسری حدیث میں ملتا ہے، پھر شاہ جی نے دوسری حدیث تلاوت کی۔

ترجمہ: صحابی رسول حضرت زید بن ارقم فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول کریم ﷺ نے مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان غدیر خم کے پاس کھڑے ہو کر خطبہ فرمایا تو پہلے آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی پھر آپ نے ہم لوگوں کو وعظ و نصیحت فرمائی اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا "اے لوگو! قریب ہے کہ میرے رب کا بھیجا ہوا فرشتہ یعنی ملک الموت میرے پاس آئے تو میں اللہ تعالیٰ کے حکم کو قبول کروں و انا تارک فیکم الثقلین "اور میں تم میں دو نفیس اور گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں"۔ اولھما کتاب اللہ فیہ الھدی النور۔ ان میں سے پہلی چیز اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی قرآن مجید ہے جس میں ہدایت اور نور ہے تو اللہ تعالیٰ کی کتاب پر عمل کرو اور اسے مضبوطی سے تھام لو۔

راوی حدیث حضرت زید بن ارقم ؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے قرآن پاک کے بارے میں لوگوں کو ابھارا اور رغبت دلائی پھر اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا:

و اھل بیتی اذکرکم اللہ فی اھل بیتی، اذکرکم اللہ فی اھل بیتی

اور دوسری گراں قدر چیز میرے اہل بیت ہیں"

میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ کی یاد دلاتا ہوں اور اس سے ڈراتا ہوں اور اس جملہ کو حضور ﷺ نے دو بار فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ میں تاکید کے ساتھ تم لوگوں کو وصیت کرتا ہوں کہ میرے اہل بیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، ان کے حق میں ہرگز کوتاہی نہ کرو"۔

(مسلم شریف، مشکوٰۃ شریف)

محدثین کے طریقہ کے مطابق حدیث کے راوی کی زندگی پر بات کرتے ہوئے شاہ جی نے فرمایا کہ حضرت زید بن ارقم ؓ انصار کے خزرج قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ صغرسنی میں والد کا انتقال ہوگیا چنانچہ چچا حضرت عبداللہ بن رواحہ ؓ نے پرورش کی۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ ؓ اعلیٰ درجہ کے شاعر تھے یوں محسوس ہوتا جیسے کوثر و تسنیم سے دھو کر الفاظ استعمال کرتے ہوں، لیکن ان کی خصوصیت یہ تھی کہ جب حضور ﷺ کے سامنے حضور ﷺ کی نعت پڑھتے تو حقیقتاً حضور ﷺ کا طواف کرتے اور حضور ﷺ کے گرد گھومتے گھومتے حضور ﷺ کی مدح و نعت بیان کرتے۔ حدیث کے راوی حضرت زید بن ارقم ؓ کے متعلق شاہ جی نے بیان کیا کہ جب عبداللہ بن ابی نے کہا تھا کہ معاذ اللہ وہ حضور ﷺ کو مدینہ سے نکال دیں گے تو حضرت زید ؓ نے حضور ﷺ کو ساری بات عرض کر دی۔ حضور ﷺ نے عبداللہ بن ابی اور حضرت زید ؓ دونوں کو بلا کر پوچھا تو عبداللہ بن ابی مکر گیا تو حضرت زید ؓ کے چچا نے آپ کو تھپڑ لگایا کہ تو نے جھوٹ بولا، حضرت زید ؓ فرماتے ہیں کہ میں گھر آ گیا اور رضائی کے اندر منہ دے کر رونے لگا، حتیٰ کہ رونے سے رضائی بھیگ گئی، اتنے میں کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا، دیکھا تو حضرت بلال ؓ تھے اور فرما رہے تھے کہ حضور ﷺ نے طلب فرمایا ہے، چنانچہ میں بھاگتا ہوا مسجد نبوی میں حاضر ہوا، تو حضور ﷺ مسکرا رہے تھے، مجھے قریب بلایا اور شفقت سے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ اے زید! اللہ نے تجھے سچا کہا ہے اور فرمایا ہے کہ عبداللہ بن ابی جھوٹا ہے اور زید سچا ہے، چنانچہ ان کو اس طرح صداقت کی سند اللہ کی طرف سے عطا ہوئی۔ آپ حضرت علی ؓ سے بہت محبت کرنے والے تھے۔ ساری زندگی مولا علی ؓ کی غلامی میں گزار دی۔ کوفہ کی مسجد میں آتے تو یہی دعا کرتے کہ مولا! علی ؓ کے وفاداروں سے اٹھانا۔ ایک مرتبہ آپ کے بڑھاپے کی عمر میں کسی شخص نے حضرت علی ؓ کی شان میں کوئی نازیبا بات کہہ دی تو بڑھاپے کے باوجود آپ کے جسم میں بجلی کوند گئی۔ آپ نے فرمایا کہ زید کے سامنے مولا علی کو برا کہا، علی میرا دوست ہے، میرا استاد ہے اور میرے دل کی محبت ہے۔

حدیث شریف پر بات کرتے ہوئے شاہ جی نے فرمایا کہ حضرت زید بن ارقم ؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضور ﷺ ہمارے درمیان خم کے موقع پر خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے۔ خم مدینہ سے مکہ کی طرف جائیں تو جہاں میقات ہے اس مقام کا نام ہے۔ حضرت علی ؓ حضرت عثمان ؓ کے زمانے میں مدینہ منورہ سے یہاں چلے آئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور پھر فرمایا: "یا ایھا الناس"۔ حضور ﷺ کی مبارک آواز کی بات آئی تو شاہ جی نے اہل مغرب کی نئی ریسرچ کے متعلق بتایا کہ سائنس دانوں نے سوچا ہے کہ پچھلے زمانے کی آوازوں کو ریکارڈ کیا جائے، سائنسی تحقیق کے مطابق آواز فنا نہیں ہوتی بلکہ لہروں میں موجود ہوتی ہے۔ مثلاً پچھلے سال جو یہاں خطبہ دیا گیا وہ فنا نہیں ہوا بلکہ وہ ساری آوازیں اس فضا میں موجود ہیں، چنانچہ سائنس دانوں نے 4,4 ہزار سال پرانی آوازیں ریکارڈ کیں لیکن یہ سب آوازیں مکسچر بن چکی تھیں اور ان کو ایک دوسری سے الگ نہیں کیا جا سکا اور سائنس دانوں کو معلوم نہیں ہو سکا کہ کون سی آواز کس کی ہے۔ چنانچہ سائنسدانوں نے سوچا کہ مدینہ منورہ جا کر وہاں کی آوازیں ریکارڈ کی جائیں اس لئے کہ حضور ﷺ کی آواز کے ساتھ کسی کی آواز نہیں مل سکتی۔

حضور ﷺ کی حدیث شریف سناتے ہوئے شاہ جی نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں تم میں سے کس کس کا ولی ہوں؟ پھر فرمایا کہ "من کنت مولاہ فعلی مولاہ"۔ انہی الفاظ کو حضرت جابر ؓ بھی روایت کرتے ہیں حضرت جابر ؓ فرماتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور ﷺ اونٹنی پر سوار تھے تو آپ نے یہی الفاظ ارشاد فرمائے۔ شاہ جی نے کہا کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے استاد حضرت مولانا محب النبی سے پوچھا کہ حضرت زید ؓ نے کہا کہ غدیر خم کے موقع پر حضور ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی جبکہ حضرت جابر ؓ فرماتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمائی تو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ دراصل موضوع اتنا اہم تھا کہ حضور ﷺ نے بار بار یہ ارشاد فرمایا۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ "میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑنے والا ہوں" گویا یہ سبق ہے ہمارے لئے کہ جس کو رسول "بھاری" کہیں ہے تم ہلکا نہ سمجھو، کم از کم اتنی عزت تو دو جتنی رسول اللہ ﷺ نے دلائی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑ رہا ہوں ایک قرآن اور ایک میری عترت یعنی آل اولاد، شاہ جی نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ نے انسان کو روح اور بدن کا مجسمہ بنایا، مادی بدن کے لئے مادی رزق کا بندوبست کیا، ستارے، سورج، چاند، گھٹائیں، جھرنے، ندیاں، لہلہاتی فصلیں یہ سب مادی زندگی کی ضروریات ہیں لیکن روح کو سیراب کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے نبی اور رسول بھیجے تاکہ ان کی تربیت سے روح کی بھوک دور ہو سکے۔ حضور ﷺ کے سینہ مبارک پر قرآن نازل ہوا۔ اللہ نے ہدایت انسانی کا سرچشمہ قرآن کو قرار دیا۔ اس قرآن کا ظاہر تو عام کتابوں کی طرح ہے لیکن باطن کے جلووں کا انداز و لفظوں میں نہیں آ سکتا۔ شاہ جی نے ایک مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ کوئی بھی زبان پرانی ہو جائے تو سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ 500 سال پہلے کی انگریزی آج سمجھنا مشکل ہے۔ بابا بلھے شاہ کی پنجابی، وارث شاہ کا کلام، میاں محمد بخش کی سیف الملوک، سب کی سب سمجھ میں نہیں آتی لیکن یہ قرآن اور محمد عربی کا اعجاز ہے کہ آج بھی حضور کی عربی زبان کروڑوں اربوں لوگوں کو سمجھ آتی ہے۔ وہی عربی آج بھی بولی جاتی ہے، سمجھی جاتی ہے اور پڑھی جاتی ہے۔ پچھلی کتابوں کی زبان بھی باقی نہ رہی لیکن محمد عربی کا قرآن بھی باقی ہے اور ان کی زبان بھی باقی ہے تو جس کی زبان پر فنا نہیں اس کی کتاب پر فنا کیسے ممکن ہو سکتی ہے۔

شاہ جی نے سامعین کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ قرآن سے تعلق مضبوط کرو۔ اسے پڑھو اور دنیا کے چپہ چپہ کو قرآن کی تعلیمات سے منور کر دو۔ انہوں نے کمپیوٹر کے ایک عربی پروگرام کا حوالہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ انگریزوں نے عربی زبان کا ایک سوفٹ ویئر تیار کیا اس میں عربی زبان کا اگر کوئی غلط جملہ ڈالا جاتا تو وہ پروگرام بتا دیتا کہ اس میں فلاں غلطی ہے۔ انگریزوں نے مسلمانوں کو اکٹھا کر کے اس پروگرام میں قرآن پاک کو ڈالا تاکہ اس کی معاذ اللہ اغلاط سے مسلمانوں کو شرمندہ کر سکیں لیکن کمپیوٹر کے پروگرام نے غلطی زیرو، زیرو، زیرو کا جواب دے کر قرآن کے اعجاز کی گواہی دی کہ انسان کے لکھے ہوئے میں غلطی ہو سکتی ہے لیکن خالق کے کلام میں کوئی غلطی نہیں ہو سکتی، گویا کمپیوٹر نے بھی تسلیم کیا کہ قرآن میں گرائمر کی بھی کوئی غلطی نہیں ہے اور یہ خالق کائنات کا کلام ہے۔

شاہ جی نے سامعین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ آج کا پیغام آپ کے نام یہ ہے کہ قرآن کے ساتھ رشتہ مضبوط کرو قرآن عظیم کو مضبوطی سے پکڑو۔

حضور ﷺ کی عترت:

حدیث نبوی کے مطابق دوسری بھاری چیز کے متعلق ارشاد فرماتے ہوئے شاہ جی نے بیان کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا دوسری چیز میری عترت یعنی آل اولاد ہے اور حضور نے اپنی اولاد کو سفینۂ نوح کہا ہے۔

الا ان مثل اھل بیتی فیکم مثل سفینۃ نوح من رکبھا نجا و من تخلف عنھا ھلک۔

"آگاہ ہو جاؤ کہ میرے اہل بیت تم لوگوں کے لئے نوح (علیہ السلام) کی کشتی کے مانند ہیں، جو شخص کشتی میں سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جو کشتی میں سوار ہونے سے پیچھے رہ گیا وہ ہلاک ہوا"۔ (مشکوٰۃ شریف)

اس موقع پر شاہ جی نے نہایت حسین نکات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ حضور ﷺ نے اپنے گھر والوں کو صرف کشتی نہیں کہا بلکہ سفینۂ نوح کہا ہے۔ کیونکہ ضروری نہیں کہ ہر کشتی کنارے لگے اور اپنے مسافروں کو منزل مقصود پر پہنچائے، لیکن قرآن شاہد ہے کہ سفینۂ نوح کنارے لگا تھا اور اپنے مسافروں کو منزل مقصود پر پہنچایا تھا، یعنی آل بیت اطہار کی کشتی میں بیٹھنے والو! تمہیں مبارک ہو کہ یہ کشتی ضرور اور بالضرور کنارے لگے گی۔

مزید ایک نکتہ کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے شاہ جی نے کہا کہ باقی سواریوں میں مسافر کی اپنی حرکت بھی ہو سکتی ہے لیکن کشتی ایسی سواری ہے کہ جس میں سوار کی اپنی حرکت ختم ہو جاتی ہے اور سوار صرف کشتی کی حرکت پر انحصار کرتا ہے۔ یعنی آل بیت کی غلامی اختیار کرنے والوں کو چاہیئے کہ اپنے آپ کو مکمل طور پر آل رسول کے سپرد کر دے اور "غسال کے ہاتھ میں مردہ" کی طرح ہو جائے۔ تاکہ بغیر کسی مشکل کے جلد از جلد منزل مقصود پر پہنچ سکے کیونکہ سفینۂ آل نبی کو حضور ﷺ خود چلاتے ہیں۔

حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قرآن اور میری عترت جدا نہیں ہوں گے اور فرمایا کہ میں اپنی اولاد کے معاملے میں تمہیں اللہ یاد کراتا ہوں۔ تین مرتبہ ارشاد فرمایا کہ اللہ یاد کراتا ہوں۔ یعنی آل رسول ﷺ کے متعلق بات کرتے ہوئے احتیاط چاہیئے اور زبان کو قینچیوں کی طرح استعمال نہیں کرنا چاہیئے۔ شاہ جی نے مثالیں دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جب بھی دین رسول ﷺ پر کوئی مشکل وقت آیا تو آل رسول میں سے کسی نے اس دین کی چوکیداری کی۔ یزید کے مقابل حضرت امام حسین، گمراہ کن فلسفہ کے خلاف غوث اعظم، ہندوؤں کی مشرکانہ رسوم کے خلاف خواجہ اجمیر، یمن میں جادوگری کے مقابل سید آل یمنی، اوچ شریف میں فتنوں کا مقابلہ سید جلال الدین بخاری نے کیا، قادیانیوں کی سرکوبی کے لئے سید مہر علی شاہ اٹھے اور پاکستان بننے لگا تو پیر سید جماعت علی شاہ میدان عمل میں آئے۔

خطاب کے آخر میں شاہ جی نے نصیحتوں کو سمیٹتے ہوئے کہا کہ قرآن پڑھیں، قرآن یاد کریں، قرآنی تعلیمات پھیلانے کی کوشش کریں، قرآن پر عمل کریں اور قرآن کے ظاہر و باطن کا نور سمیٹنے کیلئے "صحبت" تلاش کریں اور حضور ﷺ کے صحابہ، آل بیت، اولیاء سب کے باادب بنیں۔

9:35 پر شروع ہونے والا یہ نورانی، وجدانی اور پُرخلوص درس حدیث 11:45 پر اختتام پذیر ہوا۔ پھر چند سنگیوں کو بیعت کرنے کے بعد محفل ذکر اور دعا ہوئی دعا کے بعد شاہ جی ہر ایک سنگی سے شفقت آمیز مسکراہٹ سے ملتے رہے۔

درس حدیث کی اس مبارک اور روحانی تقریب کی ایک خاص بات یہ تھی کہ شاہ جی نے اپنے خطاب میں جناب محترم حافظ شیخ محمد قاسم اور ان کے صاحبزادے شیخ محمد حسن کے متعلق فرمایا کہ "مجھے ان سے محبت ہے"۔ یہ وہ جملہ تھا جس پر اپنی ساری زندگی قربان کرنے کو میرا دل چاہا، یہ انعام مجھے اپنی ساری زندگی کی عبادات کے عوض بھی ملے تو نہایت سستا سودا ہے، ویسے تو پہلے بھی شیخ قاسم ہم سب کے لئے محترم اور عزیز تھے لیکن آج سے واقعی ہمارے بھی محبوب بن گئے ہیں لہٰذا میرا دل چاہتا ہے کہ اپنی ان سطور کا اختتام شیخ قاسم، شیخ حسن زندہ باد کے نعرے سے کروں، بلکہ میں شاہ جی کا فیضان محدود کیوں کروں، شاہ جی کے ہر سنگی کو میرا محبتوں بھرا سلام، یعنی شاہ جی کا ہر سنگی زندہ باد۔۔۔

سالانہ درس حدیث کی جھلکیاں

☆ درس حدیث کی اس تقریب میں سادگی نمایاں طور پر محسوس کی جا سکتی تھی۔

☆ روایتی سٹیج سیکرٹری کی چکنی چپڑی باتوں سے پاک یہ محفل سچائی کے نور سے منور نظر آ رہی تھی۔

☆ شاہ جی کالے عمامے شریف اور کریم کلر کی چادر اوڑھے، مجسمہ عجز و انکسار بنے خاموشی سے محفل میں تشریف فرما ہو کر نیچے مسجد کی چٹائی پر ہی بیٹھ گئے۔

☆ سٹیج صرف ایک ڈائس نما میز اور کرسی پر مشتمل تھا۔

☆ تقریب میں مجموعی طور پر 4 تلاوتیں اور 4 نعتیں پڑھی گئیں۔

☆ ہر قاری اور نعت خواں کو "پھولوں والے بابا جی حاجی سلیم" محبت و عقیدت سے ہار پہناتے رہے۔

☆ سخت سردی کے باوجود لوگ ادارہ کی گراؤنڈ میں بیٹھ کر پروگرام کی کارروائی دیکھتے رہے۔

☆ لاہور سے نعیم عصمت کی قیادت میں 3 بڑی بسوں، ایک فلائنگ کوچ اور تقریباً 35 کاروں پر مشتمل قافلے نے پروگرام میں شرکت کی۔

☆ لنگر کی تقسیم، کتابوں اور سی ڈیز کے سٹالز اور پروگرام کو انٹرنیٹ پر براہ راست نشر کرنے کی ذمہ داریاں لاہور کے سنگی نبھا رہے تھے۔

☆ ادارہ کے رفقاء پروگرام کے شرکاء کو خوبصورت مسکراہٹ کے ساتھ خوش آمدید کہہ رہے تھے جو ان کی اعلیٰ تربیت کا منہ بولتا ثبوت تھا۔

☆ ادارہ کی گراؤنڈ میں پروگرام شروع ہونے سے پہلے بھی اور پروگرام ختم ہونے کے بعد بھی حاضرین کی پرتکلف کھانے اور چائے سے تواضع کی گئی۔

☆ شاہ جی کے اس درس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱۔ کم از کم 1000 مرتبہ درود شریف پڑھے

۲۔ جتنا آسانی سے ممکن ہو قرآن پاک کی تلاوت کی جائے

۳۔ جتنی دیر کے لئے ممکن ہو ذکر کے لئے لازمی بیٹھا جائے۔

۴۔ آل رسول سے محبت و عقیدت۔

۵۔ انبیاء، صحابہ، اہل بیت اطہار اور اولیاء سب کا ادب کرے۔

۶۔ اور اپنی عملی زندگی مضبوط کرے

☆☆☆

ہے گدا اور شہ پہ یکساں فیض عام گنج بخش

نعیم الفرآن محمد عبد الغفور ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ

عاشقوں میں سب سے اونچا ہے مقام گنج بخش
رشک فردوس بریں ہے جس کا نام گنج بخش

جس کو دیکھو ان کے در پہ مست اور سرشار ہے
ہے گدا اور شہ پہ یکساں فیض عام گنج بخش

ہیں معین الدین، فرید الدین، شمس الدین سب
پینے والے بادۂ گلگوں سے جام گنج بخش

پی رہے ہیں سب کے سب، پیتے رہیں گے تا ابد
جرعہ جرعہ فیض من کاس الکرام گنج بخش

مشکلیں حل ہو گئیں، مقصد ملا کیف آ گیا
جب لیا مستی میں میں نے پاک نام گنج بخش

خشک زاہد کی سمجھ سے ہے وریٰ میرا مقام
کیونکہ چشتی ہے بہت ادنیٰ غلام گنج بخش

حضرت داتا گنج بخش

ابو الطاہر فدا حسین فدا

مصحف اسرار حق بے شک ہے رُوئے گنج بخش
مخزن علم لدنی گفت گوئے گنج بخش

رو کش فردوس اعلیٰ ہے جو کوئے گنج بخش
دل کھچا جائے مرا پھر کیوں نہ سوئے گنج بخش

ہیں نگاہ قدسیان میں بھی عظیم المرتبت
اللہ ! اللہ! بارک اللہ آبروئے گنج بخش

لطف حق سے تھا انہیں حاصل حضوری کا شرف
دید روئے مصطفیٰ تھی آرزوئے گنج بخش

پی رہے ہیں تشنہ کامان محبت خُم پہ خُم
بادۂ عشق نبی ہے در سبُوئے گنج بخش

سیرت اقدس ہے ان کی آئینۂ شرح ودیں
مرآتِ فقر و غنا و خُلق، خوئے گنج بخش

منکشف ہوتے ہیں بے شک اس پہ اسرار نہاں
ہو ارادت سے جو کوئی روبروئے گنج بخش

کب تہی دست ان کے در سے پھرا سائل کوئی
بہر الطاف و کرم جاری ہے جوئے گنج بخش

ان کے ذکر حق میں ذوق وجد کی کیفیتیں
رقت و سوز و دروں تھا در گلوئے گنج بخش

بے مراد و بے ادب گستاخ بد بخت ازل
منکر منشائے فطرت ہے عدوئے گنج بخش

مہبط نور معارف ہے فدا قلب حضور
ہو نہ کیوں ہر اہل دل کو جستجوئے گنج بخش

مدح حضرت داتا گنج بخش

خطیب الملت مولانا محمد بخش مسلم

مرشد و مخدوم شیدائے کلام کبریا
ترجمان حق فدائے سنت خیر الوریٰ

داعی توحید و آئین محمد مصطفیٰ
طالب صدیق ، فاروق و غنی و مرتضیٰ

سید و حسنی حسینی و امام الاصفیاء
غزنوی، حنفی، جنیدی پیکر علم و ہدیٰ

رازدار و خود شناس است و حقیقت آشنا
کشف محجوب است، شاہکار ولی الاولیاء

در دیار کفر آمد، صاحب نور و ضیا
عالماں را پیشوا، عارفاں را مقتدا

گفت تبلیغ و تصوف مرحبا صد مرحبا
بے گماں شد اولیں معمار پاکستان را

خواجۂ اجمیر راند سید ہجویر را
آشنا گوید بوصفِ آشنا و ہمنوا

"گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما"

میرے صاحب میرے مالک میرے آقا گنج بخش

مفتی غلام سرور صاحب لاہوری

یا جناب مصطفیٰ سلطان داتا گنج بخش
یا محمد ﷺ بادشاہ دین و دنیا گنج بخش

میرے صاحب میرے مالک میرے آقا گنج بخش
میرے حضرت میرے والی میرے مولا گنج بخش

مانگنے کے واسطے آیا ہے در پہ آپ کے
یہ فقیر بے نوا عاجز گدا یا گنج بخش

خیر بخشو اپنے گنجینے سے یا خیر الوریٰ
خالق اکبر نے ہے تجھ کو بنایا گنج بخش

آپ کے در کے ہیں سائل بادشاہان جہاں
نام ہے مشہور دنیا میں تمہارا گنج بخش

گنج علم و گنج عرفان گنج سیم و گنج زر
بخشو اس دریوزہ گر کو میرے داتا گنج بخش

کون آیا ہے سخی دنیا میں ثانی آپ کا
اور ہوا ہے کون اس رتبے کا پیدا گنج بخش

مانگنے آتا ہے جب کوئی گدا دربار پر
آپ دیتے ہیں اسے فی الفور سارا گنج بخش

ایک گر مانگے کوئی دس اس کو کرتے ہو عطا
کون ایسا دوسرا دنیا میں ہو گا گنج بخش

رہتا ہے یقیں اب سرورؔ مفلس غنی ہو جائے گا
پالیا ہے اس نے اب یثرب میں اپنا گنج بخش

فہم انساں سے ہے بالاتر مقام گنج بخش

گنج اسرار محبت ہے کلام گنج بخش
ہے کلید مخزن انعام نامِ گنج بخش

سرنگوں ہوتے ہیں درگاہِ معلّٰی پر ملک
فہم انساں سے ہے بالا تر مقام گنج بخش

ہم بھٹک جائیں تو پائیں منزلیں جذب وسلوک
وادیٔ الفت میں دیکھیں گر خرامِ گنج بخش

دل مرا ہو لذت اندوز خمستان حجاز
تشنہ کامی میں اگر حاصل ہو جامِ گنج بخش

بھول جائیں طائران قدس پرواز فلک
جب کہیں حق سرّہ مرقان بامِ گنج بخش

کھینچ لایا ہے مجھے جذب مقدر آپ ہی
میرے حق میں ہے یہ اک رمز پیامِ گنج بخش

بہرہ اندوز ولایت تاجؔ کو اب کیجئے
تاج شاہی میں بنوں ہو کر غلامِ گنج بخش

حضرت علامہ تاج الدین احمد تاج مرقانی مرحوم

دل ترا ہے مہبط نور خدایا گنج بخش

دل ترا ہے مہبط نور خدا یا گنج بخش
در ترا ہے مخزن جود و سخا ، یا گنج بخش

تیرے انوار ولایت سے جہاں ہے جلوہ زار
ہے چراغ معرفت تیری ضیاء یا گنج بخش

قلزم فیض و کرامت آپ کا ہے موجزن
تشنہ لب ساحل پہ ہے سائل ترا، یا گنج بخش

تیرے بستان ولایت کی شمیم جانفزا
ناز کرتی ہے سرِ دوش صبا، یا گنج بخش

میں سمجھتا ہوں اسے موج نسیم خلد ہی
تیرے کوچے کی جو آتی ہے ہوا، یا گنج بخش

میں سمجھتا ہوں مسیحائے محبت آپ کو
میرے درد عشق کی کیجے دوا یا گنج بخش

کیجئے گنج ولایت سے مجھے بھی مستفیض
تاج کو اب تاج ہی کر دو عطا یا گنج بخش

منقبت

درشان حضرت علی عثمان ہجویری المعروف داتا گنج بخش

بشنو اے سوختہ دل، اے دل بے تاب و تواں
بشتابی کہ در خسرواں خوباں ایں جاست

جلوۂ وصف نبی آیت قرآں ایں جاست
روز و شب جلوہ نما، مہر درخشاں ایں جاست

بہر دربار علی ساز ز مژگاں جاروب
شکر صد شکر کہ خوش منزل جاناں ایں جاست

تا بکے آں ہمہ بے تابی جان مضطر
راحت قلب و نظر، جلوۂ جاناں ایں جاست

زائراں با ادب و بندہ صفت حلقہ زناں
بر در بارگہ حصن کہ سلطاں ایں جاست

تیرگی ہائے گنہ ظلمت بخت تاریک
دور و کافور شود، شمع فروزاں ایں جاست

گنج بخش دو جہاں مظہر نور یزداں
فیضے فیضان نبی روشن وتاباں ایں جاست

درد ہا نیست کہ آں را نہ بود در مانے
درد منداں بہ کجائند کہ درماں ایں جاست

ہم بگرداب بلا نیست مرا خوف وخطر
بسکہ از رحمت حق کار من آساں ایں جاست

منقبت حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمہ

السلام اے رازدار نکتۂ تکمیل جود — السلام اے معنی آگاہ رموز ہست و بود
السلام اے عاشق تسبیح خلاق وجود — حمد گویاں در قیام و در رکوع و در سجود
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

السلام اے کعبہ امید دل ہا را خلیل — السلام اے عبد مقبول خداوند جلیل
رہ بہ منزل کے تواں بردن گراہی بے دلیل — موسیٰ را خضر باید تشنہ را سلسبیل
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

السلام اے خاک بسطام وفا را بایزید — السلام اے راہ تسلیم و رضا را بوسعیدؒ
السلام اے رمز فہم معنی حبل الورید — السلام اے گوہر گنجینۂ عرفاں کلید
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

السلام اے درد مندان محبت را امام — السلام اے شیخ ما! اے مرشد عالی مقام
گنج بخشی کار تست اے نائب خیر الانام — قطب وقت خویش فرمودست بالایا احترام
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

السلام اے مشعل افروز شبستان کلیم — السلام اے جلوۂ آئینہ ذات قدیم
السلام اے شاہ ہفت اقلیم در زیر گلیم — السلام اے رنگ و بوئے گلشن وحدت نسیم
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

یک نظر درکار ما اے سید عالی جناب — کشف محجوب است دلبارا نگاہ انتخاب
خفتہ وریک پیرہن نامت بنام بو تراب — وہ چہ خوش فرمود شاہنشاہ ہند آں آفتاب
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

سیدا اے نامۂ عصیاں بکف دارم برات — پا بگل از دست نفس بد کشم ہیہات بات
بندۂ بس ناقصم اے خواجۂ کامل صفات — وا رہانم از کمند فتنۂ لات و منات
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

ریخت بر کنگر معنی مرا مرغ خیال — بے پر و بالم و لے پر می زنم در عرض حال
پردہ از رخ بر فگن اے سید یوسف جمال — از زبان خود بفرما کاے گرامی کیف حال
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

شیخ ما در بیشۂ الفقر و فخری شیر بود — بیشۂ شیر الٰہی گوشۂ ہجویر بود
یک جہاں بر خوان آں گنجور معنی سیر بود — بر لب معجز بیان خواجۂ اجمیرؒ بود
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

آسمان از آستانش قصہ ہا چہ دیں بخواند — روضہ از را عقل اول آسمان دیں بخواند
بر دعائے مستجاب اش خود اثر آمین بخواند — من چہ خوانم مدحت پاکش معین الدین بخواند
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

مولانا عبدالقادر گرامی ہوشیار پوری

آستانہ فیض عالم

سید عارف مہجور رضوی گجرات

ایک فردوس کی حکایت کیا
جنتیں بے حساب دیکھی ہیں
فیض عالم کے آستانے پر
رحمتیں بے نقاب دیکھی ہیں

فیض عالم کی راہگزاروں پر
نقش پائے رسول ﷺ ملتے ہیں
تتلیاں رحمتوں کی رقصاں ہیں
جذب و مستی کے پھول کھلتے ہیں

فیض عالم سے سبز گنبد پر
رحمتوں کا نزول ہوتا ہے
ان کے در سے سکون ملتا ہے
جب کبھی دل ملول ہوتا ہے

مرمریں تابناک دیواریں
غمزدوں کو قرار دیتی ہیں
ان پہ تعظیم سے نگاہیں ڈال
یہ مقدر سنوار دیتی ہیں

تربت گنج بخش پہ آ کر
عبدیت کو فروغ ملتا ہے
اہل ایماں کو آپ کے در سے
لامکاں کا سراغ ملتا ہے

قدسیوں کے ہجوم صف بستہ
حور و غلماں طواف کرتے ہیں
گردش دہر کے اسیروں کو
فیض عالم معاف کرتے ہیں

التجائیہ

ڈاکٹر آغا یمین

ہے مجھے کامل یقیں ذات خدائے پاک پر
فضل دائم ہے کیا اس بندۂ غمناک پر

الکرم یا گنج بخش فیض عالم الکرم

نام نامی آپ کا، سید علی مخدوم ہے
خطہ لاہور کیا سارے جہاں میں دھوم ہے

الکرم یا گنج بخش فیض عالم الکرم

رہنمائے پیر کامل آپ ہیں پیروں کے پیر
ہادی دین محمدﷺ آپ سب کے دستگیر

الکرم یا گنج بخش فیض عالم الکرم

کیجئے ہم پر کرم، کروایئے ہم پر کرم
آپ ہیں آل محمدﷺ یا علی محترم

الکرم یا گنج بخش فیض عالم الکرم

رباعیات گرامی

مولانا عبدالقادر گرامی

در حضرت شیخ عرضا ما بے ادبی ست
آں شیخ کہ نائب رسول عربی ست
ما از در گنج بخش محروم رویم
در قاعدۂ کرم بسا بو العجبی ست

ما بر درِ گنج بخش آ ہے کر دیم
با آہ باوج عرش را ہے کر دیم
مفتاح خزینۂ ادب یعنی دل
نذرِ خاصان بارگاہ کر دیم

اے سید پاک برگرامی نظرے
کافتادہ بدام فتنہ بے بال و پرے
من رخت کجا برم ز درگاہ کریم
مانند تو گنج بخش نا مد دگرے

اے خواجہ فقیر گنج بخش آمدۂ
در فقر امیر گنج بخش آمدۂ
گردِ سر گنج بخش گردی اے چرخ
تو نیز اسیر گنج بخش آمدۂ

پیر سالک طریق علی ہجویری داتا گنج بخش صاحب

یا علی ہجویری داتا گنج بخش　　واہ! ذات ہمچناں مسجد درخش
ندریں لاہور شہرے لا جرم　　ذات پاکت ہست قندیل حرم

جوق جوق آیند مردم بر درت
فیض بخشی واہ! عالی مرتبت

پیر کامل آفتاب لازوال　　پیکر تو ہست ظل ذی الجلال
فیض روحانی ز تو حاصل بود　　از نگاہ مہر تو دل "دل" بود

جانفزا ساز نسیم لطف تو
واہ! اعجاز شمیم لطف تو!

در ہمی آیند روز و شب ملک　　از پے طوف و زیارت از فلک
گنج بخشے! گنج اسرار و رموز　　انتسابت ہست از روئی کنوز

می شود دنا قدسیاں پرواز تو
ہست از لاہوت عالم ساز تو!

ہر چہ اوصاف بگویم کم بود　　از کمالت دیدہ حیرانم بود
چشمہ دینی علوم و معرفت!　　بارہا پیدا شدہ محروم سرت!

بودہ از تو سو بہ سو دینی باغ
کردی افروزاں بہ ظلمت ہا چراغ

سر بسر نور ہدایت ہست تو　　بود بیعت روز و شب بر دست تو
ایں چنیں تو دینی خدمت کردہ　　جائے با معدوم ظلمت کردہ

مرشدے مقبول درگاہ رسول ﷺ
ہر چہ بودہ پرورش بودے حصول

خدمت دیں راز ے شب کاریت　　واہ! عشق صدق را سر شادیت
آفریں صد آفریں عالی ہمم　　آفریں صد آفریں! یا ذاالعلم!

واہ واہ! اے مرشد سالک طریق
ہجویری! تیراک دریائے عمیق

لک انت الولی ذوالکمال　　زومنۃ لک من بدیعات الجمات

تشنگان آب عرفاں روز و شب　　از تو می یابند سیرابی عجب

طالباں را بر درت آسودگی
می شود حاصل بہ صد بہبودگی

زاہدانہ بے نیازی می وہد　　ذات پاکت شرح اللہ الصمد
درگہے تو ہست چہ دار الاماں　　ہمچناں کہ صحن گلزار جناں!

تحفہ تحسین اے عالی مقام!
ہست گل ہائے عقیدت والسلام

محمد حسین بےچمن رچھوری بدایونی

داتا گنج بخش کے اقوال زریں

محمد صدیق خیر آبادی

☆ نفس کی مخالفت تمام مجاہدوں کی اصل ہے۔

☆ رضائے الٰہی اس دل میں تشریف فرما ہوتی ہے جو نفاق سے پاک صاف ہو۔

☆ عارف کے لئے عالم ہونا لازمی ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر عالم عارف بھی ہو۔

☆ بندے کے لئے سب سے دشوار خدا کی معرفت ہے۔

☆ راہ حق کے سالکوں کا پہلا مقام توبہ و استغفار ہے۔

☆ بوڑھوں کو چاہئے کہ وہ جوانوں کا پاس و لحاظ رکھیں اور جوانوں کو چاہئے کہ وہ بوڑھوں کا ادب و احترام کریں۔

☆ غذا کے بغیر چارہ نہیں لیکن شرط مروت یہ ہے کہ حد سے نہ بڑھو۔ (کھانے کے معاملات میں بے اعتدالی نہ ہو)

☆ تیری خوشی اور تیرا غم سب رضائے حق کے لئے ہونا چاہئے۔

☆ تحفہ و ہدیہ کے طور پر جو کچھ (بلا طلب) آ جائے اسے قبول کر لو۔

☆ جہاں تمہاری عزت کا لحاظ نہ ہوتا ہو وہاں ہرگز نہ جاؤ۔

☆ دین دار لوگوں کو خواہ وہ کیسے ہی غریب و نادار ہوں چشم حقارت سے نہ دیکھو کہ اس سے فی الجملہ خدا تعالیٰ کی تحقیر لازم آتی ہے۔

☆ جو تواضع اختیار کرتا ہے اللہ اس کی دنیا و آخرت سنوار دیتا ہے۔ خدا کا طالب بن تاکہ اپنی مراد کو پہنچے۔

☆ ایثار یہ ہے کہ اپنے ساتھی کا حق نگاہ میں رکھے۔ ضرورت ہو تو اپنا حصہ بھی اسے دے دے۔

☆ طالب کے لئے لازم ہے کہ وہ تکبر اور خود پسندی ترک کر دے۔

☆ فقر یہ ہے کہ ماسوی اللہ سے تمہارا دل خالی ہو جائے۔

☆ تم ہفت ہزاری ہو جاؤ تو کیا ہو جائے گا، آخر تم مٹی بورگرد ہو، یہی تمہارا انجام ہوتا ہے۔

☆ جب دیکھو اللہ تعالیٰ کی صفت اور قدرت کو دیکھو۔

☆ تصوف کبھی ایک حقیقت تھی بے نام۔ آج ایک نام ہے بے حقیقت۔

☆ صوفی وہ ہے جس کے کردار و گفتار میں ہم آہنگی ہو۔

☆ شوق محبت میں جتنی زیادتی ہو گی اسی قدر شریعت کی عظمت بڑھے گی اور احکام الٰہی کی پیروی آسان ہوتی جائے گی۔

☆ نفس پر غلبہ پانے کے لئے ہمت کو جمع کرو، جب ہمت یکجا ہو جاتی ہے تو نفس کا غلبہ ختم ہو جاتا ہے۔

☆ معرفت، شوق محبت ہی کا نام ہے اور شوق محبت کا نشوونما اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے ہوتا ہے۔

☆ دس چیزیں دس چیزوں کو مار دیتی ہیں تو بہ گناہ کو، جھوٹ رزق کو، صدقہ بلا کو، غصہ عقل کو، تکبر علم کو۔۔۔۔۔۔

☆ اگر تم حقیقی زندگی کے طالب ہو تو طمع چھوڑ دو۔

☆ عارف وہ ہے جو آنحضرت ﷺ کی سنت کا زیادہ سے زیادہ متبع ہو۔

☆ مخلوق کا مخلوق سے طالب امداد ہونا ایسا ہے جیسے قیدی، کا قیدی سے مدد چاہے۔

☆ پسندیدہ ترین عمل اخلاص ہے۔

☆ عمل کو اپنے اوپر لازم کر لو۔ علم بے عمل ایسا ہے جیسے جسم بے روح۔

☆ یہ ضروری نہیں کہ جو زیادہ متقی و پرہیز گار ہو وہ امن و عافیت میں رہے۔

☆ تحصیل علم واجب اتنی ہی ہے جس قدر عمل کی درستی و اصلاح کے لئے ضروری ہے۔

☆ اے اللہ! علی کو پہلے شکر و سپاس کی توفیق بخشی اور پھر فقر عطا فرما، اور پھر اس پر اسرار و معرفت کا دروازہ کھول دے۔

☆ ہر نبی درجہ ولایت پر بھی فائز ہوا لیکن کوئی ولی مرتبہ نبوت کو نہیں پہنچا۔

☆ میں عثمان جلابی کا بیٹا علی، اس شخص کو زیادہ دوست رکھتا ہوں جو سماع میں نہ پڑے اور عوام کے لئے تو اس میں بڑے خطرے اور گمراہی کے امکانات ہیں۔

☆ ایک ساعت کا انصاف ہزار برس کی عبادت سے بہتر ہے۔

☆ تمام ملک کا بگاڑ ان تین گروہوں کے بگڑنے پر موقوف ہے۔ حکمران جب بے علم ہوں، عالم جب بے عمل ہوں، اور فقرا جب بے توکل ہوں۔

☆☆☆

امرتسری سویٹ شاپ (رجسٹرڈ)

قائم شدہ 1947ء

خالص دیسی گھی سے تیار کردہ

سپیشل بیسن کا تہہ والا پتیسہ بنانے والے

برانچز:

1-بیڈن روڈ لاہور فون: 7321515-7233939 ● C-893 مولانا شوکت علی روڈ فیصل ٹاؤن لاہور فون: 5177741

کشف المحجوب سے ایک اقتباس

خدائے بزرگ و بلند نے ہمیں اس زمانے میں پیدا کیا
جب لوگوں نے حرص و لالچ کا نام شریعت
اور تجرد و جاہ و ریاست کی طلب کا نام عزت اور علم
اور ریائے خلق کا نام خوف الٰہی
اور دل میں کینہ پوشیدہ رکھنے کا نام علم
اور لڑائی جھگڑے کا نام بحث و مباحثہ
اور ہذیانِ طبع کا نام معرفت
اور نفسانی باتوں اور دل کی حرکتوں کا نام محبت
اور خدا کے راستے سے منحرف اور بے دین ہونے کا نام فقر
اور حق تعالیٰ اور آخرت پر ایمان نہ رکھنے کا نام فنا فی اللہ
اور ترکِ شریعت کا نام طریقت رکھ لیا ہے۔

صابری سٹور ڈیلران پی وی سی شیٹ
22 بیڈن روڈ لاہور 0300-8429047,042-7231434

درود پاک پڑھنے کے فوائد

- درود پاک پڑھنے والے کی دعا قبول ہوتی ہے۔
- درود پاک پڑھنے والے کا کندھا جنت کے دروازے پر حضور ﷺ کے کندھے مبارک کے ساتھ چھو جائے گا۔
- درود پاک پڑھنے والے کے سارے کاموں کے لئے قیامت کے دن حضور ﷺ متولی (ذمہ دار) ہو جائیں گے۔
- درود پاک پڑھنے والے کو جانکنی میں آسانی ہوتی ہے۔
- درود پاک پڑھنے والے کا درود شریف فرشتے دربار رسالت میں لے جا کر یوں عرض کرتے ہیں:
  ''یارسول اللہ ﷺ فلاں کے بیٹے فلاں نے حضور کے دربار میں درود پاک کا تحفہ حاضر کیا ہے۔
- درود پاک پڑھنے والے کا گناہ تین دن تک فرشتے نہیں لکھتے۔
- درود پاک پڑھنے والا قیامت کے دن سب سے پہلے آقائے دو جہاں ﷺ کے پاس پہنچ جائے گا۔
- درود پاک پڑھنے سے دل کی صفائی حاصل ہوتی ہے۔
- درود پاک پڑھنے سے سید الانبیاء حبیب خدا ﷺ کی محبت بڑھتی ہے۔
- فرشتے درود پاک پڑھنے والے کے ساتھ محبت کرتے ہیں۔

(جذب القلوب سے انتخاب)

منجانب: طارق محمود

ایک بات یادرکھو اس وقت پھر کچھ نوجوانوں کو منظم ہونا ہوگا جو اسلامی نظریہ حیات کے متوالے ہوں۔ وہ دباؤ کی سیاست نہ کریں۔ مسلکی منافقتیں ان کا قبلہ مقصود نہ ہوں۔ وہ ایک دوسرے کو کنارے لگانے کے لئے کوشاں نہ ہوں۔ ان کا ایک ہی مقصد ہو، حق اور سچ صرف اسلام ہے۔ ملوکیت، بادشاہت، جمہوریت سب بت ہیں، جنہیں ہم نے توڑنا ہے اگر ایسی کوئی دوٹوک قوم میدان عمل میں کود پڑے تو اللہ پاک اسے نصرت سے نواز دے گا۔ تو جوانوں کو وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔

گفتنی و ناگفتنی سے ایک اقتباس

محتاج کرم: محمد شعیب بھٹی

آج اسلام سے دوری نے انسان سے انسانیت چھین لی ہے۔ انسانی وجود میں شیطان نے اپنے خونی پنجے گاڑھ رکھے ہیں۔ شرافت کی جگہ شرارت آگئی ہے۔ فسادات کی آگ آبادیوں کی جھلسا رہی ہے، امن عالم کے لئے ایٹم بم خطرہ نہیں خود انسانوں کی خودکشی کے لئے تیاری ہے۔ انسانوں کو بچانا ہی جہاد ہے اور بلاشبہ یہ جہاد مسلمان ہی کر سکتے ہیں۔

گفتنی و ناگفتنی سے ایک اقتباس

منجانب **غضنفر علی**

دراصل بات یہ ہے کہ ہم سوچیں کہ ہم سے غلطی کیا ہوئی ہے، ہم نے ٹھوکر کہاں کھائی ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ ہم نے مصر سے اسلام آباد تک اللہ کے نظام سے بے وفائی کی ہے۔ ہم سب نظام مصطفیٰ کے چور ہیں۔ نظام شریعت کو ہم نے پامال کیا ہے۔ کل تک کچھ لوگ تو نظام الاسلام کی بات کرتے تھے آج وہ بھی بددینی سیاست کے سرطان سے دوچار ہو چکے ہیں۔

گفتنی و ناگفتنی سے ایک اقتباس

منجانب: نیو اتفاق گولڈ میسٹ لیبارٹری **ایم سکندر اینڈ برادرز**
شیخ مارکیٹ دوکان نمبر E-2545 کوچہ احمد ایاز سوہا بازار، رنگ محل لاہور۔ فون: 7665570

کہتے ہیں انسان میں تین خصلتیں آجائیں تو
معاشرتی بے ناتی کا شکار نہیں ہوسکتا
مشکوک لوگوں سے علیحدگی اختیار کرے
حسن آداب کا اظہار کرے
اور
کسی بھی شخص کو تکلیف پہنچانے سے گریز کرے۔

گفتنی و ناگفتنی سے ایک اقتباس

منتخب: **ظفر اللہ خان**
(گرین ٹاؤن لاہور)

مسلمان حکمران اپنے دشمنوں کو قوم کا خون پلا رہے ہیں اور گوشت کھلا رہے ہیں۔ مذہب کو کمزور کرنے کے لئے مذہبی لبادے میں ہمفرے تلاش کئے جا رہے ہیں، وقت آ پہنچا ہے کہ زمین کا باطن زمین کے ظاہر سے اچھا ہو گیا ہے اور ظاہر ہے زمین میں رہنے والے زمین پر رہنے والوں سے اچھے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ زمانے بھر کے وحشی مزاروں کی امن کا ہوں میں بسنے والوں کے درپے ہوگئے۔ فوجی بھی اور غیر فوجی بھی، قلم در دست مفتی بھی اور بندوق بر دوش مجاہد بھی۔ خدارا انہیں کوئی بتائے یہ تو تمہارے محسن ہیں اور ان کے مزار ادھیڑنے سے انہیں کیا ملے گا۔

گفتنی و ناگفتنی سے ایک اقتباس

منتخب: صاحبزادہ حسنات احمد مرتضے **جومنی**

اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہم نے مغربی گایوں کے دم پکڑ لیے ہیں ـــــ دین مبین کو چھوڑ دیا ہے ـــــ عیاشیوں میں مگن ہو چکے ہیں ـــــ تدبیر اور دماغ کے درمیان کوہ قاف اتنے فاصلے حائل کر چکے ہیں ـــــ تاجر اسلامی تجارت سے ناآگاہ ہیں ـــــ علماء کو فکر ہی نہیں کہ اسلامی تہذیب پر ڈاکہ ڈالا جا رہا ہے ـــــ پیرانِ عظام کو مقصد حیات سے غافل ہونے کا مرض لاحق ہو چکا ہے ـــــ ناقص ذہن کم قیمت اہداف پر جان ضائع کر رہے ہیں ـــــ سیاست دان مداہنت بلکہ منافقت کا شکار ہو چکے ہیں ـــــ دین کا نام نہ لینا ضرورت سمجھی جانے لگی ہے۔

گفتنی و ناگفتنی سے ایک اقتباس

منجانب: **ڈاکٹر محمد آصف** (ساہیوال)

خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد مبارک

عام مومنوں کے مقام کی انتہا ولیوں کے مقام کی ابتداء ہے۔

ولیوں کے مقام کی انتہا شہیدوں کے مقام کی ابتداء ہے۔

شہیدوں کے مقام کی انتہا صدیقوں کے مقام کی ابتداء ہے۔

صدیقوں کے مقام کی انتہا نبیوں کے مقام کی ابتداء ہے۔

نبیوں کے مقام کی انتہا رسولوں کے مقام کی ابتداء ہے۔

رسولوں کے مقام کی انتہا اولوالعزم کے مقام کی ابتداء ہے۔

اولوالعزم کے مقام کی انتہا حبیب خدا محمد مصطفیٰ ﷺ کے مقام کی ابتداء ہے۔

اور حبیب خدا ﷺ کے مقام کی انتہاء اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی جانتا ہی نہیں ہے۔

(تذکرہ مشائخ نقشبندیہ ص ۵۸)

محمد ابو ذر مکہ کالونی کالج روڈ لاہور

ایمان اور عقیدہ کبھی مرا نہیں کرتے، ایسی انسانی روحیں جو عظمتوں کے عرش پر بوسہ زن ہونے کی خواہش رکھتی ہوں انہیں یہ شعور بیدار کرنا چاہئے کہ رفعتوں کے آسمان تک اسلام کی سیڑھی بغیر چڑھنا امر محال ہے۔ یاد رکھو! جب ہر حوالہ مشکوک ہو جائے، جب ہر منصوبہ بندی تاریک پڑ جائے اور ہر مسیحا بے اعتبار ٹھہرے، اُس وقت سے درس ضرور لینا جب مقدس خون کو خاک میں ملانے والے کعبہ کو بھی ڈھا چکیں تو ایک تدبیر پا بہ زنجیر زمین کی آواز سے ابھرے گی اور وہ تمہیں بتائے گا ایمان اور عقیدہ ہر زمانے میں آزاد ہوتے ہیں

گفتنی و ناگفتنی سے ایک اقتباس

منجانب: **سید آٹو موبلز**

بابو بازار، صدر بازار راولپنڈی۔ فون: 5566544,5563743

"جب تم خرید و فروخت میں دھوکہ بازی کا شکار ہو جاؤ گے

اور گایوں کے دم پکڑے رہو گے

اور

زمینوں سے آمدن ہونے پر خوش ہو گے

اور

جہاد چھوڑ دو گے

تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت مسلط کر دے گا جس کو اُس وقت تک دور نہیں فرمائے گا

جب تک تم دین کی طرف واپس نہ آؤ گے ____"

حدیث رسول ﷺ

منجانب: **فیصل رفیق قریشی**

پاکستان میں سائیکل ٹائر و ٹیوب بنانے میں اول

سروس

مشتاق رفیق ایسوسی ایٹس

ڈسٹری بیوٹرز

سروس انڈسٹریز لمیٹڈ گجرات

[برائے ٹائر ٹیوب]

اقبال پارک فیصل آباد۔ فون 041-2640810,2643554

محمد یٰسین
0321-4450031

عبداللہ یٰسین ٹریولز اینڈ ٹورز

حج وعمرہ

گروپ اور فیملی کے لئے خصوصی رعایت

28 21 14 7
دن پر مشتمل سستے ترین عمرہ پیکج

تمام ائرلائنز کے سستے ترین ٹکٹ

دوبئی چائنہ ملائشیا سنگاپور تھائی لینڈ کے وزٹ ویزے

آفس فسٹ فلور آصف میڈیکل سٹور مین بازار چوک لیاقت آباد لاہور

Tel: 042-35855166, 35917755: Fax: 042-5917756
E-mail: abdullahyasintravels@hotmail

مسلمانو!

یہ تمہارے نقشبندی،

یہ قادری،

یہ چشتی

اور یہ سہروردی

دراصل نازک دور میں حفاظت عقیدہ

کی مقدس تدبیر اور معاملہ بندی تھی۔

الحمدللہ ملائے بے ہنر کو کیا معلوم ان زاویوں نے کیا خیرات بانٹی ہے۔

تصوف کی آماجگاہوں سے فیض حاصل کرنے والو!

اب تمہاری ذمہ داری ہے

کہ اپنے زمانے کے بدمعاشوں کو پہنچانو۔۔۔

ظالم سماج کے منصوبے پرکھو۔۔۔

اپنے قاتلوں کی ذہنیت پڑھو وہ کتنے ذلیل لوگ ہیں۔

گفتنی و ناگفتنی سے ایک اقتباس

مخاطب **عبدالمجید مغل** (ناظم اعلیٰ وفاقی وشمالی علاقہ جات جماعت اہلسنت پاکستان)

سلام ان پر درود ان پر

وہ نور یز داں ہیں سلام ان پر

وہ بوئے عرفان ہیں سلام ان پر

وہ رنگ وحدت ہیں سلام ان پر

وہ آیہ رحمت ہیں سلام ان پر

مصطفٰی جان رحمت پہ لاکھوں سلام

گفتنی نا گفتنی سے اقتباس

منجانب: ڈاکٹر محمد آصف

الریاض کلینک، مین روڈ کوٹ لکھپت اسٹیشن، اتحاد کالونی لاہور 0306-4556264

Breaking News

WORTH BOOK POINT
Presents

WORTH 630

A VARIETY STORE

CROCKERY, COSMETICS, PERFUMES,
JEWELLERY, PLASTIC WARE
NEW BORN BABY, LADIES & GENTS VARIETY

Once Come &see
We Are Serving You Better

630-R MODEL TOWN EXT, LAHORE.
PH:042-5863335,CELL:0333-4543335

فون جہاں مرضی گھمائیں

ایزی لوڈ، کارڈ، کنکشن اور ریپئرنگ کیلئے
ہمارے پاس تشریف لائیں

فوٹو کاپی، کلر کاپی، لیمینیشن، TV ریموٹ، وائرلیس بیٹری و چارجز، موبائل بیٹری، چارجر، کیسنگ، ہینڈ فری، و دیگر اسیسریز کیلئے

امتیاز احمد شیخ

موبائل: 0301-8484794

FNF's کلاسنٹ موبائلز، رکشا روڈ بالمقابل ماجھا نیجی والا "S" بلاک ماڈل ٹاؤن، ایکسٹینشن لاہور۔

اسلامی معاشرے کی یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ اس میں افراد اخلاقی اسلحہ سے قوت حاصل کرتے ہیں ۔اس میں وحدت انسانی کا مقصد خوب روشن ہوتا ہے۔ یہاں فخر و غرور کی بجائے عجز و انکساری سکھائی جاتی ہے ۔ یہاں حقوق کے لئے ہڑتالوں کی بجائے فرائض کی ادائیگی پر زور دیا جاتا ہے۔ ایمانی اور اسلامی اقدار ہر مسلمان کو دانا اور پرہیز گار بنا دیتی ہیں یہاں دوسروں کی عیب چینی نہیں کی جاتی بلکہ پردہ پوشی کا مسلک اختیار کیا جاتا ہے۔

وہ لوگ جو دین اسلام کا درد رکھتے ہیں
شریعت مطہرہ کی بالادستی دل و جان سے تسلیم کرتے ہیں
اصول و فروع کا مرجع قرآن تصور کرتے ہیں
اور حضور ﷺ ہی کی ذات کو امام کائنات تسلیم کرتے ہیں
انہیں سر جوڑنا چاہیے
حکمرانوں کے ہاتھوں کی طرف دیکھنا چھوڑ دینا چاہیے
وہ تو دین دار طبقہ کے ساتھ بیٹھنے کے بھی روادار نہیں
علماء ان کے دروازوں پر رلتے ہیں
اور
وہ فرعون بنے کسی کی پروا تک نہیں کرتے
اسلام کی بقا اور ترقی کے لیے دردمند مسلمانوں کو خود ہی سوچنا ہوگا۔

گفتنی و ناگفتنی سے ایک اقتباس

منجانب: **ڈاکٹر محمد سلیم** ایمرجنسی سنٹر جندیالہ روڈ شیخوپورہ

گفتنی و ناگفتنی سے ایک اقتباس

منجانب: وزیر علی قریشی

ہماری تاریخ الگ ہے۔ ہم لوگ تربیت اور سوچ کی اپنی آماجگاہیں رکھتے ہیں۔ ہمارے فیض کے اپنے سرچشمے ہیں۔ دنیا میں پیٹ کی ضرورتیں کبھی موت تک نہیں پہنچاتیں۔ عیاشیاں اور رفاہیتِ ناقصہ انسان کو محروم کرتی ہے۔ یہ زلزلہ بھی تمہاری دنیا میں مغربی شیطانوں سے بپا ہوا ہے۔ دولت کی غلط تقسیم، اقتدار کا بے محابا اور غلط استعمال اور ظلم کے ہلاکت آفریں رویے ہمیں نظامِ مصطفیٰ سے ہزاروں میل دور لے جا چکے ہیں۔

کنتنی و ناگفتنی سے ایک اقتباس

منجانب:

بھائی جان سویٹس اینڈ بیکرز

بیرون لاہوری گیٹ لاہور۔ فون: 37661766

FES

FAST ENGINEERING SERVICES

Major Clients

Honda

HONDA

MASSEY FERGUSON

Nestle

Metaline Engineering

Sapphire

Metal Craft

We are committed to meet and exceed the customer requirements including any regulatory requirements. We shall continually improve our system through participation of our employees to cater for the growing needs of the customers.

12-Ayyub Road, PECO Road Kot Lakhpat, Lahore-Pakistan.
Ph: +92-42-5017001, E-mail: farooq.fes@hotmail.com

FAST ENGINEERING SERVICES